رب اشرح لی صدری

الجواهر النقية

في

شرح المقدمة الجزرية

تالیف

حضرت صاحب الفضیلۃ الاستاذ الجلیل المقری

اظہار احمد التھانویؒ

قرائت اکیڈمی
لاھور

www.KitaboSunnat.com

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي

الجواهر النقية

فی

شرح المقدمة الجزرية

از

فضیلۃ الشیخ المقری اظہار احمد تھانوی

قراءۃ اکیڈمی
۲۸۔ الفضل مارکیٹ ۱۷۔ اردو بازار لاہور۔۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

235

10973

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔)

نام کتاب ـــــــ الجواہر النقیہ فی شرح المقدمۃ الجزریہ

مصنف ـــــــ فضیلۃ الشیخ المقری اظہار احمد تھانوی

تعداد ـــــــ (۱۰۰۰)

ضخامت ـــــــ ۳۰۴ صفحات

ٹائیٹل ـــــــ حضرت سید نفیس حسین رقم مدظلہ العالی

طابع ـــــــ قرآءت اکیڈمی

و ناشر ـــــــ ۲۸۔الفضل مارکیٹ ۱۷، اردو بازار لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآءت اکیڈمی کی مطبوعات درج ذیل جگہوں پر بھی دستیاب ہیں

کراچی : علمی کتاب گھر' اردو بازار کراچی

مکتبہ برہان اردو بازار کراچی

لاہور : مکتبہ سید احمد شہید الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

نعمانی کتب خانہ' حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

بھاولپور : پاکستان بک کمپنی بھاولپور

مکتبہ صدیقیہ نور محل روڈ بھاولپور

کوئٹہ : مکتبہ رشیدیہ' سرکی روڈ کوئٹہ

مکتبہ ماجدیہ' عیدگاہ طوغی روڈ کوئٹہ

پشاور : مکتبہ امدادیہ' محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور

مکتبہ رحمانیہ' محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور

راولپنڈی : کتب خانہ رشیدیہ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

گوجرانوالہ : مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

مینگورہ : مکتبہ القرآن والحدیث نیو روڈ مینگورہ سوات

مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ مینگورہ سوات

قرآءت اکیڈمی' ۲۸-الفضل مارکیٹ' ۱۷ اردو بازار لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ جزری رحمۃ اللہ

شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد بن علی جزری، دمشق میں ۲۵ رمضان ۷۵۱ھ (مطابق ۱۳۵۰ء) کو پیدا ہوئے پندرہ سولہ سال کی عمر میں حفظِ قرآن کے علاوہ فقہ شافعی کی مشہور کتاب اَلتَّنْبِیۡہُ، قراءت میں اَلشَّاطِبِیَّہ اور اَلتَّیْسِیْر حفظ کیں۔ تقی الدین بغدادی، ابن الحسین حنفی اور شیخ ابن اللبان وغیرہ آپ کے اساتذہ ہیں۔ فقہ میں جمال الاسنوی، ابن رسلان اور ابوالبقاء سبکی وغیرہ سے استفادہ کیا، حدیث میں ابن عبدالکریم حنبلی، بہاؤ الدین امینی، ابن المحب مقدسی اور علامہ ابن کثیر وغیرھم آپ کے شیوخ ہیں۔ شیخ کبری زادہ فرماتے ہیں۔ سَمِعَ الحَدِیْثَ مِنْ جَمَاعَۃٍ۔ ایک لاکھ حدیث کے حافظ تھے۔ حدیث، فقہ اور قراءت تینوں میں مہارت پیدا کی۔ سخاوی فرماتے ہیں اذن لہ غیر واحد بالافتاء والتدریس والاقراء۔ (بہت سے مشائخ نے آپ کو افتاء درس و تدریس اور قراءت پڑھانے کی اجازت سے نوازا) تقریباً چالیس مشائخ سے دمشق، مکہ، مدینہ، قاہرہ اور اسکندریہ گھوم پھر کر علم قراءت میں استفادہ کیا، چنانچہ دمشق میں شیخ القراء کے منصب پر فائز ہوئے۔ اس زمانہ میں شام مملکتِ مصر کا ایک صوبہ تھا۔ شاہ مصر ملک الظاہر سیف الدین برقوق نے آپ کو الجامعۃ الصلاحیہ میں امورِ تعلیمی کا ناظم مقرر کیا، گورنر شام امیر التمش نے ۷۹۷ھ میں آپ کو شام کے عہدہ قضا پر مامور کیا۔ لیکن امورِ قضا کے بعض اہم واقعات میں آپ کو حکومت سے اختلاف ہوا۔ حاسدوں کی ریشہ دوانیوں سے مرکزی حکومت نے سخت گیری اور ناروا سلوک کیا۔ مجبوراً آپ نے دمشق کو چھوڑ کر بروصا (روم) کی ہجرت اختیار کی، شاہ روم بایزید بن عثمان جس نے علامہ جزری کا شہرہ پہلے ہی سُنا تھا، آپ سے بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اور بروصا میں مستقل قیام کی درخواست کی۔ جس کو آپ نے منظور فرمایا۔ تدریس و تالیف کا فیض جاری ہوا، علوم کے قدر دانوں بالخصوص علمِ قراءت کے ہزاروں پروانوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ ۸۰۵ھ میں امیر تیمور لنگ نے ترکی اور روم کی سلطنت پر زبردست حملہ کیا، جس کے نتیجہ میں یہ سلطنت تباہ ہو گئی۔ سلطان بایزید نے تیمور کے ہاتھوں گرفتار ہو کر بے بسی کے عالم میں وفات پائی۔ امیر تیمور کو زر و جواہر کے علاوہ چیدہ چیدہ ماہرین علوم و فنون کو بھی اپنے دارالسلطنت سمرقند میں جمع کرنے کا شوق تھا، چنانچہ علامہ جزری اور دیگر چند منتخب علماء کو اس نے باعزت تمام اپنے ہمراہ چلنے پر مجبور کیا۔ شاہی لشکر کے ہمراہ ماوراء النہر کے بڑے بڑے علمی شہروں میں تشریف لے گئے، دورانِ قیام بڑے بڑے مقامی علماء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے آپ سے استفادہ کو نعمت کبریٰ سمجھا، وجہ یہ تھی کہ آپ کی تصانیف پہلے ہی علماء کے ہاتھوں میں پہونچ چکی تھیں، تیمور کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ صاحب مکاشفہ ہیں جب چاہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ ۸۰۷ھ میں تیمور کا انتقال ہوگیا۔ آپ خراسان، ہرات، یزد اور اصفہان ہوتے ہوئے ۸۰۸ھ میں شیراز پہونچے۔ حاکم شیراز پیر محمد جو تیمور کا پوتا تھا۔ علامہ کا بے حد معتقد تھا۔ اس نے آپ کو شیراز میں قیام پر مجبور کیا۔ اور قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ ایک مدت بعد ۸۲۷ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں سے قاہرہ پہونچے، علماء اور طلباء نے دور دور سے حاضر ہوکر آپ کی زیارت کی۔ قاہرہ میں سینکڑوں قراء اور علماء کا ہجوم تھا۔ بطور برکت کے سب نے آپ سے قراءت میں چند آیات سنیں اور اجازت حاصل کی، انہی علماء میں شارح بخاری، حافظ ابن حجر بھی جو ابھی جوان تھے، موجود تھے، علاوہ ازیں مسند احمد اور مسند شافعی وغیرہ کا بھی درس دیا اور اجازت مرحمت فرمائی۔ شیراز واپس تشریف لائے ایک بہت بڑا مدرسہ دار القرآن قائم فرمایا۔ واضح رہے کہ دمشق میں بھی ایک درسگاہ اسی نام سے آپ قائم فرما چکے تھے نیز یاد رہے کہ بعض حضرات نے مدرسہ کا نام دار القراء لکھا ہے یہ ان کا وہم ہے۔

علم قراءت میں آپ کے دور سے لے کر آج تک کوئی آپ کا ہمسر نہیں ہوا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ اِنتھت الیہ ریاسۃ علم القراءات فی الممالک۔ (دنیا میں علم قراءات کی ریاست آپ پر منتہی ہوئی) علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔ قد تفرد بعلم القراءات فی جمیع الدنیا (آپ علم قراءات میں ساری دنیا میں منفرد تھے) علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔ لانظیرلہٗ فی القرآءات فِی الدنیا فی زمانہ حافِظًا للحدیث (آپ کے زمانہ میں دنیا میں علم قراءات میں آپ کی کوئی نظیر نہیں تھی آپ حافظ الحدیث تھے) حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محل فرماتے ہیں۔ ” واز مجددین صدی ہشتم زین الدین عراقی وشمس الدین جزری وسراج الدین بلقینی“ (آٹھویں صدی کے مجددین میں سے زین الدین عراقی، شمس الدین جزری اور سراج الدین بلقینی تھے)۔ علامہ نے مختلف فنون پر قریباً پینتالیس کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے اَلنَّشر، تقریبُ النشر، اَلدُّرّہ، منجد المقرئین، مقدمۃ الجزری، تحبیر التیسیر، طبقات القراء، التمھید، الطّیبہ اور حصن حصین مشہور ہیں ۸۲ سال کی عمر میں ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ مطابق ۱۴۲۹ء میں وفات پائی۔ اور مدرسہ دار القرآن میں سپرد خاک ہوئے۔ سقی اللہ ثراہ رحمۃً۔

اظہار احمد تھانوی

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارشات شارح

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

امابعد! محقق فن علامہ جزری خاتمۃ القراء تسلیم کیے گئے ہیں' ان کے قلم سے بے مثال تصانیف وجود میں آئیں۔ مقدمۃ الجزری انتہائی مفید مگر مختصر رسالہ ہے عربی فارسی اور اردو میں متعدد شروح لکھی جا چکی ہیں۔ تاہم ایک ایسی شرح کی ضرورت تھی جو متقدمین و متاخرین کی ابحاث کی روشنی میں لکھی جائے مگر یہ کام انتہائی عرق ریزی اور وسیع فکر و مطالعہ کا محتاج تھا' جس قدر کتابیں میسر آئیں۔ ان کی طرف رجوع کیا گیا' اور طالب علمی کا کاسہ گدائی لے کر ہر محقق فن کے دروازہ پر صدائیں لگائیں۔ اپنی عملی بے بضاعتی کے باوجود مجھے یہ اعتراف ہے کہ جب تک کسی بھی مسئلہ کا مکمل جائزہ نہیں لیا گیا' وہ معرض تحریر میں نہیں لایا گیا۔ اس شرح کی تکمیل میں میں نے شب ہائے دراز جاگتے ہوئے بسر کیں' شاید میری ہمت میرا ساتھ دینے میں قاصر ہو گئی ہوتی' مگر دوستوں کے اصرار نے مجھے بیٹھنے نہیں دیا۔ میں اپنی اس شرح کا انتساب اپنے مربی' شفیق امام التجوید و القراءت استاذ الکل حضرت القاری المقری عبدالمالک نور اللہ مرقدہ کے نام نامی پر کرتا ہوں۔

اصطلاح

ش سے مراد مقدمۃ الجزری کا شعر ہے۔

ت سے اس کا اردو ترجمہ مراد ہے۔

ل سے حل الفاو ترکیب نحوی۔

ح سے اس شعر کی شرح مراد ہے۔

علامہ مرعشی' جہد المقل میں فرماتے ہیں و اوصیھم ان لا یعجلوا بتخطئتی بسبب مخالفۃ ماذکرہ۔ کہ فنی مسائل کے ذکر میں اگر کہیں دوسرے مولفین سے مخالف بات دیکھیں تو میری تغلیط میں جلدی نہ کریں۔ میں بھی عرض کروں گا کہ اس شرح میں اگر کسی مسئلہ میں میرا بیان کھٹکتا ہو تو مہربانی فرما کر اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تغلیط میں جلدی نہ کریں۔ میں نے ہر مسئلہ پر کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ دوران تحریر حسب ذیل کتب میرے مطالعہ میں تھیں۔ نشر کبیر' للعلامتہ الجزری' تقریب النشر (ایضا) منح الفکریہ' لملاعلی قاری' شرح شیخ الاسلام زکریا انصاری' شرح رومی' شرح مولانا عبدالحق محدث دہلوی' حاشیہ فارسی عین الفکریہ' شرح اردو العطایا الوہبیہ' ترجمہ اردو مولانا قاری فتح محمد' شرح ہندی مولانا قاری کرامت علی جونپوری' فوائد مرضیہ قاری محمد سلیمان' نہایتہ القول المفید' شرح جہد المقل للعلامتہ المرعشی' بحرق' جاربردی' رضی' مفصل للزمخشری' شرح شاطبیہ لملا علی قاری' شرح شاطبیہ لابی شامہ' شرح شاطبیہ لعلی محمد ضباع' خلاصتہ البیان لمولانا قاری ضیاؤالدین' الکواکب الدریہ للشیخ محمد بن علی' اللولو المنظوم للشیخ المتولی' العقد الفرید لمولانا قاری عبدالمعبود' نوادر الاصول شرح فصول اکبری' منجد المقرئین' للجزری' غیث النفع' البدور الزاہرہ' مناہل العرفان فی علوم القرآن للزرقانی' اتقان للسیوطی' غرائب رسم القرآن للکدوی' افضل الدرر' اسہل الموارد' نجوم الفرقان (فلوگل) منارالہدی فی الوقف والابتداء المقصد لزکریا الانصاری' شرح سبعہ قراء ات' روح المعانی' صاوی شرح جلالین' شرح طیبۃ النشر لاحمد الجزری فتاوی امدادیہ کتاب الحاج للجوہری' منجد' فتح الملہم شرح' مسلم' القراء ات الشاذہ' التیسیر للدانی' وغیرہ وغیرہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ شرف قبول عطا فرمائے۔

اظہار احمد التھانوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

یقول راجی	۱
استعاذہ وبسملہ	۱۵
مخارجُ الحروف	۲۲
حروف فرعیہ	۴۴
بابُ الصفات	۴۶
حروف قویہ وضعیفہ	۶۹
باب معرفۃ التجوید	۷۲
وجوب تجوید	۷۵
بابُ استعمال الحروف	۸۴
باب الراآءات	۹۴
بابُ اللامات	۱۰۳
باب الاستعلاء والاطباق	۱۰۶
باب الادغام	۱۱۶
روایت حفصؒ میں مدغم ومدغم فیہ	۱۲۲
باب الضاد والظاء	۱۲۵
باب التحذیرات	۱۳۹
باب احکام النون والمیم	۱۴۳
باب فی احکام النون الساکنۃ	۱۴۹
اخفاء کی ادا	۱۶۱
باب المدّات	۱۶۳
باب معرفۃ الوقف	۱۸۸
وقف میں ائمہ قراءت کا معمول	۲۱۰
وقف، قطع، سکتہ	۲۱۱
باب معرفۃ المقطوع والموصول	۲۱۵
مالِ پر وقف	۲۴۲
لاتَ حِینَ	۲۴۲
چند کلمات	۲۵۰
ضروری فوائد	۲۵۱
باب رسم التاءات	۲۵۳
مختلف فیہ کلمات	۲۶۴
وقف علی مرسوم الخط	۲۶۶
اتباعِ رسم کی انواع	۲۶۶
دو اصولوں کا تصادم اور قول فیصل	۲۷۱
باب ہمز الوصل	۲۷۵
بابُ الرّوم والاشمام	۲۸۴
روم واشمام سے متعلق مباحث	۲۸۸
خاتمۃ الکتاب	۲۹۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ش۔ یَقُوْلُ رَاجِیْ عَفْوِ رَبٍّ سَامِعٍ   مُحَمَّدُ بْنُ الْجَزَرِیِّ الشَّافِعِیْ

ت۔ کہتا ہے اُمیدوار، سُننے والے رب کی معافی کا، محمد ابن جزری شافعی

حل۔ سَامِعٍ کے کسرۂ عین کو وزنِ بیت کے لئے اِشباع سے پڑھنا چاہیئے چنانچہ بعض نسخوں میں سَامِعِیْ اثباتِ یاء کے ساتھ تحریر ہے، کیونکہ اواخرِ بیت میں وزنِ بیت پورا کرنے کے لئے جو حروفِ مدہ بڑھائے جاتے ہیں اُن کو حروفِ اطلاق کہا جاتا ہے، اور ان کو لکھنا اور نہ لکھنا دونوں طرح درست ہے۔ عَفْوِ مضاف الیہ ہے، اسی لئے مجرور ہے، اور رَاجِیْ کا مفعول ٹھیرا کر اس کو منصوب پڑھنا، گو صحیح ہے مگر نحوی اعتبار سے خلافِ فصاحت ہے۔ سَامِعٍ بمعنی سُننے والا یا قبول کرنے والا۔ مُحَمَّدُ کو مرفوع پڑھنا چاہیئے کیونکہ لفظ رَاجِیْ سے (جو یَقُوْلُ کا فاعل ہے) بدل یا عطفِ بیان ہے۔ اَلشَّافِعِیْ اگر مُحَمَّدُ کی صفت ہے تو مرفوع ہے، اور اگر الْجَزَرِیِّ کی صفت قرار دیا جائے تو مجرور ہے، مگر مفہوم کے اعتبار سے پہلا احتمال زیادہ راجح ہے، اَلشَّافِعِیْ میں یاءِ نسبت ہونے کی وجہ سے مشدد ہے، مگر ضرورۃً مخفف ہے۔

شرح۔ پُرانے مصنفوں میں رواج رہا ہے کہ روایات (املاء) سے پہلے بطورِ سند قائل کا ذکر کرتے تھے، علامہ جزری رحمہ اللہ نے اسی طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے شروع ہی میں نظم کے قائل کی حیثیت سے اپنا اسم گرامی ذکر کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ ہائے مبارکہ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ کے الفاظ سے شروع ہوتے ہیں، عجب نہیں کہ ناظم رحمہ اللہ نے اسی سنتِ مبارکہ پر عمل فرمایا ہو۔ اَلْجَزَرِیِّ، مشرقِ وسطیٰ میں حدود شام کی ایک آبادی کا نام "جزیرہ ابن عمر" تھا، حضرت ناظم رحمہ اللہ کے آباؤ اجداد اسی جزیرہ کے رہنے والے تھے، اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جزری کہا گیا، تفصیل کے لئے سوانح جزری ملاحظہ ہو۔

اَلشَّافِعِیْ یعنی حضرت ناظم رحمہ اللہ شافعی المذہب[1] تھے۔ ائمہ اربعہ میں امام محمد ابن ادریس ابن عباس ابن عثمان ابن شافع مشہور امام ہیں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

بعض شراح نے لکھا ہے کہ اَلشَّافِعِیْ اَلْجَزَرِیِّ کی صفت ہے، پھر اس پر تفریع کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی مصنف بنو شافع کے قبیلہ سے ہیں[2]۔

اور بعض شارحوں نے ایک اور احتمال بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ "وہ ناظم نسب کی رُو سے شافعی ہیں[3]"، یعنی حضرت امام

---

[1] ملا علی قاری رحمہ اللہ [2] قاری رحمہ اللہ [3] قاری رحمہ اللہ [4] ابن الناظم رحمہ اللہ [5] اکمال فی اسماء الرجال [6] فوائد مرضیہ [7] عطایا وہبیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شافعی کی اولاد ہیں۔

(۲)

یہ آخری دو احتمالات صحیح نہیں، صحیح یہی ہے کہ یہ مذہبی انتساب ہے۔ چنانچہ حضرت ناظمؒ کے صاحبزادہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ تاریخ کے اس مشہور پہلو سے کون انکار کر سکتا ہے کہ علامہ جزریؒ جلیل القدر علماء شافعیہ میں سے ہوئے ہیں۔

ش۲۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَمُصْطَفَاہُ

ت۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے اپنے نبی اور اپنے برگزیدہ پیغمبر۔۔۔

ل۔ اس شعر سے آخری شعر تک یَقُوْلُ کے قول کا مقولہ ہیں، دونوں مصرعوں کے آخر میں اشباع یعنی واو مدہ اطلاقی ہے۔ لفظ نبیؐ اگر نَبَأٌ سے ہے تو بمعنی خبر دینے والا، اصل میں نَبِیْءٌ تھا۔ گویا وزن فعیلٌ بمعنی فاعل ہے، یا فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی مُخْبَرٌ مِنْ جِهَةِ اللّٰہِ تعالیٰ۔ ہمزہ کو تخفیفاً یا سے بدل کر ادغام کیا گیا، چنانچہ امام اللغت ابوعبیدؒ فرماتے ہیں نبیٌّ، بَرِیَّۃٌ، خابیۃ اور ذُرِّیَّۃٌ چار لفظوں میں اہل زبان نے ہمزہ کو یا سے بدل لیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ نَبَا یَنْبُوْ سے ہو، جو ارتفاع کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں نَبِیٌّ اصل میں نَبِیْوٌ تھا اور بقاعدہ سَیِّدٌ واؤ کو یاء سے بدل کر ادغام کیا گیا ہے۔ اول صورت میں نَبِیِّہٖ وَمُصْطَفَاہُ میں عطف بین المتغائرین ہوگا، کیونکہ مُصْطَفٰی کے معنی برگزیدہ و پسندیدہ کے ہیں اور دوسرے اشتقاق کی صورت میں عطف بین المتقاربین ہوگا،

۲۔ حمد و صلوٰۃ سے رسالہ کا آغاز فرمانے میں ارشاد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) اور سلف صالحین کے طریقہ کی پیروی کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے۔

كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ فِیْہِ بِحَمْدِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃِ عَلَیَّ فَهُوَ اَقْطَعُ وَاَبْتَرُ مَمْحُوْقٌ مِنْ كُلِّ بَرَكَۃٍ[۱]۔	ہر وہ شاندار کام کہ جس میں اللہ کی حمد اور مجھ پر درود کے ساتھ ابتدا نہ ہو وہ مقطوع عن الفائدہ، بے رونق اور ہر قسم کی برکت سے خالی ہوتا ہے۔

مُصْطَفٰی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور نام مبارک ہے صَفْوٌ سے لیا گیا ہے جس کے معنی پسندیدہ و خاص ہونے کے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَۃِ الآیۃ

حدیث میں ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدمؑ میں قبیلہ کنانہ کو، اور کنانہ میں سے

---

[۱] رواہ ابوشامۃ، فی ابراز المعانی ص ۲۳۲ مثلہ ابوداؤد عن ابی ہریرۃؓ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قریش کو، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا[1]۔ ،،

نَبِیِّہٖ کی جگہ رَسُوْلِہٖ نہیں فرمایا۔ حالانکہ وہ زیادہ بلیغ تھا کیونکہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نبی، رسول سے عام ہوتا ہے، رسول صاحب شریعت مستقلہ ہوتا ہے جب کہ نبی کے لئے یہ ضروری نہیں۔ شاید ناظمؒ کا اس طرف اشارہ مقصود ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مرتبۂ نبوت ہی میں اس صلوٰۃ و رحمت خداوندی کے لائق و شایاں ہیں تو مرتبۂ رسالت میں بدرجہ اولی استحقاق وصلاحیت کی شان رکھتے ہیں، چنانچہ آیت صلوٰۃ إِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ میں اللہ تعالیٰ نے بھی لفظ نبی ہی فرمایا ہے

دیگر یہ کہ بعض محققین کے نزدیک نبی اور رسول میں جب کہ رسول سے مراد پیغمبر ہی ہو تو کوئی فرق نہیں، چنانچہ مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"نبی اور رسول میں چند فرق بیان کئے گئے ہیں احقر آیات قرآنیہ سے یہ سمجھتا ہے کہ نبی صرف بشر کے ساتھ خاص ہے اور رسول ملائکہ کو بھی عام ہے[2]۔ ،،

لہٰذا ناظمؒ کے کلام میں کسی توجیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ بہتر ہوتا اگر ناظمؒ صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی فرماتے، کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ وسلام دونوں کا حکم فرمایا ہے[3]، پس صرف ایک پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔ پھر توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شاید سلام زبانی پڑھ لیا ہو، اس پر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام کو جمع کرنا افضل ضرور ہے مگر کسی ایک پر اکتفا کر لینا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے چنانچہ سلف کی ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور امام مسلم ابن قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" کے شروع میں ایسا ہی کیا ہے۔

تحقیق :۔

إِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓأَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔	بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی آپؐ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

"علماء محققین نے فرمایا ہے کہ صیغہ امر کا نص قطعی الثبوت وقطعی الدلالت میں، فرضیت کے لئے ہے اور مقتضی تکرار کو نہیں ہے، اس لئے صلوٰۃ عمر میں ایک بار تو فرض ہے اور جس مجلس میں آپؐ کا ذکر ہو ایک بار واجب ہے اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔ اور لفظ سلام میں ظاہر صیغۂ امر کو دیکھ کر بعض نے عمر بھر میں ایک بار اس کو بھی فرض کہا ہے، لیکن نظراً الی المعنی صلوٰۃ وسلام کا چونکہ مقصود واحد ہے اس لئے صلوٰۃ سے امر بالسلام کا بھی امتثال ہو سکتا ہے، بالاستقلال اس کی فرضیت کا ثبوت محل کلام میں ہے اور اسی اتحاد مقصود کے اعتبار سے یُصَلُّوْنَ کے ساتھ یُسَلِّمُوْنَ نہیں فرمایا۔

---

[1] رواہ مسلم [2] فالہ فی بیان القرآن تحت قولہ تعالیٰ ورسولہ النبی الامی [3] یعنی یٰٓأَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور روح المعانی میں حموی سے بحوالہ مُنیۃ المفتی نقل کیا ہے کہ اگر صرف صیغۂ صلوٰۃ پر یا صیغۂ سلام پر اکتفا کرے تب بھی مکروہ نہیں البتہ جمع اَولیٰ ہے، جیسا کہ قعدۂ اخیرہ نماز میں جمع کیا گیا ہے کہ تشہد میں سلام ہے اور آگے صلوٰۃ ہے، اور قعدۂ اُولیٰ میں صرف سلام کا ہونا صاف دلیل ہے عدمِ کراہت کی[1]۔"

بخاری و مسلم کی روایت میں[2] ہے کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ہمیں اللہ نے تعلیم فرمائی ہے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ وسلام پیش کریں، ہماری راہنمائی فرمائی جائے کہ وہ کس طرح ہوں؟

توجواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درود تعلیم فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، جس میں صلوٰۃ تو ہے مگر سلام نہیں عجب نہیں کہ صلوٰۃ معنوی طور پر سلام کو بھی شامل ہو۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مرثیۂ نبویہ میں فرماتے ہیں ؎

صَلَّى الْإِلٰہُ وَمَنْ یَّحُفُّ بِعَرْشِہٖ
وَالطَّیِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَکِ اَحْمَدِ

ش۳ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمُقْرِیْٔ الْقُرْاٰنِ مَعْ مُحِبِّہٖ

ت۔ (آں حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ پر اور قرآن پڑھانے والوں پر (اور) ساتھ ہی اُس قرآن کو دوست رکھنے والے پر۔

ل۔ مُحَمَّدٍ صاحبِ مفردات نے معنی لکھے ہیں، الذی اُجْمِعَتْ فیہ الخصالُ المحمودۃ، یعنی جس میں تمام صفات ستودہ پائی جائیں، قاموس کے مؤلف اور روض الانف کے مصنف علامہ سہیلی فرماتے ہیں اَلَّذِیْ یُحْمَدُ مَرَّۃً بَعْدَ اُخْرٰی، یعنی جسکی بار بار حمد وتوصیف کی جائے، تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔

آل سیبویہ کے نزدیک اصل میں اَھْلٌ ہے، ھا کو ہمزہ سے اور ہمزہ کو الف سے تبدیل کیا گیا، کسائی وغیرہ کے نزدیک اجوف یعنی اصل اَوَلٌ ہے، واؤ کو تخفیفاً فتحہ دیا گیا، پھر الف سے بدلا گیا ہے[3]۔ آل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وعیال مراد ہیں[4] یا مومنین بنی عبدالمطلب و بنی ہشام ہیں[5]۔ یا آپ کے تمام متبعین یعنی اُمت صالحہ مراد ہے[6]۔ آل کے لغوی معنی ہیں اولاد، کنبہ، قبیلہ، پیروی کرنے والے[7]۔

صَحْبٌ (صاد کے فتحہ وکسرہ کے ساتھ) اصل میں مصدر ہے بمعنی ہم نشین ہونا، مصدر کبھی بمعنی فاعل ہوتا ہے، اس وقت

---

[1] بیان القرآن، للمحقق التھانوی رحمۃ اللہ علیہ [2] مشکوٰۃ، بابُ الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3] طاش کبری زادہ [4] زکریا انصاری [5] ایضاً [6] ملا علی قاری [7] قاموس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کو اسم مصدر کہتے ہیں۔ مصدر کا تثنیہ و جمع نہیں آتا، جیسا کہ علامہ ابن حاجب نے کافیہ میں فرمایا المصدر لا یثنیٰ ولا یجمع، گویا یہ لفظ اپنے فاعلی معنی میں مراد ہوتے ہوئے جمع کے معنی میں بمعنی مصاحبین استعمال کیا گیا، جیسے رکب بمعنی راکبین۔ اسی لئے سیبویہ نے کہا ہے کہ یہ لفظ بمعنی مصاحبین ہے" یہ مطلب نہیں کہ یہ کسی مفرد کی جمع ہے۔

وَمُقْرِیٌ اقراءٌ (پڑھانا) سے ہے، یہ لفظ واحد اور جمع دونوں ہوسکتا ہے، جمع ہونے کی صورت میں مُقرِئین تھا، نونِ جمع اضافت اور یا رجمع اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہوئی، جیسے حاضری المسجد الحرام۔ اور مُھْلِکی القُریٰ وغیرہ ہیں۔ صیغۂ جمع ہونا شارح رومی نے اختیار کیا ہے۔ ملا علی قاری کے نزدیک یہ صیغۂ واحد ہے، اور جمع ہونا نہایت بعید احتمال ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں رومی کی رائے ہی راجح ہے بُعد کی کوئی وجہ نہیں۔ تاہم اگر واحد ہی ہو تو بھی بطور جنس کے واحد و جمع دونوں معنی کو شامل ہے، اسی طرح مُحِبّیہ ہیں، جیسے سورۂ تحریم میں وصالح المومنین، کہ گو صالح بغیر واو جمع مرسوم ہے، مگر مفسرین نے اسم جنس قرار دے کر جمع کے معنی میں مراد لیا ہے۔

۳۔ مُقرِئیِ قرآن سے حضرات تابعین، تبع تابعین بالخصوص ائمۂ قراءات و روایات اور تبعاً تمام معلمین و اساتذۂ قرآن مراد ہیں۔

قرآن سے محبت کرنے والوں کو دعا میں اسلئے شامل کیا گیا کہ حدیث میں ہے المرءُ معَ من احبّ، نیز ایک حدیث میں ہے۔

اُغد عالمًا او متعلمًا او مستمعًا او محبًا ولا تکن الخامسة فتھلکَ[۱]	عالم، یا متعلم یا علم کی سماعت کرنے والے بنو یا (کم از کم) اس سے محبت کرنے والے ہو جاؤ، اس کے علاوہ کوئی پانچویں حالت اپنے اندر نہ پیدا کرو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

درود شریف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ درود بھیجنا فرض ہے۔ یا بقول البعض جس مجلس میں آپ کا ذکر شریف بار بار ہو کم از کم ایک مرتبہ درود بھیجنا ضروری ہے، اور بعض کے نزدیک ہر مرتبہ واجب ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک غیر انبیاء علیہم السلام پر مستقلاً درود بھیجنا جائز نہیں، البتہ انبیاء کے ذیل میں غیر انبیاء کو شامل کر لینا جائز ہے۔

اور بعض آیات سے جو درود کی عمومیت مفہوم ہوتی ہے مثلاً ھو الذی یصلی علیکم وملٰئکتہ۔ اولٰئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم

---

[۱] طبرانی عن ابی بکرۃ ؓ طاش کبری زادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وتزکیھم بھا وصلّ علیھم۔ نیز حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آلِ ابی اَوفیٰ اور آل عمرو بن عاص کو دعا دیتے ہوئے فرمایا، اللّٰھم صلّ علیٰ آلِ ابی اَوفیٰ، اور علیٰ آلِ عمرو بن العاص۔ محققین نے ان آیات و احادیث میں صلوٰۃ کو بمعنی دعاءِ رحمت مراد لیا ہے ورنہ بطور شعار یہ لفظ صرف انبیاء علیہم السلام کے لئے خاص[1] ہے۔

چنانچہ قاضی عیاض مالکیؒ شفا میں فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کی رائے میں درود و سلام استقلالاً غیر انبیاءؑ پر جائز نہیں، کیونکہ توقیر و تعظیم کے باب میں یہ مخصوص اسلامی شعار ہے، لہٰذا ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم یا علی علیہ السلام کہنا جائز نہیں۔ اگرچہ معنوی اعتبار سے صحیح ہے، جیساکہ قال محمدٌ عزّ وجلّ کہنا جائز نہیں، اگرچہ معنوی اعتبار سے صحیح ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً عزیز و جلیل ہیں، لیکن عزّ وجلّ کا اطلاق بطور شعار اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے[2]۔ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً

متن۔ وَبَعْدُ فَاِنَّ هٰذِهٖ مُقَدَّمَۃٌ فِيْمَا عَلٰى قَارِئِهٖ اَنْ يَّعْلَمَهٗ

ت۔ اور اس کے بعد (یعنی حمد و صلوٰۃ کے) بعد تحقیق یہ ایک ابتدائی رسالہ ہے، اُن باتوں میں کہ لازم ہے اُس (قرآن) کے پڑھنے والے پر، کہ وہ اِن کو جانتے۔

ل۔ بَعْدُ اسماءِ ظروف میں سے ہے اکثر استعمال دو[2] طرح ہوتا ہے، یا تو مضاف الیہ مذکور ہوتا ہے، اس وقت یہ معرب ہوتے ہیں۔ جیسے مِنْ قبلِ صلوٰۃِ الفجر۔ یا مضاف الیہ لفظاً محذوف ہوتا ہے مگر معناً مراد ہوتا ہے، اس وقت یہ مبنی برضم ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہی صورت یہاں ہے یعنی بَعْدَ ھٰذَا التَّمْهِیْدِ۔ اور بعض دفعہ مضاف الیہ محذوف غیر منوی ہوتا ہے اس وقت یہ معرب ہوتے ہیں۔

اصل میں اَمَّا بعدُ تھا، اَمَّا، مَھْمَا کا مخفف کلمۂ شرطیہ ہے اسی لئے جواب میں فَا آئی ہے۔

ھٰذِہٖ کا مشار الیہ اَلْاُرْجُوْزَۃُ مقدر ہے، اُرْجُوْزَہ، رجز سے ہے۔ رجز عرب جاہلیت کے اُس موزوں کلام کو کہا جاتا تھا، جو ہم قافیہ تین مصرعوں سے مرکب فی البدیہ شعر بنا کر جرأت و دلیری کے اظہار کے موقعہ پر میدانِ جنگ میں گاتے تھے۔ رجز کی بحر میں مُسْتَفْعِلُنْ چھ مرتبہ آتا ہے (علاوہ اِنکر حافی صورتوں کے) اس قسم کے رجز یہ کلام میں اختلاف ہے کہ یہ شعر میں داخل ہے یا نہیں، کیونکہ اس میں ہر بیت کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، اور شعر میں مصرعے نہیں بلکہ تمام اشعار ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

---

[1] مدارج النبوت ص ۱۸۸ ج ۱ [2] ایضاً ص ۱۸۹ ج ۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فِیمَا علٰی قَارِئِہٖ ای فِیْ مایجبُ عَلٰی قَارِئِہٖ -

۲- مطلب یہ کہ رسالہ ایک مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کا نام اَلمُقَدِّمَہ فِیمَا عَلٰی قَارِیِٔ الْقُرْاٰنِ اَنْ یَّعْلَمَہٗ، ہے۔

لفظ مقدمہ میں علماء نے بڑا اختلاف کیا ہے کہ یہ بکسرِ دال صیغۂ اِسم فاعل ہے یا بفتحِ دال صیغۂ اِسم مفعول؟ نیز تقدیم جس سے یہ مشتق ہے مصدر متعدی ہے یا لازم؟

شیخ زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ یہ بکسرِ دال اسم فاعل ہے اور تقدیم سے ہے جو بمعنی تقدّم لازمی ہے، جیسے لا تقدِّمُوا بین یدی اللّٰہ ورسولہ بمعنی لا تتقدّموا ہے، بُجُرق کی رائے میں یہ مُقدَّمہ بفتحِ دال ہے چنانچہ عربی میں مُقدَّمَۃُ الرَّحْلِ پالان کے اگلے حصّہ کو کہتے ہیں۔ اُن کی تحقیق میں تقدیم لازم نہیں آتا، قرآن میں لا تقدِّمُوا کا مفعول اوّل محذوف ہے یعنی لا تقدِّمُوا اَمراً" ہمارے خیال میں بُجُرق کی رائے صحیح تر ہے۔

معنوی اعتبار سے مقدمہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں، مقدمۃ الکتاب کسی کتاب کے وہ ابتدائی مسائل مراد ہوتے ہیں جو اس کتاب کے افہام وتفہیم میں موقوف علیہ کی حیثیت رکھتے ہوں اور مقدمۃ العلم میں کسی کتاب کے نہیں بلکہ کسی مخصوص علم وفن کے مبادیات اور موقوف علیہ اصولوں کا ذکر ہوتا ہے۔

یہاں مقدمۃ العلم ہی مراد ہے، اور اَنْ یَّعْلَمَہٗ سے اسی طرف اشارہ ہے، یعنی اس کتاب میں علم قرأات کے موقوف علیہ مسائل (تجوید، اوقاف اور رسم الخط کے ضروری مسائل) کا بیان ہوگا، جیسا کہ علم حدیث کے اصول میں مقدمہ ابن صلاح، کے نام سے مشہور کتاب ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اس موقعہ پر اس بات کی تردید کی ہے کہ یہ مقدمہ مقدمۃ العلم یا مقدمۃ الکتاب ہے۔ اور پھر خود ہی مقدمۃ القراأت ہونے پر اشارہ فرمایا ہے "کیا قرأت، علمی فنون میں سے ایک فن نہیں؟ پھر مقدمۃ العلم ہونے سے انکار کیوں؟

حقیقت یہی ہے کہ تجوید، اوقاف اور رسم الخط علم قرأت کے مبادیات میں سے ہیں چنانچہ مقدمہ کے یہ اشعار طیّبہ کے شروع میں بھی علامہ جزری نے نظم فرمائے ہیں جو علم قرأت میں علامہ کی مشہور منظوم تصنیف ہے۔

ش ۵ اِذْ وَاجِبٌ عَلَیْہِمْ مُحَتَّمٗ قَبْلَ الشُّرُوْعِ اَوَّلًا اَنْ یَّعْلَمُوْا

ت- اس لئے کہ ضروری ہے اُن (قرآن پڑھنے والوں) پر قطعًا، کہ (قرآن) شروع کرنے سے پہلے، ابتدا ہی میں جان لیں....

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ل ۔ اِذْ حرف بمعنی لام تعلیلیہ، فِیْ مَا عَلَی قَارِئِہٖ (شعرِ سابق ہیں) سے جو وجوب کا مفہوم ہوتا ہے، اس وجوب کی علت بیان کرنا مقصود ہے ۔

وَاجِبٌ موصوف مُحَتَّمٌ صفت مؤکدہ، عَلَیْھِمْ اور قَبْلَ الشُّرُوْعِ دونوں واجب کے متعلق ہیں اور یہ تمام الفاظ مل کر مبتدا ہیں، اور اَوَّلاً اَنْ یَعْلَمُوْا خبر ہے ۔ اَوَّلاً مفعول فیہ مقدم ہے اَنْ یَعْلَمُوْا کا، یا اَوَّلاً کو قبل الشروع کی تاکید بناتے ہوئے مبتدا ہی کے متعلقات میں سے قرار دیا جائے، اور خبر صرف اَنْ یَعْلَمُوْا ہو ۔

علیھم کی ضمیر جمع فیما علی قارئہ میں قاری کی طرف راجع ہے اور جمع اس لئے ہے کہ قاری سے بطور جنس افراد کثیر مراد ہیں ۔

قبل الشروع اور اَوَّلاً دونوں ظرف ہیں، پہلا اپنے مضاف الیہ کے مذکور ہونے کی وجہ سے اور دوسرا مقطوع عن الاضافت ہونے کے سبب معرب ہے یا لفظ اوّل کو وزن بیت کے لئے معرب کیا گیا ہے ۔

تنبیہ غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے وَبَعْدُ سے آٹھویں شعر کے آخر تک مسلسل ایک جملہ چلا گیا ہے ۔

م ۔ وجوب کی دو قسمیں ہیں، شرعیؔ اور عرفیؔ (یا اصطلاحی) شرعی وجوب کی تعریف یہ ہے کہ اس کا بجالانا ضروری ہو اور نہ کرنے پر مستحق عذاب ہو، اور عرفی وجوب کا مفہوم یہ ہوتا ہے جس پر عمل اس لئے ضروری ہو کہ کسی فن میں (شرع میں نہیں) بطور اصطلاح اس کو ضروری قرار دیا گیا ہو گو اس کا تارک گنہگار نہ کہا جائے ۔

اس جگہ شراح میں کافی اختلاف ہے کہ وجوب سے شرعی مراد ہے یا عرفی ؟ پھر یہ بحث بھی پیدا ہو گئی ہے کہ کیا بیک وقت دونوں مراد ہیں ؟ چنانچہ شیخ الاسلام زکریا انصاری کی رائے یہی ہے کہ بیک وقت دونوں مراد ہیں ۔

واضح رہے کہ موصوف رحؒ شافعی المذہب ہیں اور اصول فقہ میں شوافع کے یہاں لفظ کے حقیقی اور مجازی ہر دو معنی بیک وقت مراد ہو سکتے ہیں، حنفیہ کے یہاں یہ جائز نہیں ۔ لیکن بحث تو قائل یعنی علامہ جزری کی مراد میں ہے، اور علامہ صاحب رحؒ شافعی المذہب ہیں، لہٰذا اصولاً اس استنباط کی گنجائش موجود ہے کہ وَاجِبٌ سے عام مفہوم ہی مراد ہو ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ وجوب شرعی اور عرفی میں عموم وخصوص مطلق ہے وجوب شرعی خاص اور عرفی عام ہے، فن تجوید سے متعلق شرعی وجوب کا تخاطب صرف اسقدر ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں اُن غلطیوں سے بچا جائے جن سے لحن خصوصًا لحن جلی پیدا ہو، اس سے زیادہ شرعًا مامور نہیں، رہا رسم الخط کا مسئلہ، وہ کاتبین و ناشرین قرآن کی حد تک فرض ہے، اور وجوب عرفی کا مفہوم عام ہے اس میں قاری کے لئے تمام مخارج وصفات لازمہ وصفات عارضہ کا جاننا ضروری ہے خواہ تارک گنہگار ہو یا نہ ہو ۔

لہٰذا صحیح یہ ہے کہ یہاں وجوب سے عرفی وجوب مراد ہے، لیکن یہ کتاب فقہ واحکام کی نہیں، شرعی حدود کو معین کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہاء علیہم الرحمۃ کا کام ہے،
شرعی وجوب مراد نہیں، اَنْ یَعْلَمُوا کے ذیل میں تین باتوں کا ذکر آرہا ہے۔ تجوید میں ماہر ہونا، محلِ وقف وابتداء میں ہوشیار ہونا، مقطوع وموصول، اور تاءِ تانیث طویلہ کا جاننا۔
کیا ہر مکلف کے لئے ان تمام باتوں کا شرعاً جاننا ضروری ہے؟ نہیں جاننا نہیں بلکہ مخارج وصفات سے صحیح ادائیگی کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے، اگرچہ مخرج وصفات وغیرہ سے علمی طور پر شناسا نہ ہو، اصل چیز عمل ہے۔
البتہ آنے والے باب مَعْرِفَةُ التَّجْوِيْدِ میں ناظم علیہ الرحمۃ نے بیشک تجوید کی شرعی حیثیت بیان فرمائی ہے، فرماتے ہیں۔

وَالْأَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ
مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمٌ

اس میں شرعی وجوب مراد ہے۔ شرعی وجوب کی ہی یہ شان ہے کہ اس پر عمل نہ کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے، مذکورہ باب میں اسی لئے مؤلف رح نے تجوید کے علاوہ اوقاف ورسم الخط کو بیان بھی نہیں کیا کیونکہ ہر مکلف کے لئے ان کا سیکھنا واجب نہیں، دیگر قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ ناظم رح نے وَالْأَخْذُ بِالتَّجْوِيْدُ فرمایا، جس سے اشارہ تجوید کے مطابق قرآن پڑھنے کے وجوب پر ہے وَالْعِلْمُ بِالتَّجْوِيْدُ نہیں فرمایا ہے
حاصل یہ کہ تجوید پر عمل فرض عین ہر مکلف وعاقل پر ہے اور فرض کفایہ اس کے حق میں ہے جو فن کو بالاستیعاب حاصل کرنے کے درپے ہو۔

ثم هٰذا العلم لاخلاف فی انہ فرض کفایۃ والعمل بہ فرض عین۔	باتفاق اس علم کو حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، اور اس پر عمل فرض عین ہے۔
اراد من العمل بہ تجرید الکلمۃ عن اللحن الجلی، واما تجریدہ عن اللحن الخفی، بعضہ واجب وبعضہ مستحب[1]	عمل سے مراد، کلمہ کا لحن جلی سے خالی ہونا ہے اور لحن خفی سے خالی ہونے میں تفصیل ہے، بعض لحن خفی سے بچنا واجب اور بعض سے مستحب ہے۔

ش: مَخَارِجَ الْحُرُوْفِ وَالصِّفَاتِ ۱ لِيَلْفِظُوْا بِأَفْصَحِ اللُّغَاتِ ۱

ت: .... حرفوں کے مخارج اور صفات کو .... تاکہ وہ (حروف کو) فصیح ترین زبان (عربی) میں ادا کریں۔

---

[1] جہد المقل ص۶۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ل - مَخْرَج کی اصطلاح میں تعریف ہے الحیز المُوَلِّدُ لِلْحَرْفِ، یعنی وہ جگہ جہاں سے حرف کی تولید
ہوتی ہے - اَلْحُرُوْف اس سے حروف تہجی مراد ہیں، جن کو حروف مبانی بھی کہتے ہیں۔ یعنی کلمات والفاظ کی بنا
اور ترکیب انہیں سے ہوتی ہے - اور نحویوں کی اصطلاح میں مِنْ عَنْ فِیْ وغیرہ کو بھی حروف کہا جاتا ہے کیونکہ
وہ بامعنی ہوتے ہیں - اسی لئے ان کو حروفِ معانی کہتے ہیں -
حرفِ تہجی کو حرف اس لئے کہا جاتا ہے کہ حرف بمعنی کنارا ہے اور حرفوں کے ناموں کے شروع میں کنارے ہی پر
وہ حرف موجود ہوتا ہے، مثلاً نام تو صاد ہے مگر مراد صرف پہلا حرف ص ہے - اس اصول سے دو حرف باہر ہیں ایک
الف دوسرا ہمزہ الف ہمزہ سے شروع ہوتا ہے - اس کی وجہ تعذر ہے کہ الف شروع میں آہی نہیں سکتا، لہٰذا بعض
صورتوں میں ہمزہ بشکل الف کے ساتھ رسم الخط کے تشابہ کی وجہ سے یا علی قول الفراء وغیرہ الف کے ہمزہ کا
مخرج ہونے کی وجہ سے الف کے نام کو ہمزہ سے شروع کیا گیا اسی لئے مبرد نحوی نے الف اور ہمزہ کو ایک حرف
قرار دیا ہے (جہد المقل صـ۲۳) اور ہمزہ اصل میں آنزہ تھا، عربی میں ہمزہ کو ہا سے اور ہا کو ہمزہ سے بدل لیا جاتا
ہے، یہاں بھی ہمزہ کو ہا سے بدل کر ہمزہ کہا گیا -
لِيَلْفِظُوْا لفظ بمعنی بولنا ادا کرنا، بعض نسخوں میں لِيَنْطِقُوْا، یہ بھی پہلے لفظ کا ہم معنی لفظ ہے، قاری
فرماتے ہیں کہ حضرت جزری رح کے سامنے جو نسخہ آخری بار پڑھا گیا اس میں لِيَنْطِقُوْا ہی ملتا ہے - اَفْصَح فصاحت سے
بمعنی واضح ترین، صاف ستھری - اَللُّغَات، لغت کی جمع، کسی قوم کی زبان، لِسَانُ الْقَوْمِ الْكَلَامُ الْمُصْطَلَحُ
عَلَيْهِ بَيْنَ كُلِّ قَوْمٍ، (منجد)، لَغَا يَلْغُو، سے اس کا اشتقاق قرار دینا ایک لغو بات ہے -

---

ح - یعنی قرآن پڑھنے والے کو مخارج وصفات کا جاننا ضروری ہے، تاکہ اَفْصَحُ اللُّغَات یعنی عرب کے مطابق ان
کا تلفظ ہو جائے - عربی تلفظ ادا ہو جائے - عجمیت کا لب ولہجہ نہ ہو - چنانچہ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ میں اشارہ
ہے کہ قرآن نہ صرف یہ کہ عربی ہے بلکہ خالص عربی ہے -
لغت عرب کو تمام دنیا کی زبانوں میں یہ بڑی نمایاں فضیلت حاصل ہے کہ اس کے تمام حروف کے مخارج وصفات معین
اور ادائیگی کا ایک نہایت مقررہ اسلوب ہے، اسی لئے حدیث میں ہے، اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ[1]
یعنی قرآن شریف اہل عرب کی آوازوں میں پڑھو - واضح ہو کہ اس حدیث میں لحن بمعنی صوت ہے -

فوائد

(۱) علوم قرآنی دو قسم پر ہیں، ایک قسم وہ ہے جو نظم قرآنی سے تعلق رکھتی ہے جیسے تجوید، قرآءت، وقوف، اور رسم مصاحف

---

[1] مؤطا امام مالک رح، نسائی عن حذیفۃ مرفوعًا - [2] جہد المقل صـ۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری قسم کا تعلق معانی قرآن سے جیسے علم عقائد علم احکام ظاہرہ علم مواعظ قرآنی وغیرہ، نظم قرآن سے متعلق علوم کو مقدم رکھنا ضروری ہے، کیونکہ نظم، معنی پر مقدم ہے پھر نظم قرآن سے متعلقہ علوم میں سب سے مقدم علم التجوید ہے۔ چنانچہ علامہ جزری رح نے اس بات کو تمہید میں خوب بسط سے بیان کیا ہے[1]۔

(۲) علامہ جزری رح نے شروع کتاب ہی میں علم تجوید کے موضوع، غایت اور حکم کی طرف اشارہ فرمایا ہے، حکم تو اوپر معلوم ہو چکا ہے
إِذْ وَاجِبٌ عَلَيْهِمْ مُحَتَّمٌ میں۔ غایت کا بیان ہو گیا ع
لِيَلْفِظُوا بِأَفْصَحِ اللُّغَاتِ، میں۔

علم تجوید کا موضوع کہا جاتا ہے کہ "حروف کلمات قرآنیہ" ہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ علم تجوید کا موضوع ہے "احوال حروف" اور احوال حروف، مخارج و صفات ہیں لہذا تجوید کا موضوع ہوا "مخارج و صفات حروف[2]"
پہلے مصرعہ میں اسی موضوع کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) "افصح اللغات" یعنی عربیت کے ساتھ تلاوت التجوید ہے، اور عربیت کے خلاف پڑھنا لحن کہلاتا ہے، واضح ہو کہ یہاں لحن بمعنی کجی اور خطا ہے، صحاح میں ہے، اَللَّحْنُ خَطَأٌ فِی الْاِعْرَابِ ۔ مگر فن تجوید[3] کی اصطلاح میں مطلق خطا کو لحن کہتے ہیں۔

لحن کی دو قسمیں ہیں۔ لحن[1] جلی، لحن[2] خفی

لحن جلی یہ ہے کہ

(الف) (ایک حرف دوسرے حرف سے تبدیل ہو جائے، جو دوسرا حرف خواہ انتیس[1] عربی حرفوں میں سے ہو یا کوئی غیر عربی آواز ہو،

(ب) کسی حرف کا اضافہ کر دینا، یا حذف کر دینا، مثلاً إِيَّا کا نَعْبُدُ و اور لَمْ يُلِدْ اور مخفف کو مشدد، اور مشدد کو مخفف پڑھنا بھی اسی نوع میں داخل ہے۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(ج) متحرک کو ساکن اور ساکن کو متحرک کر دینا یا حرکات میں تبدیلی کرنا۔

نوٹ:۔ مذکورہ تینوں قسموں میں، ضروری نہیں کہ تبدیلی معنی بھی ہو، ہر نوع بہر صورت لحن جلی میں داخل ہے۔

لحن خفی کا مطلب ہے، حروف کی صفات میں غلطی کرنا۔۔"

بغیر کسی تقیید کے تعریف یونہی کی گئی ہے۔ لیکن اس میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ صفات میں ایسی غلطی کرنا اس سے ایک حرف دوسرے سے تبدیل نہ ہو، مثلاً ادغام چھوڑ دینا، کیونکہ جو غلطی "فی الصفات تبدیلی حرف کو مستلزم ہو وہ لحن جلی ہے مثلاً طا میں اطباق و استعلاء کے ترک سے دال کی آواز ہو جاتی ہے۔

(حاصل یہ کہ لحن جلی معنی اور عرف، دونوں میں مخل ہوتی ہے اور لحن خفی صرف عرف عرب میں مخل ہوتی ہے۔ یہ بات بہت وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ صفات لازمہ غیر ممیزہ صفات عارضہ اور صفات محسنہ کی خطا بھی اس میں داخل ہے، اور تمام عیوب تلاوت مثلاً قطنین تونات، تکرار، رآمات وغیرہ کو بھی شامل ہے۔

---

[1] جهد المقل ص ۴ [2] ایضاً ص ۸ [3] جهد المقل ص ۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۴) علامہ جزریؒ کی کتاب تمہید میں حرکاتِ کاملہ پر وقف کو اور تشدیدِ مخفف، تخفیفِ مشدد کو لحن خفی میں شمار کیا گیا ہے۔ مگر علامہ مرعشیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تشدیدِ مخفف یا تخفیفِ مشدد، مغیرِ معنی ہو تو لحن جلی ہے ورنہ لحن خفی مثلاً وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا میں تخفیف مغیرِ معنی نہیں لحن خفی ہے اور بِرَبِّ الْفَلَقِ میں تخفیف مغیرِ معنی ہے لہٰذا لحن جلی ہے۔ اور حرکاتِ کاملہ پر وقف لحن جلی ہی ہے۔

(۵) اَفْصَحُ اللُّغَات کی حفاظت کے سلسلہ میں صرف ونحو دو فن وجود میں آئے، نحو نے حرکات وسکنات کی حفاظت کی، صرف نے جہاں صیغہ، اشتقاق، اور اعلال کی حفاظت کی، مخارج، صفاتِ لازمہ وعارضہ کی بھی کی، چنانچہ شافیہ، رضی، اور فصولِ اکبری وغیرہ میں علم تجوید بابِ صرف کا حصہ ہے، بعد میں علماءِ تجوید نے صرفی کتابوں سے مسائل تجوید کو علیحدہ کر لیا، اور مزید تشریحات وتفریعات کا اضافہ کیا، بہرحال یہ کہنا غلط نہیں کہ تجوید، علم الصرف ہی کا ایک حصہ ہے۔ ماضی میں اکابر جامع العلوم ہوتے تھے، اب علماء نے تجوید پڑھنی پڑھانی چھوڑ دی ہے، تو قاریوں نے صرف ونحو کو خیرباد کہہ دیا ہے۔

(۶) افصح اللغات سے لغتِ قریش مراد لینا، جیسا کہ بعض شراح نے بطور احتمال مراد لیا ہے صحیح نہیں، لغتِ قریش کا تقابل دیگر قبائل عرب کی لغات سے بابِ قراءت میں تو زیرِ بحث آیا ہے مگر تجوید کو جو ایک طریقِ ادا کا نام ہے۔ اس تقابل میں لانے کا کیا مقصد؟ کیا دیگر قبائل عرب کو مخارج وصفات کی ادا میں قریش سے کوئی اختلاف تھا؟

ش- مُحَرِّرِي التَّجْوِيْدِ وَالْمَوَاقِفِ   وَمَا الَّذِيْ رُسِمَ فِي الْمَصَاحِفِ

ت- اس حال میں کہ وہ (قاری) تجوید کے ماہر ہوں، اور وقف کے موقعوں کے، اور اس رسم کے کہ جو لکھا گیا مصاحفِ عثمانی میں

ل- حَرَّرَ الْكِتَابَ، حَسَّنَهٗ وَأَصْلَحَهٗ حَرَّرَ الْوَزْنَ ضَبَطَهٗ بِالتَّدْقِيْقِ (منجد)

پہلی صورت میں ترجمہ ہوا "اس حال میں کہ وہ تجوید کو حسین کرنے والے ہوں، مصلح ہوں" دوسری صورت میں "وہ تجوید کی گہرائی تک پہنچنے والے ہوں یعنی محقق ہوں"

تجوید کے لغوی معنی ہیں تحسین اور اصطلاح میں عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيْهِ عَنْ مَخَارِجِ الْحُرُوْفِ وَصِفَاتِهَا۔ "وہ علم جس میں حرفوں کے مخارج وصفات سے بحث ہو"[۲]

مَوَاقِف موقف کی جمع ہے یعنی محلِ وقف، وقف کسی کام سے رکنا اصطلاح میں "آخر کلمۂ غیر موصول پر سانس لیتے ہوئے حرکتِ کاملہ کے پڑھنے سے رکنا"

مَصَاحِف مصحف (مثلثۃ المیم) کی جمع ہے، عرف عام میں اس سے وہ تحریر مراد لی جاتی ہے، جس میں وحی متلو جمع کی گئی ہو، چنانچہ اِصْحَاف کے معنی جمع کرنے کے ہیں اَلْمُصْحَفُ وَالْمِصْحَفُ وَالْمَصْحَفُ، مَا جُمِعَ مِنَ الصُّحُفِ

---

۱ جہد المقل ص۱۸   ۲ جہد المقل ص۷ نشر ص۲۱۰ ج۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بَینَ دَفّتَیِ الکتاب المشدود، جمعہ مَصاحِف[١] ۔ ایک لفظ صُحُف جمع صحیفہ بھی اسی معنی میں ہے۔
مُحَرَّرۃً، حال ہے یعلمُوا (گذشتہ شعر) کی ضمیر فاعل سے وَمَا الّذِی میں مَا موصولہ ہے اور الّذی اس کی تاکید ہے، موصول صلہ سے مرکب جملہ التجوید پر معطوف ہے رسم بتشدید سین اور بالتخفیف دونوں طرح صحیح ہے۔ معنی کے اعتبار سے تشدید اولیٰ ہے یعنی مصاحف کا وہ رسم جس پر خوب محنت کی گئی، اور تخفیفاً وزن شعر میں زیادہ خوبصورت ہے۔

ح۔ تجوید کے ساتھ قاری کو اس بات میں ماہر ہونا بھی ضروری ہے کہ آیات کے مفہوم ومراد اور لفظی ومعنوی تعلق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ٹھہرنے اور ماقبل سے اعادہ کرنے یا مابعد سے ابتدا کرنے کی تمام وجوہ سے واقف ہو۔ وقف کے باب میں ابتدائی اصول یہ ہے کہ آیات کے درمیان میں ٹھیرنے کی ضرورت کے وقت ایسی جگہ وقف کرے جہاں بات ختم ہوئی ہو، یہ وقف اختیاری کہلاتا ہے اگر اضطرار کی وجہ سے ایسی جگہ وقف نہ کرسکے تو وقف اضطراری کہلاتا ہے، پہلی صورت میں مابعد سے ابتدا کی جاتی ہے دوسری صورت میں اعادہ کرنا چاہیئے۔ اعادہ ایسی جگہ سے کرے جہاں سے بات شروع ہو رہی ہو۔

غیر مناسب جگہ وقف کرنے سے گو محققین کے نزدیک مفہوم قرآنی میں تبدیلی نہیں آتی مگر غیر مراد الٰہی کے معنی کا ایہام بھی قبیح ہے لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے وَرَتِّلِ القرآن ترتیلا کے ذیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ الترتیل تجوید الحروف ومعرفۃ الوقوف[٢]، یعنی قرآن کو ترتیل سے پڑھنے کا مطلب ہے حروف کی عمدہ ادا اور محل وقف میں شعور وواقفیت۔ علامہ ابن الانباریؒ فرماتے ہیں۔ مِنْ تمام معرفۃ القرآن معرفۃ الوقف والابتداء یعنی قرآن کی معرفت میں تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ آدمی وقف وابتدا سے بھی واقف ہو۔

فائدہ:۔ بظاہر یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ناظمؒ المواقف کے ساتھ المبادی کا بھی ذکر فرماتے، یعنی جس طرح محل وقف کا جاننا ضروری ہے اسی طرح محل ابتدا کا بھی، لیکن اختصاراً مبادی کا ذکر نہیں فرمایا وقف وابتدا اصول وضوابط میں یکساں مشترک ہیں مگر عنوان میں صرف وقف ہی اکثر بولا جاتا ہے، نیز وقف کی بحث ابتدا کی بحث کو مستلزم ہے، اسی لئے ملا علی قاری فرماتے ہیں جس طرح قرآن میں تقیکم الحر فرمایا گیا مگر مراد الحر والبرد دونوں ہیں، یعنی کپڑے جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں مگر مراد گرمی وسردی دونوں ہیں۔

مصاحف سے وہ آٹھ[٣] صحیفے مراد ہیں جو حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے انتظام ونگرانی میں لکھوا کر بلاد محروسہ کے مرکزی شہروں میں روانہ کئے،

(١) بصرہ (٢) کوفہ (٣) دمشق (٤) مکہ (٥) یمن (٦) بحرین (٧) مدینہ (٨) مصحف الامام یعنی جو مصحف سیدنا حضرت عثمانؓ نے اپنے لئے مخصوص فرمایا۔

مصاحف کی تعداد | ان مصاحف کی شمار میں اختلاف ہے علامہ ابن الجزری نے آٹھ لکھے ہیں، ابن عاشر نے فرمایا کہ زیادہ

---

١ منجد ٢ نشر ص ٢٣٤ ج١، اتقان للسیوطی ص ٨٣ ج١، غیث النفع ص ١٦ وغیرہ ٣ نشر ص ٧ ج١

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحیح یہ ہے کہ چھ ہیں مکی، شامی، بصری، کوفی، مدنی اور مصحف الامام، مصنف زاد القراء کی رائے میں بھی یہی درست ہے۔ علامہ سیوطی اور حافظ ابن حجر کی رائے میں پانچ ہیں۔ لیکن غالباً ان دونوں بزرگوں نے مصحف امام کے علاوہ کا شمار بتلایا ہے لہذا اختلاف لفظی ہے[1] ایک قول میں مصر بھی ایک مصحف روانہ کیا گیا مگر یہ قول نہایت ضعیف ہے۔

جمعِ مصاحف کا تاریخی عہد مصاحفِ عثمانی کی یہ تیاری بقول علامہ ابن جزری ۳۰ھ[2] کے لگ بھگ ہوئی لیکن حافظ ابن حجر ۲۵ھ کو زیادہ صحیح قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں

وغفل بعض من ادركناه فزعم انه كان في حدود سنة ثلاثين ولم يذكر مستندا	بعض حضرات نے غفلت میں یہ زعم کیا ہے کہ یہ تحریر ورسم ۳۰ھ کی حدود میں ہوئی، یہ مستند نہیں ہے۔

علامہ محمد طاہر بن عبدالقادر کردی فرماتے ہیں کہ تحقیق سے زیادہ قریب یہی ہے کہ ۳۰ھ ہی صحیح مانا جائے کیونکہ آرمینیا اور آذربائجان کی لڑائی حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ۲۶ھ[3] میں شروع ہوئی اس جنگ میں شریک حضرت حذیفہ بن الیمانؓ حضرت عثمانؓ کے پاس تشریف لائے اور قرآن میں لوگوں کے شدید اختلاف کا ذکر کیا، جس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فتنہ کا تدارک کرتے ہوئے یہ مصاحف لکھوائے۔ مصاحف کی تحریر میں دو تین سال کا لگ جانا کوئی بعید نہیں، لہذا ۲۵ھ کو جمعِ مصاحف کا زمانہ قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں[4]۔

شعر ۸ — مِنْ كُلِّ مَقْطُوعٍ وَمَوْصُولٍ بِهَا   وَتَاءِ أُنْثَى لَمْ تَكُنْ تُكْتَبْ بِهَا

ت۔ یعنی تمام وہ کلمات جو مقطوع اور موصول لکھے گئے اُن (مصاحف) میں، اور وہ تاءِ تانیث جو ھا کی (گول) شکل میں نہیں لکھی گئی۔

ل۔ مِنْ بیانیہ ہے، جس سے مَا الَّذِي رُسِمَ کی توضیح مقصود ہے، اسی لئے یہ "یعنی" سے ترجمہ کیا گیا ہے، پہلے مصرعہ میں بِهَا لفظ کُلِّ کی صفت ہے یعنی کُلِّ مقطوعٍ وموصولٍ کا، بِهَا ضمیر مؤنث کا مرجع مصاحف ہیں۔ دوسرے مصرعہ میں ھَا سے مراد حرف ھا ہے۔ تُكْتَبْ اصل میں مرفوع ہے اور لَمْ تَكُنْ کی خبر ہے مگر بِهَا کی باء میں ادغام کبیر کی وجہ سے ساکن پڑھنی چاہیئے۔ شعر کے آخر میں بِهَا اصل بِهَاءٍ ہے، حروف مدہ کے بعد ہمزۂ متطرفہ کو وقف میں حذف کر دینا جائز ہے، چنانچہ قراءت حمزہ وہشام میں اس پر عمل ہوتا ہے۔ مقطوع وہ معنیً مرکب لفظ جس کے کلمات کو علیحدہ علیحدہ لکھا گیا ہو۔ موصول مقطوع کی ضد۔

م۔ حضرت ناظم علیہ الرحمۃ کو اس مختصر رسالہ میں چونکہ رسم الخط کا بیان محدود اور بقدر ضرورت کرنا ہے۔ اس لئے یہ شعر بڑھا کر آنے والے باب معرفة المقطوع والموصول وحكم التاء کی محدود بحثوں کا حوالہ دینا مقصود ہے، تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ

---

[1] مناھل العرفان فی علوم القرآن، محمد عبدالعظیم زرقانی ص ۳۹۶ ج ۱ [2] نشر ص ۷ ج ۱ [3] طبری، تاریخ الاسلام، عبدالوہاب نجار [4] تاریخ القرآن ص ۱۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسم الخط کا فن صرف اسی قدر ہے۔ یاکتاب میں رسم کے جمیع اصول بیان ہوں گے۔
یعنی جو کلمات مقطوع اور موصول ہوئے ہیں یا تاءات کو جو کہیں مربوطہ بشکل ۃ ہیں اور کہیں ت ہیں ہم ان کی تفصیل بیان کریں گے، تاکہ وقف میں بصیرت ہو کیونکہ وقف رسم الخط کے تابع ہوتا ہے، جیسا کہ متعلقہ ابواب میں انشاء اللہ تفصیل آئیگی۔

استعاذہ وبسملہ

اس مختصر منظوم میں ناظم علیہ الرحمۃ نے جہاں اور متعدد ضمنی مسائل ترک کر دیئے انھیں میں استعاذہ اور بسملہ کی بحث کو بھی اختصار وشہرت کی بنا پر ذکر نہیں کیا، ہم باختصار چند ضروری مسائل کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں۔

استعاذہ

حکم ابتداء تلاوت میں باجماع استعاذہ مطلوب ہے لقولہ تعالیٰ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ لیکن مطلوب ہونے کے مرتبہ میں اختلاف ہے۔

(۱) جمہور کا مشہور قول یہ ہے کہ نماز اور غیر نماز میں تلاوت سے پیشتر استعاذہ مندوب یعنی سنت ہے۔

(۲) داود ظاہری، عطاء، ثوری وغیرھم کے نزدیک واجب ہے۔ پھر واجب کہنے والوں میں دو گروہ ہیں، ایک کی رائے میں ہر ابتدائے تلاوت میں واجب ہے اور ابن سیرین کے نزدیک عمر میں ایک مرتبہ واجب ہے باقی ہر مرتبہ مندوب ہے۔

یہ دونوں قول شرعی حکم میں ہیں۔ اور قراء کے ہاں ہر ابتدائے تلاوت میں استعاذہ واجب ہے، مگر یہ وجوب عرفی ہے۔

شرعاً عدم وجوب کیوں؟ فَاسْتَعِذْ صیغۂ امر ہے، جو وجوب کا فائدہ دیتا ہے اس سے واجب کہنے والوں کی تائید ہوتی ہے، شیخ ابن الہمام رح فرماتے ہیں جمہور کے یہاں صیغۂ امر کو وجوب سے پھیرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح فرماتے ہیں، صارف عن الوجوب یہ ہے کہ جمہور نے دیکھا کہ بعض اوقات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت سے پہلے تعوذ نہیں فرمایا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو جمہور ہرگز عدم وجوب پر متفق نہ ہوتے، چنانچہ صحیحین کی متعدد روایات میں قرأت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تعوذ مروی نہیں، ابن عباس رض سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئے اور آسمان کی طرف نظر کر کے تلاوت فرمائی اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ حتی کہ آپ نے سورت کو ختم فرمایا، اور وضو کی۔ مسلم میں بروایت انس رض مروی ہے کہ ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتے تھے کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا، کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور متبسم ہو کر فرمایا مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی پھر پڑھنا شروع کیا، بسم اللہ الرحمن الرحیم، انا اعطینٰک الکوثر الی آخر السورۃ۔[1]

الفاظ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اور اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم دونوں طرح صحیح ہے، ہر دو الفاظ روایات میں مروی ہیں۔ اول الذکر الفاظ کو قراء کے یہاں ترجیح حاصل ہے، چنانچہ شیخ ابوالحسن سخاوی اپنی کتاب جمال القراء میں فرماتے ہیں کہ اسی پر اجماع امت ہے، حافظ ابوعمرو دانی فرماتے ہیں کہ حذاق و ماہرین کے

[1] تفسیر مظہری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں یہی الفاظ مروج ہیں، ان کے علاوہ نہیں ہے[1]

علامہ جزری نشر میں فرماتے ہیں کہ ان معین الفاظ کے متعلق اجماع کا دعویٰ تو خیر مشکل ہے، کیونکہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم بھی روایات صحیحہ میں مروی ہے البتہ مختار و پسندیدہ الفاظ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ہی ہیں عام فقہا مثلاً امام ابوحنیفہ، شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ کے یہاں یہی ماخوذ ہیں۔

ثعلبی اور واحدی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم، آپ نے فرمایا یہ نہیں، بلکہ کہو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، مجھ سے جبریلؑ نے لوح و قلم سے اسی طرح نقل کیا ہے[2]

امام احمد نے ابوامامہ سے روایت بیان کی، اس میں بھی اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ہی ہے (مگر اس روایت کی سند میں ایک راوی مجہول ہے) اور ابوداؤد کی مرسل روایات میں حسن سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعوذ باللہ من الشیطن پڑھتے تھے۔

ابوداؤد و ترمذی نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو پڑھتے۔ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم۔ امام ترمذی فرماتے ہیں، اس باب میں یہ سب سے مشہور حدیث ہے

مطولات میں اقوال و روایات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین حضرات کے یہاں السمیع العلیم والے استعاذہ کو ترجیح حاصل ہے عام فقہا و جمیع قراء کے یہاں ترجیح و عمل دوسرے استعاذہ کو حاصل ہے۔ چنانچہ علامہ جزریؒ نے مشائخ قراءت کا مسلسل و متواتر معمول نقل کر کے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جمیع مشائخ قراءت نے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ہی پڑھا ہے

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ آدمی اپنے ذوق سلیم کے مطابق اچھے لفظوں میں جس عنوان سے چاہے استعاذہ کر سکتا ہے۔ فقد نص الحلوانی فی جامعه علی جواز ذلك فقال ولیس للاستعاذة حد ینتهی الیه، من شاء زاد ومن شاء نقص

البتہ اس میں اتنا اضافہ ضروری ہے کہ کمی یا زیادتی سلف کے الفاظ کے مطابق کرے[3]۔

بلند یا آہستہ؟

دونوں طرح صحیح ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ تلاوت جہر سے کرنا ہو تو استعاذہ بھی جہراً کرے، ورنہ آہستہ اور نماز میں ائمہ اربعہ کی تفصیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ جہر و سر دونوں صحیح ہیں کسی کو ترجیح نہیں، امام موصوف کا یہ قول کتاب الام میں ہے، دوسرا قول یہ کہ جہراً مسنون ہے جیسا کہ کتاب الاملاء میں ہے، امام ابوحنیفہ و احمد بن حنبل، استعاذہ کو خارج تلاوت ہونے کی بنا پر سراً پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک صرف قیام رمضان میں پڑھنا سراً مسنون ہے[4]۔

وصل و فصل

اوساطِ سُوَر میں اگر بغیر بسملہ کے صرف استعاذہ پڑھے تو اس کا آیت قرآنی سے وصل کرنا بھی صحیح ہے، البتہ ادبًا

---

١ نشر ص ٢٤٣/ج١ ٢ تفسیر مظہری ٣ نشر ص ٢٥١/ج١ ٤ نشر ص ٢٥٤/ج١ ناقلاً عن النووی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس موقعہ پر وصل نہ کرے جہاں اللہ کے کسی نام پاک سے آیت شروع ہو رہی ہوئے جیسے اَللّٰہُ یَعْلَمُ۔

بسملہ

جس طرح ابتدائے تلاوت میں استعاذہ ضروری ہے، خواہ ابتداءِ سورت سے ہو یا درمیانِ سورت سے، اسی طرح ابتدائے سورت میں بسملہ ضروری ہے خواہ یہ ابتداءِ سورت ابتداءِ تلاوت میں ہو یا درمیانِ تلاوت میں مجموعی طور پر ابتداء کی تین قسمیں ہوئیں۔ (۱) ابتدائے تلاوت از ابتدائے سورت، اس میں استعاذہ و بسملہ دونوں ضروری ہیں (۲) ابتدائے تلاوت از درمیان سورت، اس میں استعاذہ ضروری ہے بسملہ مستحب ہے جمہور عراقیین کا یہی مسلک ہے اور جمہور مغاربہ کے یہاں اوساط میں بسملہ کا نہ پڑھنا ہی مستحب ہے[۱] (۳) ابتداء سورت درمیان تلاوت، اس میں صرف بسملہ ضروری ہے۔

وصل وفصل مذکورہ تین صورتوں میں سے پہلی صورت میں وصلِ کل فصلِ کل، وصلِ اول فصلِ ثانی۔ فصلِ اول وصلِ ثانی چاروں صورتیں باجماع جائز ہیں، دوسری صورت میں اگر استعاذہ کے ساتھ بسملہ بھی پڑھی جائے تو محققین کے کلام میں یہاں بھی مذکورہ چاروں صورتوں کا جواز ہے۔

صاحب غیثُ النفع سید علی النوری جو محققینِ فن میں شمار ہوتے ہیں یہ چاروں صورتیں مطلقاً جائز لکھتے ہیں، خواہ ابتداء تلاوت اولِ سورت سے ہو یا اوساط سے[۳] علامہ جزریؒ نے ابوحیان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آخر بسم اللہ یعنی الرحیم کا مماثل اگر کسی آیت کے شروع میں ہو اور وصل کرے تو سوسی کے لئے ادغامِ کبیر واجب ہے جیسے، مَا نَنْسَخْ، اسی طرح آیت کے شروع میں ہمزۂ وصل ہو تو بسم اللہ کے وصل کی صورت میں اُسے حذف کرنا چاہیئے جیسے اِعْلَمُوْا۔

ایک اور موقعہ پر علامہ جزریؒ فرماتے ہیں تَجُوْزُ الْاَوْجُہُ الْاَرْبَعَۃُ فِی الْبَسْمَلَۃِ مَعَ الْاِسْتِعَاذَۃِ مِنَ الْوَصْلِ بِالْاِسْتِعَاذَۃِ وَالْاٰیَۃِ[۴] الخ

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ آبادی کا بھی ان کی مشہور کتاب فوائدِ مکیہ کے مقدمہ میں یہی رجحان نظر آتا ہے، بغیر کسی تعیینِ صورت کے فرماتے ہیں اعوذ اور بسم اللہ پڑھنے میں چار صورتیں ہیں "

مگر بعض محققین نے بسم اللہ کو اوساط کے ساتھ وصل کرنے سے سختی سے منع کیا ہے، ہمارے دور میں مشائخ و اساتذہ کا بھی اسی پر عمل ہے یعنی اس صورت میں فصلِ کل اور وصل اول فصل ثانی جائز ہے اور وصلِ کل یا فصل اول وصل ثانی ناجائز ہے۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جمہور مغاربہ تو اوساطِ سور سے ابتدا کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے ہی کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ اجزاءِ سُوَر محلِ بسملہ نہیں ہیں اور جو حضرات مستحب قرار دیتے ہیں، وہ حدیث کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ الخ پر عمل کرتے ہیں، ان دونوں مسلکوں میں معتدل صورت یہ اختیار کی گئی کہ بسم اللہ کا پڑھنا تو مستحب ہی قرار دیا مگر محل نہ ہونے کی وجہ سے آیتِ قرآنی سے اس کا فصل بہتر سمجھا گیا۔

ابتداء کی تیسری صورت یعنی ابتداءِ سورت درمیان تلاوت میں بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے، مگر یہاں وصلِ اوّل فصل ثانی جائز

۱۔ نشر و اتحاف۔ ۲۔ نشر ص۲۶۵ ج۱ ۳۔ غیث النفع علی سراج القاری ص۲۰ ۴۔ نشر ص۲۵۷ ج۱ ۵۔ ایضاً ص۲۶۸ ج۱ و ص۲۶۳ ج۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں باقی تین صورتیں جائز ہیں ۔

بحث جزئیت اعوذ باللہ باجماع قرآن کا جزء نہیں، بسم اللہ میں اختلاف ہے بعض نے اس کو بھی یہی کہا ہے کہ قرآن کا جزء نہیں بلکہ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے لائی گئی ہے، یہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ[1] کا قول ہے، امام مالک اور قدمائے حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے اور اسی پر عمل کیا ہے مدینہ بصرہ شام کے فقہا و قراء نے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے، فصل بین السور کے لئے اور تبرک حاصل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے یہی زیادہ صحیح ہے اور کہا گیا ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے۔ ابن عباس، ابن عمر، سعید بن جبیر، زہری عطاء عبداللہ بن مبارک کی یہی رائے ہے، مکہ و کوفہ کے عام فقہاء و قراء کی بھی یہی رائے ہے اور یہی امام شافعی کا قول جدید ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ فاتحہ کی ایک آیت ہے اور باقی سورتوں میں آیت کا جزء ہے ذخیرہ اور مجتبیٰ میں تصریح ہے کہ اگر فاتحہ اور سورت کے درمیان آہستہ بسم اللہ پڑھی جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے، محقق ابن ہمام اور ان کے شاگرد حلبی نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ بسم اللہ کے ہر سورت کا جزء ہونے کا شبہ تو ہے ہی لہذا احتیاط بہتر ہے دوسرے احادیث صحیحہ میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بسم اللہ پڑھنا ثابت ہے[2] ۔

اکثر فقہاء حنفیہ اسی طرف گئے ہیں کہ بسم اللہ جزء قرآن ہے، لہذا بے غسل کو پڑھنا جائز نہ ہوگا، لیکن بسم اللہ کے قرآن ہونے کو انکار کرنے والا شخص کافر نہ کہا جائے گا، کیونکہ جزء ہونا نہ ہونا امر اجتہادی ہے ۔

بہر حال اکثر قراء کا ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا، یا بسم اللہ کا ہر سورت کے شروع میں درج ہونا، دلیل نہیں ہے جزء ہر سورت ہونے پر، جزء ہونا ایک دوسری بات ہے، جس کے لئے خارج سے دلائل کا پیش کرنا ضروری رہتا ہے۔ مفصل بحث عنقریب آتی ہے۔

برآءت پر بسملہ کا ترک اس مسئلہ پر قریب قریب سلف وخلف کا اجماع ہے کہ ابتدائے برات میں بسملہ نہیں پڑھی جائے گی، خواہ ابتدائے تلاوت ہو یا درمیان تلاوت، ۔ ابتدا ر تلاوت میں اول برآت پر صرف سخاوی اور اہوازی بسملہ کے جواز کے قائل ہیں ۔

بسم اللہ کے ممنوع ہونے کی دو وجہ بیان کی جاتی ہیں، ایک اس میں جہاد و قتال کا حکم نازل ہونا جو غضب الٰہی کی علامت ہے ایسے موقع پر بسم اللہ جو سراسر مضمون رحمت کو شامل ہے، مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم قطعیت کے ساتھ برارت کے سورت مستقلہ ہونے یا انفال کا جزء ہونے کا فیصلہ نہیں فرماسکے، اسی لئے علیحدہ سورت ہونے کی علامت تو قائم کی، مگر بسم اللہ نہیں لکھا جو قطعی انفصال کی علامت تھی ۔

لیکن مذکورہ دونوں وجوہ نکتہ اور حکمت کی حیثیت رکھتی ہیں، حقیقی علت نہیں ہیں، حقیقی علت یہ ہے کہ دور صحابہؓ سے برابر یہی عمل ہے کہ یہاں بسم اللہ نہیں پڑھی پڑھائی جاتی، ظاہر ہے کہ نقلیات ہیں، اتباع آثار اہم حقیقت ہے اسی لئے علامہ جزری فرماتے ہیں ممکن ہے کوئی کہے کہ ابتدار حقیقی یعنی ابتدائے تلاوت کے وقت بسم اللہ کا جائز ہونا قیاساً صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن[3] ہم کہیں گے کہ یہ خرق اجماع، مصاحف کی مخالفت اور نصوص سے رائے کو متصادم کرنا ہے۔ نعوذ باللہ من شر الابتداع ۔"

مابین انفال و برات انفال اور برآت کے درمیان بسم اللہ پڑھے بغیر وصل، وقف اور سکتہ تین وجہ صحیح ہیں ۔

۱؎ منار الہدیٰ ص ۲۲ ۲؎ شامی ص ۵۸/۱ ۳؎ نشر ص ۲۶۵/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوساطِ براءت اوساطِ براءت میں ابتداءِ تلاوت کے وقت بسم اللہ پڑھنا جمہور کے نزدیک دیگر سورتوں کی طرح جائز ہے، البتہ جعبری نے ابتداءِ براءت کی طرح اجزاءِ براءت میں بھی بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا ہے۔

علامہ جزری اس پر محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس گفتگو کو اس طرح قرین قیاس بنایا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں نے دیگر سورتوں کے اوساط میں بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا ہے (جیسا کہ جمہور مغاربہ) وہ اگر یہاں بھی اوساطِ براءت میں منع کریں تو محلِ تعجب نہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے مسلک پر بھی کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا جو اوساط پر بسم اللہ کے مسئلہ میں تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سورت کا وسط، اولِ سورت کے تابع ہوتا ہے، ان کے نزدیک بھی بسم اللہ نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ اول سورت میں بسم اللہ نہیں۔ ان حضرات کے علاوہ دوسرے وہ لوگ جو اجزاء سے افتتاحِ تلاوت کے وقت بسم اللہ پڑھنے کو مطلقاً درست مانتے ہیں، اُن کے نزدیک اگر اجزاء سورت میں اس علت کا اثر باقی ہے جس کی وجہ سے ابتداءِ سورت میں بسم اللہ نہ پڑھے، اور جن لوگوں نے اس علت کا کوئی اثر اوساط میں باقی تسلیم نہیں کیا، اُن کے نزدیک بسم اللہ قطعاً پڑھی جاسکتی ہے[1]

مسئلہ اگر کوئی شخص کسی معین سورت مثلاً سورۂ اخلاص کو بار بار بطورِ وظیفہ پڑھے، کیا شروع میں ایک مرتبہ بسم اللہ کافی ہوگی یا ہر بار پڑھے علامہ جزری فرماتے ہیں، مجھے اس خاص صورت کے متعلق کوئی صریح جزئیہ تو نہیں ملا، لیکن بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخر سورت کو اولِ سورت سے قطع کرتے ہوئے بسم اللہ ہر مرتبہ پڑھے، کیونکہ وظیفہ یا معمول کی تعداد پوری کرنے میں ابتدا کا مفہوم ایک معتبر اور ضروری چیز ہے۔

بسم اللہ نماز میں

تجوید کی کتاب میں فقہی مسائل کی بحث بظاہر بے جوڑ ہے، لیکن مختصر بحث اس لئے ضروری معلوم ہوئی کہ بعض قراء نے تجوید کے مسائل میں اس بحث کو چھیڑ کر خلطِ مبحث کیا ہے۔

اختلافِ فقہاء بسم اللہ کے جز ہونے پر ائمہ و فقہاء کے پانچ قول[2] ہیں

(۱) اہل کوفہ و اہل مکہ اور اُن کے متبعین اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں بسم اللہ صرف فاتحہ کا جز ہے۔

(۲) بسم اللہ، فاتحہ اور دیگر تمام سورتوں (علاوہ براءت) کی ابتدائی آیت ہے، یہ امام شافعی اور اُن کے متبعین کا صحیح مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ و امام احمد بن حنبل سے بھی یہی ایک قول منقول ہے۔

(۳) فاتحہ کی ابتدائی آیت ہے، اور دیگر سورتوں کی ابتدائی آیت کا ٹکڑا ہے۔ امام شافعی کا یہ دوسرا قول ہے۔

(۴) ہر سورت کے ابتدا میں ایک مستقل آیت ہے، اور اُس سورت کا ٹکڑا نہیں، یہ امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے، اور داؤد

---

[1] نشر ص ۲۶۴ ج ۱

[2] نشر ص ۲۶۹ ج ۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ظاہری و دیگر اصحابِ ظواہر، اور حنفیہ میں سے متعدد مشائخ کبار مثلاً ابوالحسن کرخیؒ وغیرہ اسی کو اختیار کرتے ہیں

(۵) نہ یہ مستقل آیت ہے، اور نہ فاتحہ یا کسی اور سورت کا ابتدائی ٹکڑا ہے بلکہ پورے قرآن میں بلا تعیینِ مقام ایک آیت ہے، باقی تمام جگہ تیمن و تبرک کے لئے نازل ہوئی اور لکھی گئی۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور ان کے متبعین کا یہی مذہب ہے

اختلافِ قراء

ابتداءِ تلاوت اگر ابتداءِ سورت سے ہو تو (علاوہ براءت) سب کے نزدیک بسم اللہ پڑھی جائے گی۔ اختلاف صرف اسی صورت میں ہے کہ ایک سورت کے بعد بلا وقف علاوہ فاتحہ کوئی دوسری سورت شروع کی جائے، (ابتداءِ فاتحہ میں باجماع، بہرحال بسم اللہ پڑھی جائے گی)

(۱) قالون، مکی، عاصم اور کسائی کے یہاں بین السورتین بسم اللہ پڑھنی ضروری ہے۔

(۲) امام حمزہ کے یہاں بغیر بسم اللہ بین السورتین وصل کرے۔

(۳) ورش، ابوعمرو اور ابن عامر کے یہاں یا تو امام حمزہ کی طرح بغیر بسم اللہ وصل کرے، یا سکتہ کرے، اور ایک وجہ میں بسم اللہ بھی[1]

احادیث

(۱) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے تھے[2]۔

(۲) آپ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم با آواز بلند پڑھتے تھے[3]۔

(۳) میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، و ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا[4]۔

(۴) (ایک دوسری روایت) یہ تمام حضرات الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے، اولِ قراءت یا آخر قراءت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ ہوتی تھی[5]

(۵) عبداللہ بن مغفلؓ جب کسی کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے سنتے تو فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے میں نے ان کو بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا[6]۔

(۶) رکعت ثانیہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے[7] تو فوراً الحمد للہ پڑھنی شروع فرما دیتے اور خاموش نہیں ہوتے تھے۔

اجتہاد و قراءت

بادی النظر میں قراء و فقہاء کے مسالک میں تصادم معلوم ہوتا ہے، کوئی قراءت یا روایت جس طرح منقول ہوا اس کو اسی طرح پڑھنا چاہیئے، مثلاً روایت حفص پڑھنے والے کو امام عاصم کے مسلک پر بسم اللہ پڑھنی چاہیئے، خواہ یہ نمازی ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مقلد ہو، ورنہ خلط فی الروایت ہوگا جو حرام ہے۔

چنانچہ بعض بزرگوں نے بڑے زورِ قلم کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی، وہ فرماتے ہیں کہ روایات و قراءات کے باب میں فقہاء کو کوئی دخل نہ دینا چاہیئے، کیونکہ وہ اس فن میں قراء کے تابع ہیں،

گویا ائمہ اربعہ کو یہ کہہ کر خاموش ہو جانا چاہیئے تھا کہ نماز جس قاری یا راوی کی قراءت و روایت پڑھے بسم اللہ میں اسی کی اتباع کرنی چاہیئے اور ہمارا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ بعض مصنفین نے یہاں تک لکھا،

---

[1] شرح سبع قراءت ص۱۱ [2] ترمذی عن ابن عباس مرفوعاً [3] بزار بروایت صحیح عن ابن عباس مرفوعاً [4] صحاح ستہ عن ابن عباس مرفوعاً [5] صحاح ستہ عن انس مرفوعاً [6] نسائی [7] مسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اور تسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں جو دعویٰ امام ابوحنیفہ صحیح ہو۱ —"

ہمارے خیال میں یہ بڑی جسارت کی بات ہے کہ ائمہ اربعہ کی تجہیل کی جائے، درحقیقت یہ خلطِ مبحث ہے۔ اول تو خود حضرات قراء کے یہاں بسم اللہ کے باب میں جو مسلک نقل ہوا ہے کوئی ضروری نہیں کہ اس کی حیثیت بھی ان کے یہاں اصول و فرش کے اختلاف کی سی ہو، زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مشائخ قرات اپنی قراءتوں میں یہ معمولات رکھتے تھے۔

ثانیاً یہ کہ بسملہ کے جز یا عدم جز ہونے کے بارے میں حضرات قراء سے کوئی نص مروی نہیں، علامہ جزری فرماتے ہیں۔

لأنا لا نعلم احدا منهم عدّها آية من كل سورة سوى الفاتحة نصًا۲

قراء میں سے کسی کے متعلق بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے بسم اللہ کو ہر سورت کا جز بھی شمار کیا ہو سوائے فاتحہ کے۔

نیز علامہ موصوفؒ اقوال ائمہ اربعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

قلت وهذه الاقوال ترجع الى النفي والاثبات، والذي نعتقده ان كليهما صحيح وان كل ذلك حق فيكون الاختلاف فيهما كاختلاف القراءات۔

میں کہتا ہوں ائمہ کے یہ اقوال بسم اللہ کی نفی و اثبات میں دائر ہیں اور ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں صحیح ہیں اور حق ہیں لہذا ائمہ کا یہ اختلاف ایسا ہی ہوگا جیسا کہ قراءات کا اختلاف ہے۔

حاصل یہ کہ براہ راست ائمہ اربعہ اور قراء کے مسالک میں کوئی تصادم نہیں کیونکہ دونوں کا فکر قطعاً ایک دوسرے سے جدا ہے، اجتہاد میں جو کچھ ہوا وہ اپنی جگہ صحیح، اور قراءات کے باب جو ادائی عمل منقول ہوا وہ بھی اپنی جگہ صحیح۔ ورنہ امام حمزہ، شامی، ابوعمرو بصری اور ورش کے عمل پر اعتراض ہوگا کہ وہ بین السورتین بسم اللہ حذف کرتے ہیں باوجودیکہ تمام مصاحف عثمانیہ میں شروع سُوَر میں بسم اللہ درج تھی، اور ہر سورت کے شروع میں بسملہ کے نزول میں بھی کسی کو کلام نہیں، پھر یہ حضرات کیوں حذف کرتے ہیں حالانکہ قرآن کی تعریف یہ ہے کہ

جو کچھ بین الدفتین ہو، مصاحف عثمانیہ کی رسم اس کی متحمل ہو، اور قواعد نحویہ کے موافق نقل صحیح اور متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہو، وہ قرآن ہے۳۔

معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود ان ائمہ قراءات کا بسم اللہ نہ پڑھنا ان کا اور ان کے مشائخ کا ادائی تعامل تھا نہ کہ اصول و فرش کا سا اختلاف، لہذا بسملہ کا پڑھنا نہ پڑھنا روایت سے متعلق ہے اور جز ہونا نہ ہونا اجتہاد سے متعلق ہے، اور روایت میں قراء کا قول معتبر ہوگا، اور اجتہاد میں ائمہ کا۔

ویسے حنفیہ کے نزدیک ہر سورت کے شروع میں اگر بسم اللہ پڑھ لی جائے تو یہ امام ابوحنیفہ کے خلاف نہیں، کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں سمجھتے یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، چنانچہ درمختار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے، رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا،

---

۱ منار القرآن ۲ نشر ص ۲۶۹ ج ۱ ۳ منار القرآن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بلا شبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے، صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں[1]

لطیفہ: بعض مصنفین نے اپنے اس خیال کو ثابت کرنے کے لئے کہ باب قراءات میں فقہاء حضرات قراء کے تابع ہیں نشر سے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قاسم ہذلی نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نافع مدنی سے بسم اللہ کا مسئلہ پوچھا تو نافع نے جواب دیا کہ مسنون بسم اللہ کا جہر ہی ہے، یہ سن کر امام مالک، نافع کو سلام[2] کرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ہر علم کا مسئلہ اس علم کے جاننے والے ہی سے پوچھنا چاہیے۔

لیکن اس روایت کا پُر لطف پس منظر یہ ہے کہ بسملہ کے باب میں امام مالکؒ کا مذہب وہی ہے جو ہم اوپر نقل کر کے آئے ہیں اسی طرح امام ابو حنیفہ اگرچہ بقول قاری محمد علی صاحب جلال آبادی، شاگرد حفص ہیں مگر بسملہ کے جزو ہر سورت ہونے کے قائل نہیں۔

مَخَارِجُ الحُرُوف

۵۹ - مَخَارِجُ الْحُرُوْفِ سَبْعَةَ عَشَرْ   عَلَى الَّذِیْ یَخْتَارُهُ مَنِ اخْتَبَرْ

ف حرفوں کے مخارج سترہ ہیں ...... اس قول پر کہ اس کو وہ شخص اختیار کرتا ہے جو (اس فن میں) بڑا باخبر ہوا ہے۔

ل اِخْتَبَرَ یعنی جَرَّبَ غَیْرَ مَرَّةٍ[3]

ترکیب نحوی:- مخارجُ الحروفِ مبتدا سَبْعَةَ عَشَرَ (مبنیٌّ علی الفتح ومرفوعٌ محلًا) خبر۔ علی کائنۃً سے متعلق ہو کر سبعہ عشر خبر سے حال ہے، اور شارح رومی کا اسکو مبتدا سے حال قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ سبعۃ عشر محل اختلاف ہے نہ کہ مخارج الحروف، علی الذی میں اَلَّذِیْ یا تو موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی علی القول الذی یا مضاف محذوف کا مضاف الیہ ہے یعنی علی قَوْلِ الَّذِیْ اور اِخْتَبَرَ کا مفعول المَخَارِجَ مقدر ہے۔

مِنِ اخْتَبَرَ سے مراد خلیل ابن احمد فراهیدی نحوی متوفی ۱۷۰ھ ہے۔

---

۲ - مَخَارِجُ الْحُرُوْفِ، عام شراح نے مخرج کی تعریف میں کہا ہے "اَلْحَیِّزُ الْمُوَلِّدُ لِلْحَرْفِ" یعنی وہ معیّن جگہ جس سے حرف پیدا ہوتا ہے۔ تولید یا تخلیق اوصاف الٰہیہ میں سے ہے، گو یہاں مجازًا اطلاق ہوا ہے، ملا علی قاری اس تعریف

---

[1] امداد الفتاوی ص ۲۱۸ ج ۱ ص ۲ ص ۲۷۰ ج ۱ میں تسلم الیہ ہے یعنی تسلیم کیا، سلام کرنے کا ترجمہ غلط ہے اس کے لئے سَلَّمَ علیہ بولتے ہیں۔ [3] رومی ج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی بجائے یوں فرماتے ہیں "مَوْضِعُ ظُهُوْرِ الْحُرُوْفِ وَتَمَيُّزِهٖ عَنِ الْغَيْرِ" ، یعنی حرف کے ظہور اور اپنے غیر سے ممتاز ہونے کی جگہ ، اور حرف کی تعریف میں فرماتے ہیں ، "هُوَ صَوْتٌ مُعْتَمِدٌ عَلٰى مَقْطَعٍ مُحَقَّقٍ اَوْ مُقَدَّرٍ"۔
مقطعِ محقق سے مراد ہے ، حلق ، زبان ، یا لب کے اجزاء میں سے کوئی مُعیّن جز ، اور مقطعِ مقدر سے مراد ہے حلق ، زبان اور لب کے معیّن جز کے علاوہ کوئی حصہ جیسے خیشوم اور خلاءِ دہن ۔

آواز ، جس سے حرف کی تولید یا ظہور ہوتا ہے اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے "هَوَاءٌ يَتَمَوَّجُ بِتَصَادُمِ الْجِسْمَيْنِ"[1]۔
اَلْهَوَاءُ سے نفس یعنی سانس مراد ہے ، نفس کی تعریف ہے "اَلْهَوَاءُ الْخَارِجُ مِنْ دَاخِلِ الرِّئَةِ مُتَصَعِّدَةً اِلَى الْفَمِ" ، یعنی پھیپھڑوں میں سے خارج ہو کر منہ کی طرف چڑھنے والی ہوا ۔

حاصل یہ ہوا کہ طبعی طور پر جو ہم سانس لیتے ہیں ، اسی سانس کو جب بالقصد اوتارِ صوتیہ پر مارتے ہیں تو اس تصادم سے آواز بنتی ہے اور اس آواز کو جب کسی معین یا مقدر مخرج پر ٹکاتے ہیں تو وہ حرف میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔

صاحب جہد المقل فرماتے ہیں ، سانس جو انسان کے اندر سے خارج ہوتی ہے وہ اگر مسموع ہو تو آواز ہے ورنہ نہیں ، اور آواز اگر مخرج محقق یا مقدر پر معتمد ہو تو وہ حرف ہے ۔ اور بعض لوگوں نے جو مَقْطَعٍ مُحَقَّقٍ اَوْ مُقَدَّرٍ کہا ہے تو مقطع سے مراد بھی مخرج ہی ہے ، کیونکہ صوت مخرج میں منقطع ہو جاتی ہے ۔ گویا صوت تو تمام حروف میں مشترک ہوئی البتہ ممیّز اعتماد علی المخرج ہے ۔ لہٰذا اعتماد علی المخرج فصل ہے جو نوع کو اس کے مشارکات فی الجنس سے تمیز دیتا ہے ۔ اور صفات بمنزلہ عوارضِ ممیزہ کے ہیں[2] ۔

خلیل بن احمد

ابو عبدالرحمٰن خلیل بن احمد فراہیدی ، قبیلہ ازد کی ایک شاخ فراہید کے نام سے ہوئی ، جس کے جدِّ اعلیٰ کا نام فرہود تھا ، اسی تعلق کی وجہ سے یہ شاخ فراہید کہلائی[3] ۔ استخراجِ مسائلِ نحو و بلاغت اور تحقیق لغاتِ عربیہ میں امام مانا گیا ہے یہ پہلا شخص ہے جس نے اشعارِ عرب سے زبانِ عرب کے اسالیب و بلاغت اور صرف و نحو اور علم اشتقاق کی بنیاد رکھی ، ۷۴ سال کی عمر میں ۱۷۰ھ میں وفات پائی ، امراء و سلاطینِ وقت سے بے نیاز تھا ، علم عروض اس کی ایجاد ہے ، مخارج و صفات پر سب سے پہلے اسی نے قلم اٹھایا ۔ علم النحو کی مشہور کتاب ، کتاب العین اسی کی تصنیف ہے ، جو وسیع معلومات میں بیش بہا خزانہ ہے ، اور جو آگے چل کر کتاب سیبویہ کی اساس ثابت ہوئی مشہور امام نحو سیبویہ اس کا شاگرد ہے ، جس کی وفات ۱۷۷ھ میں ہوئی ۔ خلیل کی تصانیف میں ، کتاب العین کے علاوہ کتاب النغم ، کتاب العروض کتاب الشواہد ، کتاب النقط والشکل ، کتاب فائت العین اور کتاب الایقاع شہرت رکھتی ہیں[4] ۔

---

[1] جدید تحقیق یہ ہے کہ قدرتی طور پر گلے کے اندر باریک رگوں کے دھاگے سے ہیں ، آدمی جب آواز نکالتا ہے تو تنفس کی قوت سے ان رگوں پر ضرب لگاتا ہے اور اسی ضرب سے آواز پیدا ہوتی ہے ، گویا رباب کی سی صورت ہے ، ان رگوں کو اوتار کہا جاتا ہے ، گویا آواز کی تعریف یہ ہوئی "هَوَاءٌ يَتَمَوَّجُ بِتَصَادُمِ الْاَوْتَارِ الصَّوْتِيَّةِ" ۔

[2] جہد المقل ص ۲۸ [3] منتہی الارب [4] کتاب الفہرست لمحمد بن اسحاق الندیم متوفی ۳۸۵ھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حروف کی تعداد

بصریین اور جمہور علماءِ تجوید کے نزدیک حرفوں کی تعداد انتیس ۲۹ ہے، لیکن مُبرّد کے نزدیک الف کوئی مستقل حرف نہیں، بلکہ ہمزۂ لینہ ہے، مبرّد کے نزدیک الف، فتحہ کی ایک ایسی صوتِ ممتدہ ہے جس کا کوئی معیّن مخرج نہیں۔

اِس پر اگر یہ کہا جائے کہ پھر تو باقی حروف مدّہ (یعنی واوٓ اور یآء) کو بھی حروف نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ واوِ مدّہ ضمّہ کی ایک ایسی صوتِ ممتدہ ہے جس کا مخرج معیّن نہیں، علیٰ ہذا القیاس یاءِ مدّہ کو سمجھیئے۔

لیکن مبرّد کے نزدیک سیبویہ اور فرّاء کی طرح مطلقاً واؤ کا مخرج انضمام شفتین اور مطلقاً یاء کا مخرج وسط لسان ہے۔

حاصل یہ کہ سیبویہ، فرّاء اور مبرّد کے نزدیک مقطع مقدّر کوئی چیز نہیں، ان کے نزدیک حرف کی تعریف بس اس قدر ہے کہ "جس میں آواز کا اعتماد مقطع محقق پر ہو۔" البتہ سیبویہ اور فرّاء سے مبرّد کو اسقدر اختلاف ہے کہ الف کو مبرّد نے ہمزۂ لینہ قرار دیتے ہوئے اس کے مستقل حرف ہونے سے انکار کیا ہے، اور سیبویہ و فرّاء، جمہور کی طرح الف کو مستقل حرف تو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کا مخرج اقصیٰ حلق قرار دیتے ہیں۔

اس تمام بحث کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ ہر حرف کے نام میں خود اُس حرف کی حقیقت معیّنہ پائی جاتی ہے مثلاً صاد، ضاد، طاء ظاءُ وغیرہ کے شروع میں اُن حرفوں کے مسمّٰی یعنی آواز موجود ہے لیکن الف کی آواز کے لئے اس طرح کا نام ممکن نہیں، کیونکہ شروع میں الف ہو ہی نہیں سکتا۔ لفظ الف، خود الف کی حقیقت کو اپنے اندر نہیں رکھتا، معلوم ہوتا ہے کہ الف اور ہمزہ میں فرق اعتباری ہے حقیقی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ واوِ مدّہ اور یاءِ مدّہ مستقل حروف کی حیثیت سے شمار نہیں ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا کوئی ایسا نام غیر ممکن ہے جس کے شروع میں واؤ اور یاءِ مدّہ آسکیں۔

اور ہمزہ اصل میں اَمزہ تھا ہمزہ کو ہا سے بدل لیا گیا ہے ھا اور ہمزہ کے ہم مخرج ہونے کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے اہلِ لسان بدل لیتے ہیں مثلاً اِھراقٌ (خون بہانا) اصل میں اِءْراق ہے۔ ماءٌ اصل میں ماهٌ ہے۔

مبرّد کے جواب میں جمہور کہتے ہیں کہ ہمزہ اور الف میں فرق اعتباری نہیں، حقیقی ہے، چنانچہ لغتِ عرب میں ہمزہ کا الف سے ابدال مغایرت کی دلیل ہے، ایک ہی حرف مبدل اور مبدل منہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ ہمزہ کا مخرج محقق ہے اور الف کا مقدّر۔ تغایرِ مخرجین تغایرِ حرفین پر واضح دلیل ہے اور اسی لئے دونوں حرفوں کی صفتوں میں تغایر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ الف سے یا تک تمام حرفوں کو حروفِ مَبانی کہا جاتا ہے حروفِ مبانی سے ذہن حروفِ ھجاء کی طرف منتقل ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ صحیح نہیں، کیونکہ حروفِ ھجاء، اسماء ہیں، اسم کی خصوصیات موجود ہیں مثلاً لام جر اور تنوین کا داخل ہونا اس لئے صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ حرف حقیقت میں وہ آواز ہے جس سے ہم ہجے کرتے ہیں اور مقطع محقق یا مقدّر پہ آواز کے مُعتمد ہونے سے جنکی آواز آتی ہے۔ منفرداً ادائے اظہار میں ظاہر ہے کہ ہم ان حروف کی آوازوں کو تعبیر نہیں کر سکتے۔ مگر ضرورتِ تعبیر سے اُن کے نام وجود میں آئے، جیسا کہ حدیث میں ہے اَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِیْمٌ حَرْفٌ تسمیۃُ الدال باسم المدلول کا مجازی راستہ اختیار کیا گیا، جس طرح ہم لکھے ہوئے نقوش کو مجازاً حروف کہدیتے ہیں حرف کو حرف اسلئے کہا جاتا ہے کہ حرف کے معنی کنارا ہیں، اور حرفوں کی اصوات بھی اُن کے ناموں کے شروع میں ایک کنارے پر پائی جاتی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ صحیح ہے کہ الف کا ہم کوئی ایسا نام تجویز نہیں کر سکتے کہ جس کے شروع میں الف ہو، کیونکہ الف کے نام کی ابتداء میں الف کا آنا متعذر ہے لیکن الف کے نام کا ہمزہ سے شروع ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ حرف الف ہی کی نفی ہو جائے، بلکہ بطور مجاز اس وجہ سے کہ ہمزہ شروع کلمہ میں ہمیشہ بصورت الف ہی لکھا جاتا ہے، الف کا نام تجویز کر دیا گیا کہ گو اس کے شروع میں الف کی آواز نہیں لیکن کتابت میں یہ اس کے مماثل ہے۔ نیز مبدء صوت کے اعتبار سے مخرج سے بھی فی الجملہ تعلق ہے کیونکہ الف کا مخرج خلاءِ دہن ہمزہ کے مخرج، اقصیٰ حلق ہی سے شروع ہوتا ہے۔

یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سیبویہ اور جمہور کے مذہب میں محض نزاع لفظی ہے سیبویہ کے نزدیک الف و ہمزہ کا مخرج متحد ہے اور جمہور کے نزدیک الف کا مخرج جوف دہن ہے۔

نزاع لفظی اس لئے کہ الف و ہمزہ باعتبار مبدءِ صوت متحد بھی ہیں اور منتہا کے اعتبار سے مختلف بھی، اور حقیقت یہ ہے کہ مخارج میں اعتبار منتہائے صوت ہی کا ہوتا ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو تو اس کے اوّل میں ہمزہ متحرکہ لگا کر اس کو ساکن ادا کرو، جہاں اس کی آواز منقطع ہو سمجھ لو کہ یہی اس کا مخرج ہے[1]۔"

علامہ مرعشی فرماتے ہیں، باتفاق بصریین حروف اصلیہ اُنتیس ۲۹ ہیں۔ وہ الف مدہ کو ہمزہ سے علیحدہ حرف شمار کرتے ہیں نیز وہ واؤ اور یا کو دو ہی حرف گنتے ہیں خواہ وہ مدہ ہوں یا غیر مدہ۔

مرعشی کہتے ہیں کہ اگر واؤ اور یاء مدہ کو غیر واؤ مدہ اور غیر یاء مدہ سے علیحدہ شمار کرتے جیسا کہ ہمزہ کو الف مدہ سے علیحدہ شمار کرنے کا قیاس ہے تو شمار میں حروف اصلیہ اکتیس ۳۱ ہو جاتے۔ چنانچہ مبرد نے الف اور ہمزہ کو ایک حرف قرار دیا ہے اور حروف اصلیہ کی تعداد اٹھائیس ۲۸ کہی ہے۔ اور فقہاء نے بھی مبرد ہی کے قول پر فیصلہ کیا ہے[2]۔

حروف کی ترتیب

حروف کی ترتیب تین طرح پائی جاتی ہے۔

(۱) ترتیب اہل لغت یعنی ا ب ت ث ج ح خ د ذ، جو کہ ی پر ختم ہوتی ہے، بچوں کو بھی حروف اسی ترتیب سے پڑھائے جاتے ہیں۔

(۲) ترتیب، حسب مخارج، جیسا کہ تجوید کی کتب میں عموماً ہوتی ہے۔

(۳) ترتیب اہل حساب۔ اس ترتیب میں حروف کو اعداد کی طرف مشیر مانا گیا ہے یعنی اَبْجَدْ هَوَّزْ حُطِّيْ كَلَمَنْ سَعْفَصْ قَرَشَتْ ثَخَّذْ ضَظَغْ یہی وہ ترتیب ہے جو فقہاء نے مانی ہے اور کہا ہے کہ لام آلف کو مستقل حرف گننا عوامی سطح کی بات ہے یہ کوئی مستقل حرف نہیں۔ لہٰذا حروف اصلیہ کی تعداد اٹھائیس ہوئی[3]

تمہید میں علامہ جزری رح نے حروف کو اہل لغت کی ترتیب پر ہی بیان کیا ہے اور لام الف کی بجائے الفِ مدیہ بیان کیا ہے۔

درحقیقت عوام الناس کی بھی لام الف سے مراد الف مدیہ ہی ہوتا ہے، انہوں الف نام نہیں لیا، کیونکہ لغۃً یہ ہمزہ کا نام ہو

---

[1] حاشیہ خلاصۃ البیان لمولانا القاری ضیاء الدین رح [2] جہد المقل ص ۲۳ [3] جہد المقل ص ۲۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے، باقی لام ہی کی خصوصیت خدا جانے کیوں ہے[1]۔

مخارج کی تعداد

مخارج کی تعداد میں اختلاف ہے، استاذ الکل خلیل بن احمد اور جمہور کے یہاں راجح یہ ہے کہ مخارج سترہ[۱۷] ہیں۔ انتیس حرفوں کے لئے سترہ مخرج ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ بعض مخرج کلی ہیں جو دو یا زیادہ جزوی مخرجوں پر منقسم ہوتے ہیں، اس سے یہ بات نکلی کہ انتیس حرفوں میں سے ہر حرف کا جزوی مخرج ہے پس مخارج جزئیہ تیس[۳۰] ہوئے، کیونکہ حروف اصلیہ انتیس[۲۹] ہیں اور ہر ایک کا جزوی مخرج ہے، اور ان انتیس[۲۹] حرفوں کے انتیس[۲۹] مخارج کے ساتھ نون مخفاۃ کا مخرج بھی شمارہ کیا جائے تو مخارج تیس[۳۰] ہوجاتے ہیں[2]۔ جیساکہ علامہ رضی نے کہا ہے۔

جمہور نے حروف مدہ کا ایک مستقل مخرج مقدر قرار دیا ہے جو مخارج محققہ سے علیحدہ ایک مخرج ہے۔ اور یہ مخرج جوفِ دہن ہے۔ مخرج مقدر کی توضیح کی جا چکی ہے۔

سیبویہ کی رائے میں مخارج سولہ[۱۶] ہیں، الف کا مخرج اقصی حلق اور واو مدہ کا مخرج انضمام شفتین اور یا ء مدہ کا وسط لسان و تالو۔

لیکن یہ کلام سہولت بیان یا اختصار پر مبنی ہے، چونکہ الف کے مخرج یعنی جوف کی ابتدا اقصی حلق سے ہوتی ہے تو مجاورت کی بنا پر الف کا مخرج اقصی حلق کہدیا۔ اسی طرح واو مدہ میں انضمام شفتین ہوتا ہے اور یاء مدہ میں وسط لسان تالو کی طرف کسی درجہ میں بلند ہوتی ہے[3]۔ تاہم الف کی ادا میں کسی عضو کا عمل قطعًا نہیں بخلاف واو مدہ اور یاء مدہ کے۔

فراء وغیرہ کی رائے ہے کہ مخارج کل چودہ[۱۴] ہیں، حروف مدہ کے مخرج کو مثل سیبویہ کے حذف کردیا؛ اور لام، نون، راء کا ایک مخرج کلی قرار دیا ہے، جو جزوی طور پر تین مخرجوں میں منقسم ہے یعنی تینوں میں کمال قرب ہے، لیکن خلیل، سیبویہ اور جمہور کی رائے میں لام، نون، راء کے تین جداگانہ مخارج ہیں۔

علامہ جزری نشر میں سترہ[۱۷] مخارج کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اختیار و ترجیح کے لحاظ سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ مخارج سترہ ہیں، اور شیخ ابو علی سینا نے ایک رسالہ میں جو کہ مخارج و صفات پر لکھا ہے، مخارج کا سترہ[۱۷] ہونا ہی ثابت کیا ہے[4]۔

ش: فَأَلِفُ الْجَوْفِ وَأُخْتَاهَا وَهِيْ   حُرُوْفُ مَدٍّ لِلْهَوَاءِ تَنْتَهِيْ

ت۔ پس الف، اُس کا مخرج جوف ہے اور اُس کے دو ساتھیوں کا۔ اور یہ حروفِ مدہ ہیں جو ہوا پر ختم ہوتے ہیں۔

ل۔ اَلْجَوْفُ، بمعنی داخل شی، یعنی جوفِ دہن کا وہ خلا جس میں آواز کے اعتماد کے لئے کوئی جزوِ معیّن موجود نہیں۔ یا منادر

---

[1] ایضًا [2] جہد المقل ص[۲۶] [3] ص[۳] [4] ایضًا [5] نشر ص ۱۹۸/۱ج

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حلق کا خلاء۔

ھَوَآءٍ سے بھی جوف اور خلاء دہن مراد ہے۔

اَلْجُوْفُ مبتدا یا خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے یعنی فَاَلِفُ الْجُوْفُ مَخْرَجُهَا یا فَاَلِفُ مَخْرَجُهَا الْجُوْفُ اور مجرور بھی ہو سکتا ہے یعنی فَاَلِفُ الْجُوْفِ یہ اضافت یا تو ظرفیہ ہے جیسے قَائِمُ اللَّيْلِ میں، یا ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔ بعض نسخوں میں لِلْجُوْفِ اَلِفٌ ہے اور طاش کبری زادہ نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن یہ وزنِ شعر سے ساقط ہے اُخْتَاهَا سے مجازاً شبیھتین مراد ہیں۔

۳۔ چونکہ حرفوں کی تولید سانس اور آواز سے ہوتی ہے اور سانس پھیپھڑوں سے چلتا ہے اس لئے اکثر علما تجوید مخارج کے بیان و ترتیب میں حروف ہوائیہ کے مخرج کو اولاً بیان کرتے ہیں، مطلق صوت جوف حلق سے شروع ہو کر شفتین تک ممتد ہوتی ہے، اس لحاظ سے گویا حروف ہوائیہ اپنے مادہ (صوت و ہوا) سے دوسرے تمام حرفوں کی نسبت سب سے زیادہ قریب ہیں۔

ملا علی قاری رحمہُ اللہ فرماتے ہیں کہ حروف مدہ کے مخرج کو تمام مخارج پر اس لئے مقدم کیا کہ حروف مدہ کا مخرج تمام مخرجوں پر عام ہے گویا یہ مخرج کل اور دیگر مخارج بمنزلہ اجزاء ہیں۔ یہ تقدیم کی وجہ ہوئی، ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مخرجوں کا بیان مخارج مقدرہ پر مقدم ہونا چاہیئے۔

جمہور نے مخارج کی ابتدا سینہ کی طرف سے قرار دی ہے۔ دراصل مخارج کی ترتیب میں دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ جس کو جمہور نے لیا ہے اور اس رسالہ میں بھی اختیار کی گئی ہے کہ مخارج کی ابتدا سینہ کی طرف سے ہے اور مخارج کی انتہا شفتین پر ہے۔ دوسرے یہ کہ پہلا مخرج خارجِ شفتین ہو اور آخری اقصیٰ حلق ہو، بعض علماء نے یہی ترتیب اختیار کی ہے، اس دوسری ترتیب پر پہلا مخرج، میم کا مخرج ہے[۲]۔

حروف جوفیہ کو حروف مدہ بھی کہتے ہیں کیونکہ ان میں صوت کو امتداد ہوتا ہے کہتے ہیں کہ حرفوں کی آواز اپنے مخارج کے مساوی ہوتی ہے۔ لیکن حروف مدہ ایسے حروف ہیں کہ اپنی ذوات سے زیادہ بھی امتدادِ صوت کو قبول کرتے ہیں کیونکہ کوئی معین حصہ ایسا نہیں کہ جس پر آواز رُک جائے بلکہ محض ایک صوت ہوتی ہے جو کسی معین جگہ نہیں ٹھہرتی۔ اسی لئے محققین نے کہا ہے کہ حروف مدہ صوت سے زیادہ مشابہ ہیں، اگر الف میں تصعد، یاء میں تسفل اور واؤ میں بین بین حالت نہ ہوتی تو ان میں باہم کوئی امتیاز نہ ہوتا۔

ابن المصنف رحؒ نے اسی لئے کہا ہے "حروف ہوائیہ کا مخرج منہ اور حلق کا جوف ہے" یعنی اقصائے حلق کا جوف مبدا اور منہ کا جوف منتہی ہے۔ جس میں معین طور پر کوئی جزء محقق نہیں بلکہ ہواءِ فم پر جہاں صوت ختم ہوتی ہے[۱]

---

[۱] دُرَّۃُ الفرید للشیخ المحدث الدھلوی رحؒ ص ۱۲ — [۲] جہد المقل ص ۳۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہیں ان تینوں حرفوں کا مخرج ختم ہو جاتا ہے۔

پہلا مخرج فالف الجوف الف کو بیان میں اصل رکھا ہے اور واؤ و یاء کو اس کے شبیہہ کہا ہے، کیونکہ الف مدیّت سے کسی حال میں بھی خالی نہیں ہوتا۔ بخلاف واؤ اور یاء کے کہ کبھی مدّہ اور کبھی غیر مدّہ ہوتے ہیں اُختاھا سے واؤ اور یاء بحالت مدّیت مراد ہیں۔ کیونکہ الف سے مشابہت صرف اسی حالت میں ان کو حاصل ہے۔

ان تین حروف کو مدّہ، ہوائیہ، جوفیہ اور حروفِ مدولین کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ سب نام اس وقت ہیں جب کہ بحالتِ مدّیت ہوں، لیکن اگر واؤ ساکن ماقبل مفتوح ایسے ہی یا ساکن ماقبل مفتوح ہو تو ان دونوں حرفوں کو حروفِ لین کہا جاتا ہے، اور حرکت و سکون سے قطع نظر کے مطلق حالت میں ان کو حروف علّت کہا جاتا ہے۔ واؤ اور یا غیر مدہ کے مخارج آگے آتے ہیں۔

للھواءِ تنتھی یعنی ان حرفوں کی آواز منہ کے خالی حصہ پر ختم ہوتی ہے۔ کوئی مُحقّق جگہ نہیں جس پر یہ آواز ٹھہرتی ہو، بلکہ اس کی انتہا ہوائے فم پر ہوتی ہے، للھواء تنتھی میں ایک قسم کا استدلال مقصود ہے، کیونکہ مخارج کا اعتبار منتہائے صوت سے کیا جاتا ہے، اسی لئے مجوّدین نے حروف کے مخارج کی تحقیق کا یہ معیار مقرر کیا ہے کہ کسی حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو تو اس کے شروع میں ہمزہ لگا کر اس کو ساکن ادا کرو، اور جہاں آواز کا انقطاع ہو، سمجھو کہ وہی اس کا مخرج ہے۔ معلوم ہوا کہ مخرج کے باب میں آواز کے مبدا کا نہیں بلکہ منتہیٰ کا اعتبار ہے۔

ایک بحث اوپر معلوم ہو چکا کہ سیبویہ اور فرّا، جوفِ دہن کے مخرج کے قائل نہیں گویا وہ حروف مدہ کا مخرج مقدّر نہیں بلکہ محقق ہی مانتے ہیں، اُن کے نزدیک الف کا مخرج اقصی حلق اور بہر صورت واؤ کا مخرج انضمام شفتین اور یاء کا مخرج بہر صورت وسطِ لسان اور تالو ہے، خلیل کے نزدیک حروف مدّہ میں امتدادِ صوت ہوتا ہے اور اس امتدادِ صوت کا اعتماد کسی جزوِ معیّن پر نہیں بلکہ اقصی حلق سے منہ کے آخر تک کے خلا میں اس کا پھیلاؤ ہوتا ہے۔ لہذا یہ خلا ہی مخرج ہے۔

جانبین کی رائے سمجھنے کے بعد اس اختلاف کا مرکزی نقطۂ نظر سمجھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ حروفِ مدہ کا جوف دہن کو مخرج ماننے کے باوجود خلیل بھی واو مدہ میں انضمام شفتین، یاء مدّہ میں وسط زبان و تالو کے باہمی تعلق اور الف میں اقصیٰ حلق سے جوف کے شروع ہونے کے منکر نہیں، اور نہ ہی سیبویہ و فرا سے کہیں یہ منقول ہے کہ ان کے نزدیک حروفِ مدّہ کے اندر جوفِ دہن میں امتدادِ صوت بالکل نہیں ہوتا — یہی وجہ ہے کہ بہت سے محققین نے اس اختلاف کو نزاعِ لفظی کہدیا ہے۔

لیکن خلیل کا مذہب تحقیق اور سیبویہ و فراء کا مذہب تساہل اور طلبِ اختصار پر مبنی ہے۔ خلیل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ گو بحالتِ مدّیت الف واو اور یاء اپنے اصلی اور محقق مخرجوں سے بالکل بے نیاز نہیں ہوتے، لیکن مخرج متعین کرنے میں منتہاءِ صوت اور حالتِ غالبہ کا اعتبار ہونا چاہیئے، مطلب یہ کہ مدّیت کی حالت میں واؤ میں گو انضمام شفتین، یا میں لسان و حنک کا باہمی فی الجملہ تعلق اور الف میں امتدادِ صوت کی اقصی حلق سے ابتداء واقعۃً موجود ہے۔ لیکن امتدادِ صوت ایک ایسی مستقل اور غالب آواز ہے جس کے سامنے مذکورہ محقق مخارج سے صوت کا تعلق ضعیف سا رہ جاتا ہے اور جوف دہن پہ اعتماد قوی و غالب ہو جاتا ہے، اس غالب حالت کا اعتبار کرتے ہوئے خلیل نے واؤ اور یاء کے دو مخرج قرار دیئے ایک محقق، دوسرا مقدّر

چونکہ مخارج کے باب میں سب سے بڑا مقصد امتیاز بین الاصوات والحروف ہے اس لئے متاخرین اہل فن نے بالعموم خلیل کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رائے کو اقرب الی التحقیق قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ جزری باب کے پہلے شعر میں واضح طور پر خلیل کی رائے کو ترجیح دے چکے ہیں۔

ش۱۱۔ ثُمَّ لِاَقْصَی الْحَلْقِ هَمْزٌ هَاءْ ثُمَّ لِوَسْطِهٖ فَعَيْنٌ حَاءْ

ت۔ پھر اقصیٰ حلق کے مخرج کے ساتھ ہمزہ اور ھا مخصوص ہیں اور وسطِ حلق کے مخرج کے لئے عین اور حاء خاص ہیں

ل۔ ثُمَّ حرف عطف ہے جو ترتیب و تراخی کے لئے آتا ہے، یہاں ترتیب عددی مقصود ہے یعنی سترہ مخارج ہیں سے پہلا مخرج (جوف دہن) گزر گیا وَالثَّانِیْ اَقْصَی الْحَلْقِ اور وَالثَّالِثُ وَسْطُ الْحَلْقِ۔

اَقْصٰی یعنی اَبْعَدُ عَنِ الْفَمِ۔

وسط بسکونِ سین، ظرف ہے کسی چیز کے بالکل درمیانی حصہ کو کہا جاتا ہے جس کے دونوں جانب میں سمتیں برابر ہوں اور وَسَط (بفتحتین) اسم ہے اور ہر اس درمیانی حصہ پر بولا جاتا ہے، جو دو کناروں کے درمیان میں ہو خواہ دونوں جانب کناروں کا فاصلہ برابر ہو یا کم زیادہ۔ یہاں بسکون سین ہی مراد ہے، اور وزن بیت بھی اسی کا مقتضی ہے۔ هَمْزٌ هَاءٌ اور عَيْنٌ حَاءٌ میں واو حرفِ عطف مقدر ہے یعنی هَمْزٌ وَهَاءٌ اور عَيْنٌ وَحَاءٌ حرف عطف یا تو ضرورت شعری کی وجہ سے حذف ہوگیا، یا حذف کیا گیا ہے تاکہ ہمزہ اور ھا اسی طرح عین اور حا کے اپنے مخرجوں کے لحاظ سے شدت اتصال وقرب کی طرف اشارہ ہو جائے۔

۲۔ دوسرا مخرج ثُمَّ لِاَقْصَی الْحَلْقِ هَمْزٌ هَاءٌ یعنی دوسرا مخرج جس کا نام اقصیٰ حلق ہے اس سے دو حرف ہمزہ اور ھا نکلتے ہیں۔

ہمزہ اور ھا کا مخرج اقصیٰ حلق ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے البتہ بعض علماء اقصیٰ حلق کے جزوی طور پر دو حصوں میں منقسم ہونے کے قائل ہیں، یعنی وہ حصہ جو سینہ سے زیادہ قریب ہے وہ ہمزہ کا مخرج ہے اور اس سے قریب ہی اوپر کی جانب ھا کا مخرج ہے اور شدتِ قرب کی وجہ سے آسانی کے لئے دونوں کا بغیر کسی فرق کے ایک ہی مخرج ہونا بیان کر دیا گیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک ہمزہ اور ھا بغیر کسی ترتیب کے اقصیٰ حلق سے ادا ہوتے ہیں، بہت ممکن ہے ترتیب بیانی سے ناظم علیہ الرحمۃ بھی پہلے مذہب کی طرف ہی اشارہ کرنا چاہتے ہوں[1]

مرعشی میں[2] ہے کہ

"بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ اقصیٰ حلق تین[3] مواقع پر منقسم ہوتا ہے اور تیسرے موقعہ سے الف مدیہ نکلتا ہے، یہ انقسام اپنی جگہ صحیح ہے لیکن تیسرا موقعہ الف مدیہ کا قرار دینا حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے وہ الف مدیہ کا مبدائے صوت ہے"

الف مدیہ کا مخرج جوف ہے یا حلق اس بحث کو ہم بیان کر چکے، مرعشی کے اس حوالہ سے صرف اسقدر ثابت کرنا مقصود ہے کہ ان

---

[1] طاش کبری زادہ وملا علی قاری [2] نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نزدیک بھی اقصی حلق کا مخرج منقسم ہے۔

اس کے مقابل حسب بیان مکی بعض نے ہمزہ کو بھی حروفِ جوفیہ میں شمار کرلیا، کیونکہ ہمزہ سینہ سے نکلتا ہے جو جوف سے متصل واقع ہے، لیکن علامہ جزری رحمہ اللہ نے اس کی تردید[1] کی ہے۔

تیسرا مخرج ثُمَّ لِوَسْطِهِ فَعَيْنٌ حَاءٌ یعنی وسط حلق عین اور حا کا مخرج ہے، یہاں بھی ترتیب بیانی سے اشارہ ہے کہ وسطِ حلق جزوی طور پر دو متقارب مخرجوں میں تقسیم ہے، پہلے سے عین اور دوسرے سے حا نکلتی ہے، چنانچہ مکی اور شاطبی نے اس پر تصریح کی ہے اور ظاہر کلام سیبویہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، علامہ جزری کا رجحان بھی اسی طرف[2] معلوم ہوتا ہے۔

ابوالحسن شریح اور ابوحیان اندلسی کی تصریح اور مہدوی وغیرہ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حا کا مخرج عین کے مخرج پر مقدم ہے اور بعض علما کہتے کہ دونوں کا مخرج بغیر کسی ترتیب کے ایک ہی ہے اور اگر حا میں ہمس و رخاوت، اور عین میں جہر و توسط نہ ہوتا اتحادِ مخرج کی وجہ سے دونوں میں کوئی فرق نہ ہوتا۔

بظاہر بہتر یہ تھا کہ حَیْنٌ فَحَاءٌ کہا جاتا، لیکن بضرورت وزن بیت فا کو عین پر داخل کیا ہے۔

نوٹ:۔ فوائد مکیہ میں ہے کہ "حرف ع، ح کے ادا کرتے وقت گلا نہ گھونٹا جائے بلکہ وسطِ حلق سے نہایت لطافت سے بلاتکلف نکالنا چاہیئے"۔

ش۱۲. أَدْنَاهُ غَيْنٌ خَاؤُهَا وَالْقَافُ أَقْصَى اللِّسَانِ فَوْقُ ثُمَّ الْكَافُ

ت ادنی حلق غین اور اس کے ساتھ آنے والی خا کا مخرج ہے۔ اور قاف کا مخرج اقصیٰ لسان ذرا اوپر کی طرف سے ہے، پھر کاف

ل۔ اَدْنَاهُ دنو بمعنی قرب سے ہے، یعنی حلق کا وہ حصہ جو منہ سے قریب تر ہے۔ یہ اقصی حلق کے مقابلہ میں بولا گیا ہے۔ اَدْنَاهُ مبتدا، اور غَيْنٌ خَاؤُهَا عطف معنوی کے ساتھ خبر ہے۔ خَاؤُهَا میں ضمیر غین کی طرف راجع ہے، اور یہ اضافت لادنیٰ ملابست ہے، جس میں کسی معمولی مناسبت کی وجہ سے مضاف کو مضاف الیہ کے ساتھ مرکب کیا جاتا ہے۔ معمولی مناسبت یہ کہ دونوں حروف ہجائیہ، یا حروف حلقیہ، یا حروف معجمہ یا باہم مخرج ہیں۔

وَالْقَافُ مبتدا ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی مَخْرَجُ الْقَافِ اور اَقْصَى اللِّسَانِ فَوْقُ خبر ہے، بالتقدیر عبارت یہ ہے وَالْقَافُ مِنْ اَقْصَى اللِّسَانِ فَوْقُ۔ اور فَوْقُ، اَقْصٰی کا ظرف مبنی علی الضم ہے یعنی اقصی اللسان فی فوقها بالنسبة الی مخرج الكاف۔ اور ثُمَّ الْكَافُ مبتدا ہے، جس کی خبر آئندہ شعر

---

[1] نشر جلد اول [2] نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اَسْفَلْ آرہی ہے۔

۴۔ چوتھا مخرج اَدْنَاہُ غَیْنٌ خَاؤُھَا ترتیبِ بیان سے اشارہ ہے کہ ادنیٰ حلق جو دو متصل المخرج موتعوں پر مشتمل ہے اس کے پہلے حصہ سے غین اور دوسرے سے خا نکلتی ہے، چنانچہ شریح اور سیبویہ کے کلام سے یہی ترتیب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مکی کا بیان یہ ہے کہ خا مقدم ہے۔ حاصل یہ کہ تین[۳] قول ہیں جزری، شاطبی، سیبویہ اور شریح وغیرہ نے غین کے مخرج کو خا پر مقدم رکھا ہے، اور مکی وغیرہ نے اس کے برعکس، اور بعض کے نزدیک مخرج غیر منقسم ہے، کسی تفاوت کے بغیر دونوں ایک ہی جگہ سے ادا ہوتے ہیں۔

اصول مخارج بہرحال یہ چھ[۶] حروف حلقیہ کہلاتے ہیں۔ اصول مخارج پانچ ہیں حلق[۱] جس میں تین مخرج ہیں اور مذکورہ چھ[۶] حروف ادا ہوتے ہیں۔ لسان[۲] جس میں دس[۱۰] مخارج ہیں اور اٹھارہ حروف ادا ہوتے ہیں۔ شفتین[۳] جس میں دو مخرج ہیں اور ان سے چار حروف ادا ہوتے ہیں۔ جوفِ[۴] دہن، ایک مخرج ہے جس سے تین حروفِ مدّہ ادا ہوتے ہیں خیشوم[۵]، یہ بھی ایک مخرج ہے، جس سے نون و میم بحالتِ غنہ ادا ہوتے ہیں۔

ان پانچ میں بھی اصل الاصول کے درجہ میں پہلے تین ہی کو سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ بعد والے دو مخرجوں کی حیثیت مستقل مخرج کی نہیں بلکہ ضمنی اور حروف کی ادا میں ایک مخصوص حالت کے مقام تعین کی نشان دہی مقصود ہے۔ اسی وجہ سے ان مخرجوں سے ادا ہونے والے حروف کو تعداد حروف میں مستقلاً شمار نہیں کیا۔ ورنہ حروف کی تعداد انتیس[۲۹] کی بجائے تینتیس[۳۳] ہوتی۔ کیونکہ ۶ حروف حلقی ۱۸ لسانی اور ۴ شفوی کل ۲۸ حروف ہوئے البتہ حروفِ مدّہ میں سے ایک الف بھی شمار کیا گیا اور کل تعداد ۲۹ قرار پائی۔

پانچواں اور چھٹا مخرج وَالْقَافُ أَقْصَى اللِّسَانِ فَوْقُ ثُمَّ الْكَافُ حروف حلقیہ کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد حروفِ لسانیہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اقصیٰ لسان سے زبان کا وہ جڑ والا حصہ مراد ہے جو حلق سے متصل ہے، اس مخرج کو دو[۲] حصوں میں تقسیم کیا، فوق[۱]، اسفل[۲] اول سے قاف اور ثانی سے کاف ادا ہونا اگلے شعر میں آتا ہے۔

مصنف رحؒ کی مراد اقصی اللسان مع الحنکِ الاعلی ہے، یعنی زبان کی جڑ اور اس کے مقابل تالو کا آخری حصہ۔ چونکہ ان حرفوں کی آواز کا زیادہ اعتماد اقصی لسان پر ہے اور حنک کی حیثیت اقصی لسان کے لئے محل اتصال کی ہے، اس لئے ناظم رحؒ نے جزءِ قوی کا ذکر کیا ہے اور حنک کو شہرت کی بنا پر ذکر نہیں کیا۔

ان دونوں حرفوں کو لہویہ یا لہاتیہ کہتے ہیں، لہات زبان کی جڑ کے اوپر تالو کے اس آخری حصہ کو کہا جاتا ہے، جس میں نرم گوشت ہوتا ہے۔

مرعشی میں اس مقام پر ایک اعتراض و جواب نقل کیا گیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ اقصیٰ لسان اقصی حلق کی طرح جزوی طور پر دو قریب قریب مخرجوں میں منقسم ہے، لہذا جس طرح اقصی حلق ایک کلی مخرج بیان کیا گیا، اور ہمزہ وھا میں فوق یا اسفل کی تعیین نہیں کی گئی، اسی طرح قاف و کاف کا مخرج مطلقاً اقصی لسان کیوں نہ رکھا گیا، اور کیوں فوق و اسفل کی تعیین کرتے ہوئے دو[۲] مخرج شمار کئے گئے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اقصیٰ لسان میں بہ نسبت اقصیٰ حلق کے توسع پایا جاتا ہے اور واضح طور پر قاف و کاف کے مخرجوں میں بُعد موجود ہے یہی وجہ ہے کہ اقصیٰ حلق سے نکلنے والے حرفوں کی ترتیبِ خروج یا عدمِ ترتیب میں اختلاف موجود ہے لیکن اقصیٰ لسان میں قاف و کاف کے مرتب مخارج ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔

ش ۱۲۔ أَسْفَلُ وَالْوَسْطُ فَجِيمُ الشِّينِ يَا وَالضَّادُ مِنْ حَافَتِهِ إِذْ وَلِيَا

ت۔ (کاف کا مخرج ذرا نیچے کی طرف ہے۔) اور وسطِ زبان جیم، شین، یا کا مخرج ہے اور ضاد حافۂ لسان سے نکلتا ہے جب کہ وہ متصل ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ش ۱۳۔ لَاضْرَاسَ مِنْ أَيْسَرَ أَوْ يُمْنَاهَا وَاللَّامُ أَدْنَاهَا لِمُنْتَهَاهَا

ت۔ داڑھوں سے (یعنی) اُن داڑھوں کے بائیں یا داہنی جانب سے۔ اور لام کا مخرج ادنیٰ حافہ سے اس زبان کے ختم تک ہے۔

ل۔ اَسْفَلُ پچھلے شعر کا تتمہ ہے اور ثم الکافُ کی خبر ہے۔ فَجِيمُ الشِّينِ میں اضافت لادنیٰ ملابست ہے اسی طرح یا، جیم پر معنیً معطوف ہے چنانچہ اس کی نظیر اوپر گذر چکی ہے، یا کے آخر سے ہمزہ وقفاً حذف ہو گیا حَافَتِهِ حافہ فاءِ مفتوحہ کی تخفیف کے ساتھ بمعنی جانب، چنانچہ حَافَتَا الوَادِی وادی کے دونوں جانب کے کناروں کو کہا جاتا ہے، حافات اور حِيَفْ جمع (قاموس و منجد) ضمیر لسان کی طرف راجع ہے إِذْ ظرف زمان وَلِيَا صیغۂ ماضی واحد مذکر الف اطلاقی ہے، ضمیرِ فاعل حافہ کی طرف راجع ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ صیغۂ تثنیہ مذکر ہو، اس صورت میں ضمیرِ تثنیہ کا مرجع حافتین سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ حافۂ لسان دونوں جانبوں میں دو ہیں۔ اور فعل کی تذکیر اس تاویل پر مبنی ہے کہ حافہ بمعنی جانب ہے۔

اَلْاَضْرَاسَ ضِرْس کی جمع، پانچ داڑھیں ناجذ، طواحن اور ضاحک مراد ہیں، یہ لفظ ترکیب میں وَلِيَا کا مفعول ہے اصل میں اَلْاَضْرَاسَ تھا، ہمزۂ وصلی سے ابتدا کرنے کی بجائے لام تعریف سے ابتدا کی گئی، اور لام پر فتحہ اَضْرَاس کے ہمزہ کا نقلِ حرکت کے قاعدہ سے آیا ہے، نقلِ حرکت میں یہ قاعدہ ہے کہ لام تعریف یا ہمزہ وصلی دونوں سے ابتدا کرنا صحیح ہوتا ہے، مثلاً بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ، اگر الاسم سے ابتدا کریں اَلِاسْمُ یا لِسْمُ دونوں طرح ابتدا کرنا صحیح مِنْ اَلْيَسَرَ اَوْ يُمْنَاهَا سلاستِ بیان کا تقاضا ہے کہ عبارت مِنْ اَلْيُسْرَى اَوْ اَيْمَنِهَا یا مِنْ يُسْرَاهَا اَوْ يُمْنَاهَا ہوتی۔ لیکن اَلْيَسَرَ جانب کی صفت ہے یعنی مِنْ جَانِبٍ اَلْيَسَرَ یہ بیان ہوا حافہ کا، اور يُمْنَاهَا بصیغۂ تانیث اَضْرَاس کی صفت ہے، گویا معطوفین میں سے معطوف علیہ سے متصل اور معطوف سے متصل بہ بتلایا ہے، جیسا کہ وَلِيَا سے مفہوم کو بصراحت بتلا چکے ہیں۔ يُمْنَاهَا، اَدْنَاهَا میں ضمیریں حافۂ لسان کی طرف راجع ہیں۔ اور مُنْتَهَاهَا میں لسان کی طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نوٹ :- علامہ جعبری نے حافّۃ بتشدید الفا کہا ہے، یہ لغت گو مشہور نہیں اور اسی واسطے ملا علی قاری نے اس کو وہم قرار دیا ہے اس کا اشتقاق حفّ یحفّ (نصر اور ضرب) سے ہے جس کے معنی کسی چیز پر محیط ہونے کے ہیں، زبان کے یہ کنارے سرے ہوتے ہیں، وہ گویا اضراس پر محیط ہو جاتے ہیں بخلاف طرفِ لسان کے کہ وہ رتیق ہوتا ہے۔

ساتواں مخرج وَالْوَسْطُ فَجِيمُ الشِّيْنِ يَا یعنی وسطِ لسان اور اس کے مقابل وسطِ تالو سے جیم، شین اور یا غیر مدّہ تین[1] حروف ادا ہوتے ہیں، تینوں حرفوں کے مرتب اور غیر مرتب ہونے میں یہاں بھی تین قول ہیں۔ نہایۃ القول المفید میں علامہ جزری اور علامہ شاطبی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جیم، شین اور یا تینوں کے مخرجوں میں ترتیب ہونا لکھا ہے لیکن غالباً علامہ جزری کی طرف نسبت صحیح نہیں، چنانچہ خود علامہ موصوف نشر میں اس کو بعض کا قول فرماتے ہیں، فرمایا ہے

ساتواں مخرج جیم، شین اور یا کا وسطِ لسان اور وسطِ حنک کے درمیان ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جیم ان دونوں سے مقدم ہے۔ اور رعایہ میں شین کو جیم پر مقدم بیان کیا گیا اور مہدوی کی بھی یہی رائے ہے (جہد المقل ص۳۷)

اور ابو شامہ نے علامہ دانی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مخارج میں ترتیب ہونا یا نہ ہونا یہ ذوقِ سلیم کے فیصلہ پر مبنی ہے اس مسئلہ میں تکلف سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

ان تینوں حرفوں کو شَجَرِیَہ کہا جاتا ہے، شجر بسکون جیم کے معنی ہیں مَجْمَعُ اللَّحْيَيْنِ[2] یعنی دونوں جبڑوں کے ملتے وقت زبان کے اوپر کا وہ حصہ جو تالو سے ملصق ہوتا ہے۔

آٹھواں مخرج وَالضَّادُ مِنْ حَافَتِهِ إِذْ وَلِي الْأَضْرَاسَ مِنْ اَيْسَرَ اَوْ يُمْنَاهَا یعنی ضاد حافۂ لسان سے ادا کیا جاتا ہے جس وقت کہ وہ بائیں یا دائیں جانب کی اضراسِ علیا سے لگے۔ مخرج کے اعتبار سے اس حرف کو حافیہ کہا جاتا ہے۔ اور ابتدا اس حافہ کی حلق کی طرف والے حصہ سے ہے اور آخر اس حافہ کا وہ حصہ ہے جو منہ کے خارج حصہ کی طرف آخرِ طواحن کے مقابل ہے[3]

لفظ ایسر کی تقدیم سے اشارہ ہے کہ یہی جانب آسان اور معمول بہ ہے چنانچہ مصنف نے نشر میں اسی جانب کو "عند الاکثر" لکھا ہے اور اس کے مقابل بائیں جانب کو "عند الاقل" لکھا ہے۔ گو سیبویہ کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضاد بیک وقت ہر دو جانب سے ادا ہوتا ہے لیکن سیبویہ کے علاوہ تقریباً سب نے یہی لکھا ہے کہ بائیں جانب سے آسان و سہل ہے دائیں جانب سے دشوار اور دونوں جانب سے دشوار ترین ہے چنانچہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں۔

ع .... وَهُوَ لَدَيْهِمَا يَعِزُّ وَبِالْيُمْنَى يَكُونُ مُقَلَّلَا

اضراس سے مراد، اضراس علیا ہیں، اور شہرت کی وجہ سے ناظم نے صراحت سے اس قید کو بیان نہیں کیا، البتہ الف لام عہد خارجی قرار دیتے ہوئے اضراس علیا کی طرف اشارہ کہا جا سکتا ہے۔

اضراس کے ذیل میں پانچ ڈاڑھیں آتی ہیں، جو اوپر نیچے اور دائیں بائیں کل بیس ۲۰ ہوتی ہیں، بالکل آخیر ڈاڑھ جو عموماً جوانی

---

[1] الرعشی کما فی نہایۃ القول المفید ص۴۳ [2] وما قال فی عذا القرآن بہامش الصفحۃ ۹ لہ ان معنی شجرۃ الفم "و" اللسان، خلاف التحقیق قطعاً [3] جہد المقل ص۳۷ ونہایۃ القول المفید ص۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ملتی ہے اور عقل ڈاڑھ جو کہلاتی ہے اس کا نام ناجذ ہے۔ اس سے آگے تین ڈاڑھیں طواحن اور اس کے متصل ضاحک کہلاتا ہے، ڈاڑھ کے علاوہ باقی بارہ اسنان یعنی دانت ہیں، سامنے کے اوپر نیچے چار دانت ثنایا، اور ثنایا کے دونوں جانب اوپر نیچے والے دانت رُباعیات (بفتح راء) اور رُباعیات سے متصل نوکیلے چار دانت دونوں جانب اوپر نیچے انیاب کہلاتے ہیں۔

حافہ لسان سے زبان کے دائیں بائیں دہ موٹے کنارے مراد ہیں جو نواجذ، طواحن اور ضواحک پانچ ڈاڑھوں سے متصل ہو کر

نواں مخرج

وَاللَّامُ اَدْنَاهَا لِمُنْتَهَاهَا یعنی لام کا مخرج دونوں جانبوں میں سے کسی ایک جانب کے ادنیٰ حافہ سے شروع ہو کر طرف لسان کے منتہیٰ پر ختم ہوگا گویا ضاحک ناب رُباعیہ اور ثنایا کے اوپر تالو سے زبان کا کنارہ لگے گا، ادنیٰ حافہ، حافہ کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جو صرف ضاحک سے لگتا ہے۔ مطلب یہ کہ ضاد کا مخرج اقصیٰ لسان کے حافہ اور ناجذ سے شروع ہو کر ضاحک اور ادنیٰ حافہ پر ختم ہوا اور لام کا مخرج ادنیٰ حافہ سے شروع ہو کر کنارہ زبان کے آخر اور ثنایا کے مقابل پر ختم ہوا۔ معلوم ہوا کہ ضاحک، ضاد اور لام کے مخرجوں کا نقطۂ اتصال ہے۔ اول کا منتہیٰ اور ثانی کا مبدا ہے۔ لہٰذا اپنے مقدرات کے ساتھ اصل عبارت اس طرح ہوئی، وَاللَّامُ مِنْ اَدْنَاهَا اِلٰى مُنْتَهَاهَا۔ لام بمعنی الی ہے کما قال الجعبری

لفظ ادناھا کی ضمیر بے تکلف حافہ لسان کی طرف راجع ہے، البتہ منتہاھا کی ضمیر میں اشکال ہوتا ہے، کیونکہ حافہ لسان کی طرف راجع کرنے میں یہ مطلب ہوگا کہ حافہ، منتہائے لسان تک کے کنارے کو کہتے ہیں، حالانکہ اصطلاحاً یہ صحیح نہیں، جیسا کہ حافہ کے اصطلاحی معنی ہم نے اوپر عرض کئے کہ پانچ ڈاڑھوں کے مقابل زبان کی کروٹ حافہ کہلاتی ہے اور دانتوں سے لگنے والے کنارہ زبان کو گو لغۃً حافہ کہا جا سکتا ہے مگر اصطلاحاً اس کو طَرَف کہا جاتا ہے، اسی لئے نشر میں ناظم علیہ الرحمہ نے لام کا مخرج اس طرح بیان کیا ہے۔

(المخرج التاسع) اللَّام۔ مِنْ حَافَةِ اللِّسَانِ مِنْ اَدْنَاهَا اِلٰى مُنْتَهٰى طَرَفِهٖ" یعنی نواں مخرج لام کا ہے جو حافہ لسان یعنی ادنائے حافہ سے زبان کے کنارے کے ختم تک ہے"

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

فَاللَّامُ بِاَدْنَى الْحَافَةِ وَاصِلًا اِلٰى مُنْتَهَى اللِّسَانِ عَلٰى مَا ذَكَرَهُ الْجَعْبَرِي، فَاللَّامُ بِمَعْنَى اِلٰى

لام ادنیٰ حافہ سے شروع ہو کر منتہی لسان تک پہونچتا ہے۔ جیسا کہ جعبری نے ذکر کیا ہے اور لام، اِلیٰ کے معنی میں ہے۔

لہٰذا صحیح یہ ہے کہ منتہاھا کی ضمیر لسان کی طرف راجع مانی جائے اسی لئے لام کے مخرج میں علامہ شاطبی نے فرمایا ع

وَحَرْفٌ بِاَدْنَاهَا اِلٰى مُنْتَهَاهُ "یعنی اور ایک حرف (لام) ادنائے حافہ سے منتہائے لسان تک ہے" اور عربیت کے لحاظ سے اس میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ لفظ لسان ان مؤنثات سماعیہ میں سے ہے جن کو جوازاً مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الحاجب اپنے قصیدہ "المؤنثات السماعیۃ" میں ان سترہ اسماء کے ذیل میں، جن میں تذکیر و تانیث دونوں کا جواز ہے لفظ لسان کو بھی بیان کرتے ہیں فرمایا ہے۔

وَالْبَيْتُ مِنْهَا وَالطَّرِيْقُ وَكَالثَّرٰى
وَيُقَالُ فِيْ عُنُقٍ كَذَا وَلِسَانِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی اُن سترہ اسماء میں سے بیت، طرف، ثری، عنق اور لسان بھی ہیں"

ہندی شرح جزریہ میں ادناھا سے زبان کا کنارا مراد لیتے ہوئے منتہی سے زبان کا وہ حصہ مراد لیا ہے جو حافہ سے قریب ہے اور لکھا ہے،

"۱ لام میں زبان کے کنارے کو ضاحک اور ناب کے مسوڑوں پر لگانا چاہیئے اُن مسوڑوں سے نہیں جو رباعیہ اور ثنیہ کے اوپر ہیں"

یہ تشریح غلط ہے۔

بعض محققین کی رائے ہے کہ لام کا اخراج بیک وقت دونوں طرف کے کنارہائے زبان (مع راس لسان) اور اوپر کی ضاحکین نابین، رباعیتین اور ثنایا علیا کے مسوڑھوں سے نکالنا بھی آسان ہے، اسی وجہ سے لام کے مخرج کو تمام مخارج میں وسیع ترین مخرج کہا گیا ہے، رسالہ ضوابط نبلاء التجوید تصنیف قاری عبدالمعبود صاحب میں خوب کہا ہے ۲ "و من الحافتین معًا ای بوقتٍ واحدٍ اصحّ و اکثر" یعنی بیک وقت دونوں جانب کے کنارہائے زبان سے لام کی ادائیگی نہایت صحیح اور قابل ترجیح ہے۔

فائدہ:۔ قول مذکور پر مخرج کا طویل ہونا تو ظاہر ہے۔ لیکن یہ طوالت، مقوّس ہے، لہٰذا مخرج کی طوالت، جریان صوت کی سمت میں نہیں، بلکہ اُس کے عرض میں ہے۔ اسی لئے طوالت مخرج، طول صوت کو مستلزم نہیں ہوتی۔ یعنی ضاد کے طول مخرج کی وجہ سے صفت استطالت، ضاد میں تو ہے، لام میں نہیں ہے۔

ش۱۵ وَالنُّونُ مِنْ طَرَفِهِ تَحْتُ اجْعَلُوا   وَالرَّا يُدَانِيهِ لِظَهْرٍ اَدْخَلُ

ت: اور نون، طرف لسان سے لام کے مخرج سے ذرا نیچے سے ادا کرو۔ اور را نون کے قریب قریب ہی ہے (البتہ اُس میں پشت زبان کو زیادہ دخل ہے۔

ل: اَلنُّوْنَ منصوب اِجْعَلُوْا کا مفعول مقدم۔ طَرَفِہٖ طرف بفتحتین کنارا، ضمیر لسان کی طرف راجع ہے تَحْتُ کائنًا کے متعلق ہو کر اَلنُّوْنَ سے حال ہے، مبنی بر ضمہ ہے کیونکہ اللَّامِ یا الحافۃِ مضاف الیہ محذوف منوی ہے۔

وَالرَّا آخر سے ہمزہ ضرورت شعری کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ یُدَانِیْہِ ای یقاربہ۔

بعض نسخوں میں اَدْخَلُوْا صیغہ ماضی جمع مذکر ہے۔ ضمیر فاعل مجوّدین کی طرف راجع ہے۔ اور اسی کو اُدْخُلُوْا بصیغہ امر جمع حاضر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن سب سے بہتر اَدْخَلُ صیغہ اسم تفضیل ہے جیسا کہ تشریح سے معلوم ہوگا۔ لِظَہْرٍ میں لام

۱؎ شرح ہندی مطبوعہ کانپور ص۸ ۲؎ حکاہ فی نہایۃ القول المفید عن الشیخ ابی علی بن الاحوص ص۳۳ ۳؎ جہد المقل ص۳۸ ۴؎ جہد المقل ص۳۹

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یعنی الیٰ ہے۔

ح: **دسواں مخرج**

وَالنُّوْنُ مِنْ طَرَفِہٖ تَحْتُ اجْعَلُوْا یعنی نون کو کنارۂ زبان سے لام کے مخرج سے ذرا نیچے ہٹ کر ادا کرو۔ ذرا نیچے ہٹ کر ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نون میں ادنیٰ حافہ کو دخل نہیں ہے یعنی کنارۂ زبان کو اس کے مقابل تالو سے لگانا چاہیے۔

واضح ہو کہ طَرَفِ لسان کا ترجمہ اردو میں کنارۂ زبان ہے اور اس سے زبان کا وہ کنارہ مراد ہے جو دانتوں سے لگتا ہے، اور نون میں یہی طرف یا کنارہ دانتوں کے مقابل تالو پر لگایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف مِنْ طَرَفِہٖ کہہ دینا کافی تھا کیونکہ طرف کے مفہوم میں ادنیٰ حافہ شامل ہی نہیں کہ جس کو تَحْتُ کہہ کر خارج کیا جائے۔ البتہ تَحْتُ کہنے سے مزید وضاحت ہوگئی، یہی اس کو لانے کا مقصد ہے قید احترازی نہیں ہے۔ کیونکہ طَرَف کے مفہوم میں حافہ کا کوئی بھی حصہ شامل نہیں۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک، لام، نون، را تینوں کا مخرج جزوی طور پر علیحدہ علیحدہ ہے، اسی کی وضاحت کے لئے تَحْتُ لایا گیا۔

گیارھواں مخرج

وَالرَّا یُدَانِیْہِ لِظَھْرٍ اَدْخَلُ را کے مخرج میں ناظم نے دو باتیں بتلائیں، جن کا علیحدہ علیحدہ مفہوم ہے۔

(۱) وَالرَّا یُدَانِیْہِ را کا مخرج نون کے مخرج سے قریب ہے، یعنی بعینہٖ وہ مخرج تو نہیں جو نون کا تھا البتہ اس کے قریب قریب ہے۔

(۲) لِظَھْرٍ اَدْخَلُ نون اور را کا دوسرا فرق یہ کہ را میں پشتِ زبان کو بھی دخل ہے۔

عبارت مذکورہ کے پہلے ٹکڑہ کا مطلب یہ ہے کہ نون طرفِ لسان سے ادا ہوتا تھا اور را، طرف لسان کے رَاس یعنی کنارۂ زبان کے سرے سے ادا ہوتی ہے۔ اور راس یا سرے سے کنارۂ زبان وہ اگلا حصہ مراد ہے جو ثنایا سے لگتا ہے، گویا راسِ لسان کو ثنایائے عُلیا کے مقابل تالو پر لگانے سے را ادا ہوتی ہے۔

چنانچہ خلیل اور سیبویہ، وغیرہ کا یہی قول ہے جو ائمہ فن ہوئے ہیں۔ البتہ قطرب جرمی اور فراء وغیرہ ان تینوں یعنی لام و نون و را کا ایک ہی مخرج طرفِ لسان قرار دیتے ہیں۔

حاصل یہ کہ لام، نون اور را کے مخارج میں فرق اس طرح ہوا کہ ادنیٰ حافہ لام کو نون سے اور راسِ لسان (مع پشتِ زبان) را کو نون سے ممتاز کرتا ہے، کیونکہ راسِ لسان طرف لسان کے مُغایر ہے اور حافہ ان دونوں ہی سے مُغایر ہے[1]

ظَہر سے مراد ظَھْرِ رَاْسِ اللِّسَان یعنی راسِ زبان کی پشت ہے جیسا کہ ابن المصنف[2] اور ابو شامہ وغیرہ کے کلاموں میں اس کی تصریح ہے۔ اور جن مشائخ کی عبارتوں میں ظہر اللسان یعنی پشتِ زبان فرمایا گیا ہے، جیسا کہ نشر میں خود علامہ جزریؒ کے الفاظ ہیں، تو اس سے مراد بھی ظہر راسِ لسان ہی ہے۔

البتہ ظہرِ طرفِ لسان مراد لینا، جیسا کہ بعض شراح نے لیا ہے یہ کسی طرح صحیح نہیں، چنانچہ ملا علی قاریؒ نے ان کی

---

[1] ملا علی قاری در شرح شاطبیہ ص ۴۲۲   [2] ملا علی قاری بر جزریہ ص ۱۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تردید فرمائی ہے۔

اَدْخَلُ صیغۂ اسم تفضیل ہے۔ اور مفضل علیہ نون ہے۔ چنانچہ ابنُ المصنف نے تشریح اس طرح کی ہے ای الراء اکثر انحرافًا الی ظَہرِ اللِّسَانِ مِنَ النُّونِ مطلب یہ ہوا کہ پشت زبان کی طرف انحراف نون میں بھی ہے مگر راء میں زیادہ ہے، اسی لئے صفتِ انحراف نون میں نہیں مانی گئی، راء میں مانی گئی، کیونکہ نون میں نہایت قلیل ہے، گویا ناظم کے الفاظ والرَّا یُدَانِیہ میں جو راء کو نون کے قریب قریب کہا گیا ہے یہ قرب مخرج اور انحراف دونوں ہی باتوں کے لحاظ سے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ جزری رحؒ نے اسی لئے اُدْخَلُ فرمایا، اور علامہ شاطبی کی طرح مُدْخَلُ نہیں فرمایا، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک نون میں انحراف نہیں۔ البتہ اگر دوسرا نسخہ ادخلوا (بصیغہ ماضی یا امر) صحیح مانا جائے تو پھر شاطبی اور جزری کے کلام میں کوئی فرق نہیں رہتا ہے۔

یہ تینوں حروف لام، نون اور راء ذَلْقِیَہ اور ذُوْلَقِیَۃ کہلاتے ہیں[1]۔ کیونکہ ذَلْق کے معنی طرف اور دھار کے ہیں، اور یہ تینوں حروف بھی زبان کی طرف اور راس سے ادا ہوتے ہیں۔ حضرت ناظم نے اور دیگر مصنفین نے عمومًا ان تین کی یہی ترتیب رکھی ہے کہ پہلے لام کو پھر نون کو اور پھر راء کو بیان کیا ہے۔ لام کا تقدم اس کے حافۂ لسان سے قریب ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے، نون کا مخرج طرفِ لسان سے اور راء کا راسِ لسان سے ہے۔ نیز راء میں تالو سے اتصال اس طرح متمکن و جاگزیں نہیں، جس طرح نون میں ہے، بلکہ اتصال ضعیف سا ہے، تاکہ صفتِ تکرار کا تحقق ہو سکے۔ خلاصہ یہ کہ آواز کا منبع سینہ اور پھیپھڑے ہیں، لہٰذا ترتیب بیان میں بھی درجہ بدرجہ اُن حروف کو مقدم رکھا گیا، جو اس مَنْبَع سے زیادہ قریب ہیں۔

شا: وَالطَّاءُ وَالدَّالُ وَتَامِنْهُ وَمِنْ عُلْيَا الثَّنَايَا وَالصَّفِيرُ مُسْتَكِنْ

ت:۔ اور طاء، دال اور تا طرفِ لسان اور ثنایائے علیا سے ادا ہوتے ہیں۔ اور حروفِ صفیر وجود میں آتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

ل:۔ وتا یعنی وتاءٌ وزن بیت کی وجہ سے ہمزہ حذف کر دیا گیا۔ معطوف علیہ معرف باللّام ہیں اس لئے معطوف بھی وَالتَّا معرف باللام ہی ہونا چاہیئے تھا، مگر اسماءِ حروف میں عَلَم ہونے کی بھی حیثیت ہے تو گویا یہ بھی معرفہ ہی ہے۔ عُلْيَا الثَّنَايَا میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے یعنی الثنایا العُلیا لیکن اس صورت میں توجیہہ یہ کرنا ہوگی کہ اقلِ جمع دو فرض کرتے ہوئے بلفظ ثنایا جمع تثنیہ بول دیا ہے اور مراد صرف دو ثنایا علیا ہی ہیں، چنانچہ عُلیا سے یہ مفہوم متعین ہو جاتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ عُلْيَا صیغۂ اسم تفضیل واحد مؤنث کو تفضیلی معنی میں مضاف اور ثنایا کو جمع کے مفہوم میں لیتے ہوئے اس کا مفضل علیہ اور مضاف الیہ قرار دیا جائے یعنی چاروں ثنایا میں سے جو بلند تر ہیں۔ والصفیر صَفَرَ سیٹی بجانا۔ مضاف محذوف ہے یعنی حروف

---

[1] ذَلْقُ اللسانِ طَرَفُہٗ وَالذَّوْلَقُ مِن کُلِّ شَیْءٍ حَدُّہٗ ۔ قاموس، منجد، ملا علی قاری رحؒ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الصغیر کُلٌّ واحدٍ منہا مُستکن الخ لفظ صفیر کی مزید تشریح صفت صفیر کے ذیل میں دیکھئے۔

مُسْتَکِنْ۔ کَنَنْتُ الشَّیْءَ سے لیا گیا ہے نون مشدّد ہے کَنَّ۔ یکُنُّ کُنُوْنًا باب نصر سے کسی شی کو چھپا لینا۔ اِسْتَکَنَّ۔ اِسْتَوَ۔ رَجَعَ اِلٰی سِتْرِہٖ (منجد)، اور اِسْتِکَان سے ماخوذ نہیں۔ استکانت کے معنی عاجزی کے ہیں۔

ح: بارھواں مخرج

وَالطَّاءُ وَالدَّالُ وَتَا مِنْہُ وَمِنْ عُلْیَا الثَّنَایَا یعنی طا، دال اور تا طرف لسان اور ثنایائے عُلیا سے ادا ہوتے ہیں۔ ثنایائے علیا کا کونسا جزء مراد ہے؟ اس کے حسب ذیل جواب ہیں۔

(۱) طرفِ لسان اور ثنایا عُلیا کے اصول یعنی جڑ (سیبویہ[1])

(۲) طرف لسان اور ثنایا علیا کے اصول، اس طرح کہ اصول سے حنک (تالو) کی طرف صعود ہو (ملا علی قاری وغیرہ[2])

(۳) اصولِ ثنایا علیا کا ذکر قطعی نہیں، کیونکہ اصول سے نیچے وسطِ ثنایا سے بھی یہ حروف ادا ہو سکتے ہیں۔ (ابن الحاجب[3])

(۴) ثنایا علیا کے مسوڑوں سے متصل طا، اس سے ذرا نیچے دال اور اس سے ذرا نیچے تا ادا ہوتی ہے یعنی ثنایا علیا کی اصل سے مراد قطعیت کے ساتھ لثہ اور ثنایا علیا کی جڑ کا خطِ اتصال مراد نہیں، بلکہ مراد وہ حصہ ہے جو ثنایا کے نصف سے مسوڑوں تک متصل ہے۔ (مرعشی[4])

ان اقوال میں باہم کوئی تضاد نہیں بلکہ تفصیل و اجمال کا فرق ہے، مطلب یہ کہ راسِ لسان کو ثنایا علیا کے اصول سے لگایا جائے اگر ذرا اُوپر نیچے ہو جائے تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ لہذا شارح یمنی کا یہ قول کہ ثنایا علیا کے اصول یا اُن کا وسط مراد ہے جیسا کہ ابن حاجب اور مرعشی کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اپنی جگہ صحیح ہے۔ اور ملا علی قاری رحمہ نے شرح جزریہ میں یمنی کے قول کی جو تردید کی ہے، یہ تردید خود محلِ اشکال ہے جب کہ ابن حاجب کی یہی رائے ملا علی قاری بغیر کسی اعتراض کے شرح شاطبیہ میں نقل بھی فرماتے ہیں۔

بیان میں طا کو مقدم رکھا گیا، کیونکہ یہ اقوی تھا، پھر دال جو تا سے زیادہ قوی ہے نیز مرعشی کے مذکورۂ بالا قول سے مخرج میں بھی ترتیب کا اسی طرح ہونا، اسی ترتیبِ بیانی کا مقتضی کہا جا سکتا ہے۔

نِطْعٌ اور نِطَعٌ داخل فم میں تالو کے غارِ اعلیٰ کے کنارے پر وہ اٹھا ہوا حصہ جس میں اُبھری لکیریں ہوتی ہیں اور حنک کے اس حصہ پر عموماً زبان لگی رہتی ہے نُطُوْع جمع ہے، ثنایا علیا کی جڑ سے متصل ہی چونکہ یہ حصہ ہے اس لئے مجاورۃً مذکورہ حروف کو نِطْعِیَّہ یا نِطَعِیَّہ کہا جاتا ہے۔

نِطَعَ کے معنی بعض کتابوں میں اُس ذرا سے گڑھے کے لکھے ہیں جو ثنایا علیا کی جڑوں کے پاس ہی ہوتا ہے[5]، یہ تشریح صحیح نہیں۔

نوٹ:۔ بقیہ شعر کی تشریح آئندہ شعر کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

---

[1] شرح شاطبیہ ملا علی قاری ص ۲۲۴ [2] شرح جزریہ ملا علی قاری ص ۱۴ [3] شرح شاطبیہ ملا علی قاری ص ۲۲۴ [4] نہایۃ القول المفید
[5] منجد، و ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ش ۱۲: مِنْهُ وَمِنْ فَوْقِ الثَّنَايَا السُّفْلٰی   وَالظَّاءُ وَالذَّالُ وَثَا لِلْعُلْيَا

ت: (حروف صفیر وجود میں آتے ہیں) طرف لسان اور ثنایا سُفلی کے اوپر سے (مع کچھ اتصال ثنایا علیا کے) اور ظا اور ذال اور ثا ثنایا عُلیا سے ادا ہوتے ہیں۔

ل۔ مِنْهُ ضمیر کا مرجع طرف لسان ہے۔ یہ اور اس کا معطوف وَمِنْ فَوْقِ الثَّنَايَا السُّفْلٰی دونوں گذشتہ شعر میں لفظ مُسْتَكِنٌّ سے متعلق ہیں، وَالظَّاءُ وَالذَّالُ وَثَا یعنی اَلظَّاءُ وَالذَّالُ وَثَا (ذوالحال) کَائِنَةٌ لِلْعُلْيَا (حال) یہ مبتدا ہے اور خبر آئندہ شعر میں آتی ہے۔ گذشتہ شعر میں وَتَا کی طرح وَثَا کو بھی سمجھنا چاہیئے

ح۔ تیرھواں[۱۳] مخرج وَالصَّفِيْرُ مُسْتَكِنٌّ مِنْهُ وَمِنْ فَوْقِ الثَّنَايَا السُّفْلٰی یعنی حروف صفیر طرف لسان اور ثنایائے سفلی کے اوپر والے کناروں سے ادا ہوتے ہیں۔

ملا علی قاری نے فرمایا ہے کہ لفظ فَوْق سے بطور ضد کے ثنایا علیا کا تحت بھی لازم آتا ہے تو گویا ثنایا علیا اور ثنایا سفلی کے اوپر نیچے کے کنارے اور راسِ لسان، ان تین حرفوں کا مخرج ہوا یعنی مِنْ فَوْقِ الثَّنَايَا السُّفْلٰی وَتَحْتَ الثَّنَايَا الْعُلْيَا مراد ہے اور سیبویہ کے کلام کی تشریح یہی کی گئی ہے[۱] چنانچہ علامہ شاطبی نے فرمایا مِنْهُ وَمِنْ بَيْنِ الثَّنَايَا ثَلَاثٌ تَرْ یعنی حروف صفیر طرف لسان اور چاروں ثنایا کے مابین سے ادا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ناظم کے کلام میں فَوْقِ الثَّنَايَا سے طرفُ الثَّنَايَا السُّفْلٰی مراد لینا صحیح نہیں، کیونکہ اس وقت تحتَ الثَّنَايَا العليا کا مفہوم بطور ضد لازم نہیں آتا ہے۔ فوق سے طرف ثنایا سُفلی ابن المصنف نے مراد لیا ہے۔ جس کو قاریؒ نے غلط کہا ہے۔

بہر حال جمہور نے ثنایا علیا اور ثنایا سُفلی کے مابین کو راس لسان کا مقام اتصال قرار دیا ہے، اور سیبویہ کے قول "وَمِمَّا بين طرف اللسان وفوق الثنايا مخرج الزاي والسين والصاد" کا مطلب وہی لیا گیا ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ گو بعض اس طرف بھی گئے ہیں کہ حروف صفیرہ کا مخرج، راسِ لسان اور اطرافِ ثنایا علیا ہے[۲]

شہرت پر اکتفا کرتے ہوئے ناظم علیہ الرحمہ نے حروفِ صفیر کا نام نہیں لیا ہے، یا اس لئے صراحت نہیں کی کہ غالباً اِن حروف میں جائے خروج کے لحاظ سے کوئی ترتیب نہ تھی۔ یا اس وجہ سے کہ صفات میں حروف صفیرہ کی صراحت کریں گے۔

اور ابو شامہ وغیرہ جو ثنایا علیا کے صفحتین اور راسِ لسان مخرج بتلاتے ہیں صاد کو اَدْخَل زا کو اَخْرَج اور سین کو متوسط قرار[۳] دیتے ہیں۔

فائدہ (۱) مخرج کے اعتبار سے ان حرفوں کا نام اَسَلِیَّہ بفتحتین یا اَسَلِیہ ہے اَسَلَةُ اللسان کے معنی راس لسان اور نوک

---

[۱] شرح الشاطبیہ ملا علی قاری ص ۲۲۳ [۲] ابراز المعانی ص ۵۱۵ حکاہ عن الشیخ ابی عمرو [۳] نہایۃ القول المفید ص ۳۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زبان کے ہیں[1]، اور باعتبار صفت اِن کو حروف صفیر کہا جاتا ہے۔ اور بعض شراح نے اُسْلِیَّۃ بضم ہمزہ بھی صحیح کہا ہے[2]۔

(۲) لفظ الزّای میں مد یعنی زاء اور قصر یعنی زا دونوں طرح تلفظ صحیح ہے لیکن لکھنے میں الف کے بعد ی لکھی جاتی ہے (کذا فی الصّحاح) مطلب یہ کہ بولنے میں الف کے بعد ہمزہ کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں صحیح ہیں، لیکن لکھنے میں ہمزہ نہیں لکھا جاتا بلکہ یا لکھی جاتی ہے تاکہ راء مہملہ سے فرق ہو جائے۔ بہر حال یہ یا پڑھنے میں نہیں آتی[3]،

شـ۱۸ مِنْ طَرَفَیْہِمَا وَمِنْ بَطْنِ الشَّفَہْ ❁ فَالْفَا مَعَ اطْرَافِ الثَّنَایَا الْمُشْرِفَہْ

(ت) (اور ظا، ذال اور ثاء ثنایا عُلیا سے ادا ہوتے ہیں۔ یعنی) طرفِ لسان اور طرف ثنایا علیا سے۔ اور باطن لب سے ثنایا علیا کے اطراف کے ساتھ فا ادا ہوتی ہے۔

(ل) مِنْ طَرَفَیْہِمَا یعنی تَخْرُجُ مِنْ طَرَفَیْہِمَا، گذشتہ شعر کے دوسرے مصرعہ میں مبتدا آچکی ہے، یہ اُسی کی خبر ہے۔ اَلشَّفَۃُ بفتح شین وکسر شین[4] لب، مراد شفت سُفلی ہے۔ مَعَ اطْرَافِ اصل میں مع اَطْرَافِ تھا، لفظ مَعَ، قبیلہ ربیعہ کی لغت میں ساکن العین ہے۔ پھر نقل حرکت کے قاعدہ سے اَطْرَاف کے ہمزہ کا فتحہ عین کو دے کر ہمزہ حذف کر دیا گیا[5]۔

الْمُشْرِفَۃِ یعنی الْعَالِیَۃ۔ فَالْفَا میں تخفیفاً آخر سے ہمزہ حذف ہو گیا۔ عبارت اس طرح ہے، فالفاءُ مبتدا، تخرج مِن بَطْنِ الشفۃ کائنۃً مع اَطْرَافِ الثنایا المُشْرِفَۃِ (خبر)

ح۔ **چودہواں مخرج** | وَالظَّاءُ وَالذَّالُ وَالثَّاءُ لِلْعُلْیَا مِنْ طَرَفَیْہِمَا یعنی ظاء اور ذال اور ثا طرفِ لسان اور ثنایا عُلیا کے اطراف سے ادا ہوتے ہیں علامہ مرعشی فرماتے ہیں کہ بعض رسالوں میں ہے کہ ان تینوں کا مخرج ظہرِ لسان جو راس لسان سے قریب ہی ہے، اور ثنایا علیا کے طرفین کے درمیان ہے۔ تحقیق سے یہی زیادہ قریب ہے (جہد المقل)

ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وَیُقَالُ لِھٰذِہِ الثَّلاثَۃِ لِثَوِیَّۃٌ لِخُرُوْجِھَا مِنَ اللِّثَۃِ وَھِیَ مَنْبَتُ الْاَسْنَانِ

ان تینوں حرفوں کو لثویہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لثہ یعنی مَنْبَتُ الْاَسْنَان (دانتوں کے اُگنے کی جگہ) سے ادا ہوتے ہیں۔

اور نہایۃ القول المفید میں ہے لخروجھا من قرب اللثۃ۔ یعنی . . . . کیونکہ یہ حروف لثہ کے قریب سے ادا ہوتے ہیں۔ اور رعایہ میں ہے کہ ان کو لثویہ اس لئے کہا گیا کہ یہ لثہ (مسوڑھوں) سے ادا ہوتے ہیں۔ بعض محققین نے کہا کہ اس میں قدرے مسامحت ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کو لثہ کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا کہ ان حرفوں کی ادائیگی کے وقت سانس پھیلتی ہے

---

[1] منجد، وطاش کبری زادہ [2] طاش کبری زادہ [3] جُہْدُ المُقِل ص ۴۳ [4] منجد و ملا علی قاری [5] ملا علی قاری فی شرح المقدمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور لثہ سے ٹکراتی ہے[1]۔

مخرج سابق کے مقابلہ میں یہ مخرج خارج فم کی طرف زیادہ قریب ہے یعنی ترتیب راس لسان کے اعتبار سے ہے اور راس لسان خارج فم سے جسقدر زیادہ قریب اس مخرج میں ہے اسقدر گزشتہ مخرج[2] میں نہیں،

لہذا ملا علی قاری رح کا یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کہ سابقہ مخرج کے مقابلہ میں یہ مخرج نمبر ۱۴ داخل فم سے زیادہ تعلق رکھتا ہے لہذا اس کو حروف صفیر سے پہلے بیان کرنا چاہیئے تھا، جیسا کہ علامہ شاطبی نے کیا ہے[3]۔

ابوحیان اندلسی نے شرح تسہیل میں ذکر کیا ہے کہ یہ تینوں حروف، صرف عربی زبان میں ہیں، اسقدر لطیف حرف کسی دوسری زبان میں نہیں آیا[4]...... آگے حروف شفوی کا بیان آتا ہے۔

فائدہ - لثویۃ بکسر لام و فتح ثاء، مثلثہ یا بکسر لام و سکون ثاء ہے[5]۔ اور مرعشی نے لُثۃ بضم لام و تخفیف ثاء لکھا ہے[6]۔ لثہ بمعنی مسوڑھے، لِثات اور لِثی، جمع۔ حاصل یہ کہ لَثوِیّۃ، لِثوِیّۃ اور لُثوِیّۃ تینوں طرح درست ہے۔

پندرھواں مخرج[15]	وَمِنْ بَطْنِ الشَّفَۃِ فَالْفَا مَعَ اَطْرَافِ الثَّنَایَا الْمُشْرِفَۃ - اَلشَّفَۃِ میں الف لام عہدی ہے یعنی شفت سفلی مراد ہے، مطلب یہ کہ نچلے ہونٹ کے اندرونی حصہ پر ثنایا علیا کے کنارے لگانے

سے فا ادا ہوتی ہے۔

ش[19] لِلشَّفَتَیْنِ الْوَاوُ بَاءٌ مِّیْمٌ   وَغُنَّۃٌ مَخْرَجُھَا الْخَیْشُوْمُ

ت۔ دونوں ہونٹوں کے لئے واؤ، باء اور میم خاص ہیں   اور غنہ، اس کا مخرج   خیشوم ہے۔

ل۔ اَلْوَاوُ بَاءٌ وَّمِیْمٌ (مبتدا) خَاصَّۃٌ لِلشَّفَتَیْنِ (خبر)۔ مبتدا کے معطوفات ثلثۃ کے مابین تخفیفاً اور شدت قریب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے واؤ عاطفہ نہیں لائی گئی، نیز اول کو معرف باللام یعنی الواوُ اور باقی دو کو غیر معرف باللام فرمایا کیونکہ عَلَم نوعی پر لام تعریف لانا اور نہ لانا دونوں جائز ہے وَغُنَّۃٌ ای حروفُ غُنَّۃٍ (مبتدا) مَخْرَجُھَا (مبتدا ثانی)، اَلْخَیْشُوْمُ (خبر)، دونو قافیوں کے آخر میں واؤ اطلاقی ہے۔ غُنَّۃٌ اسم مصدر بمعنی خیشومی آواز غَنَّ یَغُنَّ غَنًّا وَغُنَّۃً خیشوم میں آواز دار کرنا۔ اَلْخَیْشُوْمُ اقصی الانف یعنی ناک کا اوپر والا سخت حصہ خَیَاشِم اور خَیَاشِیم جمع۔

۲ **سولھواں مخرج**[16]	لِلشفتین الواوُ باءٌ میمٌ یعنی واؤ (غیر مدہ)، باء اور میم کا مخرج شفتین کے ساتھ مخصوص ہے۔ واؤ میں انضمام شفتین ہوتا ہے۔ یعنی گول ہو کر ناقص طور پر ملتے ہیں اور با و میم اطباق

ملے جہد المقل صفحہ ۴۵ ملے جہد المقل صفحہ ۴۵ ملے منح الفکریہ مک نہایت القول المفید صفحہ ۳۵ ملے مختار الصحاح و منجد ملے جہد المقل صفحہ ۳۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شفتین سے ادا ہوتے ہیں، میم کی بہ نسبت با ہیں اطباقِ شفتین کا مل تر ہوتا ہے اور میم میں ضعیف، اسی وجہ سے با کو بحری اور میم کو بری کہا جاتا ہے کیونکہ ہونٹوں کے تر حصے کے اطباق میں جو کامل قوت ہے، وہ خشک حصہ کے اطباق میں نہیں۔

اِن حروف شفویہ میں پہلے واؤ لائی گئی پھر با اور پھر میم، یہی ترتیب بیانی نشر میں اور رشا آلیبیہ میں بھی اختیار کی گئی ہے، ایک شفوی حرف فا اوپر بیان کیا جاچکا ہے، فا اور واؤ دونوں ضعیف حروف ہیں، اسی لئے فا کے بعد واؤ کو لایا گیا،

اور نہایت القول المفید میں ہے کہ شفتین میں تین حصے سمجھنا چاہئیں ایک وہ جو داخل فم ہے، دوسرا وہ جو ظاہری بشرہ سے تعلق رکھتا ہے اور تیسرا وہ جو ان دونوں کے درمیان متوسط ہے، پہلے حصہ سے با، دوسرے سے واؤ اور تیسرے سے میم ادا ہوتی ہے اور مکی وغیرہ نے واؤ سب سے آخر میں بیان کیا ہے کیونکہ اس میں شفتین کا تعلق ضعیف ہوتا ہے۔

فا، واو، با اور میم اِن چاروں حرفوں کو شَفَوِیّ، شَفَہِیّ اور شَفِیّ کہا جاتا ہے۔

سترھواں مخرج

وَغُنَّۃٌ مَخْرَجُھَا الْخَیْشُوْمُ یعنی حروف غنہ کا مخرج خیشوم ہے۔
ناظم علیہ الرحمہ نے نشر میں فرمایا ہے۔

المخرج السابع عشر الخیشوم وھو الغنۃ وھی تکون فی النون والمیم الساکنتین حالۃ الاخفاء او ما فی حکمہ من الادغام بالغنۃ فان مخرج ھذین الحرفین یتحول فی ھذہ الحالۃ عن مخرجھما الاصلی علی القول الصحیح کما یتحول مخرج حروف المد من مخرجہ الی الجوف علی الصواب وقال سیبویہ ان مخرج النون الساکنۃ من مخرج النون المتحرکۃ انما یرید النون المظھرۃ۔

سترھواں مخرج خیشوم ہے، اور وہ غنہ ہے، جو نون میم ساکنہ میں بحالت اخفا ہوتا ہے نیز اُن میں بھی جو انہیں نون و میم مخفاۃ کے حکم میں ہوں جیسے مُدغَم بالغنہ۔ اِن دو حرفوں کا مخرج اس حالت میں مخرجِ اصل سے منتقل ہو کر قول صحیح کی بنا پر خیشوم ہوتا ہے جس طرح حروف مدہ کا مخرج مدّیت کی حالت میں اپنے مخرج اصلی سے منتقل ہو کر جوف ہوجاتا ہے۔ اور سیبویہ نے جو کہا ہے کہ نون ساکنہ کا مخرج وہی ہوتا ہے جو نون متحرکہ کا ہے تو اُس کی مراد بھی نونِ ساکنہ سے نونِ مُظہرہ ہی ہے۔

اسی طرح ابوشامہ نے شیخ ابوعمرو دانی سے نقل کیا کہ

ھذہ الغنۃ المسماۃ بالنون الخفیۃ لیست النون التی مرّ ذکرھا فان تلک من الفم وھذہ من الخیشوم وشرط ھذہ ان یکون بعدھا حرف من حروف الفم لیصح اخفاؤھا فان کان حرف من حروف

یہ غنہ جو بالفاظ دیگر نون مخفاۃ ہے وہ نون نہیں جس کا ذکر گذر چکا ہے، کیونکہ وہ منہ سے، اور یہ خیشوم سے ادا ہوتا ہے۔ اور اس نونِ مخفاۃ کی شرط یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی لسانی حرف آئے تاکہ اس میں اخفا صحیح ہو لہٰذا اگر اس کے بعد کوئی حرف حلقی ہوگا یا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یا نون آخر کلام میں ہوگا تو واجب ہوگا کہ وہ نون کی پہلی قسم ہو۔	الحلق او کانت آخر الکلام وجب ان تکون الاولی۔

ہمارے خیال میں متن کی سب سے بہتر وہ تشریح ہو سکتی جو خود صاحب متن کی مراد معلوم کر کے کی جائے۔ چنانچہ پہلی عبارت خود صاحب متن کی ہے اور دوسری محقق فن علامہ دانی کی بطور تائید مزید نقل کی گئی ہے۔ بہرحال معلوم ہوا کہ نون و میم مخفاۃ کا مخرج لسان کو نہیں بلکہ خیشوم کو مانا جاتا ہے، واضح ہو کہ حسب ذیل حروف کی آواز خیشوم میں جاتی ہے۔

(۱) نون ساکنہ یا تنوین بحالت اخفا
(۲) میم ساکنہ مخفاۃ (عند الباء)
(۳) نون ساکنہ یا تنوین مدغم بادغام ناقص
(۴) میم ساکنہ مدغم فی المیم
(۵) نون ساکنہ مدغم فی النون

www.kitabosunnat.com

(۶) نون مشددہ
(۷) میم مشددہ

یہ حروف غنہ ہوئے پہلے دو میں غنہ ذاتی ہے، یعنی مخرج ہی خیشوم ہوتا ہے تیسرے میں ادغام کی وجہ سے نون کا مخرج مدغم فیہ کے مخرج سے بدل جاتا ہے اور غنہ نون کی صفت باقیہ کے طور پر ہوتا ہے باقی چار میں کہ نون مشدد میں مخرج زبان اور تالو اور میم مشدد میں مخرج دونوں ہونٹ ہی ہوتے ہیں اور غنہ بطور صفت ہوتا ہے۔ بہرحال غنہ نون و میم میں خواہ بطور ذات ہو یا بطور صفت، اُس کا مخرج خیشوم ہی ہوتا ہے۔ اور علامہ جزری نے یہاں اور نشر میں سترھواں مخرج اسی کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ناظم کو غنہ کی بحث صفات میں کرنا چاہیئے تھی کیونکہ غنہ صفت ہے اور یہاں مخارج کا بیان ہو رہا ہے۔ وجہ یہ کہ بالذات تو وہ حروف بیان کرنے مقصود ہیں جن میں غنہ بطور ذات ہوتا ہے اور ان کا مخرج خیشوم ہے، اور جن حرفوں میں غنہ بطور صفت ہے ان کا مخرج تو خیشوم نہیں، البتہ ان کی صفت غنہ کا محل و قوع یہی خیشوم ہوگا۔ مگر اس صفت غنہ سے اس باب میں تعرض تبعاً لحروف الغنہ ہوگا، جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ مطلق وَغُنَّۃٌ فرمایا حَرْفُ غُنَّۃٍ یا صِفَۃُ غُنَّۃٍ تقیید کے ساتھ نہیں فرمایا۔

ایک اعتراض اس مقام پر یہ کیا جاتا ہے کہ نون و میم مخفاۃ حروف فرعیہ ہیں، جب دوسرے حروف فرعیہ مثلاً الف ممالہ وغیرہ کے مخارج کا بیان نہیں کیا گیا، تو انہیں حروف فرعیہ کے بیان کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دوسرے حروف فرعیہ اپنے اصل حروف کے مخارج سے ہی تعلق رکھتے ہیں مثلاً الف مُمالہ کا مخرج بھی تقریباً وہی ہے جو الف خالص کا ہے۔ اسی طرح صاد مشممہ وغیرہ، ان کے مخارج بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور خیشوم ایک ایسا مخرج فرعی تھا جس کا مخرج اصلی (لسان و شفتین) سے تعلق نہیں بلکہ ایک استقلالی شان ہے اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس[1] کی گئی۔

---

[1] نہایۃ القول المفید۔ والآرتشاف۔ وجہد المقل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعداد و شمار

یہاں مخارج کا بیان ختم ہوگیا، ۳ حروفِ جوفیہ، ۶ حلقیہ، ۲ لہاتیہ، ۳ شجریہ، ۱ حافیہ، ۳ ذلقیہ، ۳ نطعیہ، ۳ اسلیہ، ۳ لثویہ، ۴ شفویہ اور ۲ حروفِ غنہ۔ اس طرح کل حروف کی تعداد تینتیس ۳۳ ہوتی ہے۔ ان میں سے واو، یا، اور نون و میم چار حروف مکرر آئے یعنی واو حروفِ جوفیہ میں بھی ہے اور حروفِ شفویہ میں بھی۔ یا حروفِ جوفیہ میں بھی ہے اور شجریہ میں بھی، نون حروفِ ذلقیہ میں بھی ہے اور غنہ میں بھی، اسی طرح میم حروفِ شفویہ میں سے بھی ہے اور غنہ میں بھی، اس لئے اگر ان ۴ مکرر حروف کو نہ گنا جائے تو کل تعداد حروف ۲۹ رہجاتی ہے، جو مشہور ہے اور جس پر مفصل بحث آچکی ہے۔ مخارج کل سترہ ہوئے اور مشترک فی المخارج مجموعوں کی تعداد ۱۱ ہوئی، یعنی جوفیہ حلقیہ وغیرہ الخ

اور جمہور کے نزدیک اصولِ مخارج پانچ اور ابوشامہ کے نزدیک چھ ۶ ہیں حلق[1] جس میں تین مخرج ہیں اور جس سے چھ ۶ حروف ادا ہوتے ہیں۔ لسان[2] جس میں دس مخرج ہیں اور اٹھارہ ۱۸ حروف ادا ہوتے ہیں۔ شفتین[3] جس میں دو ۲ مخرج ہیں اور چار ۴ حروف ادا ہوتے ہیں جوفِ دہن ایک ۱ مخرج ہے جس سے تین حروفِ مدّہ ادا ہوتے ہیں خیشوم[5] یہ بھی ایک ۱ مخرج ہے، جس سے نون و میم بحالتِ غنہ دو ۲ حرف ادا ہوتے ہیں۔ اور ابوشامہ فا کا مخرج، ثنایا علیا اور باطن لب کو اصولِ مخارج میں چھٹا اصول علیحدہ شمار کرتے ہیں، کیونکہ وہ نہ لسانی ہے اور نہ کامل طور پر[1] شفوی۔

حروفِ فرعیہ

جن حرفوں کے مخارج کی یہاں تعداد دی گئی ہے، اُن سے حروفِ اصلیہ مراد تھے اِن کے مقابلہ میں کچھ حروفِ فرعیہ بھی کہلاتے ہیں، جن سے اس رسالہ میں تعرّض نہیں کیا گیا، مگر ہم مختلف کتبِ تجوید میں سے تتبع کے بعد یکجا لکھتے ہیں۔

حروفِ فرعیہ وہ حروف کہلاتے ہیں، جن کا مخرج دو ۲ اصلی حرفوں کے درمیان ہو یعنی کچھ حصہ آواز کا ایک حرف سے اور کچھ حصہ دوسرے حرف کی آمیزش سے یہ حرف نکلتا ہے[2] اور ملا علی قاریؒ نے تعریف یہ کی ہے "وہ حرف جو اپنا اصلی مخرج یا صفتِ ذاتیہ چھوڑ چکا ہو" ان دونوں تعریفوں کی روشنی میں حروفِ فرعیہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہمزۂ مُسَہَّلہ۔ یعنی ہمزۂ مُسَہَّلہ، کالواؤ، کالالف، اور کالیا، جیسے ءَاَعْجَمِیٌّ میں ہمزۂ ثانیہ کالالف پڑھا گیا ہے۔

(۲) الفِ مُمالہ، وہ الف جسکو امالۂ صُغریٰ[3] یا کُبریٰ سے پڑھا جائے جیسے مَجْرٖىهَا وغیرہ۔

(۳) لامِ مفخّمہ جیسے لامِ اسم الجلالہ، اور بروایت ورش وہ لام مفتوحہ جو صاد، طا اور ظا، کے بعد واقع ہو جیسے[4] ظَلَمُوا[5]

(۴) صادِ مُشَمَّمہ بالزای جیسے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ میں، اور اَصْدَقُ وغیرہ میں۔ کہ زاء اور صادِ خالصہ کی فر

(۵) نونِ مخفاۃ

(۶) یاءِ مُشَمَّمہ بصوتِ الواؤ جیسے ہشام و کسائی کے یہاں قِيلَ وَغِيضَ

---

[1] ابراز المعانی ص ۵۱۶ [2] جہد المقل ص ۵۲ [3] سیبویہ نے الفِ مُمالہ بامالۂ صغریٰ کو حروفِ فرعیہ میں شمار نہیں کیا۔ نشر ج۱
[4] نشر ص ۲۰۲ ج ۲ [5] نشر ص ۲۰۲ ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۷) حرفِ مفخّم کے بعد الفِ مفخّم [1]

(۸) میم مخفاۃ یا مدغم [2]۔
بقولِ طیبی جب میم میں اظہار ہو تو اصلیہ ہے اور جب اخفا یا ادغام ہو تو فرعیہ یعنی ناقصہ ہے۔

---

(۱) یعنی اس الف کے تلفظ میں تفخیم کی آمیزش اسے واؤ کے تلفظ سے قریب کرتی ہے جیسا کہ الف ممالہ کے تلفظ میں ترقیق کی آمیزش اس کو یا سے قریب کرتی ہے اسی لئے الف کو اور اسی طرح لام مغلظہ متردّد بین الالف الاصلیۃ والواو مانا گیا۔ بہرحال الف ممالہ اور الف مفخّم فرع ہیں الفِ منتصبہ کی۔ نشر ص ۲۰۱ ج ۱

(۲) قال صاحبُ نہایۃ القولِ المفید وانفرد الطیبی بذکر ھذا الحرف ولم ار لغیرہ۔

نوٹ:۔ نہایۃ القول المفید میں ہے کہ لام مفخّمہ اور نون مخفاۃ کو شرح ملا علی قاری، شرح برکوی شرح نونیۃ السخاوی اور شرح القول المفید میں حروف فرعیہ میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن حلبی نے اپنی شرح میں اس کو وہم کہا ہے، کیونکہ ان میں کسی دوسرے حروف کا شائبہ تک بھی نہیں اور نہ یہ دو مخرجوں کے درمیان دائر ہیں، صرف اسقدر حقیقت ہے کہ لام، لام مغلظہ ہے اور نون، نون مخفاۃ جس کا مخرج خیشوم ہے، اور یہ کہنا کہ نون اسی لحاظ سے حرف فرعی ہے کہ کبھی اس کا مخرج خیشوم ہوتا ہے، اور کبھی طرفِ لسان حرفِ فرعی کی تعریف کے ذیل میں نہیں آتا، کیونکہ فرعیت یہ ہے کہ بیک وقت دو مخرجوں میں دائر ہو۔

لیکن حلبی کی یہ رائے صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ نون مخفاۃ میں مخرج اصلی یعنی طرفِ لسان کا عمل گو ضعیف درجہ میں ہو، رہتا ضرور ہے۔ علماءِ تجوید کا یہ فرمانا کہ لا عمل للسان محققین کے نزدیک اس سے عمل محکم کی نفی مقصود ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ نونِ مخفاۃ میں فرعی حالت نہ مانی جائے، جبکہ اس کا مخرج، اصلی اور مقدر دونوں میں بیک وقت دائر ہے، اسی طرح میم مخفاۃ میں بھی اخفا کے وقت لَب اور خیشوم میں آواز دائر ہوتی ہے، لہٰذا یہ بھی حرف فرعی ہوئی۔

البتہ لام مفخّمہ میں اشکال ہوتا ہے مگر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ تفخیم کی وجہ سے لام مخرج اصلی اور (انفتاح صوت کی بجائے) انضمامِ صوت کے درمیان دائر ہوتا ہے اور راءِ مفخّمہ کو اس ذیل میں شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ راء میں اصل تفخیم ہے، بخلاف لام کے، کہ اس میں اصل ترقیق ہے۔

حرکاتِ اصلیّہ و فرعیّہ

مخارج میں اصلی و فرعی کی قسموں کے ذیل ہیں، مناسب ہے کہ حرکات کی اصلی و فرعی قسموں کو بھی بیان کر دیا جائے۔

حرکات دو قسم پر ہیں اصلی۔ فرعی۔ اصلی تین ہیں فتحہ کاملہ ضمہ کاملہ اور کسرہ کاملہ اور فرعیہ دو ہیں۔

اوّل۔ فتحۂ ممالہ، یعنی وہ زبر جو الفِ ممالہ سے پہلے ہو جیسے بُشْرٰی، النَّار، الکٰفرین، مجرٖىھا وغیرہ میں امالہ کرنے والوں کے یہاں الف کو امالہ سے پڑھا جائے تو ماقبل الف کی حرکت نہ خالص کسرہ ہوگی اور نہ خالص فتحہ، بلکہ دائر بین الکسر والفتح ہوگی اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح کسائی کے یہاں ھاءِ تانیث میں وقف کے وقت امالہ کیا جائے گا اور ھاءِ موقوفہ کے ماقبل فتحہ، کسرہ کی طرف مائل ہوگا۔ دالم
مُشَمَّۃ، جیسے قِیْلَ وَغِیْضَ میں اشمام کرنے والوں کے یہاں، قاف اور غین کا کسرہ دائر بین الکسر والضم ہے۔

بَابُ الصِّفَاتِ

ش۲ صِفَاتُهَا جَهْرٌ وَّرِخْوٌ مُّسْتَفِلْ مُنْفَتِحٌ مُّصْمَتَةٌ وَّالضِّدَّ قُلْ

ت (مذکورہ ۲۹) حرفوں کی صفتیں جہر اور رخاوت اور استفال، انفتاح اور اصمات ہیں اور جیساکہ ہم آگے بتلاتے ہیں ان
پانچ صفتوں کی) ضدوں کو بھی کہو۔

ل صفاتُہا صفت وہ کیفیت، جو اپنے موصوف کے بغیر نہ پائی جائے جیسے سواد وبیاض کا وجود کہ شئ اسود وابیض کے بغیر علیحدہ نہیں
پایا جاتا۔ اسی لئے صفت کی تعریف کی گئی ہے۔ مَایَدُلُّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ مَوْصُوْفِہٖ وہ کیفیت جو اپنے موصوف میں کسی معنی
پر دال ہو۔ جہرٌ بالفتح رَفع صوت ومنہ قولہ تعالی وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ رِخْوَۃٌ بکسر را یا رِخْلوۃٌ، بالفتح نرم
وسہل ہونا وَمِنْہُ قولہ تعالی تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَاءً مُسْتَفِلٌ استفال نیچے اترنا منفتحٌ انفتاح کھلنا
مُصْمِتَۃٌ اِصْمَاتٌ خاموش کرنا۔ یہ پانچ صفات کے لغوی معنی ہیں۔ پہلی دو صفتیں بصورت مصدر لائی گئی ہیں، جو بطور
اسم مصدر صفات کے نام ہیں، باقی تین، بصورت اسم فاعل ہیں، ضرورت شعری یا تفنن عبارت کے لئے ایسا کیا گیا۔ مگر بہتر یہ ہے
کہ یہ تینوں صفاتی نام بصیغۂ اسم مفعول عین کلمہ کے فتح کے ساتھ پڑھے جائیں اس صورت میں یہ مصدر میمی ہوں گے اور مصدری
معنی ادا کریں گے، یہ پانچوں صفات صفاتہا (مبتدا) کی خبر ہیں۔ اور چند اخبار کے درمیاں واو عاطفہ لانا اور نہ لانا دونوں جائز ہیں
اسی لئے جَهْرٌ وَّرِخْوٌ میں تو واو عاطفہ ہے باقی میں نہیں۔ وَالضِّدَّ یہ قُلْ کا مفعول بہ مقدم ہے۔

ح صفت۔ مَایَدُلُّ علی معنی فی موصوفہ اس کی تین صورتیں ہیں۔
صفت اگر موصوف کے محل پر دال ہو تو یہ صفت باعتبار محلیت ہوگی، جیسے حرفوں کا حلقیہ، ہوئیہ اور شجریہ وغیرہ ہونا، جس کی تفصیل
مخارج میں گذر چکی ہے، صفت ۲ موصوف کو عارض ہو جیسے تفخیم ترقیق اظہار اور ادغام وغیرہ جس کی تفصیل آگے آئیگی صفت ۳ باعتبار ذات
کے موصوف یعنی حروف سے لازم غیر منفک ہو کر پائی جائے یہ صفات ذاتیہ اور لازمہ کہلاتی ہیں، یہاں انہیں کا بیان مقصود ہے۔
حاصل یہ کہ تجوید میں مخارج اور صفات لازمہ دونوں داخل حقیقت ہیں تقاضائے طبیعت سے جو ہوائے غیر مسموع یعنی سانس پھیپھڑ
میں سے آتی جاتی ہے، اس کو نَفَس (بفتحتین) کہتے ہیں، یہی نفس اگر بالارادہ خارج ہوا اور تصادم آلات صوتیہ کی وجہ سے اس میں تموّ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہو تو یہ صوت یعنی آواز ہے۔ یہ صوت جب کسی مخرج محقق یا مقدر پر معتمد ہوتی ہے تو اس کو حرف کہا جاتا ہے، ان حرفوں کو جو کیفیات عارض ہوں تو اُن کیفیات کو صفات کہا جاتا ہے۔

صفات کو تجوید سے بڑا گہرا تعلق ہے، صفات کے نہایت اہم تین فوائد بتائے گئے ہیں۔

(۱) مشترک فی المخارج حروف میں صفات ہی کے ذریعہ امتیاز ہوتا ہے چنانچہ رُمّانی اور مازنی نے فرمایا کہ اگر صفت استعلاء و اطباق مثلاً نہ ہوں تو دال اور طا میں کوئی فرق نہ ہو، اسی طرح ذال معجمہ اور ظاء معجمہ کی آواز ایک ہو جاتی، اور صاد و سین میں کوئی فرق نہ ہوتا۔

(۲) صفات کے ذریعہ حروف کی قوت و ضعف کا حال معلوم ہوتا ہے اور باب ادغام و اظہار سمجھنے میں مدد ملتی ہے، چنانچہ حرف قوی کا حرف ضعیف میں بالکل ادغام نہیں ہوتا یا اتحاد فی المخرج کی وجہ سے کیا بھی جاتا ہے تو ناقص کیا جاتا ہے، اسی طرح ادغام متقاربین میں ادغام کی وجہ جس طرح قرب مخرج ہوتی ہے اسی طرح قرب صفات بھی ہوتی ہے۔

(۳) صفات کا سب سے بڑا فائدہ حروف کے تلفظ میں کمال و تحسین کا پیدا کرنا ہے عربی زبان کی یہی وہ خوبی ہے، جو دیگر عجمی زبانوں میں تقریباً نایاب ہے۔ اسی لئے مجود کی بہترین ادا کا کمال صفات کے بے تکلف ادا کرنے سے معلوم ہوتا ہے، بہت سے پڑھنے والے صفات کی ادا میں ڈھیلے ہوتے ہیں اور سارا زور مخارج کی ادا پر ہی رکھتے ہیں حالانکہ لحن عربی کو صفات کی کامل ادا سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اسی لئے مخارج کو مثل میزان اور صفات کو مثل محک یعنی کسوٹی کہا گیا ہے۔

صفات کی تعداد میں علماء تجوید کا اختلاف ہے۔ محمد بن مکیؒ وغیرہ نے چوالیس بلکہ اس سے بھی زیادہ شمار کرائی ہیں انشاء اللہ ہم آخر باب صفات میں اس پر کچھ کلام کریں گے۔

صِفَاتُھَا صفات دو طرح کی ہیں لازمہ یا ذاتیہ یعنی حروف سے ان صفات کا انفکاک ممتنع ہے، انفکاک سے ایک حرف کی دوسرے حرف سے تبدیلی یا صوت عجمی سے تشابہ لازم آئے یہ کل سترہ[1] بیان کی جارہی ہیں جن میں دس متضادہ اور سات منفردہ ہیں اور اگر وہ صفات ایسی ہوں کہ ان کا اپنے موصوف سے انفکاک ہو سکے یعنی بعض احوال میں پائی جائیں اور بعض میں نہیں تو وہ صفات عارضہ یا مُحَسِّنَہ کہلاتی ہیں۔ اُن کا بیان بعد میں ہوگا۔ آنے والی پانچ صفات کے لغوی معانی ہم حل الالفاظ میں لکھ چکے ہیں اصطلاحی حسب ذیل ہیں۔

پہلی[1] صفت جَھْرٌ یعنی حرف کی آواز کا اُس کے مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ اعتماد ہو کہ سانس جاری نہ رہے بلکہ تمام سانس آواز میں تبدیل ہو جائے جس کی وجہ سے اُن حرفوں کی آواز بلند نکلے۔ انیس ۱۹ حروف ہیں جن میں یہ صفت پائی جاتی ہے جن کا مجموعہ عَظُمَ وَزْنُ قَارِیٍٔ ذِیْ غَضٍّ جَدَّ طَلَبَ[1] ہے (ترجمہ:- نیچی نگاہ رکھنے والے قاری کا وزن عظیم ہوا اس نے طلب میں کوشش کی)

دوسری[2] صفت رِخْوٌ یعنی مخرج میں آواز کا ایسی نرمی سے اعتماد ہو کہ وہ جاری رہے۔ حروف رخوہ میں آواز کے جاری رہنے کی کیفیت واضح طور پر اس وقت مفہوم ہوتی ہے جب یہ ساکن ہوں مثلاً مَنَاص، غَوَاش

---

[1] نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بحالتِ وقف حروف رخوہ سولہ۱۶ ہیں جن کا مجموعہ خَسُّ حَظٍّ شَمُّ هَنٍ وَمِنخُثٌ يَافَذٌّ[1] ہے (کم نصیبی م...
کی کمی اور پراگندہ حالی سے بے اے پریشان آدمی)

تیسری صفت مُستَفِل یعنی حروف کی ادا کے وقت زبان کا پست رہنا اور حنک کی طرف نہ اٹھنا۔ یہ بائیس۲۲
ہیں۔ جن کا مجموعہ اُنشُرْ حَدِيثَ عِلْمِكَ سَوفَ تُجْهَزْ بِذَا[2] (اپنی علمی بات کو مشہور ک...
تجھے اس کے عوض سروسامان دیا جائے گا) ہے۔ ان حرفوں کو مستفلہ کہتے ہیں اور یہ اطلاق مجازاً ہے کیونکہ مُستَفِل درحقیقت
نہیں بلکہ زبان ہوتی ہے[3] نیز ان حرفوں کو منخفضہ اور مُتَسفِلہ بھی کہا گیا ہے۔ مزید بحث، اس کی ضد استعلاء کے ذیل میں دیکھو۔

چوتھی صفت مُنفَتِح۔ یعنی جن حرفوں کی ادائیگی میں زبان، حنک کے غارِ اعلیٰ کو بند نہ کرے بلکہ زبان اور حنک کا د...
کھلا رہے۔ حروف منفتحہ پچیس۲۵ ہیں مَنْ اَخَذَ وَجْدَ سَعَةٍ فَزَكَا حَقَّ لَهُ شُرْبُ غَيْثٍ[4] (ج...
مال کی تونگری پائے اور وہ مال پاکیزہ ہو بارشِ رحمت کا پینا اس کو جائز ہے)

پانچویں صفت مُصْمِتَة۔ یعنی جن حروف کی ادائیگی میں سرعت مطلوب نہ ہو۔ اور مخرج میں وسعت ہو۔ چنانچہ علامہ...
نے فرمایا[5] حروف مصمتہ وہ ہیں کہ ان کی ادائیگی میں ٹھوس پن ہو، جس کی وجہ سے وہ بھاری ہوں" اور شار...
یمنی وغیرہ کہتے ہیں اسی ثقالت کی وجہ سے عربی میں کوئی رباعی یا خماسی کلمہ ایسا نہیں جو صرف حروف مصمتہ سے مرکب ہو بلکہ ثقالت کم کر...
کے لئے ان کی ضد یعنی حروف مذلقہ میں سے بھی کوئی حرف ملایا جاتا ہے تاکہ خفت پیدا ہو، اور عَسْجَد اور عَسْطُوس وغیرہ الفاظ خال...
عربی نہیں بلکہ دخیل ہیں۔ اور لغت میں اصمات کے دو معنی ہیں، خاموش کرنا اور مانع ہونا[2]۔

حروف مصمتہ کی آواز چونکہ بھاری اور ٹھوس ہے گویا ان کی ادا میں خاموش کرنے اور ٹھہرانے کی کیفیت پائی جاتی ہے، یا تنہ...
انہی حروف کی ترکیب سے رباعی وخماسی کلمات، چونکہ عربی میں نہیں پائے جاتے تو گویا یہ حروف بذاتِ خود مانع عن الترکیب ہ...
علامہ رضی پہلی وجہ تسمیہ کو بہتر قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ صفتِ اذلاق کی ضدیت کے مفہوم سے قریب وہی ہے۔

حروف مصمتہ تیئس۲۳ ہیں جُزْ غِشَّ سَاخِطٍ صَدٍّ ثِقَةٍ اِذْ وَعْظُهُ يُحْزِنُكَ (ترجمہ) اس غصہ کرنے والے ک...
دھوکے سے درگذر کر جو نیک آدمی کو روکے، کیونکہ اس کو نصیحت تجھے خیر پر آمادہ کریگی)

مکی نے رعایہ میں کہا ہے کہ الف نہ مذلقہ ہے نہ مصمتہ کیونکہ وہ ہوائیہ ہے اور مخرج میں اس کا کوئی مُستقر نہیں[5]۔

وَالضِّدَّ قُلْ یعنی اوپر جن پانچ صفات کا ذکر ہوا ہے یہ چونکہ صفاتِ متضادہ میں سے ہیں اس لئے ان کی پانچ متضاد صف...
کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ ان صفات کی معرفت مکمل ہو سکے، اور ان اضداد کی معرفت سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ان صفات میں...
ہر ایک اپنی ضد کے ساتھ مل کر تمام حرفوں کو شامل ہیں، بالفاظ دیگر تمام حروف، ان پانچ اضداد پر ضرور تقسیم ہوں گے اور کوئی ا...
خالی نہ ہوگا اسی لئے آنے والے تین شعروں میں پانچ اضداد مع ان کے حروف کی تعداد کے اسی ترتیب سے بیان کر رہے ہیں جس ترت...
یہاں مذکورہ پانچ صفات بیان ہوئی ہیں گویا بیان میں لف ونشر مرتب ہے۔

---

[1] طاش کبری زادہ [2] نہایۃ القول المفید [3] التمہید للجزری [4] طاش کبری زادہ ونہایۃ القول المفید [5] نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شعر ۱۲ مَهْمُوسُهَا فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ　　شَدِيدُهَا لَفْظُ أَجِدْ قَطٍ بَكَتْ

ت حروفِ مہموسہ فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ ہیں۔ حروفِ شدیدہ أَجِدُ قَطٍ بَكَتْ کے لفظوں میں ہیں ۔

ل مھموسھا مبتدا، ضمیر حروف یا صفات کی طرف لوٹتی ہے، آگے مجموعہ خبر ہے، اسی طرح شدیدھا مبتدا ہے اور لفظ مضاف اور بتاویل مجموع أَجِدُ قطٍ بکت مضاف الیہ ہے اور مضافین کا مجموعہ خبر ہے حَثَّ آمادہ کیا۔ سَكَتَ، شَخْصٌ کی صفت ہے یا فَحَثَّهُ پر عطف ہے۔ أَجِدُ اصل میں أَجِدُ مضارع واحد متکلم ہے۔ شرح میں مزید تشریح ملاحظہ ہو۔

---

۶ **چھٹی صفت** مَهْمُوسُهَا فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ، ہمس کے معنی پست آواز۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ وَالْهَمْسُ صَوْتٌ خَفِيٌّ يُشْبِهُ صَوْتَ أَخْفَافِ الْإِبِلِ إِذَا سَارَتْ فَوْقَ الرَّمْلِ[۱] (ہمس ایسی پست آواز کو کہتے ہیں جو اونٹوں کے ریت پر چلنے میں قدموں کی آواز سے مشابہ ہو) وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ط اصطلاحی معنی ہیں آواز کا مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھیرنا کہ سانس بھی جاری رہے"، یعنی سانس پوری طرح آواز میں تبدیل نہیں ہوتا کیونکہ آواز میں ضعف ہوتا ہے بلکہ وہ کچھ اپنی غیر مسموعی کیفیت پر بھی رہتا ہے[۲]۔

یہ حروف دس ہیں اور فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ میں جمع ہیں، اور صفت جہر والے حروف کی ضد ہیں۔ علامہ مرعشی فرماتے ہیں کہ جہر و ہمس کا تقابل چونکہ آواز کی بلندی اور پستی پر مبنی ہے، لہذا وہ جہری تلاوت میں ہی محسوس ہو سکتا ہے، قراۃ سریہ میں اس کا تحقق نہیں[۳]۔

بعض شروح میں لکھا ہے کہ "جہر کے حروف میں آواز زیادہ اور سانس کم ہوتا ہے یعنی جو ہوا اندر سے نکلتی ہے اس کے اکثر حصّہ کی تو آواز بن جاتی ہے اور تھوڑا حصّہ جو باقی رہتا ہے وہ سانس ہوتا ہے"۔

حروف مجہورہ کی یہ تعریف خلافِ تحقیق ہے بلکہ صحیح تعریف یہ ہے، جو اسی شرح میں دوسری جگہ ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ "مجہورہ میں اندر سے نکلنے والا سانس پورا کا پورا آواز کی کیفیت سے متکیف ہو کر آواز ہی بن جاتا ہے اور اُن کے ادا کرنے میں ایک قوی آواز پیدا ہوتی ہے۔

ساتویں صفت شَدِيدُهَا لَفْظُ أَجِدُ قَطٍ بَكَتُ یعنی صفتِ شدت والے آٹھ حروف ہیں جو أَجِدُ قَطٍ بَكَتُ کے الفاظ میں جمع ہیں۔ شِدَّت کے معنی سختی اور مضبوطی کے ہیں۔ اصطلاح میں مطلب یہ ہوتا

---

[۱] شرح شاطبیہ ص۱۲۵　[۲] ملا علی قاری فی الجزریہ　[۳] نہایۃ القول المفید ص۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ان حروف کی ادائیگی میں آواز کو مخرج پر اتنا کامل اور قوی اعتماد ہو کہ آواز محبوس (بند) ہو جائے۔ آواز کا یہ انحباس حرف کے ساکن ہونے کے وقت صاف واضح ہوتا ہے مثلاً اَجْ، اَتْ میں جیم اور تا کی آواز میں جریان نہیں ہے۔

یہ دوسری صفت رِخوَ کی ضد ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ حروف رخوہ میں آواز میں جریان ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ رِخوہ نرمی سے اور شدیدہ دباؤ اور مضبوطی سے ادا ہوتے ہیں، خواہ متحرک ہوں یا ساکن ہوں۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حروف شدیدہ وہ ہوتے ہیں جن میں آواز بند ہو جائے، حقیقت میں یہ تعریف نہیں بلکہ ان کی شدت پر تفہیم کے لئے ایک واضح علامت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ رخوہ اور شدیدہ کی حقیقت ذاتیہ وہی ہے جو ان لفظوں کے لغوی مفہوم سے سمجھی جاتی ہے یعنی رخوہ حروف کی ادائیگی میں نرمی ہوتی ہے اور شدیدہ میں سختی اور مضبوطی، لہٰذا ان حروف کا یہ وصف ایسا عام ہوا کہ حروف کے متحرک اور ساکن ہونے میں بہرحال قائم رہنا چاہیئے۔

اور یہی صورت مجہورہ اور مہموسہ میں بھی سمجھنی چاہیئے، کہ سانس کا بند اور جاری رہنا۔ یہ محض حالتِ سکون میں ایک علامت ہے حدِ ذاتی نہیں، حدِ ذاتی وہی ہے جو ان کے لغوی مفہوم سے سمجھ میں آتی ہے، یعنی مجہورہ وہ حروف کہ جن کی آواز بلند نکلتی ہے، اور مہموسہ وہ کہ جن کی آواز میں پستی ہوتی ہے۔ آواز کی بلندی اور پستی ایک ایسی حدِ فاصل ہے جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہے۔ اور حروف کے متحرک وساکن ہونے کی دونوں حالتوں میں بہرحال قدرِ مشترک کے طور پر یہ حقیقتیں یکساں پائی جائیں گی، اور صفاتِ لازمہ کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ جو حرف کی ذات کے لئے لازم ہو، جب بھی حرف پایا جائے وہ صفت ضرور پائی جائے۔ انحباسِ نفَس یا جریانِ نفَس اسی طرح احتباسِ صوت یا جریانِ صوت یہ کیفیات حروف ساکنہ میں تو ذہن نشین ہو جاتی ہیں، مگر متحرک حرفوں میں ان کیفیات کا ادراک تعمق اور دقت سے خالی نہیں۔ جس کی وجہ سے اکثر طلبہ حیران ہوتے ہیں کہ احتباس اور جریان کے ساتھ جو تعریف کی گئی ہے وہ حروف کی سکونی حالت میں ہوتی ہے، حالانکہ صفاتِ لازمہ حروف میں بہرحال پائی جانی چاہئیں ساکن ہوں یا متحرک ہوں۔

ہمارے خیال میں تو اسی وجہ سے کہ ان صفات کے ناموں سے ہی جو مفہوم سمجھ میں آتا تھا وہی کافی تھا ناظم علیہ الرحمہ نے اسی لئے ان کے نام بولنے پر ہی اکتفا کیا، اور تعریف چنداں ضروری نہ سمجھی۔

جہر و ہمس اور شدت و رخاوت کی جو تعریفیں مشہور ہیں، عرض کیا جا چکا ہے کہ ان کی حیثیت خواص کی ہے جیسے انسان کی تعریف ضاحک کے ساتھ کی جائے، حدِ ذاتی اور ماہیت کی نہیں ہے، تاہم چند اعتراض پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ کاف اور تا مہموسہ وشدیدہ ہیں یعنی ہمس کی وجہ سے ان میں سانس جاری ہوگا اور شدت کی وجہ سے آواز بند ہوگی۔ آواز اور سانس میں بظاہر لزوم معلوم ہوتا ہے لہٰذا ایک ہی وقت میں یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آواز بند بھی ہو اور سانس جاری بھی ہو، سانس جاری رہے گا تو آواز بھی جاری رہنی چاہیئے یا آواز بند ہوتی ہے تو سانس بھی جاری نہ رہنا چاہیئے۔

جواب یہ ہے کہ دونوں میں لزوم نہیں، سانس اُس ہوا کو کہتے ہیں جو پھیپھڑوں میں سے طبعًا خارج ہوتی ہے، نیز یہ کہ یہ ہوا بغیر مسموع ہوتی ہے، آدمی خاموش ہو، وہ سانس تو لے رہا ہوتا ہے حالانکہ آواز نہیں پائی جاتی، کیونکہ آواز سانس سے بنتی ہے، سانس کے آواز میں منتقل ہونے کا دوسرا مرحلہ ہوتا ہے، سانس کو بالارادہ جب تصادم جسمین کی صورت دی جاتی ہے تو وہ سانس آواز بنتا ہے، لہٰذا کاف اور تا میں شدت کی وجہ سے اگر آواز بند ہوتی ہے تو ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ سانس بھی بند ہو جائے کیونکہ سانس عام ہے اور آواز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خاص ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی ہے، یہ ضرور ہے کہ آواز کا بند ہونا تو مسموع ہوتا ہے سانس کا جاری ہونا مسموع نہیں ہوتا، کیونکہ غیر مسموع ہوا کا نام ہے، لہٰذا بیک وقت شدّت وہمس دو صفتیں جمع ہوسکتی ہیں۔ دوسرا جواب یہ کہ ان دونوں صفتوں میں شدت قوی اور ہمس ضعیف ہے لہٰذا شدّت کی قوت کی وجہ سے پہلے آواز بند ہوتی ہے اور بعد میں صفتِ ضعیفہ یعنی ہمس کی وجہ سے معمولی سا سانس جاری ہوتا ہے، جو خود پڑھنے والے کو محسوس ہوگا سننے والے کو نہیں، حاصل یہ کہ دونوں صفتیں بیک وقت نہیں بلکہ پہلے شدت اور پھر ہمس پائی جاتی ہے اور ضدین کا اجتماع بیک وقت ناجائز ہے آگے پیچھے دو وقتوں میں ممکن ہے پہلا جواب منعی اور دوسرا تسلیمی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے حروف مجہورہ رخوہ مثلاً ضاد، ظاء، ذال وغیرہ میں جہر کی وجہ سے سانس بند ہوگا اور رخاوت کی وجہ سے آواز جاری رہے گی۔ حالانکہ سانس سے ہی آواز بنتی ہے، سانس عام اور آواز خاص ہے، اور عام کی نفی خاص کی نفی کو مستلزم ہے، لازم آیا کہ سانس بند ہونے پر آواز ہرگز جاری نہ ہونی چاہیئے بلکہ بند ہوجانی چاہیئے۔

جواب یہ کہ جہر میں سانس بند ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ پھیپھڑوں سے ہوا مکمل بند ہوجاتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مجہورہ حرفوں میں اس قدر بلندیِ صوت مطلوب ہوتی ہے کہ تمام سانس آواز میں منتقل ہوجاتا ہے اور اس کی اپنی غیر مسموعی کیفیت انفرادی طور پر باقی نہیں رہتی، جس طرح مہموسہ میں کہ سانس کا کچھ حصّہ آواز بن جاتا ہے اور کچھ اپنی غیر مسموعی کیفیت پر انفرادی طور پر بھی باقی رہتا ہے، لہٰذا جہر اور رخاوت کے کسی حرف میں جمع ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ جہر کی وجہ سے تمام سانس بند نہیں ہوا بلکہ آواز بن گیا اور رخوہ ہونے کی وجہ سے اس کی آواز جاری بھی رہے گی۔

فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ اس کا دو طرح ترجمہ ہوسکتا ہے (۱) پس اس کو ایک شخص نے (بات کرنے پر) ابھارا مگر وہ خاموش ہی رہا۔ (۲) پس اس کو ایک ایسے شخص نے ابھارا جو خود خاموش تھا۔ دونوں صورتوں میں نحوی ترکیب پر غور کرلینا چاہیئے۔

اَجِدْ قَطِ بَكَتْ اس کے بھی دو طرح معنی کئے گئے ہیں (۱) میں قَطْ کو محسوس کرتا ہوں کہ وہ رو رہی ہے[1] (۲) اچھا کام کر (اور) اسی پر اکتفا کر، وہ اچھا کام غالب ہوکر رہے گا[2]۔

پہلے ترجمہ کے مطابق اَجِدُ۔ مضارع واحد متکلم قَطِ مبنی بر کسرہ اَجِدُ کا مفعول ہے نیز قَطِ سے محبوبہ کا نام مراد ہے۔
بَكَتْ ماضی واحد مؤنث غائب۔

دوسرے ترجمہ کے مطابق اَجِدْ صیغۂ امر حاضر معروف بروزن اَكْرِمْ، قَطِ مبنی بر کسرہ اسم فعل بمعنی حسبُ یعنی اکتفا کر
بَكَتَ ماضی واحد مذکر غائب، بمعنی حجت قائم کرنا غالب ہونا۔ اور ضمیرِ فاعل اِجَادَةٌ (اچھا کام کرنا) کی طرف راجع ہے جو اَجِدْ سے مفہوم ہورہا ہے۔

ش۲۲ وَبَيْنَ رِخْوٍ وَّالشَّدِيْدِ لِنْ عُمَرْ   وَسَبْعُ عُلْوٍ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ حَصَرْ

ت اور حروف رخوہ اور شدیدہ کے درمیان لِنْ عُمَرْ کے (پانچ) حروف ہیں، اور سات حروف مستعلیہ ہیں کہ

---

[1] نہایۃ القول المفید [2] طاش کبری زادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ نے اُن کو جمع کیا ہے۔

ل لِنْ عُمَرُ لِنْ، لَانَ يَلِيْنُ سے صیغۂ امر ہے، عُمَرُ سے پہلے حرفِ ندا محذوف ہے یعنی اے عمر نرمی کر۔ سَبْعُ عُلُوٍّ مبتدا خُصَّ ضغطٍ قِظْ مبتدا ثانی حَصَرَ خبر یا سَبْعُ عُلُوٍّ مبتدا ہے اور خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ مفعول بہ مقدم حَصَرَ کا۔ اور حَصَرَ جملہ ہو کر خبر ہے۔ یا سَبْعُ عُلُوٍّ مفعول بہ منصوب ہے حَصَرَ کا اور خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ مبتدا ہے اور حَصَرَ خبر۔ یعنی خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ حَصَرَ سَبْعَ عُلُوٍّ۔ خُصَّ جھونپڑی ضَغْطٍ تنگ قِظْ صیغۂ امر یعنی تنگ جھونپڑی میں قیام کر۔ قَاظَ بالمکان یعنی اَقَامَ فیہ۔ رِخْو را کی تینوں حرکتوں کے ساتھ صحیح ہے لیکن کسرہ مشہور ہے[۱] عُلُوٍّ بضم عین وکسر عین[۲]

صفتِ توسُّط

وَبَیْنَ رِخْوٍ وَالشَّدِیْدِ لِنْ عُمَرْ یعنی لِنْ عُمَرُ کے پانچ حروف، شدید اور رِخوہ کے درمیان درمیان ہیں نہ پوری طرح شدیدہ ہیں اور نہ ہی پوری طرح رِخوہ، بلکہ شدیدہ کی طرح کچھ احتباسِ صوت بھی ہوتا ہے اور رِخوہ کی طرح کچھ جریانِ صوت بھی ہوتا ہے اسی لئے اِن کو بَیْنِیَّہ کہا جاتا ہے۔

چنانچہ ابوالحسن رُمّانی شرح الاصول میں فرماتے ہیں کہ شدیدہ کے ماسوی حروف کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن میں قدرے آواز جاری ہوتی ہے، یہ وہ حروف ہیں جن میں آواز کا انقطاع اپنے مخرج میں اولاً مضبوط ہوتا ہے، پھر زبان مخرج کی جگہ سے جدا ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے آواز میں جریان ہو جاتا ہے اور یہ حروف را، لام، نون، میم اور عین ہیں[۳]۔

یعنی ان حرفوں میں شروع میں شدت کی سی کیفیت ہوتی ہے اور پھر جریانِ صوت ہوتا ہے بخلاف رخوہ کے کہ ان میں مخرج میں از اول تا آخر آواز کو جریان رہتا ہے۔

حروف متوسط میں ایک حلقی ہے یعنی عین، ایک شفوی ہے یعنی میم اور تین لسانی یعنی لام نون را، حروفِ ذلقیہ ہیں۔ بابِ مخارج میں اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ میم اور نون کے دو دو مخرج ہیں۔ اور اخفا کی حالت میں ان دونوں کا مخرج خیشوم ہے اور اس حالت میں یہ حروف فرعیہ میں سے ہیں، نیز بحالتِ اخفا خیشومی یعنی غنہ کی آواز میں جریان ہوگا، ان تمام مقدمات کو ملانے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بحالت اخفا نون و میم خالص حروف رخوہ ہیں کیونکہ آواز میں جریان ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ یہاں حروف کی اصلی اور ذاتی اصوات پر کلام مقصود ہے عارضی یا فرعی احوال پر کلام پیش نظر نہیں اسی وجہ سے ان صفات کو ذاتیہ کہا جاتا ہے، لہٰذا ان حروف متوسطہ میں بحالتِ تشدید مثلاً آواز کا ایک الف کے برابر جاری ہونا یا صفاتِ عارضہ کے طور پر نون و میم میں غنہ ہونا اور آواز کا جاری ہونا یہ حالتیں چونکہ فرعی یا عارضی ہیں ان حروف کے توسط یا بین بین ہونے پر باعثِ اشکال نہ ہوں گی، مثلاً ہمزہ کو حرف شدیدہ قرار دیا گیا ہے، حالانکہ ہمزہ کی فرعی حالت مثلاً تسہیل میں یہ شدت نہیں رہتی بلکہ رخاوت

---

[۱] و [۲] المنح الفکریہ ص ۱۶ [۳] ابراز المعانی ص ۵۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ورنہ میں آجاتی ہے۔ حاصل یہ کہ صفاتِ لازمہ سے متصف ہونا حروفِ اصلیہ کی شان ہے اسی طرح صفاتِ عارضہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عارضی طور پر کوئی وصف پیدا ہو جائے مثلاً لام ذاتی طور پر مستفلہ ہے اگر عارضی طور پر کہیں مفخّم ہو جائے تو یہ اُس کی صفتِ استفال کے منافی نہیں۔ کیونکہ استفال صفت ذاتی ہے اور تفخیم عارضی ہو گی، لہذا کوئی منافات نہ ہوئی۔ کیونکہ وصفِ عروضی وصف ذاتی سے خارج شی ہوتا ہے نیز ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جریان صوت نون و میم میں غنّہ کا ہوتا ہے، چنانچہ اگر ناک پکڑ کر کوئی نون و میم کو ادا کرے تو آواز جاری نہیں رکھ سکتا۔

تاہم حروفِ متوسطہ رخاوت سے زیادہ قریب ہیں، اسی لئے بعض حضرات نے متوسّطہ کی تعریف میں فرمایا اَلَّتِیْ جَرٰی الصَّوْتُ جَرْیًا ضَعِیْفًا یعنی وہ حروف جن میں ضُعف کے ساتھ آواز جاری رہتی ہے[1]۔

علامہ جزری رحمہ اللہ نے شاطبی، دانی، مازنی اور صقلی وغیرہ کی اتباع میں حروفِ مدہ کو رخوہ میں شمار کیا۔ اور سیبویہ، ابن حاجب، مکی اور ابن شریح کے نزدیک حروفِ مدہ متوسّطہ میں داخل ہیں لہذا ان حضرات کے نزدیک متوسط آٹھ حروف ہوئے جن کا مجموعہ لَمْ یَرُوِ عَنَّا ہے[2]

فوائد (۱) صفت توسط چونکہ شدت و رخاوت دونوں میں مشترک ہے اس لئے اس کو مستقلاً شمار نہیں کیا گیا۔

(۲) شرحِ مواقف میں ہے کہ حروفِ شدیدہ آنیہ ہیں، اُن کی طرف منسوب ہے یعنی زمانہ کا غیر منقسم جزو، اور ماسوا شدیدہ، باقی زمانی ہیں۔ یعنی کچھ زمانہ آواز جاری رہتی ہے لاگرچہ جریانِ صوت میں باہم تفاوت ہے، بمقابلہ متوسطہ کے حروفِ رخوہ میں یہ جریان اتم و اکمل ہے[3]۔

(۳) مکی وغیرہ کا حروفِ مدہ کو متوسط قرار دینا مرعشی کے نزدیک موجبِ حیرت ہے کیونکہ حروفِ مدہ میں جریانِ صوت تمام حروف رخوہ سے زیادہ ہے خصوصاً الف میں۔

آٹھویں صفت وَسَبْعُ عُلْوٍ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ حَصَرَ یعنی وہ سات حروف جو خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ میں ہیں مستعلیہ ہیں۔ استعلاء کے معنی ارتفاع اور عُلو کے ہیں اصطلاح میں "حرف کی ادائیگی کے وقت زبان کا حنکِ اعلیٰ کی طرف بلند ہونا" گویا یہ تیسری صفت استفال کی ضد ہوئی۔

مرعشی نے مزید تحقیق سے کام لے کر کہا کہ وہ استعلا میں اقصیٰ لسان کا ارتفاع معتبر ہے، بقیہ لسان خواہ مرتفع ہو جیسے مُطبقہ میں یا نہ ہو جیسے قاف، خا اور غین میں۔

لہذا وسط لسان سے ادا ہونے والے حروف جیم، شین، یاء کو مستعلیہ نہیں کہا جائے گا کیونکہ اُن میں صرف وسط لسان کا ارتفاع ہوتا ہے، اور کاف کو بھی مستعلیہ نہیں کہا سکتا کیونکہ اس میں اقصیٰ لسان کا ارتفاع نہیں ہوتا بلکہ وسطِ لسان اور اقصیٰ لسان کے درمیانی حصے کا ارتفاع ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ یہ چاروں حروف مستعلیہ نہیں، اگرچہ ان میں فی الجملہ ارتفاعِ لسان ہے لیکن وہ ارتفاع نہیں جو حروفِ مستعلیہ میں معتبر ہے[4]۔

---

[1] و [2] ملا علی قاری در شرحِ شاطبیہ ص۱۲۵ و جہد المقل ص۶۰ ۔ [3] جہد المقل ص۶۱ [4] جہد المقل ص۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاربردی نے کہا ہے کہ حروفِ مستعلیہ کو مستعلیہ کہنا مجازاً ہے، کیونکہ مستعلی درحقیقت زبان ہے، چونکہ ان حروف کی ادائگی میں زبان کو ارتفاع ہوتا ہے تو تسمیۃ الحال باسم المحل کے طریقہ پر ان حروف کو مستعلیہ کہہ دیا گیا، اس قسم کا مجاز لغت میں عام ہوتا ہے۔ اسی طرح سے حروفِ مُستفلہ کو مستفلہ کہنا مجازاً ہے[1]،

استعلاء اور استفال دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، تمام حروف اِن ۲ دو صفتوں سے خالی نہیں یا مستعلیہ ہوں گے یا مستفلہ، اور کیفیت کے لحاظ سے قاف تمام حروفِ مستعلیہ میں، استعلاء کے ساتھ زیادہ متصف ہے اور نشر میں ہے کہ یہ حروف مفخمہ ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ طا ہے، جس طرح کہ حروفِ مستفلہ میں سب سے زیادہ مستفل یا ہے۔ اور تمہید میں ہے کہ را ولام مفخمتین حروفِ مستعلیہ کے مشابہ ہیں اور مرعشی نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ تفخیم کی حالت میں یہ دونوں حروف، مستعلیہ میں سے ہیں، گویا جس طرح بعض حروف کے دو دو مخرج ہوئے ہیں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض حروف کی مختلف حالات میں مختلف صفات ہوں چنانچہ قول مذکور کی بنا پر لام ورا بحالت ترقیق مُستفلہ اور بحالت تفخیم مستعلیہ ہوئے۔ اس قول کے مطابق حروفِ مستعلیہ نو ہوئے، اور لام ورا کی تفخیم عارضی نہیں بلکہ صفتِ ذاتیہ ہوئی جس طرح ترقیق کی حالت میں استفال صفتِ ذاتی ہوگی۔ بہرحال یہ مرعشی کی رائے ہے۔

الف کو جمہور تو مستفلہ ہی کہتے ہیں جیسا کہ ہم استفال کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں، البتہ مکی نے اس کو مستعلیہ کہا ہے، مگر علامہ جزری نے مکی کی اس رائے کو وہم قرار دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ الف بذاتِ خود نہ مستعلیہ ہے اور نہ مستفلہ بلکہ یہ اپنے ماقبل کے تابع ہے، ماقبل کا حرف مفخمہ ہو تو یہ بھی مُفخمہ، ورنہ مرققہ ہے[2]۔

جن حضرات نے صفتِ استعلاء اور استفال کی تعریف اقصیٰ لسان کے بلند اور پست ہونے کے ساتھ کی ہے ان کے نزدیک مستعلیہ میں تفخیم اور مستفلہ میں ترقیق، زبان کے بلند یا پست ہونے کی وجہ سے بطور نتیجہ لازم آتی ہے۔ اور علامہ جزری نے تمہید میں فرمایا ہے کہ مستعلیہ کو مستعلیہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں آواز تالو کی طرف چڑھتی ہے اور مُستفلہ کو مُستفلہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے ادا کرنے میں آواز منہ کے نیچے کے حصہ کی طرف کو آتی ہے، اس تعریف کی رُو سے تفخیم یا ترقیق، استعلاء یا استفال سے بلا واسطہ بطور مفہوم پیدا ہوں گی۔ حاصل یہ کہ پہلی تعریف میں تفخیم یا ترقیق بواسطہ ہیں، دوسری تعریف میں بلا واسطہ۔ لیکن یہ محض لفظی بحث ہے۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔

خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے فقرہ میں نصیحت ہے کہ دُنیا کے تفاخر کے درپے ہو کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ ع ہرچہ گیرید مختصر گیرید۔ حدیث میں ہے كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ جیسا کہ حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہ جو اکابرِ تابعین میں سے ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ عبدالملک ابن عُمیر راوی ہیں کہ ابو وائل ایک جھونپڑی میں رہتے تھے، جس میں اُن کا گھوڑا بھی ہوتا تھا، جب جہاد میں تشریف لے جاتے تو جھونپڑی گرا دیتے، اور جب واپس تشریف لاتے تو پھر بنا لیتے تھے۔ رضی اللہ عنہ۔

۱؎ جاربردی صـ ۲۶۴ ـ ۲؎ رعایہ صـ ۳ـ جہد المقل صـ ۷ ـ ۲؎ نشر صـ ۲۱۲ ج ۱ و تقریب النفع للشیخ الضباع صـ ۲۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ش۲۳ وَصَادُ ضَادُ طَاءُ ظَاءُ مُطْبَقَہ وَفِرَّ مِنْ لُبِّ الْحُرُوْفُ الْمُذْلِقَہ

ت اور صاد، ضاد، طاء، ظاء حروفِ مطبقہ ہیں اور فِرَّ مِنْ لُبِّ حروفِ مذلقہ ہیں

ل وصَادُ ضَادُ طَاءُ ظَاءُ بتقدیر حرف عطف، مبتدا مُطْبَقَۃٌ خبر۔ اسی طرح فِرَّ مِنْ لُبِّ بتاویل مجموعہ ہو کر مبتدا اور الحروف المذلقہ خبر۔ پہلے مصرع میں ضادُ اور ظاءُ تنوین کے ساتھ اور صاد اور طاء غیر منون ہیں۔ مطبقہ بفتح با اور بکسر با دونوں طرح صحیح ہے۔ کیونکہ اطباق کے معنی بند کرنا اور بند ہونا لازم و متعدی دونوں طرح ہیں۔ مُذْلِقَہ بصیغۂ اسم فاعل

ح۔ نویں صفت وَصَادُ ضَادُ طَاءُ ظَاءُ مطبقہ اِطباق، اطبق سے ہے، جس کے معنی ہیں ڈھانپنے والی چیز۔ اطباق کے معنی ڈھانپنا، بند کرنا۔ اصطلاح میں "وسطِ لسان کا حنک کے غارِ اعلیٰ کو ڈھانپ لینا"۔ صاد، ضاد طا اور ظاء چار حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے۔ اور یہ حروف مستعلیہ بھی ہیں، گویا ان میں اقصیٰ لسان بھی مرتفع ہوتی ہے، اسی لئے یہ حروف مستعلیہ غیر مطبقہ کے مقابلہ میں زیادہ مفخم ہوں گے۔

دانی اور جاربردی وغیرہ نے فرمایا کہ حرفوں کو مطبقہ یا منفتحہ کہنا مجازاً ہے، کیونکہ انفتاح میں زبان کا حنکِ اعلیٰ سے جدا رہنا، اور اطباق میں حنکِ اعلیٰ سے ملصق ہونا یہ درحقیقت زبان کا فعل ہوا اور چونکہ ان صفات سے متصف حروف کے وقت ہی زبان کا یہ فعل پایا گیا ہے تو تسمیۃ الحال باسم المحل کے طریقہ سے مجازاً حرفوں کو منفتحہ یا مطبقہ کہا گیا ہے[1]۔

اطباق و انفتاح ایک دوسرے کی مقابل صفتیں ہوئیں۔ مذکورہ چار حرفوں کے سوا تمام حروف منفتحہ ہوئے، جن میں بعض مستعلیہ یعنی قاف، غین خا اور تمام مستفلہ حروف داخل ہیں، البتہ اطباق کو استعلاء لازم ہے، مطبقہ میں کوئی حرف بھی غیر مستعلیہ نہیں ہے۔ اسی طرح استفال کو انفتاح لازم ہے من غیر عکس۔

یاد ہو گا کہ حروفِ شجریہ (ج، ش، ی) کا مخرج وسطِ زبان اور تالو تھا، مگر ان کو مطبقہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اطباق کا جو یہ مفہوم ہے کہ وسطِ زبان تالو کو ڈھانپے، یہ وسطِ زبان کا تالو سے لگنا جو حروف شجریہ کا مخرج ہے اس سے قدرے مختلف ہے، کیونکہ ڈھانپنا اسی وقت ہو گا۔ جب کہ زبان کے تمام کنارے مع وسطِ لسان کے حنک سے ملصق ہو جائیں گے، اور وسطِ زبان و تالو میں کناروں کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اسی وجہ سے صفتِ اطباق بغیر استعلاء کے ممکن نہیں۔ اور حروف شجریہ میں استعلا کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا[2]۔

مرعشی نے رعایہ سے نقل کیا ہے کہ حروفِ مطبقہ میں صفتِ اطباق کا انطباق بعض بعض کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے،

---

[1] جاربردی ص ۲۶۴ [2] نہایۃ القول المفید

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ طاء مہملہ میں اطباق زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ مجہورہ اور شدیدہ بھی ہے اور ظاء معجمہ میں ضعیف ہے کیونکہ رخوہ ہے اور مع انحراف ثنایا علیا طرف لسان کی طرف مائل ہے اور صاد و ضاد اطباق میں متوسط ہیں، کیونکہ ان میں میلان مذکورہ نہیں[1]۔ بہر حال اطباق سے اطباق بالکلیہ مراد نہیں، کیونکہ یہ صرف طا میں ہے بلکہ اطباق اور انحصار فی الجملہ مراد ہے۔ علامہ رضی نے کہا کہ ضاد کا مخرج حافۂ لسان ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں انحصار صوت فی الجملہ ہے[2]

دسویں صفت

وَفَرَّ مَنْ لَبَّ الْحُرُوْفُ الْمُذْلِقَهْ ذلاقت کے معنی سرعت نطق اور بلاغت و روانی کے ہیں[3]، یہ دونوں وصف جن حرفوں میں پائے گئے وہ حروف مذلقہ کہلائے تعریف یہ ہوئی کہ اہل زبان کے یہاں تلفظ میں رواں، سبک اور سریع ہوں۔ یہ کل چھ حروف ہیں، تین لسانی یعنی لام نون، را اور تین شفوی یعنی با، میم اور فا اول تین کا نام مخرج کے اعتبار سے بھی ذلقیہ ہی ہے، مگر مخرج اور صفت میں فرق کرنے کے لئے مخرج کی طرف نسبت ذلقیہ اور صفت کی طرف مذلقہ کے نام سے کی جاتی ہے، گو دونوں ناموں کا مادہ ایک ہی ہے۔

حاصل یہ کہ چھ حرفوں میں تین حروف، طرف لسان سے اور تین حروف شفتین سے ادا ہوتے ہیں ان کے سریع النطق ہونے کی وجہ سے ہی ہر رباعی و خماسی کلمہ میں کسی حرف مذلقہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ اس جگہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ظا، ذال اور ثا کا مخرج زبان کا کنارا اور ثنایا علیا کا سرا ہے، اس مخرج میں بھی تو دھار کی طرح باریک پن ہے، پھر یہ بھی مذلقہ کیوں نہیں؟ مگر اذلاق کی صفت میں دو جزء بیان کئے گئے ہیں، مخرج کی باریکی اور اہل زبان کے یہاں تلفظ میں سرعت و روانی۔ تعریف کا دوسرا جز اہل زبان کے ذوق پر مبنی ہے، یعنی اس امر کا فیصلہ کہ مخرج کے اعتبار سے کونسا حرف سریع و رواں ہے یہ اہل زبان ہی فیصلہ کر سکتے ہیں، لہذا اُن کے فیصلہ کے مطابق صرف چھ حروف ہی مذلقہ ہوں گے۔ مناسب ہے کہ اذلاق کی ضد یعنی پانچویں صفت اصمات کا دوبارہ مطالعہ کر لیا جائے۔

فَرَّ مَنْ لَبَّ یعنی بھاگا وہ شخص جو عقلمند ہوا ہے۔ اشارہ ہے فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ (بھاگو اللہ تعالیٰ کی طرف) اور فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو) اور فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (نیک کاموں میں آگے بڑھو) وغیرہ ارشادات ربانی کے مفہوم کی طرف۔

بہتر یہ ہے کہ فَرَّ اور لَبَّ دونوں ماضی کے صیغے پڑھے جائیں، اور مَنْ موصول بفتح میم لَبَّ صلہ سے مل کر فَرَّ کا فاعل ہو۔ معنوی اعتبار سے یہ ترکیب بڑی لطیف و پاکیزہ ہے، اور ناظم کی عبارت میں کسی حذف ماننے کی بھی ضرورت نہیں پیدا ہوتی۔ جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فَرَّ مِنْ لُبٍّ میں مِن کو حرف جار اور لُبٍّ کو مصدر بضم لام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ضرورت شعری کی وجہ سے تنوین حذف ہو گئی۔ اور لُبٍّ سے ذِی لُبٍّ یعنی عقلمند مراد ہے اور فَرَّ کا فاعل الجاهل ٹھیرایا یعنی عقلمند آدمی سے جاہل بھاگتا ہے۔

پہلے شعر میں جن پانچ صفات کا ذکر ہوا تھا، یہاں تک ان پانچ صفات کی پانچ متضاد صفات کا بیان ختم ہو گیا۔ آگے

---

[1] نہایۃ القول المفید وجہد المقل ص۷۱ [2] جہد المقل ص۷۲ [3] جاربردی ص۲۶۴ [4] منح الفکریہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفات لازمہ غیر متضادہ کو بیان کرتے ہیں۔

ش۲۱ صَفِيرُهَا صَادٌ وَّزَايٌ سِينُ قَلْقَلَةٌ قُطْبُ جَدٍ وَّ اللِّينُ

ت اُن حروف میں سے صفتِ صفیر والے صاد اور زا اور سین ہیں۔ صفتِ قلقلہ والے قُطْبُ جَدٍ ہیں۔ اور صفتِ لین والے .....

ل صَفِيرُهَا میں ضمیر مؤنث حروف کی طرف راجع ہے، اور صفات کی طرف لوٹانا بھی[۱] صحیح ہے۔ مگر خلاف ظاہر ہے کیونکہ مضاف محذوف حروف مقدر ماننا پڑیگا[۲]۔

صَفَرَ باب ضرب سے منہ بھر کر ہونٹوں سے سیٹی بجانا صافِر ایک پرندہ کا نام جو رات بھر سیٹیاں سی بجاتا ہے، اس خوف سے کہ کہیں سو جانے پر کوئی اس کو پکڑ نہ لے، اسی سے عربی میں محاورہ ہے هُوَ اَجْبَنُ مِنْ صَافِرٍ[۳] (وہ صافر پرندہ سے بھی زیادہ بزدل ہے) قَلْقَلَةٌ ای ذُوْ قَلْقَلَةٍ۔ قَلْقَلَةٌ بمعنی آواز نکالنا[۴]، اسی طرح لَقْلَقَةٌ بھی بولتے ہیں جس کے معنی بھی آواز نکالنے کے ہیں[۵]۔ اور خلیل نے کہا ہے کہ قلقلہ بمعنی شدتِ صیاح یعنی زور سے چیخنے کے ہیں۔

اور لقلقہ کے معنی شدتِ صوت کے ہیں[۶]۔ قُطْبُ مدار و مرکز، جس کے گرد کوئی چیز گھومے۔ قاف میں تینوں حرکتیں صحیح ہیں مگر ضمہ مشہور ہے[۷] قُطْبُ الرَّحَى چکی کے نچلے پاٹ کی کیل، جس کے گرد اوپر کا پاٹ گھومتا ہے جَدٍّ بمعنی بخت و عظمت۔ بتشدید والی ہے مگر وزنِ شعری کے لئے مخفف پڑھنا چاہیئے[۸]۔ وَ اللِّيْنُ بمعنی نرمی یعنی وذو اللِّيْنِ یہ مبتدا ہے، خبر اگلے شعر میں آتی ہے۔

زَای ہم لکھ آئے ہیں کہ زَای کے آخر میں جو یا لکھی ہوتی ہے یہ پڑھنے میں نہیں آتی بلکہ ہمزہ پڑھنا چاہیئے، یہ یا فاصل ہے جو راء سے جدا کرتی ہے۔

ح **گیارھویں صفت** صفیر ھا صاد و زای سین یعنی حروف صفیر تین ہیں زاء معجمہ اور سین و صاد مہملین۔ ان حرفوں کے صفیر کے ساتھ متصف ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان حرفوں کی ادا کے وقت سانس کے ساتھ ایک زائد آواز مثل سیٹی کے نکلتی ہے۔

مکی، رعایہ میں کہتے ہیں صفرہ کے معنی ہیں آواز کی تیزی، جیسے کسی سوراخ میں ہوا کے دباؤ سے سیٹی کی آواز پیدا ہوتی ہے[۹] سین

---

[۱] شارح رومی [۲] منح الفکریہ [۳] و [۴] و [۵] منجد و قاموس [۶] نشر جلد اول صـ۲۰۳ [۷] منح الفکریہ

[۸] شارح رومی و منح الفکریہ [۹] ابراز المعانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitabdSunnat.com

میں بہ نسبت صاد کے صفیر زیادہ ظاہر ہے اور صاد میں بہ نسبت زای کے ظاہر تر ہے[1]

یہاں سے آخر فصل تک صفات غیر متضادہ کا بیان ہے، ان کو اسی وجہ سے صفات منفردہ بھی کہتے ہیں، اور گذشتہ دس صفات متضادہ تھیں، جن میں جانبین کی دونوں ضدوں کے نام تھے ان صفات کی اضداد کا کوئی نام نہیں۔ یعنی یہ کہنا تو صحیح ہے صاد، زا اور سین صفیرہ اور باقی چھبیس ۲۶ حروف غیر صفیرہ ہیں، مگر غیر صفیرہ ہونا یہ ایک سلبی کیفیت ہے، جو بیان حقائق میں مفید نہیں ہوتی، اس لئے ان کو غیر متضادہ ہی رہنے دیا گیا۔

بارھویں ۱۲ صفت — **قَلْقَلَۃُ قُطْبُ جَدٍ** یعنی حروف قلقلہ جن کو حروف لَقْلَقَہ بھی کہا جاتا ہے پانچ ہیں جو قُطْبُ جَدٍ کے مجموعہ میں پائے جاتے ہیں، یہ پانچ حروف اس صفت سے اس لئے متصف ہوئے کہ سکون کی حالت میں اور وقف میں بالخصوص، ان کی آواز مخرج میں اس طرح ٹھیرتی ہے کہ مخرج میں ان کو ایک قسم کے دباؤ کے بعد جنبش ہوتی ہے جس کی وجہ سے آواز بلند ہو جاتا ہے لغت میں قلقلہ کے معنی حرکت و اضطراب کے ہیں[2]۔

قلقلہ کی یہ آواز ان حرفوں کے ساکن ہونے کے وقت بہ نسبت حالت تحرک کے زیادہ ہوتی ہے، اور وقف میں سکون سے بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے[3]۔ جیسا کہ عنقریب ناظم بیان کریں گے۔

بہت سے متاخرین علماء تجوید نے قلقلہ کو حالت وقف کے ساتھ مخصوص کر دیا، اور وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے علماء متقدمین کی عبارتوں میں یہ لکھا ہوا پایا کہ ان حروف میں قلقلہ وقف میں ظاہر ہوتا ہے اس سے متاخرین یہ سمجھے کہ وقف کا لفظ وصل کے مقابلہ میں ہے۔ حالانکہ مطلقاً حالت سکون مراد تھی، کیونکہ متقدمین کے یہاں وقف سے سکون مراد لیا جاتا تھا، اس اشتباہ کی دوسری وجہ یہ بھی ہوئی کہ حالت وقف میں قلقلہ زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ نیز عام طور پر متاخرین نے یہ سمجھا ہے کہ قلقلہ کے معنی حرکت کے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔ خلیل نے کہا ہے کہ قلقلہ کے معنی زور سے چیخنا اور لقلقہ کے معنی ہیں زور سے آواز بلند کرنا[4]۔

اس میں اختلاف ہے کہ حروف قلقلہ کتنے ہیں؟ مذکورہ پانچ حرفوں کے علاوہ بعض نے اس میں ہمزہ کو بھی داخل مانا ہے، کیونکہ وہ بھی مجہورہ شدیدہ ہے۔ اور سیبویہ نے ہمزہ اور تا دو حرفوں کا اضافہ کیا ہے، اور مبرد نے کاف کو بھی حروف قلقلہ میں شمار کیا ہے، اور قاف سے کم درجہ میں اس کو رکھا ہے[5]۔

ابن حاجب وغیرہ نے صرف قاف میں واجب کہا ہے[6]، علامہ شاطبی فرماتے ہیں

ع وَاَعْرَفُهُنَّ الْقَافُ كُلٌّ يَعُدُّهَا۔ یعنی حروف قلقلہ میں زیادہ مشہور قاف ہے اور اس کو سب نے حروف قلقلہ میں شمار کیا ہے۔" چنانچہ ابن حاجب کے نزدیک اَحَطْتُ[7] وغیرہ میں حقیقۃً ادغام نہیں بلکہ اظہار ہے اور ادغام کا اطلاق مجازاً ہے چنانچہ ناظم کے قول

ع وَبَيِّنِ الْاِطْبَاقَ مِنْ اَحَطْتُ مَعْ۔ الخ کی تشریح ملاحظہ ہو۔

اس قضیہ کو حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکی الہ آبادی نے یہ کہہ کر حل فرمایا کہ دو قاف میں قلقلہ واجب اور باقی

---

[1] جہد المقل ص۲۷ [2] ملا علی قاری، و شیخ زکریا انصاری وغیرہما ص۳ [3] نشر ص۲۰۳/ج۱ [4] نشر ص۲۰۳/ج۱ [5] نشر ص [6] نیز دیکھئے تحفہ نذریہ تصنیف حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب محدث پانی پتی رح۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چار حروف میں جائز ہے[1]۔

اس پر ایک اشکال ہو سکتا ہے کہ قلقلہ صفات لازمہ میں سے ہے، پھر جائز کیوں کہا گیا۔؟
جواب یہ ہے کہ چار حرفوں میں قلقلہ کے اعتبار اور عدم اعتبار کی وجہ سے جواز پیدا ہوا ہے نہ یہ کہ ان چار حرفوں میں ابتدا ہی سے قلقلہ کی صفت جوازی ہے[2]۔

بہر حال جمہور کے یہاں حروف قلقلہ پانچ ہیں، جو حضرت ناظم نے بیان کئے، اور قلقلہ کی وجہ یہ لکھی کہ جب یہ حروف ساکن ہوتے ہیں آواز ضعیف ہو جاتی ہے، غیر شدیدہ کے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا لہذا ضرورت ہوئی کہ آواز کو ظاہر کیا جائے جس طرح صدائے بازگشت میں آواز ٹکرا کر پھر ظاہر[3] ہوتی ہے۔

حالت سکون میں آواز کے ضعیف ہو جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ حروف قلقلہ مجہورہ اور شدیدہ ہیں، جہر کی وجہ سے سانس بند ہوا، اور شدت کی وجہ سے آواز بند ہوئی لہذا ایک گونہ تکلف کر کے ان حرفوں کو واضح کرنے کی ضرورت ہوئی، اسی لئے ان کے سکون کے وقت متکلم کو مخرج میں آواز کو دبا کر نکالنے کی ضرورت ہوتی ہے جو حرکت کے مشابہ ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر ان میں ظہور ہو ہی نہیں سکتا تھا[4]۔

لوگ اس کی ادائیگی میں اکثر غلطی کرتے ہیں، یا بالکل متحرک پڑھ دیتے ہیں، یا قلقلہ غیر حروف قلقلہ میں بھی کر جاتے ہیں، احتیاط کرنا ضروری ہے۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ جمہور کے یہاں کاف، تا اور ہمزہ میں قلقلہ نہیں، کیونکہ کاف اور تا مہموسہ ہیں اور ہمس صفت ضعیف ہے، لہذا آواز کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں، اور ہمزہ اگرچہ مجہورہ شدیدہ ہے لیکن دوسرے حروف کے مقابلہ میں ہمزہ متحرک ہونے کے وقت ثقیل اور حالت سکون میں خفیف ہوتا ہے، نیز حالت سکون میں ہمزہ میں اکثر تغیرات[5] بھی ہوتے ہیں۔ انھیں خصوصیات کی وجہ سے ہمزہ میں قلقلہ نہیں کیا گیا[6]۔

نوٹ:۔ قلقلہ کے لغوی معنی جیسا کہ عام مصنفین نے لکھے ہیں وہ متحرک ہونا ہے علامہ جزری نے نشر میں اس کی تردید کی ہے اور خلیل کے حوالہ سے اس کے معنی زور سے آواز نکالنے کے لکھے ہیں۔ البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ قلقلہ کے وقت تحرک کے مشابہ حالت ہوتی ہے، جو بطور لزوم پیدا ہوتی ہے۔

اور بعض مصنفین نے مشہور لغت صحاح کے حوالہ سے تحریک کے معنی لکھے ہیں، یعنی قَلْقَلَهٗ قَلْقَلَۃً فَتَقَلْقَلَ ای حَرَّکَہٗ فَتَحَرَّکَ وَاضْطَرَبَ[7]۔ اور غالباً یہ حرکت کے معنی باعتبار مآل کے ہیں، اور شدتِ صوت کے معنی باعتبار ابتدا کے ہیں۔ یعنی حروفِ قلقلہ میں مخرج میں آواز کی شدت کی وجہ سے ہی ان کے متحرک ہونے کی نوبت آئی۔ اس توجیہ سے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ قلقلہ جب صفت لازمہ ہے تو سکون ہی میں کیوں ہے، ان حروف

---

۱ فوائد مکیہ ۲ حاشیہ ضوابط نبلاء التجوید ۳ نشر ۴ غیث النفع ۵ نشر ۶ نہایۃ القول المفید ص۵۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے متحرک ہونے کے وقت کیوں نہیں - ؟

شـ۲۵ وَاوٌ وَيَاءٌ سَكَنَا وَانْفَتَحَا قَبْلَهُمَا وَالْانْحِرَافُ صُحِّحَا

ت (اور صفت لین والے حروف) وہ واؤ اور یا ہیں جو ساکن ہوں اور اُن کا ماقبل مفتوح ہو، اور صفت انحراف صحیح قرار دی گئی ہے ......

ف گذشتہ شعر میں لفظ وَاللِّیْنُ بمعنی ذُواللِّیْن مبتدا گذرا ہے وَاوٌ وَیَاءٌ سَکَنَا وَانْفَتَحَا قَبْلَهُمَا اس کا خبر ہے وَاوٌ وَیَاءٌ موصوف سَکَنَا صیغہ تثنیہ مذکر صفت اور اِنْفَتَحَا قَبْلَهُمَا فعل سَکَنَا پر معطوف ہے۔ اِنْفَتَحَا میں الف اطلاقی ہے اور قَبْلَهُمَا ظرف ہے جو اَلْکَائِنُ کے متعلق ہوکر اِنْفَتَحَا کا فاعل بن گیا اَلْاِنْحِرَافُ مبتدا ہے صُحِّحَا میں الف اطلاقی ہے آئندہ شعر میں فی اللام اس کا متعلق آرہا ہے، جملہ ہوکر خبر ہے صُحِّحَا صیغہ واحد مذکر غائب ماضی مجہول از باب تفعیل ہے اور سَکَنَا مجرد سے ہے۔ اور بتشدید کاف باب تفعیل سے ماضی مجہول سُکِّنَا ہونا بھی درست ہے۔

۱۳ **تیرھویں صفت** وَاللِّیْنُ وَاوٌ وَیَاءٌ سَکَنَا وَانْفَتَحَ قَبْلَهُمَا یعنی صفت لین سے متصف دو حرف ہیں واؤ اور یا ساکن ماقبل مفتوح۔ لین کے معنی ہیں حرف کو بغیر کسی کلفت کے ایسی نرمی سے ادا کرنا کہ اگر آواز کو کھینچنا چاہیں تو کھینچ سکیں جیسے خَوْف، غَیْر۔

اُوپر معلوم ہوچکا ہے کہ حروف لین کا مخرج محقق ہے، واؤ انضمام شفتین اور یا وسط زبان اور تالو سے ادا ہوتی ہے، مخرج کے محقق ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ استدادِ صوت بالکل نہ ہو، کیونکہ استدادِ صوت محل جوف وہن ہے جو حروف مدّہ کا خاصّہ ہے، لیکن چونکہ ان حرفوں کو حروف مدّہ سے ایک گونہ تشابہ ہے اور اسی مشابہت کیوجہ سے ساکن سے ماقبل ان حرفوں کا وقوع ہو تو مد بھی ہوتا ہے جیسے مدلین وقفی اور مدلین لازم حرف عین میں ہے، اسی طرح ورش کے یہاں ان حرفوں میں بحالت وصل بھی مد ہوتا ہے، ایک کلمہ میں جب یہ ہمزہ سے پہلے ہوں جیسے سَوْءٍ اور شَیْءٍ ایسے ہی ادغام کبیر میں سوسی کے یہاں جب ان کا مابعد مدغم ہو تو طول توسط قصر تینوں جائز ہیں مثلاً کَیْفَ فَعَلَ اور قَوْمُ مُوسٰی میں۔ اور مخرج محقق ہونے کی بنا پر ہی اَوْ وَّ اَنْصُرُوْا وغیرہ میں واولین کا اپنے مماثل

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں ادغام ہوتا ہے لیکن حرفِ مدّ کا نہیں ہوتا۔

حاصل یہ کہ حروف لین ایسے دو حرف ہیں جن کو من وجہ حروف مدّہ سے مشابہت [1] ہے۔ گو بالذات یہ حروف غیر مدّہ ہی ہیں۔ یہ مشابہت اسی وقت ممکن ہے جب کہ ان کی ادا میں نرمی اور لینیئت ہو، اور نرمی ہی وہ قدرِ مشترک ہے جو مد ہوتے اور نہ ہونے دونوں حالتوں میں موجود ہوتی ہے، لہٰذا ان کو مثل شدیدہ کے آواز بند کر کے پڑھنا صحیح نہیں، ورنہ ان کی صفتیں رخاوت اور لینیئت دونوں فوت ہو جائیں گی۔

لوگ اس کی ادائیگی میں اکثر غلطی کرتے ہیں، یا تو بالکل متحرک پڑھ دیتے ہیں، یا قلقلہ غیر حروف قلقلہ میں بھی کر جاتے ہیں، احتیاط کرنا ضروری ہے۔

اُوپر بتایا جا چکا ہے کہ جمہور کے یہاں کاف، تا اور ہمزہ میں قلقلہ نہیں، کیونکہ کاف اور تا مہموسہ ہیں اور ہمس صفت ضعیف ہے، لہٰذا آواز کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں، اور ہمزہ اگرچہ مجہورہ شدیدہ ہے لیکن دوسرے حروف کے مقابلہ میں ہمزہ متحرک ہونے کے وقت ثقیل اور حالت سکون خفیف ہوتا ہے، نیز حالت سکون میں ہمزہ میں اکثر تغیرات بھی ہوتے ہیں۔ انہیں خصوصیات کی وجہ سے ہمزہ میں قلقلہ نہیں کیا گیا۔

نوٹ:۔ قلقلہ کے لغوی معنی جیسا کہ عام مصنفین نے لکھے ہیں "متحرک ہونا" علامہ جزری نے نشر میں اس کی تردید کی ہے اور خلیل کے حوالہ سے اس کے معنی زور سے آواز نکالنے کے لکھے ہیں۔ البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ قلقلہ کے وقت تحرک کے مشابہ حالت ہوتی ہے، جو بطور لزوم پیدا ہوتی ہے۔

اور بعض مصنفین نے مشہور لغت صحاح کے حوالہ سے تحرک کے معنی لکھے ہیں، یعنی قَلْقَلَهٗ قَلْقَلَةً فَتَقَلْقَلَ اي حَرَّكَهٗ فَتَحَرَّكَ وَاضْطَرَبَ [3]۔ اور غالباً یہ حرکت کے معنی باعتبار مآئول کے ہیں، اور شدتِ صوت کے معنی باعتبار ابتدا کے ہیں۔ یعنی حروفِ قلقلہ میں مخرج میں آواز کی شدت کی وجہ سے ہی اُن کے متحرک ہونے کی نوبت آئی۔ اس توجیہ سے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ قلقلہ جب صفت لازمہ ہے تو سکون ہی میں کیوں ہے، ان حروف کے متحرک ہونے کے وقت کیوں نہیں۔ [4]

---

[1] ۔ حروف لین میں مدّیت صرف مشابہت کی وجہ سے ہے، اسی وجہ سے جمہور قراء کے یہاں عارض لین کی صورت کے سوا اور کہیں مد نہیں ہوتا اور مد عارض لین میں بھی قصر توسط پر اور توسط طول پر راجح ہے، اسی طرح مدغم سے پہلے حروف لین کا وقوع ہو جیسا کہ سوسی کے یہاں ادغام کبیر میں ہوتا ہے تو قصر راجح ہے۔ اور ورش نے ہمزہ کے سبب قوی ہونے کی وجہ سے حرف لین کے بعد ایک کلمہ میں اگر ہمزہ ہو تو توسط اور طول سے پڑھا ہے، گویا اس حالت میں حروفِ مدّہ کے ساتھ ان حرفوں میں مشابہت کا اعتبار کیا ہے اور اگر ہمزہ منفصل ہو جیسے خَلَوْا اِلٰی اِبْنَیْ اٰدَمَ تو حروف لین کو مثل حروفِ صحیحہ کے ہمزہ کی حرکت نقل کرتے ہوئے پڑھتے ہیں۔

شرح جزریہ میں ملا علی قاری رحؒ فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رُجِّحَ قَصْرُ وَرْشٍ فِيْ نَحْوِ شَيْءٍ وَسُوْءٍ عَلَى التَّوَسُّطِ وَالتَّوَسُّطُ عَلَى الطُّوْلِ ص۱۸

جو صحیح نہیں، کیونکہ ورش کے لئے شیٔ اور سوء وغیرہ میں توسط اور طول ہی ہے، قصر ناجائز ہے لہٰذا قصر کی ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

[2] نشر [3] نہایۃ القول المفید ص۵۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ش ٢٦ فِي اللَّامِ وَالرَّا وَبِتَكْرِيرٍ جُعِلْ ۔۔۔ وَلِلتَّفَشِّي الشِّينُ ضَادًا اسْتَطِلْ

ت (اور صفتِ انحراف صحیح قرار دی گئی ہے) لام اور را میں، اور را صفتِ تکریر کے ساتھ متصف کی گئی ہے اور صفتِ تفشی کے لئے شین مخصوص ہے، اور ضاد میں صفتِ استطالت ادا کر۔

ل فی اللام والرا، صُحِّحَا کے متعلق ہے، الرا میں آخر سے تخفیفاً ہمزہ حذف ہوگیا۔ جُعِلْ ماضی مجہول وزن کے لئے آخر کو ساکن کیا گیا ہے۔ بمعنی وُضِعَ، ضمیر نائب فاعل کا مرجع اَلرَّا ہے، قرب کی وجہ سے جس کا تعین ہو رہا ہے۔ لِلتَّفَشِّي الشِّينُ میں قلبِ عبارت ہے اصل میں وَلِلشِّينِ التَّفَشِّي ہے، یا عبارت اس طرح ہے۔ وَخُصَّ لِلتَّفَشِّي الشِّينُ، یعنی صفتِ تفشی کے لئے شین خاص کیا گیا ہے۔ اَلتَّفَشِّي فشا سے ہے بمعنی پھیلنا اور منتشر ہونا فَشَا الْخَبَرُ خبر پھیل گئی ضادًا اِستَطِلْ میں ضادًا، اِستَطِلْ کا مفعول فیہ ہے اِستَطَال یعنی طال

چودھویں صفت [14] ۷ وَالْاِنْحِرَافُ صُحِّحَا فِي اللَّامِ وَالرَّا یعنی لام اور را دو حرفوں میں صفتِ انحراف پائی جاتی ہے۔ انحراف کے معنی مائل ہونا، اصطلاحاً یہ مطلب ہے کہ حرف کا اپنے مخرج سے شروع ہونے کے بعد دوسرے حرف کے مخرج کی طرف مائل ہونا، لام اور را میں یہ صفت اس لئے مانی گئی کہ دونوں اپنے مخرج سے منحرف ہو کر ایک دوسرے کے مخرج کی طرف مائل ہوتے ہیں چنانچہ لام میں طرفِ لسان کی طرف میلان ہوتا ہے، جو درحقیقت را کا مخرج ہے، اور را اپنے مخرج سے شروع ہو کر بالآخر قدرے ظہرِ لسان کی طرف اور قدرے لام کے مخرج کی طرف مائل ہوتی ہے[1]۔ صفتِ انحراف کا یہی مطلب مشہور ہے۔ اور اکثر متداول کتابوں میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

(۲) سیبویہ اور شیخ حجازی نے کہا ہے کہ یہ دونوں اس لئے بھی منحرف ہیں کہ اپنی صفتوں میں بھی ایک دوسرے کی طرف مائل ہیں چنانچہ لام جو درحقیقت رخوہ تھا، لیکن اس میں آواز اور زبان شدت کی طرف مائل ہوئے مگر جریان صوت کو مثل شدیدہ کے نہیں روک سکے تو گویا لام رخاوت اور شدت دونوں سے منحرف ہو کر صفتِ توسط کے درجہ[2] میں آگیا، اور را میں اس لئے کہ نون جو اس کے مخرج کے قریب تھا را اس سے منحرف ہو کر لام کے مخرج کی طرف مائل ہوئی، حالانکہ را نون کے مخرج سے بعید[3] تر ہے۔ یہ مکی کی رائے[4] ہے۔

(۳) اکثر نحات اور قراء[5] صرف لام کو صفتِ انحراف سے موصوف قرار دیتے ہیں، اور ان کے نزدیک شارح حلبی کے قول میں انحراف کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے مخرج میں اپنے غیر یعنی ضاد کی طرف منحرف ہوتا ہے، اسی لئے تفخیم کی حالت میں لام ضاد کے قریب[6] ہوتا ہے۔ نحات میں سے ابن حاجب اور قراء میں سے علامہ دانی بھی صرف لام کو منحرفہ کہتے ہیں[7]۔

---

[1] نشر و نہایۃ القول المفید وغیرہ [2] نہایۃ القول المفید و ابراز المعانی [3] نہایۃ القول المفید [4] ابراز المعانی [5] ایضاً [6] نہایۃ القول المفید [7] شرح شاطبیہ ملا علی قاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگر علامہ دانی کے نزدیک لام میں انحراف یہ ہے کہ اُس کی ادا میں زبان قدرے داخلِ حنک کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے لام میں قدرے جریانِ صوت پایا گیا اگر اس میں یہ صفت نہ ہوتی تو وہ شدیدہ[1] ہوتا۔

یاد ہوگا کہ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک لام، نون، را کے تین مخرج ہیں، اور فراءؔ کے نزدیک تینوں کا ایک ہی مخرج ہے۔ فراؔ نے اس انحرافؔ کی وجہ سے ہی تینوں کا ایک مخرج کہدیا ہے۔ اور صفتِ انحرافؔ کو شمار نہیں کیا۔ کیونکہ میلان ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لام و را کا مخرج تو علیحدہ علیحدہ ہے۔ مگر یہ ایک دوسرے کے مخرج کی طرف مائل ہیں، اور مخرج ایک ہی ہو تو پھر ایک مخرج میں میلان کہنے کا کیا مطلب ؟

بہرحال فراء کا مذہب حقیقت سے دور ہو یا قریب، تین مخرج ماننے والوں نے صفتِ انحرافؔ کے قائل ہو کر فراء کے مذہب سے کچھ قریب ہونے کی کوشش ضرور کی ہے۔

علامہ جاربردی نے فرمایا کہ صفتِ انحرافؔ سے متصف صرف لامؔ ہے اور انحراف یہ ہے کہ لام کے تلفظ میں زبان داخل حنک کی طرف منحرف ہوتی ہے (جاربردی ص ۲۶۶)

پندرھویں صفت[15]

وَبِتَكْرِيرٍ جُعِلْ، یعنی راؔ میں صفتِ تکریر بھی پائی جاتی ہے، تکریر مصدر ہے بمعنی إِعَادَةُ الشَّيْءِ کسی چیز یا کسی کام میں اعادہ کرنا، خواہ ایک بار ہو یا زیادہ ہو، اصطلاح میں اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ را کے ادا کے وقت طرفِ لسان میں ارتعاش ہو۔ علامہ جعبری اور انھیں کی اتباع میں ملا علی قاری وغیرہ[2] حضرات نے را کے متصف بالتکریر ہونے کا یہ مطلب لیا ہے کہ راء بالقوہ تکریر کی صلاحیت رکھتی ہے نہ یہ کہ وہ بالفعل اس صفت کے ساتھ موصوف بھی ہوتی ہے، جیسے غیر ضاحک انسان کو ضاحک کہا جائے، کیونکہ ضحک کی صلاحیت پائی جاتی ہے، گویا یہ صفت اس لئے نہیں بیان کی گئی کہ اس کو ادا بھی کیا جائے بلکہ اس لئے بیان کی جاتی ہے تاکہ اس سے بچا جائے پھر اس کی وہ مثال دیتے ہیں کہ جیسے علم سحر کو علم کا نام اس لئے نہیں دیا جاتا کہ وہ عمل میں لایا جائے۔ بلکہ اس سے بچا جائے، اسی لئے جعبری فرماتے ہیں کہ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ راسِ لسان کو تالو پر مضبوط لگایا جائے تاکہ یہ تکرار نہ ہو، بالخصوص مشدّد ہونے کی حالت میں۔ اور اسی لئے بعض مصنفین نے اس کو "شبہ تکرار" سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ ابن حاجب شبہ تردید لسان فرماتے ہیں۔

ہمارے خیال میں شاید علامہ جعبری نے اپنے دور میں صفت تکریر کی ادا میں پڑھنے والوں کے اندر مبالغہ دیکھا ہو اور اسی لئے سختی سے اس سے منع کیا ہو، کیونکہ ایک حرف کو کئی حروف پڑھنا ظاہر ہے کہ لحن ہے۔ بالخصوص مشدّد ہونے کی حالت میں تو اکثر بے احتیاطی میں راکئی راءات ہو جاتی ہے اسی لئے علامہ جزری بھی (آگے آرہا ہے) راء مشدّدہ کو نرمی سے ادا کرنے کا حکم فرمارہے ہیں ع

وَأَخْفِ تَكْرِيرًا إِذَا تُشَدَّدُ

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مصنف نے اخفاء تکریر کا حکم فرمایا ہے اور اخفاءِ تکریر کے معنی صفتِ تکریر کو نرمی سے

---

[1] ابراز المعانی [2] شارح رومی، صاحب فوائد مکیہ ع۔ اسی لئے فوائد مکیہ میں صفت انحراف کا بیان نہیں ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادا کرنے کے ہیں نہ یہ کہ صفت تکریر کو بالکل ہی ادا نہ کیا جائے۔

بہرحال اقوال میں تطابق اسی طرح ہو سکتا ہے کہ صفت تکریر سے تو ادائی ہی۔ جیسا کہ ناظم نے فرمایا بتکرر ہو جبکہ مگر تکریر مطلق ہے ، تکریر مخفی (نرمی سے ادا ہونے والی) اور تکریر مُظْہر (ظاہر کر کے ادا کی جانے والی) دونوں کو شامل ہے اور حضرات نے تکریر کی ادا کا حکم فرمایا ہے ، ان کی مراد تکریر ادائی ہے ، اور جن حضرات نے اس سے بچنے کا حکم فرمایا ہے ، ان کی مراد تکریر احترازی ہے۔ تکریر ادائی یہ ہے کہ راس لسان کو ایسی نرمی اور لطافت کے ساتھ ارتعاش ہو جو سننے والے کو بالکل محسوس نہ ہو البتہ پڑھنے والا اسے محسوس کرے گا۔ اور علامہ جعبری نے جو را کی ادا میں راس لسان کو تالو سے الصاقِ محکم کے ساتھ لگانے کا حکم فرمایا ہے ان کی مراد بھی تجافیِ قلیل (تھوڑی سی جدا رکھ کر) کے ساتھ الصاق محکم ہے ، ورنہ ارتعاش بالکل نہ ہوگا اور را ادا نہ ہو جائے گی۔

یہ توجیہ و تطبیق اس لئے اختیار کرنی پڑی کہ فن کے جمہور محققین علامہ جزری ، ابو شامہ مکی ، ابن حاجب ، مرعشی وغیرہ نے را کو متصف بالتکریر ہی قرار دیا ہے۔[1]

ابو شامہ نے ابن مریم وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب وقف کرنے والا را آخر پر ٹھہرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ طرفِ لسان میں کچھ ارتعاش ہوتا ہے اور یہی تکریر ہے ، اور تکریر ہی بعض قراءتوں میں امالہ کا سبب ہوئی ہے مثلاً اَلنَّارِ وغیرہ اور اس وجہ سے بعض قراءتوں میں يَنْصُرْكُمْ ، يَحْشُرْكُمْ میں تو را کا اسکان ہوا يُبَشِّرُكُمْ وغیرہ میں نہیں ہوا۔

سولھویں[16] صفت وَلِلتَّفَشِّي الشِّيْنُ یعنی صفت تفشی کے لئے شین مخصوص ہے۔ خبر کی تقدیم انحصار کی طرف اشارہ ہے۔ ان حضرات کے قول سے احتراز مقصود ہے جنہوں نے ضاد ، فا ، را صاد شین یا ، ثا اور میم کو بھی تفشی سے متصف[2] قرار دیا ہے۔

تفشی کے معنی پھیلنے کے ہیں یعنی شین انتشارِ صوت کے ساتھ متصف ہے ، حتی کہ طرفِ لسان سے ادا ہونے والے حروف تک ممتد ہو[3] جاتا ہے۔ علامہ مرعشی نے لکھا ہے کہ جن حضرات نے شین کے علاوہ اور حروف کو بھی مُتَفَشِّيَہ کہا ہے وہ محض خروجِ ریح میں شین کے ساتھ مشترک ہونے کی وجہ سے کہدیا ہے لیکن یہ انتشار شین میں اکثر ہے اسی لئے شین کے مُتَفَشِّي ہونے پر سب کا اتفاق ہے ، اور باقی کے متفشی ہونے پر اکثر علما متفق[4] نہیں۔

تمہید میں علامہ جزری فرماتے ہیں شین کی ادائیگی کے وقت صفت تفشی کو اچھی طرح ظاہر کرنا چاہئے اور شین جب مشدد ہو تو اس میں تفشی کو قدرے دراز کرنا ضروری ہے جیسے فَبَشِّرْ[5]

سترھویں[17] صفت ضَادًا اسْتَطِلْ یعنی ضاد کو صفتِ استطالت کے ساتھ ادا کرو ، اِسْتِطالت کے معنی امتداد اور درازی کے ہیں۔ اصطلاح میں ، آواز کا اولِ حافۂ لسان سے آخرِ حافہ تک ممتد

---

[1] حوالہ و تفصیل کے لئے نشر ابراز المعانی ، نہایۃ القول المفید ، تعلیقات مالکیہ حاشیہ فوائد مکیہ ملاحظہ فرمائیں۔ [2] نشر ج ۱ و شرح شیخ زکریا انصاری وغیرہ [3] نشر و شرح جزریہ ملا علی قاری و شارح رومی و علامہ سخاوی رحمہم اللہ [4] نہایۃ القول المفید [5] جہد المقل ص ۸۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(دراز) ہوتا[1] - یعنی اقصیٰ حافہ ناجذ پر لگ کر ضاد شروع ہو، پھر بتدریج باقی حافہ طواحن اور ضاحک پر ٹھہرے۔ گویا وہ پانچ ڈاڑھوں پر حافہ کا اتصال ہے" یہ تو ضاد کا مخرج ہوا، جیسا کہ مخارج میں معلوم ہو چکا ہے اور اقصیٰ حافہ سے ادنیٰ حافہ تک بتاریج لگتے چلے آنا" یہ صفتِ استطالت ہوئی اس بتدریج لگنے میں چونکہ امتدادِ صوت ہوتا ہے، اسی لئے بعض حضرات نے امتدادِ صوت کو ہی صفتِ استطالت کہہ دیا ہے۔

لیکن یہ امتدادِ صوت مخرج ہی میں منحصر و محدود ہے، اور حروفِ مدہ میں جو امتدادِ صوت ہے وہ اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ امتداد جوفِ دہن میں ہے اور جوفِ دہن بھی اگرچہ مخرج ہے، مگر مخرج مقدر ہے، اور مخرجِ مقدر حقیقت میں کوئی مخرج نہیں۔ اور ہوا میں زیادتی و نقصان قبول کرنے کی چونکہ بڑی صلاحیت موجود ہے اسی لئے اس میں قصر و توسط اور طول تمام مقادیر کو قبول کر لینے کی استعداد موجود ہے۔ اور ضاد کی صفتِ استطالت میں یہ استعداد نہیں کیونکہ مخرج کے محقق ہونے کی وجہ سے آواز منحصر اور محدود ہوتی ہے جس میں زیادتی، کمی کی کوئی گنجائش نہیں[2]۔

اور ظا جو ضاد کا مشابہ صوت ہے، استطالت کی وجہ سے ہی ضاد سے ممتاز ہوتا ہے کیونکہ ظا میں امتدادِ صوت نہیں ہے۔ باقی مفصل بحث آگے بابٌ فِی الْفَرْقِ بَیْنَ الضَّادِ وَالظَّاءِ میں آئیگی۔

باقی صفات

یہاں تک سترہ[17] صفات جو بنیادی حیثیت رکھتی ہیں ختم ہو گئیں، چوالیس[44] صفات میں سے ان سترہ[17] صفات کا انتخاب بہترین اور جامع انتخاب ہے، باقی صفات جو فن کی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں وہ اکثر یا تو مخارج کے مفہوم کی توضیح کرتی ہیں، یا مذکورہ بالا[17] سترہ صفات سے بطور فرع اخذ ہوتی ہیں یا وہ ہیں جن کا تعلق فنِ ادا سے نہیں بلکہ فن لغت سے ہے۔ خلاصہ درج ذیل ہے۔

www.kitabosunnat.com

علامہ شاطبی نے اذلاقی و اصمات اور لین کی بجائے مد، ہوا اور علت بیان کی ہیں۔

۱۸ - مد - حروف کے ادا ہونے میں آواز میں نرمی اور درازی پیدا ہونا - اس سے متصف تین حروف مدہ ہیں جو نُوْحِیْہَا میں جمع ہیں اور وائی مجموعہ ہے - اس کی ضد قصر ہے، جو باقی حروف میں ہے[3]۔

۱۹ - ہوا - آواز کا خلاءِ دہن میں وسیع ہونا، یہ صفت صرف الف میں ہے اسی لئے اس کو ھاوِی کہا جاتا ہے واو مدہ اور یا مدہ میں بھی اگرچہ آواز خلاءِ دہن میں پھیلتی ہے لیکن واؤ میں انضمام شفتین اور یا میں وسط زبان کے تالو کی طرف مرتفع ہونے کی وجہ سے الف ان دونوں سے ممتاز ہو گیا ہے[4]۔ الف کے سوا باقی حروف مُنْحَیِّزَہ کہلاتے ہیں[5]۔

نوٹ:- سیبویہ کے قول میں مخارج سولہ[16] ہیں، تفصیل اوپر گذر چکی ہے علامہ شاطبی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے مذکورہ دو صفتیں اسی قول کے نتیجہ میں وجود میں آئیں، کیونکہ خلیل کے قول پر یہ باتیں مخرج کے باب میں آگئیں، یہی وجہ ہے کہ محققین نے مخارج کی تعداد کے اختلاف کو حقیقی نہیں بلکہ صرف تعبیری اختلاف کہا ہے۔

---

[1] جہد المقل ص۸۳ و نہایۃ القول المفید ص۴۳ و ص۴۷ [2] علامہ جبری رح [3] شرح شاطبیہ ملا علی قاری رح [4] ابوشامہ رح
[5] شرح شاطبی ملا علی قاری رح و جاربردی رح ص۲۶۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۰۔ **علّت** حروف میں قلب وابدال کی تعلیلات ہونا، اس سے چار حروف متصف ہیں جن کا مجموعہ آوی ہے، ان حروف میں تعلیل وتخفیف ہوتی رہتی ہے جیساکہ علم صرف میں قواعد وضوابط مشہور ہیں۔ بعد والے مصنفین نے حروف علّت صرف واؤ، الف اور یا کو قرار دیا ہے اور ان میں تبدیلیوں کو تعلیل کہا گیا، اور ہمزہ کو علیحدہ کرتے ہوئے اس کی تبدیلیوں کو تخفیف سے موسوم کیا ہے۔

نوٹ:۔ واؤ ساکن ماقبل مضموم یاء ساکن ماقبل مکسور اور الف کا نام حروفِ مدّہ ہے، واو اور یا ساکن ماقبل مفتوح حروفِ لین کہلاتے ہیں، اور بغیر کسی قید کے مطلق حالت میں ان تین حرفوں کو حروف علت کہا جاتا ہے۔ جس میں واؤ، یا متحرک بھی شامل ہیں۔ باقی حروف، صحیحہ کہلاتے ہیں۔

۲۱۔ تفخیم ۔ حرفوں کی آواز کا پُر ہونا، قول مشہور کی بنا پر خواہ یہ پُر ہونا صفت لازمی ہو جیسے خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کی تفخیم یا عارضی ہو جیسے لامؔ، الف اور راؔ کی تفخیم۔ لہٰذا اس صفت سے دس حروف متصف ہوئے، اس کی ضد ترقیق ہے جس سے باقی حروف متصف ہیں، جن میں بحالتِ ترقیق لامؔ الف اور را بھی داخل ہیں۔

ف۔ صفتِ استعلاء کا مفہوم تھا "اقصیٰ لسان کا مرتفع ہونا" اس ارتفاع کو تفخیم عارض ہو جاتی ہے، اسی طرح استفال کے معنی ہیں "اقصیٰ لسان کا پستی کی طرف مائل رہنا" جس کے نتیجہ میں مُستَفِلہ حروف کو ترقیق عارض ہو جاتی ہے۔ اس جگہ جو "عارض" کا لفظ بولا گیا ہے، یہ عروض بمعنی حدوث وطریان ہے، یعنی اقصیٰ لسان مرتفع ہونے سے حروف میں تفخیم پیدا ہو جاتی ہے گویا حروف مستعلیہ کو تفخیم لازم ہے، کیونکہ لازم کا لازم لازم ہوتا ہے۔ اسی طرح حروف مُستفِلہ کو ترقیق عارض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ استفال کے نتیجہ میں بطور لزوم یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے۔

حاصل یہ کہ یہاں عروض بمعنی حدوث ہے عروض، لزوم کے مقابلہ میں نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ صفت استعلاء تو لازم ہو اور تفخیم عارضی ہو اسی طرح استفال صفت لازم ہو اور ترقیق صفتِ عارضی ہو، حالانکہ یہ سمجھنا غلط ہے، جیساکہ بعض کو وہم ہوا ہے۔ حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ استعلاء کا مفہوم "ارتفاع لسان" اور ارتفاع لسان کو تفخیم عارض ہوتی ہے یعنی پیش آ جاتی ہے اور بطور لزوم پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح استفال میں ترقیق کے عروض کا مطلب سمجھنا چاہیئے۔

(۲۲) ابدال ۔ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف رکھنا، تمہید میں اس کے بارہ[۱۲] اور فصول اکبری میں چودہ حروف بتلائے ہیں۔ أَنْصَتَ يَوْمَ جَدٍّ طَاهٍ زَلَّ (وہ اس روز خاموش رہا جس روز جَدُّ طَاہ نامی آدمی پھسلا) اور تمہید میں صاد اور زا نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ لغت عرب میں اصل حروف کی بجائے جو حروف خلاف قیاس لائے جاتے ہیں، وہ انھیں چودہ میں سے ہوتے ہیں۔ گویا یہ حروف مُبدَل عنہ ہیں مثلاً جَائِزٌ۔ شِئْمَةٌ مُؤْقَدٌ ہیں، کہ اصل میں جَاوِزٌ۔ شِيْمَةٌ اور مُوْقَدٌ ہے۔ حروف مدّہ کو ہمزہ سے بدلا گیا۔ اور جیسے أَنَاسِيَّ ہیں کہ اصل میں أَنَاسِيْنَ (جمع انسان) تھا، نون کو یا سے بدلا گیا۔ اور لَعَنَّ کہ لَعَلَّ میں لام کو نون سے بدل کر بھی ایک لغت ہے۔ ایسے ہی عَنْبَرٌ وغیرہ میں با سے پہلے نون کو میم سے بدلا جاتا ہے، اسی طرح حدیث لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ میں لام تعریف کے عوض میم ہے۔ اور جو سین کہ غین، خا، قاف اور طا سے پہلے واقع ہو اس کو صاد سے بدلنا جائز ہے جیسے صِرَاط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صَقَر وغیرہ[1] وغیرہ ۔

(۲۳) زیادت ۔ یعنی اصلی حروف، فا، عین، لام پر کچھ حرفوں کا زائد ہونا۔ حروف زوائد دس ہیں۔ جن کا مجموعہ سَأَلْتُمُوْنِیْھَا ہے جیسے اِجْتَنَبَ میں ہمزہ[2] اور تا۔

نوٹ :۔ مذکورہ دونوں صفتوں کا فن ادا سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ لغت و صرف سے ہے۔

(۲۴) خَفَاء ۔ لغوی معنی چھپنا۔ اصطلاح میں، حرف کی آواز کا مستور اور نرم ہونا۔ حروف خفیہ چار ہیں ھَاوِیْ یعنی تین حروف مدہ اور ھا

یہ صفت حروف مدہ میں اس لئے ہے کہ ان کا مخرج وسیع ہوتا ہے، ابو شامہ نے فرمایا کہ حروف مدہ میں زیادہ خفاء ہے، اور ان میں سے الف میں سب سے زیادہ ہے پھر یاء اور واؤ ہیں۔

حروف مدہ میں خفا ہونے کی وجہ سے ہی ہمزہ سے پہلے (مد متصل اور منفصل میں) ان کی آواز کو کھینچا جاتا ہے، تاکہ جلدی میں ساقط نہ ہو جائیں، کیونکہ ان میں خفاء ہے اور ہمزہ میں ان کی ضد یعنی صعوبت ہوتی ہے، اسہل کے بعد اصعب آئے تو انسانی طبیعت اصعب کا اہتمام کرتی ہے۔ اور اس اہتمام میں اسہل سے ذہول ہو سکتا ہے۔

اور ھا میں صفات ضعف کے جمع ہونے کی وجہ سے خفاء پیدا ہوا، اسی وجہ سے رعایہ میں مکی فرماتے ہیں کہ ھا حرف خفی ہے، جہاں بھی ہو، اس کو واضح کر کے پڑھنا چاہیئے۔ علامہ مرعشی نے فرمایا کہ واضح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی آواز کو مخرج میں دبا کر قوت سے پڑھا جائے، کیونکہ اس کا مخرج منہ سے دور ہے تو آواز کے دبانے میں دشواری سی ہوتی ہے[3]۔ ھا کے حرف خفی ہونے کی وجہ سے ہی ھاءِ کنایہ میں اشباع بھی کیا[4] جاتا ہے۔

(۲۵) امالہ ۔ جھکانا، یعنی الف کو بعض حالتوں میں یا کی طرف اور اس کے ماقبل فتحہ کو کسرہ کی طرف مائل کرنا۔ لہٰذا محل امالہ حروف میں الف اور حرکات میں فتحہ ہے۔ اس کی ضد یعنی غیر ممال حروف کو مُنْتَصِبَہ کہا جاتا ہے۔

نوٹ :۔ اصولاً امالہ کو صفات عارضہ میں لانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ الف کی ذاتی صفت نہیں۔ لیکن تمہید کی اتباع میں ہم نے بھی اس کو صفات ذاتیہ کے ذیل میں ہی بیان کیا۔

(۲۶) خلط یا اشراب ، یعنی کسی حرف کی آواز میں دوسرے حرف کی یا دوسرے حرف کی صفت کی آمیزش ہونا جیسے نونِ مخفاۃ، الفِ ممالہ، ہمزۂ مسہلہ، صادِ مشممہ۔ اس کی ضد صراحت ہے یعنی بغیر آمیزش کے خالص ہونا۔

نوٹ ، یہ صفت بھی صفات عارضہ میں سے ہی ہوئی۔

(۲۷) غُنّہ ۔ خیشوم سے آواز نکلنا۔ علامہ جعبری فرماتے ہیں کہ غنہ نون و میم کی صفت لازمہ ہے، خواہ وہ متحرک ہوں یا ساکن، مظہرہ ہوں یا مخفات یا مشدد، اور غنہ ان حرفوں کے ساکن ہونے کی حالت میں بہ نسبت حالت تحرک کے اکمل ہوتا ہے، اور ساکن مخفات میں ساکن مظہر سے زیادہ ہوتا ہے، اور ساکن مشدد میں ساکن مخفات سے زیادہ

---

[1] تمہید و فصول اکبری [2] تمہید، فصول اکبری [3] نہایۃ القول المفید [4] نشر فی القراءات العشر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کامل ہوتا ہے، نیز یہ بھی یاد رہے کہ نون میں غنہ کی آواز زیادہ بلند ہے اور میم میں کم بلند ہے۔

(۲۸) جَرَس، سخت آواز، یہ صفت صرف ہمزہ میں ہے۔ اسی لئے ہمزہ میں مختلف تغیرات ہوتے ہیں۔

(۲۹) صَتَم۔ کامل ہونا۔ چھ[1] حروف حلقی کے سوا، باقی حروف اس صفت سے متصف ہیں۔

(۳۰) ہَتّ۔ چیخنے کی سی کیفیت ہونا، جس سے سینہ پر دباؤ ہو، اس سے متصف ہمزہ ہے۔ گویا جرس اور ہتّ دونوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔

(۳۱) رجوع۔ یعنی حرف کی آواز کا مخرج سے علاوہ کسی اور طرف مائل ہونا، چنانچہ نون و میم حروف راجع ہیں، جن کی آواز خیشوم کی طرف غنہ کی وجہ سے مائل ہوتی ہے، باقی حروف سالمہ ہیں۔

صفاتِ مُمَیِّزہ

صفاتِ لازمہ کے بڑے فائدے چار ہیں (۱) متحدہ المخارج حروف میں امتیاز پیدا کرنا (۲) حروف کے قوی وضعیف مختلف النوع مراتب کی تعیین میں مدد ملنا (۳) حروف کی ادا میں نکھار اور لطافت کا حاصل ہونا (۴) حرفوں کا باہمی تعلق اور ادغام کی انواع کی تعیین۔

ہم یہاں پہلے دو نمبروں پر کلام کرتے ہیں۔ تیسرے اور چوتھے نمبروں کی توضیح میں آگے مختلف ابواب آرہے ہیں، اُن کی توضیح وہیں مناسب ہوگی۔

باب مخارج میں معلوم ہوچکا ہے کہ بہت سے حروف متّحد المخرج ہیں جیسے اقصیٰ حلق، وسط حلق اور ادنیٰ حلق تین مخارج دو دو حروف کے لئے متّحد ہیں، اسی طرح حروف شجریّہ، نِطعیّہ، لِثَویّہ اور صفیریّہ میں اتحادِ مخرج پایا جاتا ہے، جن حروف میں اختلافِ مخرج ہے جیسے قاف اور دال ہیں، ان میں امتیاز بدیہی ہے لہذا بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، البتہ متحد المخارج میں صفات سے ہی امتیاز حاصل ہوتا ہے، یعنی ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ دو حرف متحد المخرج بھی ہوں اور متّحد الصفات بھی ہوں۔ ورنہ تغایر نہ ہوگا جو صفات متحد المخارج میں امتیاز کا فائدہ دیتی ہیں اُن کو صفاتِ مُمَیِّزہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً ہمزہ اور ھا کا ایک مخرج ہے صفات لازمہ میں سے استفال، انفتاح اور اصمات میں بھی دونوں متّحد ہیں البتہ جہر اور شدت دو صفتیں ایسی ہیں جو ہمزہ کو ھا سے ممتاز کرتی ہیں کیونکہ ھا میں ہمس اور رخاوت ہیں۔ لہذا ہمزہ کے لئے جہر اور شدت دو صفتیں مُمَیِّز ہوئیں جو ہمزہ کو ھا سے ممتاز کرتی ہیں۔ اسی طرح مثلاً حروف نطعیہ مخرجاً متحد ہیں مگر کچھ صفات ان میں ایسی ہیں جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں، یعنی شدت اور اصمات میں تو تینوں متّحد ہیں مگر صفتِ جہر طا اور دال کو تا سے علیحدہ کرتی ہے کیونکہ وہ مہموسہ ہے، لہذا جہر صفت ممیزہ ہوئی جس نے تا سے دال اور طا کو علیحدہ کیا، یا کہو کہ ہمس صفتِ مُمَیِّزہ ہے، جو تا کو دال اور طا سے جدا کرتی ہے، اور دال وطا اگرچہ جہر، شدت، اصمات اور قلقلہ میں متحد ہیں مگر استعلا و اطباق ایسی دو صفتیں ہیں، جو طا کو دال سے علیحدہ کرتی ہیں کیونکہ وہ مستفلہ، منفتحہ ہے یا کہو کہ استفال و انفتاح دو صفتوں نے دال کو طا سے علیحدہ کیا ہے۔ حاصل یہ کہ طا میں اگر استعلا و اطباق

---

[1] نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دو صفتیں نہ ہوتیں تو وہ لامحالہ دال ہوتی۔ اسی طرح غور کرکے باقی متحد المخارج حرفوں کی صفاتِ ممیزہ متعین کرنی چاہئیں۔

صفاتِ قویّہ وضعیفہ | مشہور صفاتِ لازمہ دو قسم پر ہیں (۱) قوی (۲) ضعیف۔
قوی - جہر، شدّت، استعلا، اطباق، اصمات، صفیر، قلقلہ انحراف، تکریر، تفشّی، استطالت اور غنہ[1]

نوٹ: - علامہ مرعشی نے فرمایا کہ ان صفات میں سے بھی بعض بعض سے قوی تر ہیں۔ چنانچہ قلقلہ سب صفات سے قوی ہے، اور شدّت، جہر سے زیادہ قوی ہے، اور یہ تینوں تفشّی اور صفیر سے زیادہ قوی ہیں۔ اور اطباق اس استعلا سے قوی تر ہے، جو اطباق سے خالی ہو[2] اور علامہ جزری نے تمہید میں غنہ کو صفت ضعیفہ فرمایا ہے، جیسا کہ مفصل کلام عنقریب آتا ہے۔

ضعیف ہمس، رخاوت، توسّط استفال، انفتاح، اذلاق، لین اور خفاء[3]

اور ابن غازی کے قول پر اذلاق و اصمات متوسط ہیں۔ گویا ان کے نزدیک قوی، متوسط اور ضعیف تین قسم پر صفات منقسم ہیں۔ اور ہمارے خیال میں صفت بینیت بھی صفات متوسطہ میں سے ہے[4]

حروف قویہ وضعیفہ | ہر حرف میں دس صفات لازمہ متضادہ میں سے پانچ کے ساتھ ضرور اتّصاف ہوگا۔ البتہ غیر متضادہ میں سے کوئی حرف دو صفتوں سے، کوئی ایک سے متصف ہوگا اور کوئی بالکل متصف نہ ہوگا۔

حرفوں کی قوت و ضعف کا مدار ان مذکورہ صفات سے متصف ہونے پر ہی مبنی ہے، جو حرف جس قدر صفاتِ قوت سے موصوف ہوگا اسی قدر قوی اور جتنا ضعیف صفتوں سے موصوف ہوگا اتنا ہی ضعیف ہوگا، اور دونوں قسم کی صفات برابر درجہ میں پائی جاتی ہوں گی تو وہ بین بین یعنی متوسط ہوگا۔ لہذا قوت و ضعف وغیرہ کے لحاظ سے حرفوں کی پانچ قسمیں ہوئیں۔

اقوی	قوی	متوسط	ضعیف	اضعف
طاء، ضاد، ظاء، قاف	جیم، دال، صاد، غین، را، زا	ہمزہ، الف، با، تا، خا، ذال، عین، کاف	سین، شین، لام، واؤ، یاء	ثا، حا، نون، میم، فا، ھاء

مراتبِ حروف کا یہ نقشہ ہم نے نہایۃ القول المفید کے مطابق نقل کیا ہے، اور کتاب مذکور ہی سے کئی اور مصنفین نے بھی استفادہ کرتے ہوئے حروف کے مندرجہ بالا درجات قائم کئے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں اس میں کچھ سیم و نظر کی مزید ضرورت ہے، جس کی تشریح درج ذیل ہے۔

(۱) **اَقْوٰی**۔ وہ حروف جن میں یا تو صفاتِ ضعیفہ بالکل نہ ہوں یا صرف ایک ہو۔

---

[1] نہایۃ القول المفید وجہد المقل صہ ۹۱ [2] نہایۃ القول المفید صہ ۹۱ [3] نہایۃ القول المفید [4] جہد المقل صہ ۹۱ سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) قوی ۔ تعداد میں صفاتِ قوت زیادہ ہوں اور صفاتِ ضعف کم، مگر یہ صفات ضعیفہ کم ازکم دو ہوں۔
(۳) متوسط ۔ جن حرفوں میں صفات قویہ و ضعیفہ دونوں برابر، برابر ہوں۔
(۴) ضعیف ۔ جن میں صفات ضعیفہ اکثر ہوں اور صفات قویہ کم اور یہ صفات قویہ کم ازکم دو ہوں۔
(۵) اضعف ۔ جن میں صفات قویہ یا تو بالکل نہ ہوں، یا صرف ایک صفت قویہ ہو۔
اس اصول کے مطابق حروف کے درجات کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

درجات	نمبر	تعیین حروف	صفات قویہ	صفات ضعیفہ
اقوی	۱	ط	جہر، شدت، استعلاء، اطباق، اصمات، قلقلہ	کوئی نہیں
	۲	ض	جہر استعلاء اطباق اصمات استطالت	رخاوت
	۳	ظ	جہر استعلاء اطباق اصمات	رخاوت
	۴	ق	جہر شدت استعلاء اصمات قلقلہ	انفتاح
قوی	۱	ج	جہر، شدت، اصمات قلقلہ	استفال انفتاح
	۲	د	〃 〃 〃 〃	〃 〃
	۳	ص	استعلاء، اطباق، اصمات صفیر	ہمس، رخاوت
	۴	غ	جہر، استعلاء، اصمات	رخاوت، انفتاح
	۵	ء	جہر، شدت، اصمات	استفال، انفتاح
متوسط	۱	ب	جہر، شدت قلقلہ	استفال انفتاح اذلاق
	۲	ر	جہر، انحراف تکریر — توسط	استفال، انفتاح، اذلاق
	۳	ز	جہر، اصمات، صفیر	رخاوت، استفال، انفتاح
	۴	ع	جہر، اصمات — توسط	استفال، انفتاح
ضعیف	۱	ذ	جہر اصمات	رخاوت، استفال، انفتاح
	۲	ت	شدت، اصمات	ہمس، استفال، انفتاح
	۳	خ	استعلاء اصمات	ہمس رخاوت، انفتاح
	۴	ذ	جہر اصمات	رخاوت، استفال، انفتاح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

[illegible]	[illegible]	تعین حروف	صفات قویہ		صفات ضعیفہ
	۵	ک	شدت، اصمات		ہمس[۱] استفال[۲]، انفتاح[۳]
	٦	س	اصمات، صفیر[۲]		ہمس[۱] رخاوت[۲] استفال[۳] انفتاح[۴]
	۷	ش	اصمات، تفشی[۲]		〃 〃 〃 〃
	۸	ل	جہر[۱]، انحراف[۲]	توسط	استفال[۱]، انفتاح[۲]، اذلاق[۳]
	۹	و	جہر[۱] اصمات[۲]		رخاوت[۱] استفال[۲]، انفتاح[۳]
	۱۰	ی	〃 〃		〃 〃 〃
	۱۱	ن	جہر[۱] غنہ[۲]	توسط	استفال[۱] انفتاح[۲]، اذلاق[۳]
	۱۲	م	〃 〃	توسط	〃 〃 〃
اضعف	۱	ث	اصمات		ہمس[۱] رخاوت[۲] استفال[۳]، انفتاح[۴]
	۲	ح	〃		〃 〃 〃 〃
	۳	ھ	〃		〃 〃 〃 〃
	۴	ف	کوئی نہیں		ہمس[۱] رخاوت[۲] استفال[۳] انفتاح[۴] اذلاق[۵]

علماءِ فن نے قوی و ضعیف صفات مُعین کیں، اور ہم نے انہیں کے فیصلہ کی روشنی میں حروف میں مذکورہ بالا ترتیب قائم کی ہے۔ اس مسئلہ پر مزید بحث جہد المقل میں دیکھی جا سکتی ہے جو کافی دقیق ہے۔

نوٹ:۔ مکی۔ مقدسی، ملا علی قاری اور صاحب القول المفید نے صفت غنہ کو قوی[۱] صفات میں لکھا ہے، اور اسی وجہ سے ہم نے نون و میم کو حروف ضعیفہ میں لکھا ہے، اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ نون کا ادغام واؤ اور یا میں بالغنہ یعنی ناقص ہوتا ہے، جو علامت ہے مدغم فیہ کے مقابلہ میں مدغم کے قوی ہونے کی۔

اور علامہ جزری نے تمہید میں غنہ کو صفت قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں واما النون فھو اضعف من اللام بالغنۃ والاصل ان لا یدغم الاقوی فی الاضعف[۲] (ترجمہ) نون غنہ کی وجہ سے لام کے مقابلہ میں زیادہ ضعیف ہے اور اصل یہ ہے کہ اقوی اضعف میں مدغم نہیں ہوتا"، یعنی لام کا نون میں جو ادغام نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ لام قوی ہے اور نون ضعیف، اور قوی کا ضعیف میں ادغام نہیں ہوتا۔ اسی لئے نون کا تو لام میں ادغام ہوا مگر لام کا نون میں نہیں ہوا، ہمارے خیال میں یہی زیادہ صحیح ہے کہ غنہ صفت ضعیفہ ہے۔ ورنہ جَعَلْنَا وغیرہ میں اظہار کی کوئی توجیہ صحیح نہیں بنتی جیسا کہ ہم باب ادغام میں اس پر بحث کریں گے۔

---

[۱] نہایۃ القول المفید ص ۵۹ [۲] نہایۃ القول ص ۷٦

www.KitaboSunnat.com

رہ گیا نون کا واؤ اور یا میں مدغم باد غام ناقص ہونا اس کی وجہ یہ ہے کہ واؤ اور یا گو جہر اور اصمات دو قوی صفتوں سے متصف ہیں مگر ان کا حروف علت ہونا ضعف کی ایک ایسی بنیادی وجہ ہے کہ جہر و اصمات کی قوت اس کے سامنے چنداں لائق التفات نہیں اس لئے نون، واؤ اور یا کے مقابلہ میں قوی ہی رہتا ہے اور ادغام میں اسکی صفت غنہ باقی رہتی ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ نون و میم کو سب ہی نے اضعف حروف میں شمار کیا ہے، غنہ اگر صفت قوی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ نون و میم کو اضعف حروف میں شمار کیا جائے۔ جہر اور غنہ دو قوی صفتوں کے ہوتے ہوئے ان کو اضعف کیسے کہا جاسکتا ہے۔

لہٰذا ضعیف حروف دس ہوئے ا، ت، خ، ذ، ک، س، ش، ل، و، ی اور اضعف چھ، ن، م، ث، ح، ہ، ف۔ واللہ اعلم

بَابُ مَعْرِفَةِ التَّجْوِيْدِ

علم تجوید پر بحث

ش وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ ؛ مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ آثِمٌ

ت اور تجوید کے مطابق عمل (تلاوت میں) ضروری اور لازم ہے جو شخص قواعد تجوید سے قرآن نہ پڑھے گنہگار ہے

ل۔ وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ اَلْاَخْذُ سے مراد عمل ہے اور حَتْمٌ لَازِمٌ بغیر عاطف کے دونوں خبریں ہیں یا حتم موصوف اور لازم صفت ہے، اور مرکب توصیفی خبر ہے۔ مَنْ شرطیہ یا موصولہ لَمْ يُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ شرط یا صلہ، دونوں سے مل کر مبتدا اٰثم بتقدیر فَهُوَ خبر، متضمن لمعنی الجزاء، اور موصول ہونے کی تقدیر پر بلا کسی تقدیر کے، خبر ہے۔ التجوید مصدر ہے جودت سے لیا گیا ہے، جو اسم مصدر بمعنی عمدگی ہے اور رَدَاءَتْ (فاسد ہونا) کا مقابل ہے جَوَّدَ یعنی حَسَّنَ عمدہ کام کیا (نشر)، حَتْمٌ کسی پر کوئی کام واجب ٹھیرانا (صراح)، وہ ضروری فعل جس کا کرنا واجب ہو (منتہی الارب) اسی سے حدیث میں ہے۔ اَلْوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ یعنی وتر پنجگانہ نمازوں کی طرح فرض نہیں ہے،

اَلْقُرَانَ ہمزہ کی نقل حرکت کے ساتھ جیسا کہ ابن کثیر مکیؒ کی قراءت ہے۔ یا تو قَرَاَ سے مشتق ہے اصل میں القرآن تھا اور نقل حرکت کے بعد اَلْقُرَان ہوگیا یا اس کا اشتقاق قَرَنَ سے ہے۔ ہمزہ کے ساتھ بروزن فُعْلَانٌ ہے اور ہمزہ کے بغیر بروزن فُعَالٌ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تجوید سے قرآن شریف پڑھنا ضروری ہے۔ شروع کتاب میں إِذْ وَاجِبٌ عَلَيْهِمْ، مُحَتَّمٌ کی تشریح میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہاں عرفی وجوب مراد ہے، اور یہاں شرعی، اس بحث کا وہاں مطالعہ کر لینا ضروری ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قواعدِ تجوید سے قرآن پڑھنا فرض ہے، اگو قواعد تجوید کو پڑھنا فرض نہیں ہے۔ مگر قواعد تجوید سے تمام قواعد مراد نہیں، بلکہ اس حد تک کہ خلطِ معنی لازم نہ آئے۔ اور "خلطِ معنی" ایک وسیع مفہوم ہے، خلط معنی یہ بھی ہے کہ غلطی کی وجہ سے آیت قرآنی کا مفہوم مرادِ الٰہی کے بالکل برعکس ہو جائے۔ مثلاً وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا (ہم اہل جنت کو نہایت گھنے سایہ میں داخل کریں گے) اہل جنت کے حق میں ہے، اگر ظا کو ذال سے بدلا جائے تو نہایت قبیح معنی پیدا ہو جاتے ہیں کہ ہم انہیں انتہائی ذلت میں داخل کریں گے (عیاذاً باللہ)

خلطِ معنی یہ بھی ہے کہ مفہوم کے اعتبار سے آیت مہمل اور بے معنی ہو جائے، مثلاً عربی حروف کی جگہ عجمی حروف پیدا ہو گئے را کو ڑے سے، دال کو ڈال سے یا تا کو ٹے سے بدل دیا۔

یا حرکات و سکنات میں غلطی کی جس کی وجہ سے مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بن گئی۔ پہلی صورت میں نماز بھی جاتی رہتی ہے، دوسری صورت میں اگر عذر کی وجہ سے نہ ہو تو قرآن میں تحریف لازم آنے کی وجہ سے حرمت کا ارتکاب ہے۔ اسی قسم کی غلطیوں کو علماءِ تجوید نے لحنِ جلی قرار دیا ہے، اور اسی کی حد تک قرآن کو صحیح پڑھنا فرض عین ہے۔

اس سے کم درجہ کی غلطی مثلاً صفات غیر ممیّزہ یا صفات عارضہ کے اغلاط لحن خفی میں داخل ہیں، لحنِ جلی کے ارتکاب میں عقاب کی وعید ہے اور لحن خفی کے ارتکاب میں عقاب کا اندیشہ تسلیم کیا گیا ہے، دوسرے لفظوں میں اول حرام ہے دوسری مکروہ ہے۔ لفظ اثم عام ہے، لحن جلی، لحن خفی، دونوں کے گناہوں کو شامل ہے، لہٰذا تجوید کی تعریف اس طرح ہوئی "ہر حرف کو اس کے مخرج سے مع جمیع صفات لازمہ و عارضہ کے ادا کرنا" چنانچہ آئندہ شعروں میں ناظم علیہ الرحمہ تجوید کی یہی تعریف کریں گے۔ علم تجوید میں واجب کی دو قسمیں ہیں واجب شرعی، اور وہ یہ ہے کہ اس کے شغل پر ثواب اور ترک پر عقاب ہو واجب شرعی کی حد یہ ہے کہ حروف کو تغیر سے اور معنی کو فساد سے بچایا جائے لہٰذا اس کا تارک گنہگار ہوگا اور واجب اصطلاحی کے ذیل میں صفات عارضہ مثلاً ادغام، اخفا، اقلاب، ترقیق، تفخیم بھی داخل ہیں متاخرین کے اختیار پر ان کا تارک آثم نہیں ہوتا۔ لیکن متقدمین نے تمام کے واجب شرعی ہونے کو اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ ناصر الدین طبلاوی کی بھی یہی رائے ہے[1]۔ لیکن متاخرین کے یہاں قول زیادہ اقرب الی التحقیق یہ ہے کہ ہیں تو دونوں واجب شرعی لیکن اوّل بمعنی فرض جس کا ترک حرام، اور دوسرا بمعنی سنت مؤکدہ جس کا ترک مکروہ۔

قولہ:۔ مَنْ لَمْ يُجَوِّدِ الْقُرَانَ بعض نسخوں میں مَنْ لَمْ يُصَحِّحِ الْقُرَانَ ہے، دونوں کی ایک ہی مراد ہے مگر لَمْ يُجَوِّدِ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ پہلے مصرعہ میں تجوید کا سیکھنا ضروری فرمایا، اس مصرعہ میں اسی تجوید کے ترک پر وعید کا بیان ہے، گویا تجوید کے اختیار اور ترک یا جاننے اور نہ جاننے کے دونوں پہلوؤں پر کلام ہو گیا۔

---

[1] نہایۃ القول المفید ص ۲۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ن لِاَنَّهٗ بِهِ الْاِلٰهُ اَنْزَلَا ۞ وَهٰكَذَا مِنْهُ اِلَيْنَا وَصَلَا

ت کیونکہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تجوید ہی کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اور اسی شان سے اللہ تعالیٰ سے ہم تک وہ پہنچا ہے

ل ۔ لِاَنَّہٗ لام تعلیلیہ ہے، اور گذشتہ شعر میں لفظ اٰثِمٌ یا حَتْمٌ لَازِمٌ کے متعلق ہے، ضمیر غائب یا تو ضمیر شان ہے یا اس کا مرجع القرآن ہے اَلْاِلٰہُ بروزن فِعَالٌ اَلِہَ بمعنی عَبَدَ سے ہے یعنی معبود جیسے کتابٌ، لِبَاسٌ بمعنی مکتوبٌ، ملبوسٌ ۔ بِہٖ کا مرجع التجوید ہے اَنْزَلَا اور وَصَلَا صیغہ واحد ہیں، الف اطلاقی ہے ھٰکَذَا اکذا تشبیہ کے لئے اور ھا تنبیہ کے لئے ہے۔ مشارٌ الیہ بالتجوید ہے۔

---

(۴) یعنی قواعد تجوید کی رعایت ہر اُس شخص کے لئے جو قرآن پڑھے فرض ہے، کیونکہ قرآن تجوید کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے اور تجوید کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے لوح محفوظ پھر حضرت جبرئیلؑ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پھر تابعین اور تبع تابعین اور مشائخ قراءت کے واسطوں سے ہم تک پہونچا ہے۔ لہذا اگر قرآن اُسی طریقہ اور لب و لہجہ میں نہ پڑھا گیا، کہ جس میں وہ نازل ہوا ہے تو پڑھنے والا گنہگار ہوگا، اور کلام اللہ میں تحریف کرنے والا نافرمان اور گنہگار شمار ہوتا ہے، جس کی سزا عذاب الٰہی ہے تو معلوم ہوا کہ تجوید کے ساتھ تلاوت فرض اور اس کے خلاف حرام ہے۔ اور حرمت کی دو دلیلیں ہیں (۱) ایک یہ کہ قرآن تجوید کے ساتھ نازل ہوا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ـــــ ہم نے قرآن عربی میں اُتارا

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ـــــ فصیح عربی زبان میں

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ـــــ وہ قرآن جو عربی میں ہے اور اسکی عربیت ہر قسم کی کجی اور خامی سے پاک ہے

وغیرہ وغیرہ آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن کو اگر تجوید کے خلاف پڑھا جائے تو اس کی عربیت اور طرزِ ادا بگڑتی ہے، جس طرح کوئی غیر اردو داں بتکلف ٹوٹی پھوٹی زبان میں اردو کے جملے بولے، اور اہل زبان اس پر ہنسیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان کا ایک لب و لہجہ ہوتا ہے، قرآن شریف جب تک عرب میں رہا، اس کی ادا میں کوئی عیب اور بھونڈا پن نہیں آیا، پھر عرب سے نکل کر عجمیوں میں پہونچا، تو انہوں نے اس کو اپنی اپنی زبانوں کے لب و لہجوں پر پڑھنا شروع کیا، کسی سے استعلا و اطباق ادا نہ ہوا کسی نے مخارج بگاڑے الغرض فطری طور پر جو زبانوں کے طرز میں اختلاف ہوتا ہے، قرآن کی عربیت اس سے مجروح ہوئی، اسی وقت سے علماءِ اسلام کو حروف کے مخارج و صفات کی توضیح کی ضرورت پیش آئی، اور ان قواعد کی پابندی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ضروری قرار دی گئی، تاکہ دُنیائے اسلام کے عامۃ المسلمین قرآن کی عربیت اور اس کے لب و لہجہ کو زیادہ سے زیادہ سنواریں (۲) دوسری دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ جس طرح قرآن سلسلہ بسلسلہ اپنی شان تواتر سے ہم تک پہونچا، اس کے پہونچانے والے مشائخ قراءت خصوصاً اور عامۃ المسلمین عموماً قرآن مجید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تجویدہی سے پڑھتے پڑھاتے تھے، تو گویا قرآن کی طرزِ ادا بھی متواتر ہوئی۔ اور یہ تواتر تواترِ عملی کی قسم سے ہوا۔

نوٹ:۔ گذارش ہے کہ اس تقریر میں "لب ولہجہ" سے ہماری مراد حسنِ صوت کے متعارف لہجے نہیں، بلکہ فصیح عربی زبان کا طرزِ ادا ہے۔

تواتر کی تعریف ہے۔

هُوَ خَبَرٌ عَنْ مَحْسُوسٍ أَخْبَرَ بِهِ جَمَاعَةٌ بَلَغُوا فِي الْكَثْرَةِ مَبْلَغًا تحيل الْعَادَةُ تَوَاطُئُهُمْ عَلَى الْكَذِبِ

(مقدمہ فتح الملہم)

تواتر کسی امرِ محسوس کے متعلق وہ خبر ہے جس کو اتنی بڑی جماعت نے پہونچایا ہو کہ اس کی کثرت کے پیشِ نظر ان سب ناقلین کا کذب پر متفق ہونا محال نظر آئے۔

تواتر کی چار قسمیں کی گئی ہیں، جن میں سے ایک قسم تواترِ عملی ہے۔ مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم للعلامۃ العثمانی رحمہ میں اس کی حسب ذیل تشریح کی گئی ہے۔

والقسم الثالث تواترُ عملٍ وتواترُ توارثٍ وهو ان يعمل به فى كل قرنٍ من صاحب الشريعة الى يومنا هذا جمعٌ غفير من العاملين بحيث يستحيل عادةً تواطئهم كذب او غلطٍ، كالسواك فى الوضوء مثلاً فهو سنّةٌ واعتقاد سنّيته فرض لانه ثابت بالتواتر العملى وجحودها كفر وجهله حرمانٌ وتركه عتابٌ اوعقابٌ ومن ذلك الصلوات الخمس فانه لا يختلف مومنٌ ولا كافرٌ ولا يشك احدٌ انه صلاها باصحابه كل يوم وليلة فى اوقاتها المعهودة وصلاها كذلك كل من اتبع دينه حيث كانوا كل يوم وليلة وهكذا الى اليوم۔

تواتر کی تیسری قسم تواترِ عملی یا تواترِ توارث ہے اس تواتر کا یہ مطلب ہے کہ صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے زمانہ تک عمل کرنے والوں کے ایک جمِ غفیر نے اس کام پر عمل کیا ہو، کہ عادۃً اس جماعت کا متفق علی الکذب یا علی الغلط ہونا محال معلوم ہو۔ مثلاً وضو میں مسواک، کہ گو وہ سُنت ہے، مگر اس کی مسنونیت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے، کیونکہ تواترِ عملی سے ثابت ہے، اس عقیدہ کا انکار، کفر اور اس سے ناواقفیت محرومی اور اس کا ترک عتاب و عقاب ہے۔ اسی طرح پنجگانہ نمازوں میں کسی مومن کو تو کیا کسی کافر کو بھی شک نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ دن رات میں اوقاتِ معینہ پر ادا کی ہیں، اسی طرح آپ کے دین کے اتباع کرنے والوں نے دن رات میں یہ نمازیں پڑھیں، خواہ یہ متبعین کسی بھی جگہ کے رہنے والے ہوئے ہوں، یہ تواترِ عملی آج تک قائم ہے۔

ناظم علیہ الرحمہ نے قرآن مجید کے تجوید سے پڑھے جانے پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک سے اپنے دور تک کے عامۃ المسلمین و مشائخ قراءت کے تواترِ عملی اسی پر قائم رہنے سے تجوید کے تواتر پر استدلال کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناظم علیہ الرحمۃ کا یہ استدلال اس قدر مکمل اور مستحکم ہے کہ اس سے بڑھکر تجوید کی حمایت میں اور کوئی استدلال ممکن نہیں ، نہایت صاف عقلی ونقلی اور ناقابل انکار دلیل ہے کہ قرآن عربی لب و لہجہ میں نازل ہوا ، جو عام اہل عرب اور خالص عربی زبان والا کا ہر قسم کی بوئے عجمیت سے پاک لب و لہجہ تھا - اسی لب و لہجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ، اور یہی لب و لہجہ آگے بھی قرآن کے ناقلین کے تواتر کے ساتھ ساتھ قائم رہا ، چنانچہ تمام متواتر قراءتیں تجوید کے ساتھ ہی منتقل ہوئیں -

ہمارے خیال میں فن تجوید کی تائید وحمایت میں علامہ جزری کی یہ دلیل بنیادی ہے ، اس کے علاوہ شراح ومصنفین نے جسقدر دلائل بیان کیے ہیں ، وہ سب مؤید کی حیثیت رکھتے ہیں ، اساسی نہیں -

حاصل یہ کہ قرآن شریف شروع کرنے سے پہلے مخارج وصفات کو صحیح کرے ، کیونکہ قرآن کریم کے خصائص واسرار ، معانی پر موقوف ہیں اور معانی کا مدار صحت کلمات پر ہے ، اور کلمات کی صحت ، صحت حروف پر ، اور حروف جب ہی صحیح ہو سکتے ہیں جبکہ مخارج وصفات صحیح ہوں - ورنہ مخارج یا صفات لازمہ کے تغیر سے لفظ اپنی عربیت سے نکلے گا ، اور لفظ کے عربیت سے نکلنے کیساتھ ہی معانی واسرار میں تغیر لازم آئے گا[1]

ناظم رحمہ اللہ نثر میں فرماتے ہیں -

" حقیقت یہ ہے کہ جس طرح امت کو معانی قرآن کے سمجھنے کا حکم ہے ، تاکہ وہ اس کی حدود کو قائم کر سکے ، اسی طرح وہ اس امر کی بھی مخاطب ہے کہ قرآن کے الفاظ کی تصحیح کرے اور اس کے حروف کو اسی کیفیت پر ادا کرے جو کیفیت ائمہ قراءات سے تعلیماً حاصل ہوئی ہے ، اور جس کا سلسلہ متواتراً حضرت نبویہ افصحیت العربیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ) تک پہونچتا ہے ، جس کی مخالفت ہرگز جائز نہیں - اور نہ اس سے انحراف جائز ہے ، آدمی تین حال سے خالی نہیں یا قابل اجر نیکوکار ہے یا غلط کار وگنہگار ہے - یا معذور ہے ، جو شخص صحیح اور فصیح عربی میں تلفظ پر قادر ہو ، اور فاسد وعجمی تلفظ کی طرف انحراف کرے محض تساہل یا استغناء یا اپنی خودرائی کی وجہ سے یا اس لئے کہ وہ کسی تجوید کے عالم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے میں عار محسوس کرے تو وہ یقیناً گنہگار ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا -

الدِّین النصیحۃ لِلّٰہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم -	دین نام ہے ، اللہ تعالی ، اسکی کتاب ، اس کے رسول ائمہ مسلمین اور عامۃ المسلمین کی سرگرم خیر خواہی کا -

جو شخص معذور ہو یعنی اس کی زبان ساتھ نہ دیتی ہو ، یا اس کی کوئی راہنمائی کرنے والا نہ ہو تو وہ معذوری کی وجہ سے قابل ملامت نہیں ، اللہ تعالی نے انسان کو قدرت کے وقت ہی احکام کا مکلف بنایا ہے "

ناظم رحمہ اللہ نے ضحاک سے ایک روایت بسند نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا -

جَوِّدُوا القرآن وزینوہ باحسن الاصوات وَاَعْرِبُوہ فَاِنَّہ عَرَبِیٌّ واللّٰہ	قرآن کو تجوید سے پڑھو اور اچھی آوازوں کے ساتھ مزین کرو ، اور عربیت کے ساتھ پڑھو کیونکہ وہ عربی ہے اور

[1] القول السدید فی بیان حکم التجوید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يُحِبُّ اَنْ يُّعْرَبَ[1]	اللہ تعالیٰ اس کی عربیت ہی کو پسند کرتا ہے۔

نیز حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُقْرَأَ الْقُرْاٰنُ کَمَا اُنْزِلَ۔ (اخرجہ ابن خزیمہ فی صحیحہ[2])	اللہ کو پسند یہ ہے کہ قرآن جس طرح اترا ہے اسی طرح پڑھا جائے۔

قاری محمد نصیر الدین صاحب نعمانی اعظم گڑھی نے حاشیہ جزری میں بہت خوب لکھا ہے کہ قرآن تجوید کے ساتھ نازل ہوا سلسلہ بسلسلہ ثقہ راویوں کے ذریعہ ہم تک پہونچا، لہٰذا جو قرآن تجوید سے خالی ہو وہ قرآن نہیں ہے، کیونکہ جب روایت ضعیف (یعنی روایاتِ شاذہ) سے بھی قرآنیت ثابت نہیں ہوتی، تو خلافِ تجوید ہونے کی وجہ سے جو قرآن کہ مروی ہی قطعاً نہیں وہ کیسے قرآن ہو سکتا ہے۔ ع

شر ۲۹ وَهُوَ اَيْضًا حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ وَزِيْنَةُ الْاَدَاءِ وَالْقِرَاءَةِ

ت اور وہ (تجوید) تلاوت کا زیور بھی ہے اور اداؤ قراءت کا حسن ہے۔

ل دونوں مصرعوں کے آخر میں یا تو تا کو ہ سے بدل کر ساکن پڑھا جائے، یا تاء کے ساتھ یاءِ اطلاقی یعنی کسرۂ موصولہ پڑھا جائے[3] وَهُوَ بضم ہے بسکون نہ پڑھا جائے وزنِ شعری کی وجہ سے[4] حِلْيَة بکسرِ حا زیور اور ایک معنی منجد وغیرہ میں ان نگینوں کے بھی لکھے ہیں جن سے زیورات کو خوبصورت بنایا جاتا ہے ایضًا یعنی اٰضَ ایضًا ای رَجَعَ رُجُوْعًا

ح حِلْيَةٌ اور زِيْنَةٌ قریب قریب ہم معنی ہیں۔ تلاوت یعنی قرآن کو ثواب و عبادت کے لئے پڑھنا اداء استاد یا شاگرد کا تعلیم و تعلّم کے لئے پڑھنا، متقدمین کا طریقہ تھا کہ استاذ پڑھتا اور تلامذہ سنتے، متاخرین کے یہاں تلمیذ کے پڑھنے اور استاذ کے سننے کا طریقہ رہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ عند الضرورت استاد بھی پڑھکر تلامذہ کو سنائے، ورنہ سننے پر اکتفا کرے اور لفظ قراءت دونوں کو شامل ہے[5]۔ مگر ہمارے خیال میں قراءت سے فن قراءت مراد ہے

اداء کے سلسلہ میں شارح مصری نے فرمایا ہے۔

والحق ان الاداء القراءة بحضرة الشيوخ عقيب الاخذ من افواههم لا الاخذ بنفسه	حق یہ ہے کہ ادا پڑھنے کا ایک طریقہ ہے کہ اوّلاً شیوخ سے سن کر استفادہ کرنے کے بعد ان کی موجودگی میں پڑھا جائے نہ کہ خود ہی۔

---

[1] نشر ص ۲۱۰/۱ [2] ص ۲ منح الفکریہ [3] منح الفکریہ [4] منح الفکریہ [5] منح الفکریہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شارح مصری نے جو طریقہ بتلایا ہے آج بھی اساتذہ کا متداول طریقہ یہی ہے، مگر معلوم نہیں ملا علی قاری نے اس قول کو کیوں باطل قرار دیدیا ہے؟ حالانکہ ادا میں اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں ادا کا یہی مطلب ہے کہ شیخ کے پڑھنے کو سنا پھر شیخ کے سامنے پڑھنا، البتہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف سن کر قرآن کو اخذ کیا، حضورؐ کے یا کسی اور قاری کے سامنے اُن کا پڑھنا ثابت نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی طبائع سلیم تھیں وہ ادا پر قادر تھے قرآن کی زبان اُن کی زبان تھی۔ شیخ کے سامنے پڑھنے پر استدلال اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال ماہ رمضان میں حضرت جبرئیل کو قرآن سنایا۔ علامہ جزری جب قاہرہ تشریف لے گئے اور مخلوق کا بیحد ہجوم ہوا تو اتنا وقت نہ ملا کہ طلبہ کو فرداً فرداً پڑھائیں تو ایک آیت پڑھتے تھے اور تمام طلبہ دفعتہً اس کا اعادہ کرتے تھے، گویا شیخ نے صرف اپنے پڑھنے پر ہی اکتفا نہ کیا۔[۱]

شعر کا مطلب یہ ہے کہ کلام الٰہی کے پڑھنے کا حسن و کمال یہ ہے کہ اس کو تجوید سے پڑھا جائے۔ گویا تجوید کی حمایت میں دوسری دلیل ہے اسی لئے ایضاً فرمایا ہے۔ حسن زینت سے وہ بہترین ادا مراد ہے جس سے تلاوت و قرآءت کا حسن دوبالا ہو جائے، بغیر حسن و زینت کے مُثلہ کرنا ہے۔

لفظ حلیۃ اور زینت سے ناظم رحمہ اللہ اس حدیث کا مفہوم متعیّن فرمانا چاہتے ہیں جسکو اپنی دو مسلسل سندوں سے نشر[۲] میں بیان فرمایا ہے۔

قال عبداللہ بن مسعودؓ جَوِّدُوا القرآنَ وَزَیِّنُوہ باحسن الاصوات واعربوہ فانہ عربی واللہ یحب ان یُعْرَبَ بہٖ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا قرآن کو تجوید سے پڑھو اور عمدہ آوازوں سے زینت دو اور اس کی عربیت کو اجاگر کرو کیونکہ وہ عربی میں ہے اور اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی عربیت کو برقرار رکھا جائے۔

نیز حدیث میں ہے۔ زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ[۳] - اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن کو زینت دو۔

یعنی اس حدیث شریف کی اوّلین تعمیل یہی ہے کہ تلاوت، ادا اور قراءت میں اپنی آوازوں کو تجوید اور عربیت سے مزیّن کرو۔ کیونکہ تجوید ہی اداءِ قراءت کی زینت ہے۔

اور خوش آوازی سے پڑھنا نہ شجر ممنوعہ ہے اور نہ مقصودِ اصلی، اس باب میں افراط و تفریط دونوں صحیح نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ تجوید کے مقاصد سے ایک زائد و خارج چیز ہے، خوش آوازی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، جس کو حاصل ہو اُسے چاہیئے کہ اپنی خوش آوازی کو اہل عرب کی خوش آوازی کے تابع رکھتے ہوئے بے تکلف اور سادہ پڑھے مگر عربی لہجوں کے اندر غرق و محو ہو جانا کہ مقصود دہی ہو کر رہ جائیں نہایت معیوب ہے۔

خوش آوازی سے پڑھنا دراصل آداب قرآنی میں سے ہے، جیسے تلاوت کے وقت باوضو ہونا قبلہ رخ ہونا مسواک کئے ہوئے ہونا، آداب کے درجے میں حسنِ صوت مندوب و مستحب ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن ارشادات کو جو حسنِ صوت کی ترغیب پر دال ہیں امام غزالی نے احیاء العلوم میں باب آداب تلاوت میں بیان کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے:

حَسِّنُوا القرآنَ باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حُسْنًا[۴] ۔ قرآن کو اپنی آوازوں سے آراستہ

۱؎ اتقان فی علوم القرآن للسیوطی ص ۹۹/۱ ۲؎ نشر ص ۲۱۰/۱ ۳؎ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی۔ ۴؎ رواہ الدارمی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرو کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ[1] ۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن پڑھنے میں عمدہ آواز نہ بنائے

یَتَغَنَّ کے دوسرے معنی سفیان ثوری رحؒ نے استغنا کے بھی لئے ہیں لیکن امام غزالی فرماتے ہیں کہ اہل لغت کے نزدیک راجح معنی ترنم کے ہیں۔ صحیحین کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعریؓ کا قرآن سُنا اور فرمایا لقد اُوْتِیَ هٰذا من مزامیر آل داؤد اللہ تعالیٰ نے اس کو آل داؤد کا مزمار یعنی ساز عطا فرمایا ہے ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنے متعلق یہ معلوم ہوا تو فرمایا اگر مجھے خبر ہوتی کہ آپ سُن رہے ہیں تو اور بھی بنا سنوار کر پڑھتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں حسن صوت کی طرف جسقدر متوجہ ہوتا ہے، اسقدر کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ وغیر ذلک پھر ان تمام محاسن کا خلاصہ اور عطر یہ حدیث ہے۔

لا یسمع القرآن مِنْ احد اَشھی ممن یخشی اللہ عزوجل[3] جو شخص خشیتِ الٰہی کے ساتھ قرآن پڑھے اس سے زیادہ مزیدار قرآن ہو نہیں سکتا۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق بخشے)

شعر وَهُوَ اِعْطَاءُ الْحُرُوْفِ حَقَّهَا مِنْ صِفَةٍ لَّهَا وَمُسْتَحَقَّهَا

ت اور تجوید، حرفوں کو ان کا حق یعنی ان کی صفات لازمہ اور اُن صفات کی مقتضیات کا دینا ہے۔

ل وھُوَ مبتدا اِعْطَاءُ مصدر مضاف الحروف مضاف الیہ حَقَّهَا مفعول مِنْ صِفَةٍ، حقها کا بیان ہے مُسْتَحَقَّهَا بصیغۂ اسم مفعول، حَقَّهَا پر عطف ہے۔ حَقَّهَا اور مُسْتَحَقَّهَا دونوں میں ضمیروں کا مرجع حروف ہیں اور ممکن ہے کہ مستحقها کی ضمیر کا مرجع صِفَة کو قرار دیا جائے مگر اوّل بہتر ہے۔ جیسا کہ تشریح شعر سے معلوم ہوگا۔

ح اس شعر میں تجوید کی تعریف ہے، اور اس تعریف کا تتمہ اگلے شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں آتا ہے۔ مطلب یہ کہ حروف کے مخارج کی عمدگی اور مضبوطی کے بعد اُن کے حقوق یعنی صفاتِ لازمہ مذکورہ کو ادا کرنا اور ان صفاتِ لازمہ کے جو مقتضیات ہوں ان کو پورا کرنا ہے۔ گویا حروف کے حق سے مراد ان کی صفاتِ لازمہ ہیں، جہر، شدت رخاوت وغیرہ ہیں اور مستحقها سے وہ کیفیات مقصود ہیں جو مذکورہ صفاتِ لازمہ کی وجہ سے پیدا ہوں، جیسے حروفِ مستفلہ کی ترقیق اور مستعلیہ کی تفخیم یا وہ کیفیات جو حروف کو عارض ہوئی ہوں جیسے لام و را کی تفخیم و ترقیق یا چند حروف کے اجتماع سے جو حالات پیدا ہوں جیسے اظہار ادغام اخفا قلب غنہ، مد اور قصر وغیرہ۔

حروف کو مخرجوں سے ادا کرنا، تجوید کی تعریف میں داخل ہے جیسا کہ اگلے شعر کے پہلے مصرعہ میں بیان کریں گے، لیکن

---

[1] احیاء العلوم و منح الفکر پر [2] متفق علیہ [3] رواہ حاکم وابو القاسم الغافقی فی کتاب فضائل القرآن۔ قالہ زین الدین العراقی علی الاحیاء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفات کو مخارج پر مقدم کرنا محلِ اشکال ہے کیونکہ مخارج ذوات ہیں اور صفات، کیفیات ہیں اور کیفیات و صفات اصل ذات سے مؤخر ہوتی ہیں۔ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں اوّل یہ کہ اِعْطَاءُ الحروف میں حروف کا ذکر مخارج کے ذکر کو مستلزم ہے، کیونکہ مخارج کے بغیر حروف کے پائے جانے کا کوئی امکان نہیں، اور آگے وَرَدُّ کُلِّ وَاحِدٍ لِاَصلہ میں کُلِّ واحدٍ سے یہی حروف مستحق مراد ہیں، مخارج مراد نہیں، دوسرا جواب[1] یہ ہے کہ وَرَدُّ کل واحد سے مراد مخارج ہیں، اور مخارج کو صفات سے مؤخر بیان کرنے سے صفات کی اہمیت کی طرف اشارہ مقصود ہے، یعنی مخارج کی صحت تو عموماً ہو جاتی ہے، مگر صفات میں کوتاہی بہت ہوتی ہے، اسی وجہ سے صفات کی کوتاہی سے بچنے اور ان کا اہتمام کرنے کو بیان فرمایا، اور پہلے جواب کی رُو سے مخارج کو بیان نہ کرنے کی بھی یہی وجہ ہوگی۔

حروف کے مخارج اور حق و استحقاق کی رعایت کرنا ترتیل، تدویر، اور حدر ہر درجہ کی تلاوت میں یکساں ضروری ہے۔ حدر میں اس قدر جلدی کرنا کہ حروف واضح نہ ہوں عیب ہے، جس کو تخلیط یا دمآزح کہتے ہیں، یا حرکات کو پوری طرح ادا نہ کرنا یہ بھی عیب ہے اس کو تنفیش کہا جاتا ہے اور ترتیل میں حرکات کو سستی سے پڑھنا جس سے حروف مدّہ کی تولید ہونے لگے تمطیط کہلاتا ہے اس عیب سے بھی بچنا چاہیئے۔ عیوب تلاوت کا قدرے مفصل بیان آگے آتا ہے۔ خاقانی نے کہا ہے۔

فَذُو الْحِذْقِ مُعْطٍ لِلْحُرُوْفِ حُقُوْقَهَا ۔۔۔ اِذَا رَتَّلَ الْقُرْاٰنَ اَوْ كَانَ ذَا حَدْرٍ[2]

یعنی ماہر خواہ قرآن کو ترتیل میں پڑھے یا حدر میں وہ ہر حالت میں حروف کے حقوق پوری طرح ادا کرتا ہے۔

ش[۳۱] وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِاَصْلِهٖ ۔۔۔ وَاللَّفْظُ فِيْ نَظِيْرِهٖ كَمِثْلِهٖ

ت اور ہر حرف کو اس کی اصل کی طرف پھیرنا، ۔۔۔ اور ہر لفظ اپنی نظیر میں بھی اپنے ہی مثل ہوتا ہے

ل اَلرَّدُّ، اَلصَّرْفُ یعنی پھیرنا لوٹانا لِاَصْلِهٖ میں لام بمعنی اِلٰی ہے نَظِيْرٌ اور مِثْل دونوں سے ایک ہی مراد ہے یعنی شبیہ کَمِثْلِهٖ میں کاف زائدہ ہے اور ظرف مستقر ہو کر خبر ہے اور فی نظیرہ ظرف مستقر ہو کر اللفظ کی صفت ہے لاصلہ میں ظرف لغو ہے وَرَدُّ کے متعلق ہے۔

ح یعنی تجوید میں یہ بھی ضروری ہے کہ ہر حرف کی آواز کو اس کی اصل یعنی مخرج کی طرف پھیرا جائے، تاکہ حروف صحیح ادا ہوں اور تمام الفاظ کو صفات و مخارج میں اپنی نظائر و اشباہ میں یکساں ہی رکھو، یہ نہ ہو کہ ایک جگہ تو ادا ہوں دوسری جگہ ناقص ادا ہوں، اسی طرح حدود کی مقداروں میں تساوی کا خیال رہے یعنی اگر ایک نوع کے کئی مد لازم ہوں تو سب میں طول علی التساوی

---

[1] عین الفکریہ حاشیہ جزریہ از قاری محمد نصیر الدین اعظم گڑھی ؒ [2] نہایۃ القول المفید ص۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرے اسی طرح مد منفصل کئی ہوں تو مد متصل میں توسط جس مقدار پر پہلی جگہ کیا ہو سب جگہ اسی قول کے مطابق توسط کرے، ایسے ہی اگر مد منفصل میں قصر کیا ہے تو باقی تمام جگہ بھی قصر ہی کرے اور اگر توسط کیا ہے تو باقی جگہ بھی توسط ہی کرے، ایسے ہی توسط اور طول کی مقادیر میں کئی قول ہیں، جو مقدار ایک جگہ اختیار کرے باقی جگہ بھی وہی مقدار رہے، غنہ بقدر ایک الف ہوتا ہے، تمام جگہ اسی مقدار میں ہو، کم زیادہ نہ ہو۔

نظیر اور مثل میں حقیقت کی رو سے فرق ہوتا ہے، دو چیزیں ایک ہی نوع کی ہوں تو مثل کہتے ہیں جیسے ایک سیب کو دوسرے سیب کے مثل کہا جائے گا اور اگر نوع ایک نہ ہو تو نظیر کہا جاتا ہے مثلاً کہا جائے کہ امرود، سیب جیسا ہے، مگر یہاں نظیر اور مثل دونوں ہم معنی مراد ہیں فرق مقصود نہیں، اسی لئے ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ وَاللَّفْظُ فِیْ شَبِیْهِہٖ کَمِثْلِہٖ کہا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حرکات کی تبدیلی سے بعض اوقات حروف کی صفات میں فرق پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ تفخیم میں مراتب ہیں حرفِ مفخم مفتوح جس کے بعد الف ہو تو اسکی تفخیم اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے جیسے طَآل اس کے بعد وہ مفتوح جو الف سے پہلے نہ ہو جیسے اِنْطَلِقُوْٓا اس کے بعد مضموم، اس کے بعد مکسور، اور ساکن مفخم ماقبل کی حرکت کے تابع ہوتا ہے [1]۔ لہذا نظیر سے ایک ہی نوع کے متحرک حروف مراد ہوں گے مطلق ایک نوع کے حروف نہیں۔ یعنی یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ مثلاً تِلْقَآءِ کے قاف میں بھی تفخیم ایسی ہی ہونی چاہیئے جیسی فَآئِق کے قاف میں ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ تِلْقَآء کے قاف میں لِقَآءَنَا کے قاف جیسی تفخیم و ادا ہونا چاہیئے۔

ش ۳۲ مُكَمَّلًا مِّنْ غَيْرِ مَا تَكَلُّفِ ۞ بِاللُّطْفِ فِي النُّطْقِ بِلَا تَعَسُّفِ

ت (ہر حرف کو اس طرح ادا کرنا کہ وہ) بغیر کسی تکلف کے مکمل ہو تلفظ میں لطافت ہو، بغیر کسی بے راہ روی کے۔

ل مُكَمَّلًا بصیغہ اسم مفعول، پہلے شعر میں كُلِّ وَاحِدٍ سے حال ہے یا بصیغہ اسم فاعل رَدُّ کے فاعل یعنی قاری سے حال ہے۔ مِنْ غَيْرِ مَا تَكَلُّفِ میں مَا زائدہ ہے، جس سے مبالغہ کے معنی مقصود ہیں یعنی مِنْ غَيْرِ تَكَلُّفٍ تَكَلُّف کسی کام کو آسان طریقہ کی بجائے پر مشقت طریقہ سے کرنا۔ فِي النُّطْقِ، بِاللُّطْفِ سے متعلق ہے باقی تین مجرور یعنی مِنْ غَيْرِ، بِاللُّطْفِ بِلَا تَعَسُّفِ تینوں مُكَمَّلًا کے متعلق ہیں اَلنُّطْق یعنی اَلتَّلَفُّظ۔ تَعَسُّف راستہ سے ہٹ جانا، بے راہ ہو جانا۔

م یعنی کمالِ تجوید یہ ہے کہ حروف مخارج سے صفات لازمہ و عارضہ کے ساتھ بے تکلف، بے تکان ادا ہوتے چلے جائیں ادا

---

[1] فوائد مکیہ و نشر ص ۳۱۸ ج ۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے صحیح راستہ پر ایسی استقامت ہو کہ اس میں افراط و تفریط کا نام و نشان نہ ہو، اگر پڑھنے میں یہ عیوب پائے جائیں کہ بتکلف تو صحیح پڑھ لیتا ہے مگر مشاق نہ ہونے کی وجہ سے بے خیالی میں بار بار غلطیاں کرنے لگتا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ ابھی مزید مشق و ریاض کی ضرورت ہے، کمال کا درجہ ابھی نصیب نہیں ہوا۔ اس کمال ادا کا درجہ بے تکلف حدر پڑھنے میں کھلتا ہے، ورنہ عموماً مستند طلبہ بھی حدر پڑھنے میں خام ہوتے ہیں اور نہایت فحش غلطیاں کرتے ہیں، شروع میں بمشقت صحیح پڑھنے کا اہتمام کرنے اور بار بار مشق کرنے سے ہی کمال کا یہ درجہ نصیب ہوتا ہے، جس میں یقیناً بڑی لطافت و حلاوت پیدا ہو جاتی ہے، پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ قاری سوتے ہوئے بھی پڑھے تو بھی صحیح ہی پڑھتا ہے، ناظم علیہ الرحمہ اسی کمال ادا کی ترغیب دے رہے ہیں۔ بعض مشائخ رحمہم اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ قرآن کو تجوید سے پڑھنے میں نماز میں خشوع و خضوع نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ مخارج و صفات کی طرف توجہ رہتی ہے۔ حضرت استاذنا المرحوم نے فرمایا کہ مخارج و صفات کی طرف توجہ مبتدین کو بیشک کرنی پڑتی ہے لیکن جو حضرات بے تکلف صحیح پڑھنے کے کمال سے بہرہ مند ہوتے ہیں انہیں مخارج و صفات کا خیال تک بھی نہیں آتا، اور صحیح پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور حضرت تھانوی نے فرمایا کہ مخارج و صفات کی طرف توجہ رہنا خشوع و خضوع کے منافی نہیں، کیونکہ یہ صحتِ صلوٰۃ کی طرف متوجہ ہونا ہے جو مامور بہ ہے وساوس میں داخل نہیں کہا جا سکتا۔

ش۳۳ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَرْكِهِ ۔۔۔ إِلَّا رِيَاضَةُ امْرِئٍ بِفَكِّهِ

ت اور تجوید کے ساتھ پڑھنے اور اس کو ترک کرنے میں کوئی بڑا فرق نہیں، مگر آدمی کا اپنے منہ سے ریاضت کرنا ہے۔

ل بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَرْكِهِ معطوفین ہیں لفظ بَيْنَ ظرف ہے جو فَرْقٌ مقدر کے متعلق ہو کر لَيْسَ کا اسم ہے إِلَّا رِيَاضَةُ امْرِئٍ (مضاف و مضاف الیہ) مستثنیٰ مُفَرَّغ ہے اور إِلَّا بمعنی غیر ہے لہٰذا رِيَاضَةَ ليس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (قاری رومی) اور بعض شراح نے جو دوسری وجہ بدل کی بھی اختیار کی ہے، اور شَيْءٌ (مرفوع) مقدر سے الا رِيَاضَةٌ کو بدل قرار دے کر ليس کا اسم مرفوع اور بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَرْكِهِ کو فارقًا کے متعلق قرار دے کر ليس کی خبر مقدم فرمایا ہے، صحیح نہیں، کیونکہ کلام غیر موجب میں مابعد إلا کو بدل قرار دینے کا جواز اسی وقت ہے جبکہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ اور یہاں مذکور نہیں لہٰذا مستثنیٰ مفرغ کی صورت ہوئی۔ حاصل یہ کہ رِيَاضَةَ خبر منصوب ہی ہے (کما ہو معروفٌ فی کتب النحو) رِيَاضَة کسی کام پر مداومت کرنا، تاکہ اس میں مشاق ہو جائے۔ فَكّ بفتح فاء تشدید کاف بمعنی جبڑا، جبڑے اوپر نیچے دو ہوتے ہیں، شارح خالد کی تحقیق پر اضافت بمعنی جنس ہے اور دونوں جبڑے مراد ہیں، پھر ارادۃ الحال باسم المحل کے طریقہ پر مجازاً منہ یا زبان مراد ہے بِفَكِّهِ، رِيَاضَة کے متعلق ظرف لغو ہے۔

ح ناظم علیہ الرحمہ نے اس شعر میں علامہ دانی کا مقولہ نظم فرمایا ہے۔ چنانچہ نشر میں اس کو نقل فرمانے کے بعد اس کی جو تشریح

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی گئی ہے ہم یہاں اُسی کو نقل کرنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ الْحَافِظِ اَبِی عَمْرٍو الدَّانِی رَحِمَہُ اللّٰہُ حَیْثُ یَقُوْلُ:۔ لَیْسَ بَیْنَ التَّجْوِیْدِ وَتَرْکِہٖ اِلَّا رِیَاضَۃٌ لِمَنْ تَدَبَّرَہٗ بِفَکِّہٖ ۱ھ

یعنی حافظ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ کے اس قول کی خوبی اللہ ہی کے لئے ہے کہ وہ فرماتے ہیں: تجوید میں اور اس کو ترک کرنے میں بس یہی فرق ہے کہ وہ شخص جو تجوید کی اہمیت کو سمجھ لیتا ہے اپنے منہ سے ریاضت کرتا ہے " ناظم علیہ الرحمہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ر دانی نے سچ فرمایا اور بڑی بصیرت افروز بات کہی، بات اگرچہ مختصر ہے مگر حقیقت سے بھرپور ہے، یعنی تجوید یہ نہیں کہ زبان کو چبائے، منہ کو گہرا کرے، جبڑوں کو ٹیڑھا کرے، آواز کرجیلی نکالے، تشدید میں کھینچا ؤ ہو، مدات میں تقطیع، غنوں میں تطنین (بھنبھناہٹ) اور راءات میں سختی ہو، جس سے طبائع کو تنفر ہو، اور قلب وگوش پر آواز ٹکراتی ہو، بلکہ سہل شیریں اور لطیف قراءت وہ ہے جس میں حرفوں کو چبایا نہ جائے اور نہ تکلّف و تعسف ہو نہ تقعّر و تمعّق اور نہ فصحاء کے کلام اور عربیت سے خارج ہو۔ قراءات وادا کی تمام صورتوں میں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے[1]"

تجوید کا یہ کمال، ریاضت و مشق پر موقوف ہے، ماہر اُستاذ کے سامنے جتنے عرصہ بھی تمرین ومشق کرنے کا موقعہ مل جائے غنیمت سمجھے، کتابت کی سی مثال ہے کہ جتنی بھی مشق کرلی جائے اتنا ہی لکھنے میں صفائی اور عمدگی پیدا ہوتی ہے، نیز ترتیل وحدر دونوں میں مشق کرے کیونکہ مجوّد کو دونوں میں ماہر ہونا چاہیئے۔

عیوبِ تلاوت

(۱) حروف لینہ ورخوہ کو سُست آدمی کی طرح حد سے زیادہ ڈھیلا پڑھنا، (۲) حروف کی آواز کا کرخت ہونا جیسے جھگڑ رہا ہو (۳) حروف کو آپس میں قطع کرکے مثل سکتہ کے پڑھنا، خصوصاً حروف مظہرہ کو وضوح وبیان کی نیت سے اس طرح پڑھنا حالانکہ اظہار کی ایک مقرر حد ہے (۴) حرف مُبْدَل وبہ یا حرف موقوف علیہ کو واضح نہ کرنا کہ ان کی آواز سُنائی نہ دے (۵) حرکات کو ڈھیلا پڑھنا، جس سے حروف مدہ پیدا ہوجائیں (۶) مبالغہ کے ساتھ قلقلہ کرنا کہ حرف متحرک سُنائی دے (۷) حرفِ مجاور جو قوی یا ضعیف ہو اس کی صفت قوت وضعف دوسرے حرف کو دیدینا (۸) موقوف علیہ سے پہلے حرف کی حرکت کو کھینچنا، جس سے حرفِ مد پیدا ہوجائے (۹) مشدّد کو مخفف یا اس کے عکس پڑھنا (۱۰) متحرک حرفوں کو ساکن یا اس کے برعکس کرنا (۱۱) حروف مدہ کو بلا سبب مدِّ طبعی سے زیادہ کھینچنا (۱۲) حروف مدہ کو ان کے مدِّ طبعی سے گھٹا دینا، یہ غلطی پہلی غلطی سے زیادہ قبیح ہے (۱۳) حروفِ اخفا میں مبالغہ کرنا، جس سے مد کا شبہ ہو (۱۴) حروف مفخمہ، مفتوحہ یا مکسورہ میں تفخیم کو اتنے مبالغہ سے ادا کرنا کہ انضمام شفتین ہو (۱۵) حروف مرققہ کی ترقیق میں اتنا مبالغہ کرنا کہ امالہ کی سی صورت ہوجائے (۱۶) مدفرعی کی مقدار میں اتنا مبالغہ کرنا کہ مقررہ حد سے بڑھ جائے (۱۷) حالتِ وصل میں بلا سبب کے بھی حروف لین کو مد کرکے پڑھنا مثلاً مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی واؤ اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ کی یا کو اس طرح پڑھا جائے جس میں ڈھیلا پن ہو۔ (۱۸) ہمزہ کی تحقیق میں مبالغہ کرنا، جس سے ناف ہل جائے خصوصاً حروف مدہ کے بعد (۱۹) حروف کو چبانا جیسے کوئی نشہ میں مست بولتا ہے، جس کی زبان میں نشہ کی وجہ سے ڈھیلا پن ہوتا ہے۔ علامہ سخاوی نے بھی اپنی نظم میں ان باتوں کو بیان فرمایا ہے[2]۔

---

[1] نشر ص ۲۱۳/۱ [2] نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حرکات کی ادا ضمہ میں انضمام شفتین کامل، فتحہ میں انفتاح فم، کسرہ میں انخفاض فم وصوت ہونا ضروری ہے مجہول پڑھنا ناقص ادا کرنا ہر دو معیوب[1] ہیں۔

بَابُ اسْتِعْمَالِ الْحُرُوْفِ

حروف کی عملی ادائیگی

ش ۳۸ فَرَقِّقَنْ مُسْتَفِلًا مِّنْ اَحْرُفٍ ۔ وَحَاذِرَنْ تَفْخِيْمَ لَفْظِ الْاَلِفِ

ت لہٰذا حروف میں سے مستفلہ کو باریک پڑھو ۔ اور الف کے تلفظ میں تفخیم سے بچو

ل فَرَقِّقَنْ میں فا تفریعیہ ہے گویا یہ تمام باب، وھو اعطاء الحروف حقھا پر تفریع اور نتیجہ ہے۔
فرققن (ترقیق سے)، اور حاذرن (محاذرۃ سے) امر حاضر با نون خفیفہ ہیں، بعض نسخوں میں
وحاذرًا بالالف ہے یعنی وکن حاذرًا (حذر سے اسم فاعل) نہ یہ کہ نون خفیفہ بصورت الف لکھا گیا ہے، جیسے لنسفعًا میں
جیسا کہ شارح مصری نے توجیہ کی ہے، کیونکہ قرآنی رسم الخط پر قیاس صحیح نہیں (ملا علی قاری) مِنْ اَحْرُفٍ، مُسْتَفِلًا کا بیان ہے
الترقیق تلفظ میں حرف کو باریک پڑھنا، تفخیم اس کی ضد ہے۔ اَحْرُفٍ اور الْاَلِفِ میں یاء اطلاقی ہے۔
مِنْ اَحْرُفٍ ہمزہ میں نقل حرکت اور اظہار دونوں صحیح ہیں (قاری)

ح قوله فَرَقِّقَنْ مُسْتَفِلًا مِّنْ اَحْرُفٍ یعنی حروف مستفلہ کو خوب باریک پڑھو کیونکہ استفال کا تقاضا ترقیق ہے اور ترقیق سے حرف کی آواز صاف ہو کر نکلتی ہے۔ بخلاف حروف مستعلیہ کے، کہ وہ ہمیشہ مفخم ہوتے ہیں۔
البتہ حروف مستفلہ میں سے لام و را بعض حالتوں میں پر ہوتے ہیں جن کی تفصیل اگلے ابواب میں عنقریب آ رہی ہے اسی لئے یہاں ان کے استثناء کی ضرورت نہیں سمجھی، ورنہ یوں فرمانا چاہیئے تھا کہ "لام و را کے علاوہ حروف مستفلہ کو ہمیشہ باریک پڑھنا چاہیئے"۔ اس مصرعہ میں حروف استفال کو کامل ترقیق کے ساتھ ادا کرنے کا حکم فرمایا جس طرح حروف مفخم کی تفخیم کا ناقص ہونا عیب ہے، اسی طرح مستفلہ کی ترقیق کا ناقص ہونا بھی عیب ہے، پہلی بات کی طرف تو عموماً لوگوں کی توجہ رہتی ہے، مگر دوسری کی طرف بہت کم توجہ ہوتی ہے،

[1] نہایۃ القول المفید و فوائد مکیہ ملخصًا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی لئے ناظم نے بطورِ خاص اس کو بیان فرمایا۔ صفتِ استفال میں ترقیق کے ناقص ہونے کی وجہ سے حسبِ ذیل خرابیوں میں سے کوئی سی پیدا ہوتی ہے۔

(۱) تفخیم کی بو کا پیدا ہو جانا۔ جیسے اَللّٰہ، بَرْقٌ، صَرَصَرٍ میں ہمزہ، با اور میم کا تفخیم سے متاثر ہو جانا۔

(۲) حرف کی قوت کا فوت ہونا جیسے بِہِمْ بِذِیْ اَلْحَمْدُ اَعُوْذُ میں با اور ہمزہ کا ضعیف ہو جانا۔ آئندہ جو حروفِ ترقیق کے ذیل میں آ رہے ہیں اُن میں صفتِ استفال کی کامل ادا مراد ہے اور کوئی ضروری نہیں کہ وہاں حروف کے مفخم ہونے کا ہی خطرہ ہو، بلکہ حرف کے ضعفِ ادا سے بھی احتراز مقصود ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بہت سے کلمات آ رہے ہیں جن میں تفخیم کا اندیشہ نہیں اور ناظم اُن کی ترقیق کا حکم فرما رہے ہیں۔

قولہ وحَاذِرَنْ تَفْخِیْمَ لَفْظِ الْاَلِفِ الف کے تلفظ میں تفخیم سے بچو، گو یہ بات ناظم علیہ الرحمہ نے مطلقاً کہی ہے، مگر مراد مطلقاً نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ الف جب حروفِ مرققہ کے بعد ہو تو اس کو بھی باریک پڑھو، کیونکہ الف ماقبل کے تابع ہوتا ہے حرفِ مفخم (خواہ تفخیم لازمی ہو یا عارضی) کے بعد مفخم اور حرفِ مرقق کے بعد مرقق پڑھا جاتا ہے جیسے قَالَ اور حَالَ۔

چنانچہ مکی نے الف کو مستعلیہ مطبقہ میں شمار کیا تو ناظم نے مکی کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہم ہے، حقیقت یہ ہے کہ الف نہ تفخیم سے متصف ہے نہ ترقیق سے بلکہ اپنے ماقبل کے تابع ہوتا ہے[1]۔

اس مصرعہ کی تشریح میں شراح کو بڑی حیرانی ہوئی ہے، اسی لئے ہر ایک نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق سمجھا ہے، شراح کے اقوال پر تو ہم بعد میں روشنی ڈالیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ پہلے ناظم کے اپنے الفاظ میں اس کی تشریح کی جائے، فرماتے ہیں۔

"صحیح یہ ہے کہ الف ترقیق یا تفخیم کسی کے ساتھ بھی بذاتِ خود موصوف نہیں، بلکہ اپنے ماقبل کے تابع ہوتا ہے۔ اور ہمارے بعض مشائخ (ابن جُندی) کے کلام میں جو مطلقاً الف کی ترقیق ہی پر زور دیا گیا ہے، تو ان کی مراد یہ ہے کہ بعض عجمیوں کی طرح الف کے تلفظ میں مبالغہ مت کرو کہ انضمامِ شفتین ہو جائے اور مثل واؤ کے سنا جائے۔ یا یوں کہا جائے کہ اُن کی مراد وہی الف ہے جو ترقیق سے پڑھا جانے والا ہو۔ بہر حال بعض متاخرین نے جو حروفِ مفخمہ کے بعد بھی الف کی ترقیق پر تصریح کی ہے وہ وہم ہے، اُن سے پہلے کے مصنفین نے یہ بات نہیں کہی ہے، اور اُن کے ہم عصر بعض محققین نے سختی سے ان کی تردید کی ہے، اسی سلسلہ میں، میں نے امام ابو عبداللہ محمد بن بصخان کی ایک مستقل تصنیف بھی دیکھی ہے، جس کا نام اَلتَّذْکِرَۃُ وَالتَّبْصِرَۃُ لِمَنْ نَسِیَ تَفْخِیْمَ الْاَلِفِ اَوْ اَنْکَرَہٗ ہے[2]۔"

ناظم علیہ الرحمہ نے اس عبارت میں اپنے اُن بعض مشائخ کے کلام کی جنھوں نے مطلقاً الف کی ترقیق پر زور دیا تھا دو توجیہیں کی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ناظم کے کلام میں بھی یہی دو توجیہیں اختیار کر کے چپ ہو جانا چاہیئے، کیونکہ قائل کے اپنے کلام میں جب شرح موجود ہے تو وہی معتبر ہے۔

ویسے شارحین کی توجیہات حسبِ ذیل ہیں۔

---

[1] نشر ص ۲۳ ج ۱ [2] نشر ص ۲۱۵ ج ۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتب"

www.KitaboSunnat.com

(۱) یہ عبارت اس بات کے ساتھ مقید ہے کہ الف جب حرف مرقق کے بعد ہو کیونکہ حرفِ مفخّم کے بعد اپنے ماقبل کی تفخیم میں تابع ہوتا ہے قاعدہ ہے کہ الف اپنے ماقبل کو لازم ہوتا ہے، اُس کے وجود کے ساتھ اس کا وجود اور اس کے عدم کے ساتھ اس کا عدم ہے اسی لئے الف کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے . . . . . . پھر فرماتے ہیں بعض لوگوں کا یہ قول معتبر نہیں کہ الف کی ترقیق کا پورا خیال رکھنا چاہیئے خصوصًا جب وہ حرف مستعلیہ کے بعد ہو۔ کیونکہ ہم نے جو ذکر کیا ہے وہی حق ہے۔ (صاحبزادۂ ناظم)

(۲) بعض عجمیوں خصوصًا رومیوں میں الف کو ہمیشہ واؤ کی طرح مفخم پڑھنے کی عادت تھی اس شعر میں اُسی مخصوص تفخیم پر تنبیہ کی گئی ہے اور کہ عُرفی تفخیم ہے۔

ناظم کے کلام کو ہم نے اس خاص صورت پر اس لئے حمل کیا ہے کہ حروف مرققہ کے بعد الف کی تفخیم سے بچنے کی ہدایت کرنا مقصود نہیں، جیساکہ صاحبزادۂ ناظم نے عبارت کو اسی مفہوم کے ساتھ مقید کیا ہے، کیونکہ ناظم کی عبارت اس مفہوم کی مساعد نہیں، لہذا کلام کو اس تقیید کے ساتھ مقید کرنا تعقید (پیچیدگی) سے خالی نہیں۔ اور حرفِ مستفل (مرقق) کے بعد الف کو تفخیم سے بچانے کا مسئلہ اتنا واضح تھا کہ اس کی تصریح غیر ضروری تھی کیونکہ جس کو تجوید میں ذرا سی بھی مناسبت ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ الف ہمیشہ کسی حرف کے بعد ہی آسکتا ہے، لہذا اُسی کے تابع ہوگا، جیساکہ حرکت تابع ہوتی ہے۔،، (رومی)

ملا علی قاری نے رومی کا رد کیا اور فرمایا کہ جس طرح ناظم کے کلام کو مابعدِ مستفل کے ساتھ مقید کرنا تعقید سے خالی نہیں اور نہ عبارت سے اس تقیید کی مساعدت ہوتی ہے، اسی طرح تفخیم کو عام معنی سے ہٹا کر ایک مخصوص تفخیم کی طرف پھیرنا یہ بھی تو تقیید ہی ہے جو نہ تعقید سے خالی ہے، اور نہ ناظم کی عبارت اس کی متحمل ہے، کیونکہ اہل فن کے یہاں تفخیم بمقابلہ ترقیق سمجھی جاتی ہے نہ کہ کسی مخصوص قوم کی عادت پر مبنی تفخیم۔ اور اطلاق و تقیید تو بڑے بڑے بلغاء کے کلام میں بھی چلتا ہے، لہذا صاحبزادہ ناظم نے اگر ناظم کے الفاظ کو مقید کر دیا تو کیا حرج ہو گیا۔ نیز رومی کا یہ کہنا کہ مفخم کے بعد الف کا مفخم ہونا اور مرقق کے بعد مرقق ہونا واضح مسئلہ ہے جس کی صراحت کی چنداں ضرورت نہ تھی" یہ ایک البسا دعوی ہے، جس کی اکابر نے کہیں تصریح نہیں کی اور اگر بالفرض واضح بھی ہو تو وہ خواص کے یہاں ہو سکتا ہے، لیکن یہاں مقام تعلیم ہے جس کے مخاطب ناواقف ہی ہیں۔ لہذا صاحبزادۂ ناظم والی شرح ہی منصفانہ اور بے تکلف ہے ۔۔۔،، (ملا علی قاری)

میں کہتا ہوں کہ علامہ جزری کی مُراد میں ابن الناظم اور رومی دونوں کی تشریح داخل ہے، جیساکہ ہم خود ناظم کے الفاظ میں اُوپر لکھ چکے ہیں، لہذا نہ رومی کو ابن الناظم پر رد کرنے کی گنجائش تھی، اور نہ ملا علی قاری کو رومی کی تردید کرنی تھی۔ پھر رومی والی تشریح کے صاحبزادۂ ناظم بھی خلاف نہیں، چنانچہ طیبہ کی شرح میں اس شعر کی تشریح حسب ذیل کرتے ہیں۔

قولہ وحاذرن ای احذرمن تفخیم الالف وذلك مهمٌ يجب التنبيه عليه فان ذلك قد فشا كثيرًا واُخذ عن العجم تقليدا وذلك لايجوز[۱]	قولہ وحاذرن یعنی الف کو موٹا پڑھنے سے بچنا ضروری ہے یہ بڑی اہم بات ہے جس پر تنبیہ ضروری تھی کیونکہ الف کو موٹا کرنے کا عام رواج ہو گیا ہے، جو عجمیوں کی تقلید میں اختیار کیا گیا ہے اور ناجائز ہے۔

[۱] شرح طیبہ ص۳۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۳) ناظم کی مراد الف سے ہمزہ ہے خواہ مبتدئہ ہو یا متوسطہ یا متطرفہ ہو، (بعض شارحین[1])
ملا علی قاری نے اس کو نہایت بعید قرار دیا ہے، اور ان کا یہ فرمانا ہمارے خیال میں بالکل بجا ہے۔

(۴) "لفظ الف" سے مراد اسم ہے مسمیٰ نہیں، شاید مصنف کے زمانہ میں کچھ لوگ آلٓمّٓ یا الٓرٰ وغیرہ میں لفظ الف کو مفخم کرتے ہوں اس لئے ناظم نے اس سے بچنے کا حکم فرمایا، لیکن یہ مطلب میں نے کسی شرح میں لکھا ہوا نہیں پایا، بلکہ آئندہ اشعار کو دیکھتے ہوئے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ الف سے مسمیٰ ہی مراد لیا جائے، جیسا کہ ہمزہ وغیرہ سے آنیوالے حروف میں بھی مسمیٰ ہی مراد ہیں۔ (منح[1] الفکریہ)

ایک وہم حروف مفخمہ کے بعد الف کی تفخیم اور مرققہ کے بعد اس کی ترقیق اگرچہ تقریباً اجماعی ہے، لیکن حیرت ہے کہ بعض بڑے بڑے مشائخ نے مطلقاً اس کو مرقق پڑھنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ناظم کے شیخ ابن الجندی نے فرمایا "حروف مستعلیہ کے بعد الف کو پُر پڑھنا غلط ہے"، جعبری نے شرح شاطبیہ میں فرمایا ورش کے یہاں لام مفخمہ کے بعد جو الف ہو اس کو پُر پڑھنا لحن (غلط) ہے، لہٰذا اس سے[3] بچو۔" شارح مصری نے راء مفخمہ کے بعد والے الف کو لکھا کہ اس کی تفخیم جائز نہیں ہے[4]۔" ناظم نے بھی اپنی ابتدائی تالیف جو زمانۂ طالب علمی[5] میں لکھی ہے یعنی تمہید میں غالباً اپنے شیخ ابن الجندی کے اتباع میں وہی اختیار کیا جو ابن الجندی کی رائے ہم لکھ چکے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض مصنفین نے اس مسئلہ پر مستقل کتابیں تصنیف کیں، ورنہ عجب نہیں کہ بعد میں آنے والوں کے لئے یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہو کر رہ جاتا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْد

واوِ مدہ میں تفخیم؟ ان حالات میں حرف مفخم کے بعد واوِ مدہ کی تفخیم کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ علامہ مرعشی اس کی طرف اپنا رجحان بیان فرماتے ہیں عام کتب فن کا واو کی تفخیم سے قطعاً خاموش ہونا، اور صرف الف ہی کا ذکر کیا جانا دلیل ہے کہ واو بہر حال باریک ہے۔ اس کے باوجود فرمانا کہ مجھے واو کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملی، قابل تعجب ہے، سیدھی سی بات ہے کہ حرف مفخم مثلاً وَالطُّوْرِ میں طا میں زبان تالو کی طرف بلند ہو گی اور واو کی ادائیگی میں تالو سے نیچے کی طرف مائل ہو جائے گی، جس سے اس میں ترقیق پیدا ہو جائے گی، جو اصل ہے۔

ش[35] وَهَمْزَ الْحَمْدُ اَعُوْذُ اِهْدِنَا اَللّٰهُ ثُمَّ لَامَ لِلّٰهِ لَنَا

ت اور باریک پڑھو اَلْحَمْدُ، اَعُوْذُ، اِهْدِنَا اور اَللّٰهُ کے ہمزہ کو اور لِلّٰهِ اور لَنَا کے لام کو

ل هَمْزَ یا شعر سابق کے آخر میں اَلْاَلِفِ پر عطف ہے، یا لَفْظِ پر عطف ہے ان دونوں صورتوں میں مجرور ہے

---

[1] منح الفکریہ [2] تالیف قاری نصیر الدین صاحب اعظم گڑھی۔ [3] ملا علی قاری نے اس کو وھم قرار دیا ہے شرح شاطبیہ قاری ص ۱۴۱ [4] منح الفکریہ [5] دیکھو نشر ص ۲۱۰ ج ۱ [6] نہایۃ القول المفید ص ۶۲ و ص ۸۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا شعرِ سابق میں مُسْتَقِلًّا پر معطوف ہے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ هَمْزَ مضاف اَلْحَمْدُ، اَعُوْذُ، اِهْدِنَا، اَللّٰهُ چاروں الفاظ مضاف الیہ، محلاً مجرور، ان کے درمیان سے حرفِ عطف واؤ حذف کر دیا، کیونکہ تعداد و شمار کے وقت حرفِ عاطف تخفیفاً حذف کر دیتے ہیں، اَلْحَمْدُ اور اَللّٰهُ دو نوع مرفوع ہیں، اعراب حکائی ہے۔ ثُمَّ اگرچہ زماناً یا رُتْبَۃً تاخیر کیلئے ہوتا ہے، اگر یہاں یہ معنی مراد نہیں بلکہ مطلق واوِ عطف کے معنی میں ہے۔ لام مضاف ہے۔ اور هَمْزَ کی طرح مجرور یا منصوب دونوں طرح صحیح ہے۔ آگے لِلّٰهِ، لَنَا بغیر واو عاطفہ کے محلاً مجرور مضاف الیہ ہیں (دیگر معطوفات آئندہ شعر میں بھی آ رہے ہیں)

---

۲ یعنی کسی کلمہ کے شروع میں ہمزہ ہو، اور اس کلمہ سے قاری ابتدا کرے تو ہمزہ کا تلفظ سلیس اور سبک ہونا چاہئے، آواز کے بھاری پن اور غلظت سے بچنا چاہیئے جیسے اَلْحَمْدُ، اَلَّذِیْنَ ءَاَنْذَرْتَهُمْ وغیرہ خصوصًا جب ہمزہ کے بعد الف ہو جیسے اَللّٰهُ، اَللّٰهُمَّ یا مفخم ہو جیسے اَلطَّلَاقَ، اَصْطَفٰى، وَاَصْلَحَ اور اگر ہمزہ کے بعد والا حرف اُس کا مجانس یا مُقارب تو ہمزہ کے سبک اور سہل ہونے کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے اور ترقیق کا پوری طرح خیال رہنا چاہیئے جیسے اِهْدِنَا، اَعُوْذُ، اَحَطْتُ، اَحَقُّ، بہت سے لوگ ان حالات میں ہمزہ کا ایسا تلفظ کرتے ہیں جیسے قَے کرنے والی کی آواز ہوتی ہے۔ حاصل یہ کہ ہمزہ کو مستہل یا مفخم یا ہمزہ اور ھا کے درمیان پڑھنا تینوں غلط ہیں۔

ہم نے یہ تمام تشریح ناظم ہی کے الفاظ میں نشر سے نقل کی ہے، جس سے ناظم کے مافی الضمیر اور مراد پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ لام کے متعلق آئندہ شعر کے ذیل میں تشریح ملاحظہ ہو۔

ش ۳۶ وَلْيَتَلَطَّفْ وَعَلَى اللّٰهِ وَلَا الضْ   وَالْمِيْمَ مِنْ مَخْمَصَةٍ وَمِنْ مَرَضْ

ت (اور باریک پڑھو) وَلْيَتَلَطَّفْ اور وَعَلَى اللّٰهِ (کے لام اوّل) اور وَلَا الضَّالِّيْنَ کے لاموں کو اور مَخْمَصَةٍ اور مَرَض کی میموں کو

ل وَلْيَتَلَطَّفْ، وَعَلَى اللّٰهِ، وَلَا الضْ یہ تینوں کلمات محلاً مجرور ہیں، کیونکہ شعرِ سابق میں لَنَا پر عطف ہیں، جو لام کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے۔ اِن تینوں کلمات کے شروع میں جو واؤ ہے، وہ عطف کی نہیں بلکہ کلمۂ قرآنی کی ہے گویا تمام معطوفات میں حرفِ عطف محذوف ہے، اور وَعَلَى اللّٰهِ کے شروع میں

---

۱ نشر ص ۲۱۶/۱۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گو یہ بھی احتمال ہے کہ واؤ عاطفہ ہو، کیونکہ یہ لفظ قرآن مجید میں واو کے ساتھ جیسے وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون اور بغیر واؤ جیسے اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا دونوں طرح آیا ہے، مگر واؤ کے ساتھ ہونا بہتر ہے تاکہ تمام معطوفات ایک ہی طرز یعنی حذف عاطف کے ساتھ ہو جائیں۔ وَالْمِیْمِ کی ترکیب میں وہ تینوں احتمال ہیں جو ہم شعر سابق میں وَھَمْزٍ میں لکھ چکے ہیں۔ وَلَا الضَّ۔ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کا مختصر ہے، جسقدر لفظ مطلوب تھا اسی پر اکتفا کیا، دوسرے وزن بیت بھی پورے لفظ کا متحمل نہ تھا۔

ﷺ یعنی لام میں بھی ترقیق ہی حسین اور اصل ہے خصوصًا جب مکسور ہو تو لام اور کسرہ دونوں کی ترقیق واضح طور پر ضروری ہے جیسے لِلّٰہِ اور اگر اس کے بعد نون ہو تو دونوں کو خوب واضح کرنا چاہیئے تاکہ قرب مخرج کی وجہ سے لام، نون سے متاثر نہ ہو۔ خصوصًا جب لام ساکن کے بعد نون ہو تو لام کو قلقلہ سے بچاکر باریک اور واضح پڑھنا چاہیئے مگر اس وضاحت کا یہ مطلب نہیں کہ لام کو ہلا دیا جائے، چنانچہ اس کے متعلق یہ یاد رہے کہ کہیں بھی کوئی نص وارد نہیں اور نہ ہی مشائخ نے کبھی لام ساکن میں قلقلہ پڑھایا ہے مثلاً جَعَلْنَا، اَنْزَلْنَا، ظَلَلْنَا اور فَضَّلْنَا وغیرہ میں۔ چنانچہ بہت سے ناواقف عجمی لام کے اظہار کی حرص میں قلقلہ کر دیتے ہیں[1] ــ،، مگر آج کل تو زیادہ تر قلقلہ عربی و مصری قُرّاء ہی کرتے ہیں۔ اور اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ لام میں زبان تالو سے مضبوط لگائے اور لگائے لگائے نون کو واضح کرے اگر زبان کو تالو سے علیحدہ کر کے پھر نون کے لئے لگایا تو ضرور قلقلہ ہوگا، اس سے بچنے کی مستقل تاکید آگے آتی ہے

ع واحرص علی السکون فی جعلنا۔

آگے وَلْیَتَلَطَّفْ میں دوسرے لام کے متعلق فرمانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ لام کے بعد حرف مطبقہ پایا جاتا ہے مگر لام اس سے قطعًا متاثر نہ ہو، اسی طرح علی اللہ میں اگرچہ اسم الجلالہ کا لام خوب مفخم ہوگا، مگر علی کا لام باریک ہی پڑھنا چاہیئے، اسی طرح وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں ضاد اگرچہ مستعلیہ و مطبقہ ہونے کی وجہ سے مفخم ہوگا مگر وَلَا کا لام باریک ہی ہوگا۔ اسی طرح جَعَلَ اللّٰہُ اَللَّطِیْفُ اِخْتَلَطَ، لَسَلَّطَھُمْ وغیرہ میں لام کی ترقیق کا پورا خیال رہنا چاہیئے۔

قولہ وَالْمِیْمَ مِنْ مَخْمَصَۃٍ وَّمِنْ مَّرَضٍ لام اور میم میں صفات یکساں ہیں چنانچہ دونوں مجہورہ متوسطہ مستفلہ منفتحہ اور مذلقہ ہیں، اور لام منحرفہ اور میم میں صفت غنہ ہے، دوسرے حروف ہجا کی ترتیب میں لام کے بعد میم ہے، اس لیے میم کو بیان فرمایا، حاصل یہ کہ میم کی تفخیم سے بھی بچنا چاہیئے، بالخصوص اس وقت جب اُس کے بعد کوئی حرف مفخم ہو جیسے مَخْمَصَۃٌ، مَرَضٌ، مَرْیَمَ، وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ وغیرہ نشریں ہے کہ میم کے بعد الف آئے تو تفخیم سے بچنا نہایت ضروری ہے، عام زبانوں پر بالخصوص عجمیوں کی زبانوں پر ایسی حالت میں میم مفخم ہو جاتی ہے جیسے مَالِكِ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔

---

[1] نشرح اوّل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ش۳۷ وَبَاءَ بَرْقٍ بَاطِلٍ بِهِمْ بِذِي   وَاحْرِصْ عَلَى الشِّدَّةِ وَالْجَهْرِ الَّذِي

ت اور (باریک پڑھو) بَرْق بَاطِل بِهِمْ اور بِذِي کی باء کو، اور صفتِ شدّت وجہر (کے ادا کرنے) کی کوشش کرو جو کہ

ل بَاءَ مضاف، عطف ہے المِيم پر مع تینوں احتمالات کے ۔ برقٍ ، باطلٍ بهم بذی چاروں مضاف الیہ اور آپس میں معطوفات ہیں، حروفِ عطف محذوف ہیں ۔ وَاحْرِصْ عطف ہے فَرَقِّقَنْ پر اَلَّذِي لفظی تقاضا یہ ہے کہ اَلَّذَيْنِ تثنیہ ہو، کیونکہ الشدۃ والجھر کی صفت ہے، قافیہ کی رعایت سے اَلَّذِي فرمایا، لہذا عبارت میں تاویل کی جائے گی، یعنی وَاحْرِصْ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الشِّدَّةِ وَالْجَهْرِ الَّذِي گویا لفظ کُلّ کی صفت ہونے کی وجہ سے اَلَّذِي واحد ہے اَلَّذِي کا صلہ آئندہ شعر میں آرہا ہے ۔ بعض نسخ میں فَاحْرِصْ بھی آیا ہے،

ح مِیم کے بیان کے بعد با کی ترقیق کا بیان فرمایا، کیونکہ با اُختِ میم ہے، دونوں کا ایک ہی مخرج ہے اگر میم میں غُنہ اور توسُّط یعنی کچھ جریانِ صوت نہ ہوتا تو دونوں ایک ہی حرف ہوتے ۔ یعنی خیال رکھنا چاہیئے کہ با میں تفخیم نہ ہو، خصوصًا جب اس کے بعد حرف مفخم ہو جیسے بَرْق، بَطَلَ، بَغَىٰ ، بَصَلِهَا وغیرہ ۔ اسی طرح اگر با اور حرفِ مفخم کے درمیان الف ہو تو بھی با کی تفخیم سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ الف حرفِ خفی ہے اس کے حائل ہونے کے باوجود حرفِ مفخم کی تفخیم کا اثر با کی ترقیق پر ہو سکتا ہے جیسے بَاطِل ، بَاغٍ وَالْأَسْبَاط ۔ اسی سے یہ بھی نکل آیا کہ اگر با کے پہلے یا بعد دو مفخم حروف ہوں تو اُس کی ترقیق کا مزید خیال رکھنا ضروری ہے جیسے ناظم نے ہی مثال فرمائی بَرْق ایسے ہی اَلْبَصَرَ، البقرَ، اَلْقُرْبىٰ وغیرہ قولہ بِهِمْ بِذِي یعنی بعض اوقات با کی ترقیق اس لئے بھی ناقص ہو جاتی ہے کہ اُس کے بعد کوئی حرفِ خفی آجائے جیسے بِهِمْ بِهٖ ، بَالِغُ قَالُوا، یا کوئی حرف ضعیف آجائے جیسے وَبِذِي الْقُرْبىٰ میں. بِذِي ایسے ہی بِثَلٰثَةٍ، بِسَاحَتِهِمْ وغیرہ ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حرفِ خفی یا حرفِ ضعیف آنے کی وجہ سے با کی شدّت اور جہر دو قوی صفتوں کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اسی لئے آگے با اور جیم میں ان دونوں صفتوں کی ادا پر زور دیتے ہیں ۔

ش۳۸ فِيهَا وَفِي الْجِيمِ كَحُبِّ الصَّبْرِ   رَبْوَةٍ اجْتُثَّتْ وَحَجِّ الْفَجْرِ

ت اس با اور جیم میں ہیں، جیسے حُبِّ ، الصَّبْرِ، رَبْوَةٍ ، اُجْتُثَّتْ والحَجِّ اور الفَجْرِ

ل فیھا وفی الجیم یعنی حَصَلَ فيها وفى الجيم گذشتہ شعر میں اَلَّذِي اسم موصول کا یہ صلہ ہے فیھا کی ضمیر کا مرجع باء ہے وَفِي الْجِيمِ ، فیھا پر عطف ہے كَحُبِّ الصَّبْرِ کافِ تشبیہ حرف جر ہے یا كَحُبِّ اللهِ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا حرف قرآنی ہے۔ بہتر یہ کہ حرف تشبیہ ہے اور آگے آنیوالے تمام الفاظ مجرور ہیں، حرف عطف یہاں بھی محذوف ہے، جیساکہ تعداد اشیاء کے وقت حرف عاطف کا حذف جائز ہے حُبِّ الصَّبْرِ میں، وزن یا ادنی ملابست کی وجہ سے اضافت ہے کیونکہ دونوں با رہی کی مثالیں ہیں، اسی طرح حَجِّ الْفَجْرِ میں کہ دونوں جیم کی مثالیں ہیں، اضافت لِادْنٰی ملابست ہے، (ردمی)، قافیتین یعنی الصَّبْرِ اور اَلْفَجْرِ یا بر اطلاقی کے ساتھ ہیں۔ عمدہ توجیہ یہ ہے کہ حُبِّ الصَّبْرِ اور حَجِّ الفجر میں اضافت نہیں ہے بلکہ علیحدہ علیحدہ الفاظ قرآنی مجرور ہیں، جن کے درمیان میں حرف عطف واؤ محذوف ہے۔ (قاری)

---

۲ ناظم نے با کی ترقیق کا حکم فرمایا، تو اس اندیشہ کی اصلاح فرمائی کہ ترقیق میں اسقدر مبالغہ بھی نہ کیا جائے کہ با کی شدت و جہر متاثر ہوں اور با مثل فا کے ہو جائے، اور با کی مناسبت سے جیم میں بھی شدت و جہر ادا کرنے کی ترغیب دی، جس طرح اہل مصر کہ جیم میں شین کا امتزاج کرتے ہیں اور تفشی کی طرح آواز منتشر ہو جاتی ہے، اسی طرح اہل یمن کہ جیم میں اقصی لسان حنک کی طرف بلند کرتے ہوئے کاف کا امتزاج کرتے ہیں۔ خصوصًا اس صورت میں جب کہ با اور جیم کے بعد حرف مہموسہ رخوہ ہوں تو ان کی صفت شدت و جہر کی حفاظت نہایت مکمل ہونی چاہیئے۔ ناظم نے با، اور جیم میں سے ہر ایک کی تین تین مثالیں دی ہیں۔ با کی مثالیں یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ اِلٰى رَبْوَةٍ، یا کَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ۔ اور جیم کی مثالیں۔ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِجْتُثَّتْ، وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ، وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ حاصل یہ کہ ان مثالوں میں جیم چونکہ حروف مہموسہ سے متصل اور قریب ہے اور دوسری مثال میں مشدد بھی ہے تو اس میں شدت و جہر کا ادا کرنا ضروری ہے۔

---

۲۹ وَبَيِّنَنْ مُقَلْقَلًا اِنْ سَكَنَا ۔ وَاِنْ يَّكُنْ فِي الْوَقْفِ كَانَ اَبْيَنَا

ت اور قلقلہ والے حرف کو، اگر وہ ساکن ہو تو خوب ظاہر کر کے پڑھو، اور اگر وقف میں ہو تو نہایت واضح ہو گا۔

ل وَبَيِّنَنْ امر با نون تاکید خفیفہ مُقَلْقَلًا یعنی حرفًا مُقَلْقَلًا دوسرے قاف کے فتحہ کے ساتھ بصیغۂ اسم مفعول ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ بصیغۂ اسم فاعل بکسر قاف ثانیہ ہو اس صورت میں یہ بَيِّنَنْ کے فاعل مخاطب سے حال ہو جائے گا مگر احتمال اول زیادہ صحیح اور بے تکلف ہے۔ اِنْ سَكَنَا اور اَبْيَنَا میں الف اطلاقی ہے اَبْيَن صیغۂ اسم تفضیل یعنی خوب واضح قَلْقَلَ یعنی حرکت

۲ صفت قلقلہ کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں کہ حالت سکون میں جہر کی وجہ سے سانس اور شدت کی وجہ سے آواز بند ہو جاتی ہے

ك شارح ردمی نے حروف قلقلہ میں سے جیم کی تخصیص بیانی کی وجہ بھی یہی ہے۔ ملا علی قاری

10978

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہذا اس حالت میں یہ حروف ضعیف الصوت ہو جاتے ہیں، اسی لئے اس حالت میں ایک گونہ تکلّف کر کے ان حرفوں کو واضح کرنے کی ضرورت ہوئی، یہ واضح کرنا یعنی ہلانا ہی قلقلہ کہلاتا ہے[1] ۔ قلقلہ کی پھر تین قسمیں ہیں ضعیف[1]، قوی[2]، اقوی[3]۔ ضعیف یہ کہ حرف قلقلہ حالت وصل میں ساکن پڑھا جائے، تو اس پر قلقلہ اَدنیٰ درجہ کا واجب ہے۔ حالت وصل میں یہ ساکن خواہ درمیان کلمہ میں ہو جیسے خَلَقْنَا، اَطْوَارًا، اَبْوَابًا، اَلنَّجْدَیْنِ، مَدَدْنٰهَا یا آخر کلمہ میں ہو جیسے وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ، وَاِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ وغیرہ دوسری حالت یعنی قوی اس وقت ہے جب کہ حروف قلقلہ موقوف علیہ ہوں اور غیر مشدد ہوں، اس حالت میں قلقلہ پہلی حالت سے زیادہ قوی ہوتا ہے، کیونکہ وقف کی وجہ سے سانس لے کر ٹھیرنا ہوتا ہے، اور اطمینان کے ساتھ قلقلہ کی خوب وضاحت ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں حرف قلقلہ خواہ ساکن اصلی ہو جیسے فَانْصَبْ ۝ فَارْغَبْ ۝ یا وقف کی وجہ سے ساکن عارضی ہو جیسے بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ وغیرہ تیسری حالت یعنی اقوی اس وقت ہے جب کہ حروف قلقلہ موقوف علیہ مشدد ہوں جیسے بِغَیْرِ الْحَقِّ ۝ وَتَبَّ ۝ وغیرہ

کیونکہ اس حالت میں قلقلہ کے ساتھ تشدید کی قوت بھی مل جاتی ہے، اور وقف کی وجہ سے قلقلہ کا وضوح بھی خوب ہوتا ہے۔ خصوصیت سے قلقلہ کو اس لئے بیان فرمایا کہ بعض ائمۂ متاخرین نے قلقلہ کو صرف حالت وقف کے ساتھ خاص کر دیا، اور یہ تخصیص اس لئے کی کہ متقدمین نے لکھا کہ حروف قلقلہ میں قلقلہ کی صفت "وقف" میں ظاہر ہوتی ہے، ائمۂ متاخرین نے یہ سمجھا کہ وقف سے وصل کے مقابلہ میں حالت وقفی مراد ہے۔ حالانکہ متقدمین نے وقف سے سکون مراد لیا تھا۔ کیونکہ وقف بول کر سکون مراد لینا اُن کی ایک عام اصطلاح تھی[2] اس شعر میں اسی عام مغالطہ کو دور کرنے کے لئے قلقلہ کے عموم کو بیان کیا ہے۔

ش[۴۰] وَحَاءُ حَصْحَصَ اَحَطْتُ الْحَقُّ ۔۔۔ وَسِیْنُ مُسْتَقِیْمِ یَسْطُوْ یَسْقُوْ

ت اور خوب ترقیق سے پڑھو حَصْحَصَ، اَحَطْتُّ اور اَلْحَقُّ کی حا کو اور مُسْتَقِیْمِ، یَسْطُوْنَ اور یَسْقُوْنَ کے سین کو۔

ل وَحَاءَ منصوب مضاف، حَصْحَصَ، اَحَطْتُّ اَلْحَقُّ بحذف عاطف مضاف الیہ، اسی طرح سِیْنَ مضاف منصوب اور آگے تینوں کلمات مضاف الیہ۔ حَاءَ اور سِیْنَ پر نصب یا تو مُسْتَفِلًا پر عطف کی وجہ سے ہے اور یہی ظاہر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شعر سابق میں مُقَلْقَلًا پر عطف ہو یعنی وَبَیِّنْ حَاءَ حَصْحَصَ الخ اور وَبَیِّنْ سِیْنَ مُسْتَقِیْمَ الخ اور دونوں مجرور بھی ہو سکتے ہیں یعنی لَفْظِ الْاَلِفِ کے لفظ پر یا الالف پر عطف ہو اَلْحَقُّ قافیہ اولی میں واو اطلاقی ہے۔ اور رفع حکائی ہے، یعنی اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ سے یا قَوْلُهُ الْحَقُّ سے یہ لفظ لیا گیا ہے مُسْتَقِیْمِ یا تو مجرور ہے اور جر حکائی ہے یعنی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ سے لیا گیا ہے اور تنوین وزن بیت

---

1 غیث النفع ص۲ نشر ج۱ ص۲۰۳[2]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے حذف ہو گئی، یا منصوب ہے اور نصب حکائی ہے یعنی اَلْمُسْتَقِيْمُ سے لیا گیا ہے، اور لام تعریف حذف کیا گیا، مصری شارح نے یہ احتمال بیان کیا ہے مگر ملا علی قاری نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ بغیر لام تعریف کے منصوب قرآن میں نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ بہت سے کلمات ناظم قطع کر کے لائے ہیں چنانچہ یَسْطُوْ جو کہ یَسْطُوْنَ (سورہ حج) ہے اور یسقو جو یَسْقُوْنَ (قصص) ہے، نون آخر سے قطع کیا گیا ہے اسی طرح ولا الضّ آچکا ہے، لہذا شارحِ مصری نے کیا غلط بات کہدی ہے رہا یہ کہ اس طرح کلمہ کو قطع کرنا اختیاراً، اختباراً اور اضطراراً جائز نہیں، صحیح ہے، لیکن کسی حرف کی صحیح ادا کو واضح کرنے کا اس سے بہتر طریقہ کیا ہو سکتا ہے کہ خاص اسی حرف کا تلفظ کر کے بتایا جائے، مثلاً یَسْطُوْن میں طا کو کوئی شخص باریک پڑھے، اور استاد اس کو صحیح طا کا تلفظ سنانے کے لئے صرف یَسْطُوْ یا طُوْ کہہ کر بتلائے تو کون اس کو ناجائز کہے گا؟ یا مثلاً بچہ سے پورا لفظ یکبارگی نہ کیا جائے اس کو وہ لفظ کاٹ کر کہلایا جائے تو یہ تعلیماً جائز ہے۔

---

7 یعنی حا کے ساتھ جب کوئی حرف مستعلیہ ہو تو حا کی ترقیق کا اہتمام کرنا چاہیئے جیسے اَحَطْتُّ اَلْحَقُّ اور اگر اس لفظ میں جس میں حا ہو دو یا زیادہ حروف مستعلیہ آجائیں تو اس کی ترقیق کا مزید اہتمام کرنا چاہیئے جیسے حَصْحَصَ اگر مُقَلْقَلاً پر عطف کیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ حا کو واضح کر کے پڑھو، حروف مستعلیہ کے ساتھ جیسا کہ یہاں واقع ہے واضح کرنے کا یہی مطلب کہا جائے گا۔ کہ اس کی صفت ہمس و رخاوت اور استفال و انفتاح کا پوری طرح خیال رکھتے ہوئے ظاہر کر کے پڑھنا چاہیئے حرف مستعلی کی وجہ سے نہ تفخیم آئے، اور نہ اس کے قوی ہونے کی وجہ سے حا کی ضعیف صفات کو نقصان پہونچے اسی پر قیاس کر کے یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ اگر حا اور عین ایک موقع میں جمع ہوں تو دونوں کو واضح کرنا چاہیئے کیونکہ دونوں کا ایک مخرج ہے اور عین، حا سے قدرے قوی ہے تو حا، عین میں جذب ہو کر ناقص نہ ہو جائے جیسے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا، زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ، فَاصْفَحْ عَنْهُمْ، اسی طرح دو حا ایک جگہ جمع ہوں جیسے عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى، لَآ اَبْرَحُ حَتّٰى تو اظہار کرنا اور ادغام سے بچانا ضروری ہے اور اگر حا کے ساتھ ہی ھا آجائے جیسے فَسَبِّحْهُ، قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ، تو بھی دونوں کا بیان و اظہار واجب ہے۔

قولہ وَسِيْنَ مُسْتَقِيْمٍ الخ یعنی حرف سین، جو ہمس، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات، اور صفیر سے متصف ہے متحرک ہو یا ساکن بہرحال لازم الترقیق ہے، کسی حرف مفخم کی مجاورت کی وجہ سے اس کی ترقیق پر کوئی اثر نہ مرتب ہونا چاہیئے، خواہ وہ حرف مفخم سین سے کسی حرف فاصل کے ساتھ متصل ہو جیسے نَسْتَطِيْعُ، مُسْتَقِيْمٍ یا بلا فاصل، جیسے يَسْطُوْنَ، يَسْقُوْنَ يَسْطُرُ مَسْطُوْرًا، اَقْسَطُ۔ اس تشریح پر تو ترقیق کا حکم ثابت ہوا۔

اور اگر مُقَلْقَلاً پر عطف ہو تو مطلب ہوگا کہ مطلقاً قریب الصفات یا قریب المخارج حرفوں کے سین کے قریب یا متصل ہونے کی صورت میں اس کی تمام صفات کی رعایت کرنی اور واضح کرنا ضروری ہے مثلاً سُلْطَانٍ لَسَلَّطَ مُسْتَقِيْمٍ يَسْجُدُ مَسْجِدٍ وغیرہ۔

اس فصل میں زیادہ تر حروف مستفلہ کی ترقیق کو بیان کیا گیا ہے، اور ضمناً حروف قلقلہ کو صاف اور ظاہر کر کے پڑھنے کو بھی بیان کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے۔ تمام حروفِ مستفلہ (سوائے لام وراء) کو ترقیق سے پڑھنے کا حکم فرمایا اور پھر صراحۃً الف، ہمزہ، لام، میم، باء، جیم، حاء کو بصراحت اور بتاکید خاص باریک پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ گویا اجمالاً یا تفصیلاً تمام حروف مستفلہ پر تبصرہ فرمایا گیا ہے، مزید حالات کچھ آگے بھی بیان کریں گے، اور حروف مستعلیہ ومطبقہ کی تفخیم پر بھی مستقل فصل آرہی ہے۔ لام ورا میں صفاتِ عارضہ کا بیان آرہا ہے، ضاد اور ظا میں فرق وتوضیح کا بیان آرہا ہے، ان تمام بیانات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ ناظم علیہ الرحمہ نے قریب قریب تمام حروف پر تبصرہ کیا ہے۔ گویا بابِ مخارج اور بابِ صفات میں علم اور ان مختلف فصول میں عمل کی تعلیم دی گئی ہے اس طرح سے وَهُوَ اِعْطَاءُ الْحُرُوْفِ حَقَّهَا مِنْ صِفَةٍ لَّهَا وَمُسْتَحَقَّهَا، کی مکمل تشریح ہوگئی

ناظم رحمہ اللہ نے اپنے دور کی کثیر الوقوع اور نمایاں غلطیوں پہ اور وہ بھی معدودے چند حروف میں نشان دہی فرمائی ہے، حقیقت یہ ہے کہ تجوید کے اندر پابند رہ کر پڑھنا بڑے ریاض ومشق کے بعد حاصل ہوتا ہے، انسان کو اپنے اوپر اعتماد نہیں کر لینا چاہیئے۔ ناظم نے تمام حروف کی صحیح ادا اور سقم پر نشر میں مفصل بحث فرمائی ہے، تاہم یہ نشان دہی ہے اصل تعلیم مشائخ ماہرین سے سننا ہے صحیح پڑھنے کی صرف ایک قسم ہے لیکن غلط پڑھنے کی ایک قسم یا چند قسمیں متعین نہیں کی جاسکتیں۔ اس باب میں لوگوں کا حال بہت مختلف ہے، اسی لئے اساتذہ کا طریق کار یہ ہے کہ تمام طلبہ کو ایک دفعہ نہیں پڑھواتے بلکہ فرداً فرداً علیحدہ سنتے اور علیحدہ مشق کراتے ہیں، کیونکہ ہر ایک کی خامی دوسرے کی خامی سے مختلف ہوتی ہے۔

انفرادی اور شخصی غلطیوں کے علاوہ بعض اغلاط مقامی اور ملکی بھی ہوتی ہیں، جو عموماً اسی ملک کے باشندوں میں پائی جاتی ہیں مثلاً اضلاعِ ہزارہ کیملپور اور کشمیر والے عموماً حاءِ مہملہ کی جگہ خا، منقوطہ اور خا، منقوطہ کی جگہ حاء مہملہ پڑھتے ہیں، اضلاعِ پنجاب میں ق کی جگہ ک اور بہت سے کاف کی جگہ قاف پڑھتے ہیں، اضلاعِ پشاور میں لام، میم اور نون ساکن خصوصاً جب حروف حلقیہ سے پہلے ہوں تو قلقلہ کرکے پڑھنے کی عادت ہے۔ افغانی باشندے کاف اور تا کو مخلوط بالہاء کھا اور تھا پڑھتے ہیں ہندوستان خصوصاً یوپی میں شین معجمہ کو سین مہملہ نکالتے ہیں اور حا، حطی کو ھا، ہوز پڑھتے ہیں ان غلطیوں کے علاوہ جو اغلاط عام ہیں وہ ضاد کو دال مفخم پڑھنا، مستعلیہ حرفوں کو یا بالکل باریک یا بھاری آواز میں گول ہونٹوں کے ساتھ پڑھنا اور حرکات کو مجہول پڑھنا، ہیں،

ناظم علیہ الرحمہ نے اپنے دور میں ترکوں، ایرانیوں اور مصریوں وغیرہ میں جو عام غلطیاں پائیں انہیں پر خصوصیت سے مختصر انداز میں تنبیہ فرمائی ہے۔ حاصل یہ کہ طلبہ کی عام غلطیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ تجوید کے استاذ کو ہر طالب علم کی ادا پر منفرد اصلاح وتوجہ کی ضرورت ہے، جس طرح ایک ماہر ڈاکٹر مختلف مریضوں کے مختلف امراض پر نظر رکھتے ہوئے تشخیص وتجویز میں علیحدہ علیحدہ غور کرتا ہے۔

بابُ الراءات

حرف را ایک منفرد حرف ہے مگر مختلف احوال . . . . ہیں . . . . . . مختلف الاحکام ہے احکام میں تعدد کی طرف اشارہ کرنے کے لیے الراءات جمع بولا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَرَقِّقِ الرَّاءَ إِذَا مَا كُسِرَتْ   كَذَاكَ بَعْدَ الْكَسْرِ حَيْثُ سَكَنَتْ

اور راء کو باریک پڑھو جب بھی وہ مکسور ہو اسی طرح (باریک پڑھو) جہاں کہیں وہ کسرہ کے بعد ساکن ہو گئی ہو۔

ل وَرَقِّقِ الرَّاءَ دال بر جزا إِذَا مَا، إِذَا ظرف متضمن لمعنی الشرط مَا زائدہ، تعمیم حکم کے لئے۔ کُسِرَتْ میں ضمیر نائب فاعل الرَّاءَ کی طرف راجع ہے اور جملہ شرط ہے حَيْثُ ظرف مکان یا زمان ہے جو سَكَنَتْ کی طرف مضاف ہے۔ كَذَاكَ سابقہ مضمون جملہ یعنی ترقیقِ راء کی طرف اشارہ ہے۔ اور شرح ملا علی قاریؒ میں كَذٰلِكَ ہے۔

ت ترقیق رِقّت سے ہے، سِمَن کی ضد، یعنی کسی حرف کی ذات کو نحیف و کمزور کرنا اور تفخیم فخامت سے ہے بمعنی غلظت جس کا مطلب ہے حرف کو بڑا اور موٹا کرنا۔ لہٰذا تغلیظ اور تفخیم ایک ہی ہوئے، مگر راء میں استعمال کے اعتبار سے ترقیق کی ضد تفخیم کا لفظ بولا جاتا ہے، اور لام میں تغلیظ بولتے ہیں[۱]، اور علامہ اور بعض مغاربہ نے ترقیق کو امالہ اور بین اللفظین سے بھی تعبیر کیا ہے، مگر یہ مجازاً ہے۔ حقیقۃً امالہ نہیں ہوتا کیونکہ امالہ تو یہ ہوتا ہے کہ فتحہ کو کسرہ کی طرف اور الف کو یاء کی طرف جھکایا جائے اور ترقیق کے معنی حرف کو باریک کرنا ہیں۔ لہٰذا مفہوم کے اعتبار سے دونوں علیحدہ علیحدہ دو چیزیں ہوئیں۔ گو امالہ کو ترقیق لازم ہے روایۃً[۲]۔ راء میں اصل تفخیم ہے یا ترقیق؟ اس پر ہم آگے کلام کریں گے۔ اور مشہور یہی ہے کہ راء میں اصلی حالت تفخیم ہے اور بکثرت ہے اور ترقیق کسی سبب کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسی لئے قلیل ہے، ناظم رحمہ اللہ نے اختصار کے پیش نظر ترقیق والے حالات کو بیان فرمایا، جو قلیل ہیں اور مفہوم مخالف کے طور پر تفخیم والی حالتیں ہر حکم سے اخذ ہوتی ہیں، گو صریح طور پر نہیں ذکر کی گئیں۔

(۱) راءِ متحرکہ مکسورہ | پہلے مصرعہ کے مفہوم یعنی "جب راء مکسور ہو تو باریک پڑھو" میں ہر قسم کی راءِ مکسورہ شامل ہے،

(۱) کسرہ لازمہ ہو جیسے رِزْقًا، الْغَارِمِينَ، الْفَخَارِ

(۲) یا کسرہ عارضہ جیسے أَنْذِرِ النَّاسَ، وَبَشِّرِ الَّذِينَ

(۳) کسرہ کاملہ ہو جیسے امثلۂ مذکورہ میں

(۴) یا کسرہ ناقصہ جیسے فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ پر وقف بالروم کیا جائے اور مَجْرٖىهَا میں امالہ کے وقت راء کا کسرہ ناقصہ ہے (نیز أَرِنِيْ میں بروایتِ دوری بصری کسرۂ مختلسہ بھی کسرۂ ناقصہ ہی ہے۔)

(۵) راءِ مکسورہ مشددہ ہو جیسے دُرِّيٌّ، وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ، مِنْ رِزْقٍ۔

(۶) یا مخففہ، جیسا کہ مثالیں گذریں۔

---

[۱] مرعشی ص ۱۰۲ [۲] نشر ص ۹۰ ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۷) ماقبل مفخم ہو جیسے بِمُصَيْطِرٍ۔ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ، وَالْقَارِعِيْنَ
(۸) یا مرقق۔ جیساکہ مثالیں گذریں
(۹) مابعد مفخم ہو جیسے اَلرِّقَابِ، رِضْوَانٍ، فَالْفَارِقَاتِ
(۱۰) یا مرقق۔ جیساکہ مثالیں گذریں۔

اسی طرح راءِ مکسورہ اول میں ہو یا وسط کلمہ یا آخر میں، مُنَوَّن ہو یا غیر مُنَوَّن ماقبل ساکن ہو یا کسی بھی حرکت کے ساتھ متحرک ہو، اسم میں ہو یا فعل میں ہو سب حالتوں میں بلا اختلاف باریک[1] ہوگی۔

راءِ مکسورہ کی ترقیق کا حکم پہلے مصرعہ سے بطور مفہوم مطابقی واضح ہو چکا ہے۔ اور اسی مصرعہ سے بطور دلالتِ التزامی (مفہوم مخالف) یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ راءِ متحرکہ اگر مکسور نہ ہو تو مفخم پڑھو، یہ حکم بھی (علاوہ ورش کے) سب کے یہاں متفق علیہ ہے۔

(۲) راءِ متحرکہ مفتوحہ اوّل کلمہ میں ہو یا آخر میں، اور تینوں حالتوں میں خواہ بعد ساکن کے ہو یا متحرک کے، اور ساکن خواہ یا ہو یا غیر یا، اسی طرح متحرک خواہ مکسور ہو یا غیر مکسور، اور راءِ مفتوحہ کا، بعد حرفِ مفخم ہو یا مرقق راءِ مفتوحہ مشدد ہو یا غیر مشدد ان تمام حالتوں میں (ماسوا ورش کے) راء کو سب مفخم پڑھتے ہیں جیسے وَرَزَقَكُمْ، بِرُسُلِهِمْ رُسُلُ رَبِّنَا، فِي رَيْبٍ، بَلْ رَانَ، وَلَا رَطْبٍ، فَرَقْنَا، تَرَاضٍ، غُرَابًا، كَبُرَتْ، فِرَاشًا، حَيْرَانَ، مُحَرَّمٌ غُفْرَانَكَ، الْحِجَارَةُ، اِجْرَامِيْ، مِدْرَارًا، اَلْقَمَرَ، نُذُرًا، لِتَفْجُرَ، فَمَنِ اضْطُرَّ، سِرًّا، اِلْاِشْرَاقِ، سُكَارٰى، بُشْرٰى۔

(۳) راءِ متحرکہ مضمومہ یہ بھی تمام احوال میں مفخم ہوتی ہے جیسے رُدُّوْا، لِرُقِيِّكَ، رُءْيَاكَ فَعَقَرُوْهَا، لَيَشْكُرُوْنَ، يُبْصِرُوْنَ، يَعْصِرُوْنَ، مُنْفَطِرٌ، مُسْتَمِرٌّ، اَسَاطِيْرُ عَزِيْزٌ، كِبْرٌ، مُسْتَقِرٌّ، اَلْبِرُّ، بَشَرٌ، سِحْرٌ، مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ، اَلَّذِيْ رُزِقْنَا۔

یہاں تک پہلے مصرعہ کی تشریح و تعمیم ختم ہو گئی۔

قَوْلُهٗ كَذَاكَ بَعْدَ الْكَسْرِ حَيْثُ سَكَنَتْ یعنی راءِ ساکنہ میں ماقبل کو دیکھنا چاہیے اگر ماقبل مکسور ہو (اور مابعد اُسی کلمہ میں کوئی حرف مستعلیہ نہ ہو، نیز کسرہ عارضی یا منفصلہ نہ ہو، جیساکہ اگلے شعر میں ان شرطوں کا ذکر آرہا ہے) تو یہ راءِ ساکنہ باریک پڑھی جائے گی اور سکون سے اصلی اور عارضی دونوں مراد ہیں، حاصل یہ کہ راءِ ساکنہ سے ماقبل کسرہ کی چار حالتیں ہیں، کسرۂ متصلہ اصلیہ اور یہی اس شعر میں مراد ہے، کسرۂ متصلہ عارضیہ، کسرۂ منفصلہ اصلیہ کسرۂ منفصلہ عارضیہ، آخر کے تین کسرے جن کی تفصیل آئندہ شعر کے دوسرے مصرعہ میں آرہی ہے، راء کی ترقیق کا سبب نہیں بنتے، راء مفخم ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا کسرہ کی چار قسموں میں سے صرف ایک قسم ہے جس کے بعد راءِ ساکنہ باریک پڑھی جائے گی یعنی کسرۂ متصلہ اصلیہ، چنانچہ اس شعر میں یہی کسرہ مراد ہے، جیساکہ آئندہ توضیح سے معلوم ہوگا۔ البتہ راء کے سکون میں کوئی تفصیل نہیں، سکون اصلی اور سکون عارضی دونوں کا حال

---

[1] نہایۃ القول المفید

www.kitabosunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یکساں ہے، اور سَکَنَتْ کے عموم میں دونوں شامل ہیں۔

گذشتہ مصرعہ کی طرح، اس مصرعہ کا بھی ایک مفہوم مطابقی ہے جس میں راءِ ساکنہ ماقبل مکسور کے مختلف احوال داخل ہیں، اور ایک مفہوم لزومی یعنی مفہوم مخالف ہے، جس پر ہم کلام کریں گے۔

(۱) راءِ ساکنہ ماقبل مکسور بکسرۂ اصلیہ متصلہ یعنی وہ راءِ ساکنہ (بسکون اصلی) جس کے ماقبل کسرۂ اصلیہ ہو، عارضی نہ ہو، اور متصلہ ہو، یعنی اُسی کلمہ میں ہو جس میں وہ راءِ ساکنہ ہو۔ ایسی صورت میں راءِ ساکنہ ہمیشہ مرقق ہوگی بشرطیکہ اسی کلمہ میں اس راءِ ساکنہ کے بعد کوئی حرف مستعلیہ نہ ہو، چنانچہ مصرعہ مذکورہ بالا میں اس راءِ ساکنہ کا حکم یعنی ترقیق بیان کیا گیا ہے اور عام ہے کہ یہ راءِ ساکنہ ماقبل مکسور وسطِ کلمہ میں ہو یا آخر میں ہو اور خواہ حرف مستعلیہ کے بعد ہو یا مستفلہ کے جیسے

فِرْعَوْنُ، شِرْعَةً، مِرْيَةٍ، اَلْفِرْدَوْسِ، اُحْصِرْتُمْ، يَنْفَطِرْنَ، مِرْفَقًا، وَاَنْذِرْهُ، وَلَا تُمْنُنْ تَسْتَكْثِرْ، اَبْصِرْ، وَاصْطَبِرْ، اِسْتَغْفِرْ

www.kitabosunnat.com

(۲) راءِ موقوفہ بالاسکان یا بالاشمام، ماقبل مکسور یعنی اگر راءِ وقف بالاسکان یا بالاشمام کی وجہ سے عارضی طور پر ساکن ہو جائے اور ماقبل مکسور ہو تو یہ راء بھی باریک ہوگی، اس راء کی ترقیق کا حکم بھی مذکورہ بالا مصرعہ ہی سے نکلتا ہے، کیونکہ سَكَنَتْ میں ناظم نے سکون اصلی یا عارضی کی کوئی قید نہیں لگائی لہٰذا دونوں کو شامل ہے

(۳) راءِ ساکن ماقبل مکسور بکسرۂ مفصولہ اسی طرح يَعْدَ الْكَسْرِ میں کسرہ عام ہے کہ اس راءِ موقوفہ سے موصول پہلے ہی حرف کے نیچے ہو یا مفصول یعنی راءِ موقوفہ سے پہلے حرف ساکن ہو اور اُس ساکن سے پہلا حرف مکسور ہو۔ ان تمام حالات میں یہ راءِ ساکنہ باریک ہوگی، خواہ مشدد ہو یا مخفف،

جیسے مُقْتَدِرْ، اَلْقَاهِرْ، تَنْفَجِرْ، لَنْ نَّصْبِرْ، مُسْتَقِرْ، مُسْتَمِرْ، اَلشِّعْرْ، اَلسِّحْرْ، ذِي الذِّكْرْ، خَبِيْرْ، بَصِيْرْ، قَدِيْرْ،

نوٹ:۔ "راءِ ساکنہ کے ماقبل کسرۂ مفصولہ کا وقوع ہمیشہ حالت وقف میں ہوگا، وصل میں نہیں۔ نیز راءِ مشددہ سے پہلے کسرۂ مفصولہ کا وقوع نہیں۔"

راءِ موقوفہ سے پہلے اگر یاءِ لین ہو جیسے خَيْرْ، ضَيْرْ، غَيْرْ، طَيْرْ، اس حالت میں راءِ موقوفہ باریک ہی ہوتی ہے، لیکن بظاہر اشکال اس وقت ہوتا ہے کہ راءِ ساکن ماقبل مکسور کی ترقیق کی علت پر غور نہ کیا جائے، علت یہ ہے کہ کسرہ انخفاض فم وصوت سے ادا ہوتا ہے، اور ترقیق کا تعلق بھی زبان کے نیچے رہنے سے ہے، کیونکہ زبان کو حنک کی طرف بلندی تفخیم میں ہوتی ہے۔ لہٰذا کسرہ کے مناسب ترقیق ہوئی، یہی علت یاءِ ساکنہ میں بھی پائی جاتی ہے کہ وہ خواہ مدّہ ہو یا لین ہو، اس کی آواز میں ترقیق ہے نتیجہ یہ نکلا کہ یاءِ لین کے بعد بھی راءِ موقوفہ باریک

ل؎ قال المرعشی واما مِرْفَقًا فهو من قبیل کون الکسرة فی کلمة الراء لان المیم الزائدة نزل منزلة الجزء من مدخولها، جهد المقل ص۱۰۸ فلا یلتفت الی عروض کسرة ماقبل الراء الساکنة کما قال بعضهم ۔ اظہار احمد

www.KitaboSunnat.com

ہی پڑھی جائے گی۔ اسی لئے یا کو کسرتین کے قائم مقام کہا جاتا ہے حاصل یہ کہ بَعْدَ الْکَسْرِ میں یا مدّہ ولین بھی داخل ہوئی۔

مدار کے یہ تمام احوال مصرعۂ بالا سے مفہوم مطابق سے نکلے اور مفہوم مخالف یہ ہوتا ہے کہ فتحہ یا ضمّہ کے بعد راء ساکنہ یا موقوفہ مفخم ہوتی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۴) راءِ ساکنہ بسکون اصلی ماقبل مفتوح یا مضموم یعنی راءِ ساکنہ اصلیہ کے ماقبل فتحہ یا ضمّہ ہو تو وہ مفخم ہوگی، کلمہ کے ابتدا میں ہو مثلاً

یا بُنَیَّ ارْکَبْ، اُرْکُضْ یا وسط میں مثلاً بُرْقٌ، خَرْدَلٍ، اَلْقُرْاٰنَ کُرْسِیُّہٗ، اَلْفُرْقَانَ، یا آخر میں جیسے وَاْمُرْ، وَانْحَرْ حرفِ مستفلہ کے بعد ہو جیسے زُرْتُمُ یا مستعلیہ کے، مثلاً اَلْخُرْطُوْمِ، قَرْیَۃٌ نیز راء ساکنہ کے بعد حرفِ مستفلہ ہو جیسے سَاُرْھِقُہٗ، اَلْعَرْشِ مُرْیَمُ یا مستعلیہ ہو مثلاً فَارْغَبْ، ذُرْفًا۔

ہمارے خیال میں راءِ موقوفہ ساکنہ کے جملہ احکام، کلام جزری سے بطور مفہوم مخالف یا موافق نکلتے ہیں مگر تعجب ہے کہ ملا علی قاری فرماتے ہیں

واما حکم الراء وقفاً فلا یُستفاد من الجزریہ اسی لئے موصوف نے دو شعر بطور اصلاح نظم فرمائے ہیں۔

(۵) راءِ ساکنہ بسکون عارضی ماقبل مفتوح یا مضموم یعنی جو راء وقف کی وجہ سے ساکن ہوا در ماقبل مفتوح یا مضموم ہو تو وہ بھی مفخم ہوگی جیسے اَلْقَمَرْ، اَلنُّذُرْ خواہ وقف بالاسکان ہو یا بالاشمام

اور خواہ یہ راء موقوفہ مشدد ہو جیسے وَاَصَرْ، اَلْمُفَرْ، اَلضُّرْ یا مخفف، جیسے مُزْدَجَرْ

(۶) راءِ ساکنہ سے پہلے فتحہ یا ضمّہ مفصولہ یہ صورت ہمیشہ وقف ہی میں ہوتی ہے جیسے اَلْقَدْرِ، عُسْرٍ بَعْدَ الْکَسْرِ کی قید سے اس کی ضد میں فتحہ وضمّہ کے بعد والی راءِ ساکنہ کا حال تفخیم معلوم

ہوا، عام ہے کہ فتحہ وضمّہ موصول ہوں جیسا کہ اوپر مثالیں گزریں یا مفصول جیسے اَلدَّارِ، اَلْقَرَارِ، تَفُوْرُ، اَلصُّدُوْرِ،

نوٹ:۔ نیز یاد رہے کہ فتحہ وضمّہ مفصول کے بعد راء مشدّدہ ساکنہ کا وقوع نہیں ہے۔

فائدہ:۔ راءِ موقوفہ جس سے پہلے کسرۂ مفصولہ ہو اور کسرہ اور راء کے درمیان حرفِ مستعلیہ فاصل ہو جیسے مِصْرْ، عَیْنَ الْقِطْرِ ضابطہ کے مطابق یہ راء وقف میں باریک ہونی چاہیئے، جیسا کہ علامہ دانی نے کتاب الراءات اور جامع البیان میں اس کی تصریح کی ہے، اور بعض مشائخ حرفِ مستعلیہ کی رعایت سے راء کو مفخم بتلاتے ہیں چنانچہ امام ابو عبداللہ بن شریح وغیرہ نے اس کو بتصریح لکھا ہے[۱] اور علامہ جزری کے نزدیک مختار یہ ہے کہ مِصْرْ میں تفخیم اور اَلْقِطْرِ میں ترقیق ہو تاکہ اصل کی رعایت[۱] ہو جائے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جمہور کے مذہب کے مطابق یہی ہے کہ وقف میں دونوں را باریک ہیں اسی لئے علامہ شاطبی نے ان میں اختلاف ہونے کو بیان نہیں[۲] کیا۔

شعر ۱۲۵
اِنْ لَمْ تَکُنْ مِنْ قَبْلِ حَرْفِ اِسْتِعْلَا اَوْ کَانَتِ الْکَسْرَۃُ لَیْسَتْ اَصْلَا

ت بشرطیکہ وہ راءِ ساکنہ (بعد الکسر) حرفِ مستعلیہ سے پہلے نہ ہو اور کسرہ غیر اصلیہ نہ ہو۔

---

[۱] نشر صفحہ ۱۰۷ ج ۲ [۲] منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

ل۔ اِنْ لَّمْ تَکُنْ اِس شعر میں شرط کا بیان ہے، اور گذشتہ شعر کا دوسرا مصرعہ دال بر جزاء ہے۔ لَمْ تَکُنْ کی ضمیر اسم راء ساکنہ بعد الکسر کی طرف راجع ہے مِن قبلِ حرفِ استعلا ظرفِ مستقر، خبر ہے۔ استعلا کے آخر سے ہمزہ، الف سے بدل گیا، جیسا کہ وقف میں جائز ہے، اَوْ حرفِ عطف مجازاً بمعنی واؤ ہے یعنی وَ کَانَتْ جیسے وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا میں اَوْ احد الامرین کیلئے نہیں ہے، بلکہ بمعنی واؤ ہے۱؎۔ کَانَتْ پہلے مصرعہ میں تَکُنْ (جو لَمْ کے مدخول ہونے کی بنا پر منفی ہے) پر معنًا معطوف ہے لہٰذا معنی ہوئے مَا کَانَتْ۔ اَلْکَسْرَۃُ اسم کَانَتْ۔ لَیْسَتْ اَصْلًا میں ضمیر لَیْسَتْ اَلْکَسْرَۃُ کی طرف راجع ہے اَصْلًا۔ لَیْسَتْ کی خبر ہے۔ اور جملہ ہو کر کَانَتْ کی خبر ہے۲؎ شارح رومی نے اَوْ کَانَتْ کو لَمْ تَکُنْ شرط پر عطف کیا ہے جو مفہوم و مراد کے لحاظ سے صحیح نہیں، جیسا کہ تشریح سے معلوم ہوگا۔ اور شارح یمانی فرماتے ہیں کہ اَوْ کَانَتْ الی آخرہ کا معطوف علیہ مقدر ہے، جو پہلے مصرعہ سے بطور مفہوم مخالف ماخوذ ہے یعنی تُفَخَّمُ الرَّاءُ اِذَا كَانَتْ مِنْ قَبْلِ حَرْفِ اسْتِعْلَاءٍ اَوْ كَانَتِ الْكَسْرَةُ لَيْسَتْ اَصْلًا اَيْ عَارِضَةً۔
اُستاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادیؒ نے فرمایا کہ یہاں اَوْ بمعنی اِلَّا یا اِلٰی ہے اور مصرعہ کَذَاکَ بَعْدَ الْکَسْرِ حَیْثُ سَکَنَتْ سے استثناء ہے۳؎۔ ہمارے خیال میں یہ سب سے بہتر، نفیس اور بے غبار توجیہ ہے۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ

ح۔ گذشتہ شعر میں راء ساکنہ بعد الکسر کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ اس کو باریک پڑھو۔ اِس شعر میں اس قاعدہ کی دو شرطیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ راء ساکنہ بعد الکسر حرف مستعلیہ سے پہلے نہ واقع ہو ورنہ وہ راء باریک نہ ہوگی بلکہ مستعلیہ کی وجہ سے مفخم پڑھی جائے گی جیسے مِرْصَادًا، (اور لَبِالْمِرْصَادِ) اِرْصَادًا، قِرْطَاسٍ، فِرْقَةٍ، اس قسم کے قرآن میں یہ چار ہی لفظ آئے ہیں۔
لیکن یہ واضح رہے کہ ناظمؒ کی مراد مِن قَبْلِ حَرْفِ اسْتِعْلَا میں قبلیت متصلہ مراد ہے جیسا کہ بَعْدَ الْکَسْرِ میں بعدیت سے متصلہ ہی مراد تھی۔ لہٰذا اگر راءِ ساکنہ بعد الکسر کلمہ کے آخر میں ہو اور اُس کے بعد حرف مستعلیہ بعد والے کلمہ کے شروع میں ہو جیسے فَاصْبِرْ صَبْرًا، وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ، وَاَنْذِرْ قَوْمَكَ تو باتفاق راء باریک ہوگی۔
دوسری شرط یہ کہ وہ کسرہ جس کے بعد راء ساکنہ ہے کسرۂ غیر اصلیہ نہ ہو، بلکہ اصلی ہو لہٰذا کسرۂ غیر اصلیہ کے بعد راءِ ساکنہ مفخم ہی ہوگی۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں غیر اصلیہ کی تین صورتیں ہیں۔
(۱) کسرۂ عارضیہ متصلہ، یعنی کسرہ ہمزہ وصلیہ کا ہونے کی وجہ سے عارضی ہو، اور یہ کسرہ اسی کلمہ میں ہو جس میں راء ساکنہ ہے جیسے اِرْكَبْ اِرْجِعِیْ۔
(۲) کسرہ عارضیۂ منفصلہ، یعنی راء ساکنہ سے پہلے پڑھا جانے والا کسرہ راءِ ساکنہ والے کلمہ میں نہ ہو بلکہ اس سے پہلے کلمہ کے آخر میں ہو، اور وہ اصلی نہ ہو بلکہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے عارضی آگیا ہو جیسے اَمِ ارْتَابُوْا، اِنِ ارْتَبْتُمْ
(۳) کسرہ منفصلہ اصلیہ، یعنی راء ساکنہ سے پہلے والے کلمہ کے آخر میں کسرہ ہو، اور کسی عارض کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اصلی ہو جیسے رَبِّ ارْحَمْهُمَا رَبِّ ارْجِعُوْنِ اور اَلَّذِی ارْتَضٰی۔ اور اس قسم کی یہ تین۳؎ ہی مثالیں قرآن میں ہیں۴؎۔

۱؎ حاشیہ عبدالرحمٰن علی شرح الجامی للکافیہ اور الفیۃ لابن مالک۔ ۲؎ شیخ الاسلام زکریا انصاری و ملا علی قاری
۳؎ عین الفکر بہ نقاری محمد نصیر الدین نعمانی اعظم گڑھی۔ ۴؎ یعنی قراءت عاصمؒ میں، ورنہ باقین کے یہاں یٰبُنَیِّ ارْکَبْ (بکسر یاء متکلم) چوتھی مثال بھی ہے۔

www.KitaboSunnat.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَصْلًا سے ناظمؒ کی مراد ایک خاص اصطلاح ہے یعنی کسرۂ متصلہ اصلیہ، اس کے علاوہ باقی اقسام اصلاً کے خلاف ہیں داخل ہیں، کیونکہ کسرۂ منفصلہ میں بھی اگرچہ ایک قسم اصلیہ کی ہے لیکن وہ منفصل ہونے کی وجہ سے اصلاً کی اصطلاح سے خارج ہوگا۔

فائدہ:- اَوْ كَانَتِ الْكَسْرَةُ لَيْسَتْ اَصْلًا کا ترجمہ بظاہر یہ ہوتا ہے کہ "یا ہو کسرہ کہ نہ ہو اصلی"۔ اوپر کے شعر سے اس کو مربوط کریں تو مطلب ہوگا "را کو باریک پڑھو، جب وہ مکسور ہو، اسی طرح اُس وقت بھی باریک پڑھو جب وہ کسرہ کے بعد ساکن ہو رہی ہو، بشرطیکہ وہ حرف مستعلیہ سے ماقبل واقع نہ ہو رہی ہو یا وہ کسرہ اصلی نہ ہو"۔ اس طرح ظاہر ہے کہ مفہوم غلط ہوگیا، کیونکہ مطلب یہ ہوگیا کہ کسرہ کے بعد راء ساکنہ باریک ہوگی خواہ یہ کسرہ اصلی ہو یا اصلی نہ ہو، بلکہ عارضی ہو۔ حالانکہ کسرۂ عارضیہ کے بعد را باریک نہیں بلکہ پُر ہوتی ہے، جیساکہ معلوم ہوچکا ہے، اسی لئے اس مصرعہ کو صحیح المفہوم بنانے کے لئے ظاہر سے پھیرا گیا ہے، اور وہ مختلف توجیہات اختیار کی گئیں جن کو ہم حل الفاظ میں مفصل لکھ چکے ہیں۔ نیز مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کی یہ رائے بڑی وزنی ہے کہ

"بہتر تھا کہ کلام واوِ حالیہ[1] کے ساتھ ہوتا، نہ کہ اَوْ کے ساتھ، جس کے معنی تَرَدُّدْ بین الامرین کے ہوتے ہیں، اور اُس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ اَوْ تنویع کے لئے ہے کہ کسرہ اصلیہ ہو یا نہ ہو، را باریک ہوگی۔"

اسی لئے قاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر ناظمؒ ؏ اَوْ لَمْ يَكُنِ الْكَسْرَةُ لَيْسَتْ اَصْلًا، یا اَوْ كَانَتِ الْكَسْرَةُ اَصْلًا ووصلًا فرماتے تو بات صاف ہوجاتی۔ مگر ہمارے خیال میں یہ دونوں مصرعے وزن سے گر رہے ہیں، لہذا بہتر تھا کہ پہلا مصرعہ یوں فرمایا جاتا ؏

اَوْ لَمْ تَكُ الْكَسْرَةُ لَيْسَتْ اَصْلًا۔ اور دوسرا مصرعہ ہوتا كَانَتِ الْكَسْرَةُ اَصْلًا وَّصْلًا۔ کیونکہ اَوْ پر جب خود ہی اشکال فرما چکے تو کیا ضرورت ہو اور اَصْلًا وَّصْلًا میں واوِ عاطف کی وجہ سے وزن خراب ہوتا ہے، لہذا حذف کیا جائے۔ واضح ہو کہ اَصْلًا سے قاریؒ کی مراد اَصلیہ، اور وَصْلًا سے متصلہ ہے۔

بہرحال اَوْ كَانَتْ کو مَا كَانَتْ بنا لینے کے بعد بھی اَوْ سے پیدا ہونے والا یہ وہم باقی رہتا ہے کہ شاید الكسرةُ سے مراد وہ کسرہ نہیں جس کا ذکر اوپر والے شعر میں آچکا ہے اس لئے ہم نے اَوْ کو بمعنی واؤ لکھا ہے۔

فائدہ:- کسرہ کی دو قسمیں ہیں لازمہ[2]، عارضہ، لازمہ وہ ہے جو حرف اصلی پر ہو یا ایسے حرف پر ہو جو بمنزلہ اصلی کے ہو کہ اس کے حذف کرنے سے لفظ کی ہیئت بگڑ جائے، اور عارضہ وہ ہے جو اس کے خلاف ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کسرہ عارضہ وہ ہے جو حرف زائدہ پر ہو، چنانچہ صاحب تجرید وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ لفظ مِرْفَقًا (بکسر میم وفتح فا) میں ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے نظریہ کے مطابق تو میم کا کسرہ لازمہ ہوتا ہے، لہذا را باریک ہونی چاہیئے۔ اور دوسرے کے مطابق کسرہ عارضہ ہے، لہذا را پُر ہونی چاہیئے۔ لیکن پہلا نظریہ ہی صحیح ہے۔ چنانچہ اَلْمِحْرَاب اور اِخْرَاجًا میں ورش کے لئے تمام طرق میں را باریک ہے حالانکہ ماقبل کا کسرہ حرف زائد پر[3] ہے۔

---

[1] وَكَانَتِ الْكَسْرَةُ الخ یعنی واوِ حالیہ کے ساتھ یہ پورا جملہ اِنْ لَمْ تَكُنْ کے اسم (الكسرةُ) سے حال ہوتا۔ [2] نشر ص ۱۲۱ ج ۱ و ص ۱۰۷ ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ش۳۱ وَالْخُلْفُ فِي فِرْقٍ لِكَسْرٍ يُوجَدُ   وَأَخْفِ تَكْرِيرًا إِذَا تُشَدَّدُ

ت اور لفظ فِرْقٍ میں کسرہ کی وجہ سے خلف پایا جاتا ہے   اور را میں صفتِ تکریر کو چھپاؤ جب وہ مشدد ہو

ل اَلْخُلْفُ بمعنی الاختلاف فی فِرْقٍ ظرف لغو متعلق اَلْخُلْفُ ۔ یُوجَدُ خبر، ضمیر نائب فاعل الخلف کی طرف راجع ہے لِكَسْرٍ ظرف لغو، متعلق یُوجَدُ ۔ وَأَخْفِ اِخْفَاءٌ سے صیغہ امر ہے۔ یعنی پوشیدہ رکھو اور نرمی سے ادا کرو، یُوجَدُ اور تُشَدَّدُ میں واو اطلاقی ہے تُشَدَّدُ میں ضمیر نائب فاعل راء کی طرف راجع ہے۔

ح یعنی سورۂ شعراء میں كُلُّ فِرْقٍ کی راء میں تفخیم و ترقیق مختلف فیہ ہے۔ حرفِ مُستعلیہ یعنی قاف کے مکسور ہونے کی وجہ سے جمہور مغاربہ اور مصریین راء میں ترقیق اختیار کرتے ہیں، اور یہی قطعیت کے ساتھ تبصرہ، ہدایہ، ھادی، کافی اور تجرید وغیرہ میں لکھا ہے، اور باقی اہل ادا تفخیم کی طرف گئے ہیں تیسیر، عنوان اور تلخیص وغیرہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور قیاس کا بھی تقاضا ہے۔ اور جامع البیان اور شاطبیہ وغیرہ میں دونوں وجہوں کی تصریح ہے، حاصل یہ کہ دونوں وجہیں صحیح ہیں، مگر نصوص میں ترقیق ہی متواتر ہے۔ بلکہ کئی مصنفین نے تو اسی پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور علامہ دانی ایک موقعہ پر فرماتے ہیں کہ "کچھ لوگ ہیں جو فِرْقٍ کی راء کو حرفِ مستعلیہ کی وجہ سے مفخم پڑھتے ہیں، لیکن ترقیق معمول بہ ہے کیونکہ حرف استعلاء کے مکسور ہونے کی وجہ سے اس کی فَخَامَتْ ضعیف ہو گئی ہے[1]۔"

یہ پورا اقتباس نشر میں ناظم کی عبارت سے لیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت و عمل کے لحاظ سے ترقیق کا درجہ اہم ہے گو قیاس کی وجہ سے تفخیم بھی صحیح ہے۔

فائدہ ۔ حروف مفخمہ کی تفخیم میں مراتب ہیں، حرف مفخمہ مع الالف کی تفخیم سب سے اکمل ہے۔ مثلاً طَال اس کے بعد مفتوح بغیر الف جیسے اَلطَّلَاقُ، اَلرَّحْمٰنُ اس کے بعد حرف مضموم جیسے مُحِيطٌ، اَلضُّرُّ اس کے بعد مکسور کی جیسے الصِّرَاط میں صاد۔ اور ساکن مفخم ماقبل کی حرکت کے تابع ہے[2] جیسے يَقْطَعُونَ، يُرْزَقُونَ، مِرْصَادًا۔

قولہ وَأَخْفِ تَكْرِيرًا إِذَا تُشَدَّدُ یعنی جب را مشدّد ہو تو اس وقت خیال رہنا چاہیئے کہ صفت تکرار میں نرمی اور سَتر ہو، تکرار حقیقی کا اظہار نہ ہو، ورنہ رار مشدّدہ کئی راء، اور مخففہ کم از کم دو ہو کر نکلیں گی، خصوصیت سے مشدد کو اس لئے بیان کیا کہ تشدید میں را کی آواز کو جریان ہوگا اور جریان صوت میں تکرار حقیقی کا بہت امکان ہے، مفصل بحث صفت تکریر کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں۔ اور یہاں سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تکریر صفت ادائی ہے، احترازی نہیں، کیونکہ تکریر مُظہر سے بچنے کا حکم ہے کہ نفس تکریر سے۔

---

[1] نشر ص $\frac{۱۰۲}{۲ج}$ [2] مرعشی نے ابن طحّان اندلسی سے یہی ترتیب نقل کی ہے، فوائد مکیہ میں بھی یہی ہے لیکن علامہ جزری نے تمہید میں ترتیب اس طرح رکھی ہے اوّل مفتوح مع الالف پھر مفتوح بغیر الف پھر مضموم پھر ساکن پھر مکسور۔ (نہایۃ القول المفید ص ۹۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ ۸ : راء کی اصل حالت تفخیم ہے یا ترقیق ، ؟ قُراء کے اس میں دو قول ہیں ۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ تفخیم اصل ہے ، اور ترقیق کسی سبب سے پیدا ہوتی ہے ۔ دوسرا قول ہے کہ راء تفخیم و ترقیق میں سے کسی کے ساتھ بھی بالذات متصف نہیں ، لہذا تفخیم کے لئے بھی کوئی سبب چاہیئے اور ترقیق کے لئے بھی ۔

جمہور کے حق میں کئی حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر راءِ غیر مکسورہ میں تغلیظ تو ممکن ہے ۔ لیکن ہر راء میں ترقیق نہیں ہو سکتی ، چنانچہ رَغَدًا میں مثلاً اگر راء کو ترقیق سے پڑھا جائے تو راء امالہ کی طرف مائل ہو جائے گی ، حالانکہ نہ یہ راء مُمال ہے ، اور نہ اس میں امالہ کی کوئی علت ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے یہ بھی دلیل بیان کی ہے کہ راء میں اس لئے تفخیم اصل ہے کہ اس کے مخرج میں ظہر لسان ہے جو راء کی ادا میں حنکِ اعلیٰ سے قریب ہوتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے حروفِ اطباق کا تعلق ہے ۔ راء کو اطباق کے اس مقام سے اس لئے اور بھی گہرا تعلق ہوا کہ راء میں صفتِ تکرار کے پیدا ہونے سے علماءِ تجوید نے فیصلہ کیا کہ راء پہ ایک فتحہ بمنزلہ دو فتحوں کے ہے ، جس طرح ایک راء کے ایک کسرہ میں دو کسروں کی قوت مانی گئی ۔

جمہور کے مقابلہ میں دوسرے حضرات کا استدلال یہ ہے کہ کسرہ یا یاءِ ساکنہ کے بعد راءِ مفتوحہ و مضمومہ میں ورش کے یہاں ترقیق ہے اگر راء بذاتِ خود تفخیم کی مستحق ہوتی ، تو یہ ترقیق نہ ہونی چاہیئے تھی ، کیونکہ ماقبل کا کسرہ یا یاءِ ساکنہ خارجی سبب ہے اور خارجی سبب کی وجہ سے اصلی اور ذاتی استحقاق (تفخیم) کا باطل ہونا بعید از قیاس ہے ، چنانچہ حروفِ مستعلیہ کی تفخیم کسی بھی سبب سے باطل نہیں ہو سکتی ہے ۔

اور تکرار کو راء میں تفخیم کے اصل ہونے کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ، کیونکہ تکرار کا وجود تو فی الحقیقت راءِ ساکنہ یا مشددہ میں ہوتا ہے اور متحرکہ خفیفہ میں تو نہایت غیر واضح ہوتا ہے ۔ اور رہا یہ کہ راء کو ظہر لسان سے تعلق ہے ، صحیح ہے ، لیکن یہ تو راء کا تلفظ کرنے والے کی حالت پر موقوف ہے یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ صرف طرفِ لسان پر اعتماد کرے اور اس طرح راء باریک ادا ہو اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ ظہر لسان پر اعتماد کرے اور راء مفخم ہو جائے ، چنانچہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا ، راءِ مفتوحہ یا مضمومہ کو اگر طرفِ لسان سے ادا کیا جائے اور ساتھ ہی راء کو مفخم بھی کرنا چاہے ، نہیں ہو سکیگی ، البتہ اگر ظہر لسان پر اعتماد کیا تو یقیناً تفخیم ہو جائے گی اس وقت میں ترقیق نہیں ہو سکے گی ۔ اسی طرح راءِ مکسورہ کے کسرہ میں راء کو تفخیم سے بچانے کی کوئی قوت نہ ہوگی جب کہ اس کو ظہرِ لسان سے ادا کیا جائے ۔ اور کسرہ کی حالت میں راء کی تفخیم کا وقوع اس لئے نہیں کہ اہل زبان کے یہاں یہ قبیح ہے ۔ حاصل یہ کہ کلام عرب میں راءِ مکسورہ کو طرفِ لسان سے ادا کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ باریک ہوتی ہے ، اور مفتوح و مضموم ہونے کے وقت ظہر لسان پر اعتماد ہوتا ہے جسکی وجہ سے فتحہ یا ضمہ کے مناسب حالت تفخیم پیدا ہو جاتی ہے ، اور یہ بھی ہوا ہے کہ فتحہ و ضمہ کی حالت میں کسی سبب کی بنا پر راء کو طرفِ لسان سے ادا کیا گیا اور راء باریک ہوئی جیسا کہ روایتِ ورش میں ہے[1] ۔ "

---

[1] جمہور نے تفخیم کے اصل ہونے پر اِمِ ارتابوا، ربِّ ارجعون، اور اِرْجعی کی راء کے مفخم ہونے سے استدلال کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ کسرۂ منفصلہ یا عارضہ میں چونکہ طاقت نہ تھی کہ راء کو اس کی اصل تفخیم سے پھیر سکے اس لئے مؤثر نہ ہوا ، مخالفین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ راء کی تفخیم کی وجہ یہ نہیں جو تم نے بیان کی بلکہ وجہ یہ ہے کہ امر اور ماضی کے صیغوں میں راء کو طرداً للباب مضارع کی راء پر حمل کیا گیا یعنی یَرْتَابُ اور یَرْجِعُ میں راء باتفاق مفخم تھی تو ارْتَابُوا اور ارجعون میں بھی راء کو اس پر حمل و قیاس کرتے ہوئے طرداً للباب مفخم ہی رہنے دیا گیا ۔ نشر ص ۱۰۸ ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمہور کے قول پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ الف، لام اور را صفاتِ لازمہ میں حروفِ مستفلہ میں سے ہیں استفال کو ترقیق لازم ہے، صفت لازمہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفت اس حرف میں ہمیشہ ہر حال میں پائی جائے پھر ان تینوں میں کبھی تفخیم عارض ہونے سے تو ان کے مستفلہ مرققہ ہونے کا لزوم باطل ہو جاتا ہے۔ ؟

اس کا منطقی جواب یہ ہے کہ یہ تفخیم عارضی ہے اور استفال کی وجہ سے ترقیق صفت ذاتی ہے لہذا دونوں میں کوئی منافی نہیں، ضَرَبَ کی را باعتبار ذات کے مرققہ اور باعتبار صفتِ عارضہ کے مفخمہ ہے اس قسم کی ضدین کا اجتماع عقلاً ممکن ہے۔ یہ جواب لام ورا میں ہے اور الف میں صحیح جواب یہ ہے کہ وہ نہ مستعلیہ ہے نہ مستفلہ بلکہ ماقبل کے تابع ہے۔

دوسرا جواب علامہ جزری کی اس تعبیر سے نکلتا ہے جو انہوں نے تمہید میں اختیار کی ہے کہ تفخیم کے وقت لام ورا دِشبہ مستعلیہ ہیں۔ اس جواب کی بنا پر استعلا و استفال کے درمیان شبہ استعلا ایک درمیانی صفت پیدا ہو گئی جو شدت ورخاوت کے درمیان صفتِ توسط کی طرح ہوئی۔

تیسرا جواب مرعشی نے اپنی اس تعبیر سے دیا ہے کہ تفخیم کی حالت میں لام ورا حروفِ مستعلیہ میں سے ہیں۔ اس جواب کی رُو سے لام ورا کی حالت استعلا و استفال میں دائر مانی ہو گی جیسا کہ بعض حروف کے مختلف حالتوں میں مختلف مخرج ہیں۔ مثلاً واو مدہ اور غیر مدہ کے دو مخرج ہیں۔

البتہ پہلے جواب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر را میں اصل تفخیم کیوں کہی جاتی ہے ؟ ترقیق کہنی چاہیئے کیونکہ وہ بالذات حروف مستفلہ میں سے ہے حالانکہ یہ کسی کا بھی قول نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ اصل ہونا اکثر احوال کے اعتبار سے ہے یعنی را میں اکثر احوال میں تفخیم ہوتی ہے لہذا تفخیم کو اصل کہدیا اور لام میں اکثر احوال میں ترقیق ہوتی تھی لہذا لام میں ترقیق کو اصل کہدیا۔ یعنی صفت ذاتی کے اعتبار سے تفخیم اصل نہیں، بلکہ صفت عارضی کے اعتبار سے تفخیم اصل ہے، اصل ہونے کا مطلب یہ کہ ترقیق کے مقابلہ میں تفخیم کا عروض کثیر ہے۔

فائدہ :- اَنْ اَسْرِ (طٰہٰ وشعراء) اور فَاَسْرِ (ہود، حجر، دخان) پر وقف کے وقت را کی تفخیم اور ترقیق کے جواز میں دونوں[1] قول ہیں، مگر علامہ جزری کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ترقیق کے ساتھ وقف اَولیٰ[2] ہے اور وجہ یہ ہے کہ صیغۂ امر ہونے کے وجہ سے حالت سکون میں آخر سے یا حذف ہوئی اب جو را پر کسرہ ہے یہ کسرہ اعرابی نہیں بلکہ بنائی ہے اور ترقیق میں اصل پر دلالت ہوتی ہے۔ یہی حکم اِذَا یَسْرِ (فجر) کی را کا ہے کہ وقف میں ترقیق اولیٰ ہے، ا[3] طرح نُذُرِ (قمر) کو سمجھنا چاہیئے، کیونکہ اصل میں اِذَا یَسْرِی اور نُذُرِی ہیں،

بَابُ اللَّامَاتِ

نوٹ :- جمع سے انواعِ لام کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

---

[1] ابوجعفر، نافع، مکی نے پانچوں جگہ ہمزۂ وصلیہ کے ساتھ اور باقین نے ہمزۂ قطعیہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ [2] نشر ج ۲ ص ۱۱۱ [3] تقریب النفع، للضباع ص ۲۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۱۹ وَفَخِّمِ اللَّامَ مِنِ اسْمِ اللهِ عَنْ فَتْحٍ اَوْ ضَمٍّ كَعَبْدُ اللهِ

ت اور لفظ اللہ کے لام کو فتحہ یا ضمّہ کے بعد پُر پڑھو جیسے عَبْدُ اللهِ ،

ل اَلتَّفْخِيْم بمعنی التعظیم اَلْفَخَامَةُ الْعَظَمَةُ (صحاح) لام کی تغلیظ کے معنی ہیں اس کو موٹا کرکے پڑھنا تفخیم اور تغلیظ ہم معنی ہیں اور ان دونوں کی ضد ترقیق ہے۔

فَخِّمْ صیغۂ امر اَللَّامَ مفعول بہ مِنِ اسْمِ اللهِ ظرف لغو ہے اور اَللَّامَ سے حال ہے یعنی كَائِنًا ذٰلِكَ اللَّامُ مِنِ اسْمِ اللهِ ۔ اسم کی اضافت اَللهِ کی طرف بیانی ہے۔ عن فَتْحٍ اَوْ ضَمٍّ جار مجرور ظرف لغو ہے اور اللام سے دوسرا حال ہے یعنی كَائِنًا ذٰلِكَ اللَّامُ بَعْدَ فَتْحٍ اَوْ ضَمٍّ ۔ عَنْ بمعنی بَعْدَ ہے جیسے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ میں عَنْ بعد کے معنی میں ہے۔ فَتْحٍ اَوْ ضَمٍّ میں وزن بیت کے لئے ہمزہ کو نقل حرکت سے پڑھنا چاہیئے۔ عَبْدُ اللهِ میں عَبْدُ بضم دال پڑھنا چاہیئے، تاکہ قرآنی لفظ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللهِ سے تمثیل ہو جائے۔ اس صورت میں کاف جارّہ کے بعد ضمّۂ دال اعراب حکائی کی بنا پر کہا جائے گا۔

نوٹ:- مِنِ اسْمِ اللهِ اجتماع ساکنین کے وقت مِنْ کا نون مفتوح ہوتا ہے جیسے وَمِنَ النَّاسِ لیکن یہ فتح اس وقت ہے جبکہ دوسرا ساکن لام تعریف ہو ورنہ مِنْ کا نون مکسور ہی ہوتا ہے۔ گو اس وقت بھی سیبویہ نے ایک قوم سے فتحہ نقل کیا ہے مگر وہ لغت مشہورہ کے خلاف ہے[1]۔ لہذا یہاں نون کو کسرہ پڑھنا بہتر ہے۔

ح یعنی لفظ اَللهِ (جو اسم الجلالہ ہے) کے لام کو فتحہ اور ضمّہ کے بعد پُر پڑھو، اور اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ لام سے پہلے کسرہ ہو تو باریک پڑھو، اس طرح مفہوم مطابقی اور مفہوم التزامی سے لام اسم الجلالہ کا پورا ضابطہ واضح ہوگیا۔ نیز لفظ اللہ عام ہے کہ بغیر میم مشدّد کے ہو یا آخر میں میم مشدّد کا اضافہ ہو جائے۔ فتحہ، ضمّہ اصلی ہوں جیسے عَبْدُ اللهِ ، يُعَلِّمُهُ اللهُ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ ، فَاللهُ خَيْرٌ، اَللهُ رَبُّنَا ، نَصْرُ اللهِ ، كَلَامَ اللهِ ، سَيُؤْتِيْنَا اللهُ ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ یا عارضی جیسے مِنَ اللهِ ، دَعَوُا اللهَ ۔

قاعدہ کا دوسرا جزو یعنی کسرہ کے بعد لام اسم الجلالہ کا باریک ہونا، یہ بھی عام ہے کہ کسرہ اصلی ہو جیسے لِلّٰهِ الْاَمْرُ، وَاتَّقُوا بِاللهِ، فِي اللهِ، بِسْمِ اللهِ ، یا عارضی ہو جیسے اَحَدُ اللهُ ، مَا يَفْتَحِ اللهُ ، قُلِ اللّٰهُمَّ کسرہ متصل ہو جیسے لِلّٰهِ ، بِاللهِ یا منفصل جیسے اَفِي اللهِ وغیرہ ماقبل مفخم ہو جیسے وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ یا مرقق جیسے عَنْ سَبِيْلِ اللهِ ،

نوٹ :- لام کے ماقبل متصل ہو کر فتحہ یا کسرہ دونوں آئے ہیں جیسا کہ اوپر مثالیں گذریں، لیکن ضمّہ متصل نہیں ہوتا ہے۔

---

[1] حواشی المفصّل ۔ محمد طیّب المکی ص ۲۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ : یہ بات مشہور ہے کہ را میں تفخیم اور لام میں ترقیق اصل ہے اسی لئے ناظم علیہ الرحمہ نے اختصار کے پیش نظر را میں ترقیق اور لام میں تفخیم کے مسائل بیان فرمائے ۔

فائدہ :- لام میں ترقیق اصل ہے اسی لئے لام اسم الجلالہ کے ماقبل اگر کسرۂ منفصلہ یا عارضیہ بھی آجائے تو بھی لام باریک ہو جاتا ہے بخلاف را کے کہ وہ مفخم ہی رہتی ہے کیونکہ یہ کسرہ ضعیف ہوتا ہے ، جو را کو اسکی اصل (تفخیم) سے پھیرنے کی قوت نہیں رکھتا ہے اور لام میں چونکہ پہلے ہی ترقیق اصل ہے تو کسرۂ ضعیفہ بھی ترقیق کا سبب بن جاتا ہے ۔[1]

لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ لام میں ترقیق اصل ہے تو لام اسم الجلالہ سے پہلے اگر فتحہ یا ضمہ منفصلہ یا عارضیہ آجائے تو لام پر نہیں بلکہ باریک ہونا چاہیئے ، عارضی فتحہ یا ضمہ ضعیف ہوگا جو لام کو اس کی اصل یعنی ترقیق سے تفخیم کی طرف پھیرنے میں کافی نہ ہونا چاہیئے اور لام باریک ہونا چاہیئے ۔ نیز مزید غور سے کام لیا جائے تو را پر قیاس کرتے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ لام اسم الجلالہ کسی وقت بھی مفخم نہ ہو ، کیونکہ لام سے پہلے اگر فتحہ یا ضمہ دوسرے کلمہ میں ہو خواہ یہ فتحہ ، ضمہ لازم ہو یا عارض منفصل ہونے کی وجہ سے لام کی تفخیم میں غیر مؤثر ہونا چاہیئے اور اگر موصول ہو یعنی اَللّٰہُ کے ہمزہ پر ہو ، جو صرف فتحہ ہی ہو سکتا ہے تو اس وقت بھی لام باریک ہی ہونا چاہیئے ، کیونکہ ہمزہ وصلیہ کا فتحہ ہونے کی وجہ سے عارضی ہوا جیسے اِرْجِعِیْٓ میں کسرہ متصلہ عارضہ ہونے کی وجہ سے را مفخم ہی رہی ۔

لہٰذا بہتر ہے کہ یوں کہا جائے کہ لام اپنی تفخیم والی صورتوں میں بذات خود مفخم ہے نہ یہ کہ یہ تفخیم خلاف اصل ہے اسی لئے علامہ جزری نے لام مفخم کو شبہ مستعلیہ اور مرعشی نے مستعلیہ کہدیا ہے ، اور لام میں ترقیق اصل ہونے کا یہ مطلب لیا جائے کہ وہ اکثر احوال میں مرقق ہوتا ہے اور را میں تفخیم اس لئے اصل ہے کہ وہ اکثر احوال میں مفخم ہوتی ہے ،

فائدہ ۔ لفظ اَللّٰہُ کا فتحہ یا ضمہ کے بعد مفخم اور کسرہ کے بعد مرقق ہونے کا قاعدہ تمام قراء کے یہاں معمول اور متفق علیہ ہے ۔ تفخیم کی وجہ اس اِسم شریف کی تعظیم ہے ، اور اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نام معبود برحق ہی کے ساتھ خاص ہے ۔ دوسری وجہ یہ کہ اَللّٰت (بُت کا نام) پر اگر تا کو ھا سے بدل کر وقف کیا جائے (جیسا کہ کسائی کے یہاں ہوتا ہے تو اسم الجلالہ کی تفخیم ہی سے دونوں میں فرق ہوتا ہے[2] ۔ تیسری وجہ یہ کہ اَللّٰہُ اسم الجلالہ اور اَللَّاہُ لَہَا یَلْہُوْ سے صیغۂ اسم فاعل . . . . . میں تاکہ فرق ہو جائے[2] ۔

ہمارے خیال میں اس کی حقیقی وجہ خواہ کچھ بھی ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ زمانہ قبل از اسلام میں بھی لفظ اَللّٰہُ کا تلفظ اسی طرح تھا یعنی فتحہ ، ضمہ کے بعد مفخم اور کسرہ کے بعد مرقق ۔ اسلام کے آنے کے بعد یہ تلفظ علی حالہ قائم رہا ۔ علامہ جزری رح فرماتے ہیں کہ دانی نے جامع البیان میں بسند بیان کیا ہے کہ فتحہ ، ضمہ کے بعد اسم الجلالہ میں تفخیم کو صدیوں سے ہر آنے والا اپنے دورِ ماضی کے سلف سے نقل کرتا چلا آرہا ہے[3] ۔

فائدہ : لفظ اَللّٰہُ کے شروع میں لام تعریف ہے جس کا لام اسم الجلالہ میں تماثل کی وجہ سے ادغام ہوا ، ادغام کی وجہ سے لام

---

[1] نہایۃ القول المفید ص۲ [2] ملا علی قاری فی شرح الشاطبیہ و نہایۃ القول المفید ص۱۱ [3] نشر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسم الجلالہ کی تفخیم کے وقت، لام تعریف میں بھی تفخیم ہوگی، ورنہ لام تعریف کو باریک پڑھنے کا مطلب ہوگا کہ ادغام نہیں ہوا ہو جو غلط ہے۔ البتہ لام تعریف سے پہلے آنے والا حرف مرقق ہو تو اسکی ترقیق کو پوری طرح ادا کرنا ضروری ہے، چنانچہ ناظم علیہ الرحمۃ کا یہ شعر گذر چکا ہے۔

وَهَمْزَ اَلْحَمْدُ اَعُوْذُ اِهْدِنَا   اَللّٰهُ ثُمَّ لَامَ لِلّٰهِ لَنَا

اسی طرح آخر میں دعا کو بھی تفخیم سے بچانا ضروری ہے ۔ البتہ لام کے بعد والا الف مفخم ہی ہونا چاہیئے۔

فائدہ:۔ سوال ہوتا ہے کہ لفظ اَللّٰہُ دو لاموں کے ساتھ کیوں لکھا گیا؟ حالانکہ اَلَّذِیْ، اَلَّتِیْ کو ایک ہی لام کے ساتھ لکھا گیا ہے، جواب یہ ہے کہ معرب اور مبنی میں تفریق و امتیاز کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ اسم الجلالہ میں لام کے بعد الف کیوں نہیں لکھا گیا؟ جواب دیا گیا ہے کہ مرسوم میں تاکہ لفظ لَاہٗ کے ساتھ التباس نہ ہو، جو لَہَا یَلْہُوْ سے اسم فاعل کا صیغہ بمعنی غافل ہے۔ اور علماء رسم کے نزدیک الف تخفیفًا محذوف الرسم ہے[۱]۔

فائدہ: کلام عرب میں لام اسم الجلالہ سے زیادہ کسی بھی لام بلکہ کسی بھی حرف میں تفخیم ظاہر نہیں ہوتی یہ تفخیم و اجلال کے ارادہ پر مبنی ہے[۲]۔

بَابُ الْاِسْتِعْلَاءِ وَالْاِطْبَاقِ وَغَيْرِهِمَا

استعلاء و اطباق وغیرہ کا بیان

لام و راء کی عارضی تفخیم کے بیان سے فارغ ہو کر دائمی تفخیم والے حروف کو بیان فرماتے ہیں، تاکہ دونوں تفخیموں میں فرق واضح ہو جائے۔ ضمناً کچھ اور باتیں بھی بیان کریں گے۔

ش۵۱ وَحَرْفَ الِاسْتِعْلَاءِ فَخِّمْ وَاخْصُصَا   اَلْاِطْبَاقَ اَقْوٰى نَحْوُ قَالَ وَالْعَصَا

ت اور حروفِ مستعلیہ کو پُر پڑھو۔ اور حروفِ مطبقہ کو زیادہ قوی تفخیم کے ساتھ خاص کرو جیسے قَالَ اور عَصَا

ل وَاخْصُصَا اصل میں وَاخْصُصَنْ صیغۂ امر واحد مذکر حاضر بانون خفیفہ ہے، حالتِ وقف میں رسم کے مطابق نون خفیفہ کو الف سے بدل دینا جائز ہے۔ اَلْاِطْبَاقَ، میں اطباق کے ہمزہ کا کسرہ نقل کر کے لام تعریف کو دیا گیا اور ہمزہ حذف کر دیا گیا۔ نقل حرکت کے بعد والّلام کو ابتدا میں مع ہمزۂ وصلیہ کے اور بغیر ہمزۂ وصلیہ کے دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے، یہاں بغیر ہمزۂ وصلیہ کے لام مکسورہ سے ابتدا کر کے پڑھنا چاہیئے، چنانچہ الْاُمَرَا سَ مِنَ الْیُسْرَا وُهُنَا ھَا میں بھی یہی

۱ نہایۃ القول المفید۔ ۲ جہد المقل ص ۱۱۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صورت مذکورہو چکی ہے۔ نیز اَلْاِسْتِعْلَاءِ میں لام تعریف کے ماقبل اور مابعد دو ہمزۂ وصل تھے جو درج کلام میں ساقط ہوئے۔ لام تعریف اور سین میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے لام کو کسرہ دیا گیا۔ فَخِّمْ فعل با فاعل، اور حَرْفَ الْاِسْتِعْلَاءِ مفعول بہ مقدّم۔ اور حَرْفُ کو مرفوع پڑھتے ہوئے مبتدا، اور فخّم کو خبر بنانا خلاف فصاحت اور خلاف ظاہر ہے۔ اَقْوٰی موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی بِتَفْخِیْمٍ اَقْوٰی، اقوی کا مفضّل علیہ محذوف ہے یعنی اقوی مِنْ غَیْرِ الْمُطْبَقَۃِ نَحْوُ قَالَ وَالْعَصَا مبتدا محذوف مِثَالُہٗ کی خبر ہے لہذا نحو کو مرفوع پڑھنا چاہیئے۔ ہمارے خیال میں اگر اَقْوٰی[1] کو الاطباقَ سے حال قرار دیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ح یعنی سات حروف مستعلیہ (خص ضغط قظ) کو جن کا باب صفات لازمہ میں ذکر آ چکا ہے مُفخّم پڑھنا چاہیئے کیونکہ تفخیم ان کی ذاتی اور لازمی صفت ہے جو ہر حال میں پائی جائے گی، اور ان سات میں سے وہ حروف جو مطبقہ بھی ہیں یعنی ص ض، ط، ظ، ان میں صفت استعلاء کے علاوہ صفت اطباق بھی ہے تو ان کی تفخیم مستعلیہ غیر مطبقہ (ق، خ غ) کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوگی، چنانچہ دو مثالیں دیں، ایک مستعلیہ غیر مطبقہ کی یعنی قَالَ اور ایک مستعلیہ مطبقہ کی، یعنی عَصَا۔

اس شعر میں ناظم علیہ الرحمہ نے حروف مستعلیہ کی تفخیم پر زور دیا ہے، اور تفخیم کے دو مرتبے بیان فرمائے یعنی تفخیمِ قوی اور تفخیمِ اقوی، پہلی قسم کی تفخیم کا مطلب یہ ہوگا کہ ان حروف کی ادا میں جو صرف مستعلیہ ہیں اقصیٰ لسان کو تالو کی طرف بلند کرنا چاہیئے اور وسطِ لسان کو نیچے ہی رکھنا چاہیئے، اور دوسری قسم کی تفخیم کا مطلب ہوگا کہ حروف مستعلیہ مطبقہ کی ادا میں اقصٰی لسان کو تالو کی طرف بلند کرنے کے علاوہ وسطِ لسان کو بھی حنکِ اعلیٰ سے متصل کرنا چاہیئے، تاکہ کامل اور قوی تفخیم ادا ہو۔

ناظم رح کا قاف اور صاد کو مثالوں میں لانے سے ایک دقیق نکتہ کی طرف اشارہ ہے، نکتہ یہ ہے کہ قاف حروفِ مستعلیہ غیر مطبقہ میں سب سے زیادہ قوی ہے، اور صاد حروف مطبقہ میں سب سے زیادہ ضعیف ہے۔ گویا ناظم رح یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حرفِ مستعلیہ غیر مطبقہ خواہ کتنا ہی قوی ہو، حرف مطبقہ کے مقابلہ میں اس کی تفخیم ناقص ہی ہوگی خواہ وہ حرف مطبقہ اطباق والے حرفوں میں اضعف ہی کیوں نہ ہو۔

قولہ:- اَلْعَصَا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں اَلْعَصٰی یاء کے ساتھ ہے لیکن صحیح نہیں بالالف ہی ہونا چاہیئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں فَعَصٰی اور وَعَصٰی (بمعنی نافرمانی کرنا) ماضی کے صیغے ناقص یائی بیشک آئے ہیں لیکن الف لام کا مدخول اسم ہوتا ہے نہ کہ فعل لہذا صحیح نہیں اور قرآن میں عَصَا ناقص واوی بمعنی لاٹھی متعدد جگہ آیا ہے عَصَاكَ عَصَایَ، عَصَاكَ، عَصَاہُ تاہم اَلْعَصَا معرف باللام کہیں نہیں آیا ہے، لہذا بہتر ہے کہ الف لام استغراقی قرار دیا جائے

---

[1] رومی وقاری ۲ منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مثال میں تمام الفاظِ عصا کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیئے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ صاحبزادۂ ناظم نے الف لام کو عہد خارجی قرار دیتے ہوئے اِضْرِبْ بِعَصَاكَ کی طرف اشارہ مانا ہے، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ تخصیص کرتے ہوئے اسی ایک لفظ کی طرف اشارہ قرار دیا جائے بلکہ لام کو جنس واستغراق کے لئے قرار دیکر تمام الفاظ اس میں مدخول ماننے چاہئیں حتی کہ عصا بمعنی لاٹھی بھی اور عصٰی ماضی کے صیغے بھی اس میں داخل سمجھنے چاہئیں۔"

لیکن ہمارے خیال میں نہ صاحبزادہ ناظم کی تردید کی ضرورت ہے، اور نہ عَصٰی ماضی کے صیغے اس لفظ کے عموم میں داخل ہیں۔ کیونکہ صاحبزادۂ ناظم بِعَصَاكَ کے لفظِ مخصوص کو مراد نہیں لینا چاہتے ہیں بلکہ اَلْعَصَا کے الف لام کی توجیہ کرنا چاہتے ہیں، یعنی قرآن میں تو اَلْعَصَا نہیں ہے، لیکن ناظم نے الف لام سے بِعَصَاكَ وغیرہ لفظوں میں واقع ہونے والے لفظِ عَصَا کی اشارہ کرنے کے لئے الف لام عہد خارجی داخل کیا ہے۔

اور ملا علی قاری کا عَصٰی ماضی کے صیغوں کو بھی لام استغراقی کے عموم کے ماتحت داخل سمجھنا، ہمارے خیال میں غلط ہے، چنانچہ قاری خود ہی اَلْعَصٰی والے نسخہ کو غلط قرار دے رہے ہیں کہ فعل پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا پھر محض اس بنا پر کہ عَصَا (لاٹھی) اور عَصٰی (نافرمانی کی) تلفظ وسماعت میں دونوں ایک ہی ہیں لام تعریف کے استغراق میں فعل ماضی کیسے مدخول ہو سکتا ہے، جبکہ لام تعریف کا مدخول صرف اسماء ہی ہو سکتے ہیں۔

نوٹ:۔ یاد ہوگا کہ ناظم علیہ الرحمۃ نے باب معرفۃ التجوید میں تجوید کی اہمیت پر کلام کیا تھا اور فرمایا تھا کہ ہر حرف کو اس کا حق (صفات لازمہ) اور مُسْتَحَق (صفات عارضہ) دینا ضروری ہے۔ ناظم نے اپنے اسی قول کی تفصیل وتشریح کے لئے (بابِ اِسْتِعْمَالِ الْحُرُوْف) میں حرفوں کی صحیح ادا پر زور دیا۔ چنانچہ وہاں حروفِ مستفلہ کی ترقیق پر زور دیا، اور حروفِ مستفلہ میں چونکہ لام وراء بھی داخل تھے تو ضمناً لام وراء کی تفخیم وترقیق پر کلام کیا اور لام وراء کے بیان سے فارغ ہو کر اب پھر باب استعمال الحروف کی طرف متوجہ ہو گئے، بس اتنا فرق ہے کہ وہاں حروفِ مستفلہ کی ترقیق کا حکم دیا گیا ہے یہاں سے حروف مستعلیہ اور مطبقہ کی تفخیم کا۔

ش۱۱۶ وَبَيِّنِ الْاِطْبَاقَ مِنْ اَحَطْتُ مَعْ بَسَطْتَ وَالْخُلْفُ بِنَخْلُقْكُمْ وَقَعْ

ت اور اَحَطْتُ اور بَسَطْتَ (وغیرہ) میں (طاء کی) صفت اطباق کو ظاہر کرو۔ اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں خُلف واقع ہوا ہے۔

ل بَيِّنْ صیغہ امر مخاطب اَلْاِطْبَاقَ اُس کا مفعول بہ مِنْ تبعیض کے لئے اَلْاِطْبَاق سے متعلق ہے یعنی بَيِّنْ

سلہ منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حُرُوْفَ الْاِطْبَاقِ الَّتِیْ هِیَ بَعْضٌ مِّنْ حُرُوْفِ اَحَطْتُّ ۔ مَعَ ، کائنًا کے متعلق ہوکر اَحَطْتُّ سے حال ہے. (رومی)، یا مِنْ جارّہ اپنے مجرور سے مل کر اَلْاِطْبَاقَ کی صفت ہے یعنی بَیِّنِ الْاِطْبَاقَ الْکَائِنَ مِنْ اَحَطْتُّ۔

ح۔ شعر میں ۲ دو مسئلے بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ طاءِ ساکنہ کا تا میں ادغام ناتمام ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ حرف طاء کی صفت استعلاء و اطباق باقی رہیں گی اور ادغام کی وجہ سے مُدغم یعنی طاءِ ساکن میں قلقلہ نہیں ہوگا، دوسرا مسئلہ یہ کہ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ (مرسلات) کے قاف کا کاف میں ادغام تام اور ناقص دونوں جائز ہیں اور اس میں خُلف واقع ہوا ہے۔

ط اور تا متجانسین ہیں، اسی شدتِ قرب کی وجہ سے دونوں میں باہم ادغام واجب ہے مگر ادغام ناتمام ہوگا کیونکہ طاء میں صفت استعلاء و اطباق وجہر قوی صفتیں ہیں، اور قوی صفتوں کی وجہ سے طاء قوی اور تا ضعیف ہے جس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ادغام نہ ہو کیونکہ قوی کا ضعیف میں ادغام نہیں ہوتا مگر دونوں کا ہم مخرج ہونا باہمی شدید تعلق کی علامت ہے، لہٰذا دونوں تقاضوں پر عمل کیا گیا کہ ادغام کیا گیا، اور طاء کی صفت استعلاء و اطباق کو باقی رکھا گیا اسی لئے ناظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طا کے اطباق کو واضح کرو، اور استعلاء کا ذکر اس لئے نہیں کیا، کہ اطباق کو استعلاء لازم ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے

طاءِ ساکنہ کے بعد تا کا وقوع تمام قرآن میں چار جگہ ہے ناظم نے بطور مثال دو کلمے ذکر کئے اور باقی دو کو انہیں پر قیاس کر کے سمجھ لینے کے لئے چھوڑ دیا وہ چار کلمے یہ ہیں لَئِنْ بَسَطْتَّ (مائدہ) مَا فَرَّطْتُّمْ (یوسف) اَحَطْتُّ (نمل) فَرَّطْتُّ (زمر)، چونکہ طاء قوی اور تا ضعیف ہے اسی لئے تاء کا طاء میں ہر جگہ ادغام تام ہی ہوتا ہے جیسے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ وغیرہ

جمہور علماءِ تجوید فرماتے ہیں کہ طاء ساکنہ کا تاء میں ادغام ناقص ہے اور اس کے برعکس تاء ساکنہ کا طاء میں ادغام کامل ہے[1]۔ اس کی نظیر نون ساکنہ کا یاء اور واؤ میں ادغام ناقص یعنی مع بقاءِ غُنّہ ہے اور بعض اہل ادا کی یہ رائے کہ طاء کا تاء میں ادغام ہے ہی نہیں بلکہ یہ اخفاء ہے، کیونکہ طاء میں صفت اطباق کا باقی رہنا یہ ادغام کے منافی ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ تو یہ ادغام ہی مگر کامل نہیں ہے[2]۔ واضح ہو کہ رومی نے اور ان کی اتباع میں ملا علی قاری نے فرمایا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ ادغام محض ہے اور نہ اظہار محض بلکہ ان کے درمیان ایک حالت ہے، لہٰذا یہ اخفاء کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ بہرحال ادغام تام با جماع نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ۔ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ (مرسلات) میں قاف کا جو کاف میں ادغام ہے صفتِ استعلاء کے بغیر کیا ادغام کامل ہے یا قاف میں صفتِ استعلاء کی قوت اور کاف میں صفت استفال کے ضعف کی وجہ سے ادغام ناقص ہے؟ دانی رحمہ اللہ اور ایک جماعت کی رائے میں ادغام کامل ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، اور مکی رحمہ اللہ کی رائے میں ادغام ناقص ہے بہرحال دونوں پر عمل ہے جیسا کہ نشر میں بیان کیا گیا ہے، نَخْلُقْكُّمْ میں خُلف واقع ہونے کا یہی مطلب ہے[3]۔

ناظم رحمہ اللہ نے نشر میں ادغام کامل کو روایت کے اعتبار سے زیادہ صحیح اور قیاس کے لحاظ سے زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اسی لئے غالبًا علامہ شاطبی نے اس خُلف کو شاطبیہ میں بیان نہیں کیا۔ اور علامہ جزری کے قیاس کی رُو سے ادغام کامل کو زیادہ بہتر

---

[1] منح الفکریہ [2] شرح طیبۃ النشر لابن الناظم ص ۳۹ [3] ایضًا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمانے کا یہ مطلب ہے کہ سوسی کے یہاں جہاں بھی قاف کا کاف میں ادغام کبیر ہوا ہے ادغام کامل ہی ہوا ہے ناقص صحیح نہیں حالانکہ مثلاً خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ میں دو کلموں میں ادغام ہے اور مدغم متحرک بھی ہے تو ایک کلمہ میں اور مدغم کے ساکن ہونے کے وقت جیسا کہ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں ہے بدرجہ اولیٰ ادغام تام ہونا چاہیئے بہرحال اَلَمْ نَخْلُقكُّمْ میں اظہار کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے[1]۔

ادغام تام یا ناقص کا اختلاف اَلَمْ نَخْلُقكُّمْ میں ہی ہوا اور بَسَطْتَّ وغیرہ میں نہیں ہوا اس کی یہ وجہ ہے کہ طار میں صفت اطباق زیادہ قوی ہے اور قاف میں استعلار اس قدر قوی نہیں ہے[2]،

اس شعر میں ناظم نے جو ۲ دو مسئلے بیان فرمائے ہیں یہ قراءِ عشرہ میں اجماعی ہیں البتہ سوسی کے لئے اَلَمْ نَخْلُقكُّمْ میں صرف ادغام تام ہے[3]

فائدہ: ادغام کی دو قسمیں ہیں تام، ناقص۔ تام یہ ہے کہ پہلے حرف کو دوسرے میں ذات اور صفت دونوں کے اعتبار سے داخل کرنا یعنی مدغم کو مدغم سے پوری طرح بدلدینا جیسے تار کا ادغام طار میں اور ناقص یہ کہ حرف اول کو ثانی میں ذات کے اعتبار سے ملانا اور تمام صفات کے اعتبار سے نہ ملانا بلکہ کچھ صفات باقی رہنے دینا۔

جن حرفوں کا ادغام ناقص ہوا ہے وہ تین ۳ ہیں،

۱۔ طاءِ ساکنہ کا تار میں جیسے بَسَطْتَّ ۔ یہ ادغام چار جگہ ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، اور ناتمام ہی واجب ہے یعنی طار کی صفت، استعلاءٔ اطباق باقی رکھ کر ادغام ہوگا۔

۲۔ قاف ساکنہ کا، کاف میں جیسے اَلَمْ نَخْلُقكُّمْ، یہ صرف اِسی ایک جگہ ہے۔ اور بطور جواز ہے ورنہ ادغام تام بہتر ہے،

۳۔ نون ساکنہ کا واؤ، یار اور بقول بعض میم میں بھی۔ جہاں بھی ہوا ادغام ناقص ہوگا۔ یعنی نون کی صفت غُنّہ کو باقی رکھ کر ادغام کیا جائے گا۔

فائدہ: ادغام ناقص عملاً تو کوئی مشکل نہیں، مگر اس پر منطقی اعتبار سے ایک زبردست اشکال ہے۔ وہ یہ کہ اس ادغام میں مُدغم اپنی ذات کے اعتبار سے تو مُدغم فیہ سے بدل جاتا ہے مگر اس کی کچھ صفتیں باقی رہ جاتی ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ صفت بغیر موصوف کے یا حال بغیر محل کے پایا جاتا ہے، اَحَطْتُّ میں مثلاً اطباق تو ہے مگر مُطبَق (طار) نہیں ہے۔ اَلَمْ نَخْلُقكُمْ میں ادغام ناقص کیا جائے۔ تو استعلار تو پایا جائے گا، مگر مستعلیہ (قاف) نہ ہوگا۔ اسی طرح مثلاً مِنْ وَّال میں صفتِ غنہ تو ہے مگر محل غنہ یعنی نون نہیں ہے۔

حالانکہ صفات اَعْرَاض ہوتی ہیں اُن کا اپنے معروض یعنی حروف کے بغیر پایا جانا خلاف عقل ہے۔

یہ اشکال علامہ ابن حاجبؒ نے اٹھایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں "طار کے ادغام کے ساتھ اس کی صفتِ اطباق کے باقی

---

[1] [2] منح الفکریہ۔ و نشر ص ۱۹/۲ ج [3] البدور الزاهره فی القراءات العشره لعبدالفتاح القاضی ص ۳۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ربۃ کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ دو طاء ہیں ایک وہ طاء جو تاء میں مدغم ہوئی، دوسری وہ جس کے ساتھ یہ صفت اطباق قائم ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اجتماع ساکنین علی غیر حدہ لازم آتا ہے۔

علامہ موصوف نے مذکورہ اشکال کا پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ طاء کا تاء میں درحقیقت ادغام ہونا ہی نہیں بلکہ ادغام بولنا مجازاً ہے حقیقت یہ ہے کہ طاء اور تاء میں چونکہ تقارب شدید تھا اور طاء کے بعد تاء کا تلفظ اس طرح ممکن تھا کہ طاء میں نوک زبان کو ثنایا علیا کی جڑ سے ہٹائے بغیر تاء ادا کر دی جائے۔ بس اس طرح کی ادائیگی کو ہی مجازاً ادغام کہہ دیا گیا، ورنہ حقیقت میں ادغام نہیں بلکہ اظہار ہے طاء کے بعد تاء یہ تلفظ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مثل کے بعد اس کے مثل کا تلفظ کیا جائے۔"[1]

اور غنہ کا جواب دیتے ہوئے علامہ موصوف نے فرمایا کہ اطباق اور غنہ میں فرق ہے، غنہ نون پر موقوف نہیں، کیونکہ دونوں کے مخرج جدا جدا ہیں، نون کا مخرج منہ میں ہے اور غنہ کا خیشوم میں۔

لہٰذا ادغام مع الغنہ میں کوئی اشکال نہیں کہ ادغام کی وجہ سے نون کی ذات بیشک مدغم فیہ میں فنا ہوگئی، مگر اس کی صفت غنہ خیشوم سے ادا ہو رہی ہے جس کا ادا ہونا بقاء ذات نون پر موقوف نہیں۔ بخلاف اطباق کے کہ اس کا اخراج حرف مطبق ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔"[2]

شارح رومی نے اپنی شرح میں مذکورہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بَسَطْتَّ وغیرہ میں تاء مشددہ سے پہلے طاء مدغمہ کے علاوہ ایک طاء اور زائد ہے جس کے ساتھ یہ صفت اطباق و استعلاء قائم ہیں۔"

ملا علی قاریؒ نے رومی کی اس رائے کا نہایت سختی سے رد کیا ہے کہ نہ یہ ہم نے کسی کتاب میں پڑھا اور نہ ہی کبھی اپنے مشائخ واساتذہ سے سنا یہ بالکل انوکھی تحقیق ہے اور اس کا منشا ابن حاجب کا وہ کلام ہے جس کو اوپر بیان کیا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ رومی کا یہ سوء فہم ہے۔

مزید شارح رومی یہ فرماتے ہیں کہ طاء کا تاء میں جو ادغام ناقص ہے اس میں تو تاء مشددہ سے پہلے ایک اور طاء ہے جس کے ساتھ صفت اطباق قائم ہے مگر اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں ادغام ناقص کی صورت میں کاف مشددہ سے پہلے مزید ایک قاف کو جس کے ساتھ صفت استعلاء قائم ہو، فرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ طاء اور تاء متحد المخرج ہیں اور قاف اور کاف متحد المخرج نہیں اور مخرج و صفت میں تخالف کی وجہ سے قاف مدغم پر صفت استعلاء کی زیادتی سے یہ لازم نہیں آتا کہ قاف بعینہٖ کاف ہو۔" گویا قاف کا کاف میں ادغام بھی ہے اور مخرج مختلف ہونے کی وجہ سے قاف فی الجملہ اپنے مخرج میں مستقلاً پایا بھی جا رہا ہے جس کے ساتھ یہ صفت استعلاء قائم ہے، لہٰذا صفت استعلاء کا موصوف مزید کسی قاف کو فرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور طاء و تاء میں چونکہ مخرج متحد ہے تو ادغام ناقص کی صورت میں اطباق کا موصوف یہ مزید ایک طاء فرض کرنی چاہیئے۔

شارح رومیؒ نے اپنا یہ جواب بڑے زور سے اٹھایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

فلنذکر ما خطر بالخاطر الفاتر من غیر	ہمیں وہ بات کہہ ڈالنا چاہیئے جو ہمارے بے قرار دل

---

[1] جہد المقل وحاشیہ بروی [2] منح الفکریہ ص۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رجوعٍ الی شئٍ من الدفاتر والموجوّ من الملکِ الوھاب ان یجعل ذلک جاریًا علٰی سنن الصواب۔ اھ

میں گذر رہی ہے اور کتابوں کے دفتروں کی طرف مُراجعت کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس جواب کو صحیح راہوں پر جاری فرمادے گا۔

ناظرین کو اس تمام بحث سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ایک چھوٹا سا اشکال پیدا ہوا، مگر اس نے بڑوں بڑوں کو ہلا دیا، ابن حاجب ادغام ناقص ہی کے مُنکر ہو گئے، رومی نے مزید ایک طاء فرض کی۔ ملا علی قاری رح نے اس اشکال کا کوئی حل پیش نہیں کیا، بجز اس کے کہ یہ کہا کہ طاء کا تا، میں نہ ادغام ہے اور نہ اظہار بلکہ اخفاء ہے۔ حاصل یہ کہ یا ادغام ناقص کا انکار ہے یا کوئی جواب نہیں، شارح رومی نے جس زور سے ادغام ناقص مانتے ہوئے، جواب دینے کی کوشش کی تھی۔ اتنی ہی شدت کے ساتھ ملا علی قاری نے اُس کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جمہور کے اس دعوی کا کیا بنے گا کہ طاء کا تا میں ادغام ناقص ہے؟ ہمارے خیال میں تو یہی اسلم راستہ ہے کہ اس کو اخفاء سے تعبیر کیا جائے، کیونکہ اخفاء میں حرف کا ستر ہوتا ہے اعدام نہیں ہوتا اور ادغام میں حرف کی ذات کا اعدام ہوتا ہے۔ لہذا کہنا چاہیئے کہ بَسَطْتَّ میں طاء مُخفاۃ ہے یعنی طاء کی ذات کا کچھ حصہ باقی ہے اور اسی کے ساتھ صفتِ اطباق قائم ہے۔ اور یہی جواب اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ کے ادغام ناقص کی صورت میں بھی اختیار کرنا چاہیئے۔

ناظم رح کا یہ شعر ۔ وَبَيِّنِ الاطباق، الخ ادغام کے بیان سے پہلے کیوں آیا ؟ اس کا صحیح مقام تو ادغام کے بیان کے بعد تھا۔ غور فرمائیے، کہیں اس سے یہ تو نتیجہ نہیں نکلتا کہ ناظم رح واللہ اعلم ان لفظوں میں ادغام کے قائل ہی نہیں، بلکہ اس کو اخفاء قرار دیتے ہیں۔ ؟

البتہ ابن حاجب کی طرح اظہار کے قائل نہیں ورنہ وَبَيِّنِ الْاِطْبَاقَ نہ فرماتے بلکہ وَبَيِّنْ حَرْفَ الطاء فرماتے، صرف اطباق کو ظاہر کر کے پڑھنے کو فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ طاء کے جہر اور قلقلہ کو ظاہر کر کے نہیں پڑھنا چاہیئے گویا من وجہٍ اظہار ہے اور من وجہٍ ادغام ہے۔ فَتَاَمَّلْ

علامہ مرعشی فرماتے ہیں کہ ادغام کا اطلاق اس جگہ مجازی ہوگا ورنہ حقیقت میں ادغام نہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر یہ اشکال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ بَسَطْتَّ وغیرہ میں تاء قدرے مشدد ہے اور تشدد ادغام ہی کی علامت[1] ہے۔

فائدہ ۔ بہر حال قراءِ کرام کا مذہب یہی ہے کہ بَسَطْتَّ وغیرہ کو طاء کی صفتِ اطباق باقی رکھ کر تلفظ کیا جائے۔ البتہ علامہ دانی فرماتے ہیں مذہب شاذ یہ بھی پایا گیا ہے کہ طاء کا تا میں ادغام تام کیا گیا ہے جس طرح خلف کے یہاں نون ساکن کا واؤ اور یاء میں ادغام تام ہوا ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بعض عرب تاء کو طاء سے بدلتے ہیں اور اَحَطُّ بولتے ہیں شریح کہتے ہیں کہ یہ کلامِ مخلوق میں تو ہو سکتا ہے لیکن کلامِ خالق میں ہرگز جائز نہیں۔

قاری فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طاء کو تاء سے بدلنا ثابت نہیں۔ مگر قاری کی یہ رائے صحیح نہیں، جیسا کہ علامہ دانی

---

[1] جہد المقل ص ۱۲۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے حوالے سے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ایک شاذ مذہب یہ بھی پایا گیا ہے۔[1]

---

۵۸ وَاحْرِصْ عَلَى السُّكُونِ فِي جَعَلْنَا   أَنْعَمْتَ وَالْمَغْضُوبِ مَعْ ضَلَلْنَا

ت اور اہتمام کرو جَعَلْنَا (کے لام) اَنْعَمْتَ (کے نون و میم) اور الْمَغْضُوبِ (کی غین) میں سکون (کامل کی ادائیگی) پر، مَعْ ضَلَلْنَا (کے لام ثانی کے سکون کی ادائیگی) کے۔

ل وَاحْرِصْ صیغۂ امر از باب ضَرَبَ و سَمِعَ (منجد) عَلَى السُّكُونِ متعلق اِحْرِصْ کے، اسی طرح فی جَعَلْنَا مع اپنے معطوفات کے اِحْرِصْ کے متعلق ہے اَنْعَمْتَ سے پہلے واو حرفِ عطف مقدر ہے۔ مَعْ ضَلَلْنَا مضاف و مضاف الیہ، کَائِنَۃً کے متعلق ہو کر فِیْ کے مجرورات سے حال ہے۔ اور لفظ مَعْ بسکونِ عین قبیلہ ربیعہ کی لغت ہے۔ ضَلَلْنَا بعض نسخوں میں ظَلَلْنَا بالظاء ہے، لیکن یہ نسخہ صحیح نہیں کیونکہ ظَلَلْنَا بالظاء و تخفیف لام قرآن میں نہیں۔ بلکہ فَظَلْتُمْ ہے۔

ح شعر کا مفہوم یہ ہے کہ ساکن حرفوں کے سکون کو پوری طرح اس طرح کامل ادا کرو کہ حرکت کی بو بھی نہ آنے پائے، ساکن حرف کو ہلا کر پڑھنا عموماً دو وجہ سے ہوتا ہے۔ (۱) ساکن حرف کے بعد کوئی ایسا حرف واقع ہو رہا ہو کہ اس ساکن حرف کے مخرج سے اُس کا مخرج بعید ہو۔ اس حالت میں مخرج کی دوری کی وجہ سے حرف ساکن کا سکون ہل جاتا ہے۔ چنانچہ لام ساکن یا نونِ ساکن کے بعد حرف حلقی آئے تو لام و نون کو بہت سے قراء، خصوصاً ہمارے معاصر اہل مصر ہلا کر پڑھتے ہیں۔ مثلاً اَنْعَمْتَ، اَلْحَمْدُ، مَنْ حَادَّ اللّٰہَ، قُلْ ھُوَ اللّٰہُ، فِی الْحَیٰوۃِ میں لام و نون کو ایک گونہ ہلاتے ہیں۔ بعید المخرج کی دوسری مثال الْمَغْضُوبِ ہے کہ غین ساکن کے بعد ضاد کا مخرج بعید ہونے کی وجہ سے بہت سے قراء سے سکون ہل جاتا ہے، اسی پر قیاس کر کے رَبِّ اشْرَحْ لِی، کَلَمْحِ الْبَصَرِ وغیرہ کو سمجھنا چاہیئے۔
(۲) حرف ساکن کے بعد اس کا کوئی متقارب آ جائے، جس میں اظہار ہوا ہو، اس وقت بھی عموماً سکون ہل جاتا ہے چنانچہ جَعَلْنَا، ضَلَلْنَا میں لام ساکن کے بعد نون اُس کا متقارب ہے جس میں ادغام نہیں ہے۔ اس حالت میں لام کے ہل جانے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لام کو ادا کر کے زبان کی نوک مخرج سے اٹھا کر دوبارہ نون کی ادائیگی میں تالو پر لگائی جاتی ہے، حالانکہ بغیر اٹھائے نون کو ادا کرنا چاہیئے۔ اسی طرح لام ساکن اور نون ساکن کے بعد حرف حلقی آئے تو لام و نون میں زبان کو تالو پر لگائے لگائے حرف حلقی کو نکالنے کی کوشش کرنی چاہیئے اس صورت میں سکون کامل ادا ہو گا۔

---

[1] جہد المقل ص ۱۲۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ ۔ قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صاحبزادۂ ناظمؒ نے اَنْتَهْتَ نے صرف نون کے سکون کو مراد لینے پر اکتفا کیا۔ اور اُن کی اتباع میں تمام شراح نے بھی سکونِ نون پر اکتفا کیا لیکن تعمیم کے ساتھ اگر میم کے سکون کو بھی شامل کیا جاتا تو بہتر ہے، ہاں اگر نون ساکن قبل از حروف حلقی کی تمثیل مقصود ہو تو پھر نون پر اکتفا کرنا صحیح ہے۔

فائدہ :۔ مصری شارح نے یہ صحیح فرمایا کہ سکونِ لام میں قلقلہ کر کے نہیں پڑھنا چاہیئے، ناظم اسی غلطی سے بچنے کی تاکید فرما رہے ہیں" مصری کے کلام میں قلقلہ سے لغوی معنی یعنی ہلانا مراد ہیں، اصطلاحی نہیں، ملا علی قاریؒ نے مصری کی تردید میں جو یہ فرمایا کہ لام حروف قلقلہ میں سے نہیں، کیونکہ قلقلہ کے پانچ حروف قطب جدٍ ہیں، لہذا مصری کا یہ قول وہم ذہول اور غفلت ہے۔" یہ تردید بجائے خود صحیح نہیں۔ کیونکہ مصری نے یہ نہیں کہا کہ لام حرف قلقلہ ہے، بلکہ بعض عجمیوں کا طریقہ لکھا ہے۔

ش۴۸ وَخَلِّصِ انْفِتَاحَ مَحْذُورًا عَسَى ۔۔۔ خَوْفَ اشْتِبَاهِهِ بِمَحْظُورًا عَصَى

ت اور مَحْذُورًا اور عَسَىٰ کے انفتاح کو خالص (ترقیق کے ساتھ) ادا کرو، ان کے مشتبہ ہو جانے کے ڈر سے مَحْظُورًا اور عَصَىٰ کے ساتھ۔

ل خَلِّصْ صیغۂ امر از تخلیص بمعنی کسی چیز کو ہر قسم کی آمیزش سے پاک رکھنا، یہاں تفخیم کی آمیزش سے بچانا اور پوری ترقیق سے ادا کرنا مراد ہے۔ مَحْذُورًا بمعنی خوفناک (کلمۂ قرآنی، اسراء ع ۶) عَسَىٰ قرآن میں متعدد جگہ ہے بمعنی قریب ہے لائق ہے۔ مَحْظُورًا (سورۂ اسراء ع ۲) بمعنی ممنوع عَصَىٰ (سورۂ طٰہٰ ع ۱۶ و مزمل ع ۱) بمعنی اس نے نافرمانی کی۔ خَلِّصْ فعل فاعل اِنْفِتَاحَ مضاف مفعولیت کی بنا پر منصوب مَحْذُورًا عَسَىٰ بتقدیر حرف عطف مضاف الیہ محلاً مجرور خَوْفَ اشْتِبَاهِهِ (مضاف و مضاف الیہ) مفعول اشْتِبَاهِهِ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ ضمیر کا مرجع كُلٌّ مِنْهُمَا یا اَلْحَرْفُ الْمُنْفَتِحُ یا مَا ذُكِرَ یا اِنْفِتَاحَ مصدر مضاف ہے مگر اس صورت میں بمحظوراً عصیٰ کی تقدیر ہوگی بِاِطْبَاقِ مَحْظُورًا عَصَىٰ۔

ح یعنی مُشابہ الصوت حروف میں امتیاز کرنا چاہیئے اور جو صفتِ مُمیّزہ ہو اس کو بطور خاص ادا کرنا چاہیئے ورنہ ایک حرف کا اپنے مشابہ سے بدل جانا لازم آئے گا جو لحن جلی ہے مثلاً مَحْذُورًا میں ذال مَحْظُورًا کے حرف ظا کا ہم مخرج اور مُشابہ صوت ہے تو ضروری ہے کہ ذال کی صفات ممیّزہ کو نمایاں کر کے ادا کیا جائے، صفاتِ ممیّزہ استفال و انفتاح ہیں، جیسا کہ ظا میں استعلاء و اطباق ہیں، لہذا جس طرح مَحْذُورًا کے ذال کو استفال و انفتاح کے ساتھ باریک ادا کرنا ضروری ہے تاکہ مَحْظُورًا سے مُشابہ نہ ہو جائے۔ اسی طرح مَحْظُورًا کی ظا کو استعلاء، اطباق کے ساتھ مفخم ادا

" مُحکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا چاہیئے تاکہ مَحْذُوْرًا کے ذال سے مُشابہ نہ ہوجائے۔ اسی طرح عَسٰی اور عَصٰی میں سین وصاد کی صفاتِ ممیزہ کو واضح کرنا ضروری ہے، تاکہ ایک دوسرے سے التباس نہ ہو، یہاں بھی سین میں استفال وانفتاح اور صاد میں استعلاء، واطباق صفاتِ ممیزہ ہیں۔

ناظمؒ نے مَحْذُوْرًا عَسٰی میں ذال وسین کی ترقیق کا حکم دیا تاکہ مَحْظُوْرًا عَصٰی کے ساتھ مشتبہ نہ ہو، اس کے برعکس مَحْظُوْرًا عَصٰی میں تفخیم کا حکم نہیں بیان کیا تاکہ مَحْذُوْرًا عَسٰی سے امتیاز ہوجائے حالانکہ مقصد یہی ہے کہ دونوں جانبوں میں سے ہر ایک کو ممتاز کرو۔ کیونکہ صفاتِ ضعیفہ کی ادائیگی میں تساہل زیادہ ہوتا ہے۔ بہرحال یہ دونوں لفظ بطور مثال ہیں، ورنہ ہر مشتبہ الصوت حرف کو ممتاز ادا کرنا یکساں ضروری ہے

شـ۹۹ وَرَاعِ شِدَّةً بِكَافٍ وَّبِتَا ... كَشِرْكِكُمْ وَتَتَوَفّٰى فِتْنَتَا

ت اور کاف وتاء میں صفتِ شدّت کی رعایت کرو جیسے شِرْكِكُمْ، تَتَوَفّٰى اور فِتْنَةً

ل رَاعِ صیغۂ امر از مراعات بمعنی حفاظت کرنا۔ بکاف وبتا یعنی شِدَّةً كَائِنَةً بِكَافٍ وَّبِتَا۔ كَائِنَةً یا تو شِدَّةً سے حال ہے یا صفت ہے۔ وبتا کے آخر سے حالت وقف میں ہمزہ الف سے بدل گیا ہے۔ (جیساکہ باب وقفِ حمزہ میں) کَشِرْکِکُمْ میں کاف حرف جر اور باقی تین کلمات محلاً مجرور ہیں۔

يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ (فاطر ع ۲) تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (نحل ع ۴ میں دوجگہ) جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ (عنکبوت ع ۱۳) ہمارے خیال میں یہ لفظ فِتْنَةَ منصوب بغیر تنوین جو قرآن میں صرف ایک جگہ ہے، وہی یہاں مراد ہے، جس کے آگے الف اطلاقی بڑھایا گیا ہے۔ اور فِتْنَةً منصوب منوّن جو انفال ع ۱۷ یونس ع ۸ اور اسراء ع ۶ وغیرہ میں متعدد جگہ آیا ہے وہ مراد نہیں۔ جیسا کہ ملا علی قاری وغیرہ شراح کی رائے ہے کیونکہ تنوین کا حذف یا اس کا الف سے ابدال لازم آتا ہے، حالانکہ دونوں صحیح نہیں، تاءِ تانیث کو نصب وتنوین کی حالت میں الف سے بدلنا صرف اس وقت صحیح ہے، جب کہ تاءِ تانیث کا قبل صحیح ساکن ہو[1] جیسے اُخْتًا بِنْتًا میں۔

ح یعنی حروف شدیدہ (اَجِدُكَ قَطَبْتَ) میں سے کاف اور تاء میں صفت شدت کو ادا کرنے کا خاص اہتمام ہونا چاہیئے، کیوں کہ ان دونوں میں مہموسہ ہونے کی وجہ سے باقی حروفِ شدیدہ کے مقابلہ میں ایک گونہ ضعف پایا جاتا ہے، بے خیالی میں پڑھتے ہوئے ایسا نہ ہو کہ یہ صفت شدّت بھی کہیں ڈگاگٹ اور کمزوری کی نذر ہوجائے اور یہ حروف رخوہ

---

[1] دیکھو الفیہ ابن مالک باب وقف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو جائیں، جیسا کہ بعض لوگ ڈھیلی آواز کے ساتھ جریانِ صوت کے ساتھ پڑھ دیتے ہیں، نیز بعض لوگوں میں یہ عیب بھی ہے کہ وہ ان حرفوں کے ساکن ہونے کی حالت میں صفت صفیر ادا کر کے مثل سین کے ادا کرتے ہیں[1]۔

ناظم علیہ الرحمۃ نے تین مثالوں میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ کلمہ میں کاف وتا اگر مکرر ہو جائیں تو خصوصیت اور مزید اہتمام کیساتھ ان میں صفت شدت کو ادا کرنا ضروری ہے جیسے تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ، مَنَاسِكَكُمْ، إِنَّكَ كُنْتَ، تَتَجَافَى، تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وغیرہ کیونکہ شدت کی رعایت کے ساتھ ایک ضعیف حرف یعنی مہموس کو تکرار کی حالت میں پڑھنا اور اس کو لطافت، باریکی اور اظہار کے ساتھ ادا کرنا کہ نہ ادغام ہو اور نہ تلفظ میں ھا کی آمیزش ہو، صعوبت و دشواری سے خالی نہیں چنانچہ بہت سے لوگ کاف وتا میں ھا کی آمیزش کر کے کھا، تھا پڑھتے ہیں۔ یوں تو ہر ایک ہی حرف کا مکرر، اظہار کے ساتھ پڑھنا دشوار ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ محمد مکی نے رعایہ میں اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ یہ ایسا ہے کہ ایک ساتھ دونوں قدم اٹھا کر آدمی دو تین قدم چلے اور پھر اسی طرح واپس ہو کر وہیں قدم رکھے جہاں سے اٹھائے تھے، لیکن کاف وتا میں تکرار کی حالت واقعی صعوبت سے خالی نہیں، یعنی ایک مرتبہ جس شدت کے ساتھ کاف وتا کو ادا کیا وہیں زبان کو دوبارہ لگا کر پھر اسی شدت وکیفیت سے ادا کیا جائے۔ حدر کی حالت میں بالخصوص زبان پر تکرار نہیں رہتا ہے۔ اور مختلف قسم کے عیوب پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔

فائدہ۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کتاب التمہید کی اس رائے پر اشکال کیا ہے کہ کاف وتا میں صفت شدت ادا نہ ہونے سے بسا اوقات سین کی صفت صفیر پیدا ہوتی ہے[2]۔ قاری فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے تا، دال سے بدل جاتی ہے، کیونکہ وہ تا کی ہم مخرج ہے لیکن صفت شدت ادا ہونے سے تا، دال کیسے بن سکتی ہے، دال بھی تو شدیدہ ہے دوسرے یہ کہ حرف غلط پڑھنے میں کوئی اصول نہیں ہوتا، علامہ جزری نے جن عیوب پر متنبہ کیا ہے وہ ان کے بہترین تجربات کا آئینہ دار ہے، پہلے ہمیں بھی یہ بات بے جوڑ نظر آیا کرتی تھی کہ کاف وتا، کو سین سے کون بدلتا ہوگا، لیکن پڑھاتے وقت ایسے متعدد طلبہ سننے میں آئے کہ کاف وتا، ساکنہ میں صفیر نکالتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ حروف کی ادائیگی کے عیوب عقل سے نہیں بلکہ تجربات کی روشنی میں دریافت ہوتے ہیں، سچ ہے۔ سَلِ الْمُجَرِّبَ وَلَا تَسْئَلِ الْحَكِيمَ۔

بَابُ الْإِدْغَامِ

ادغام کا بیان

ش ۵ وَأَوَّلَىْ مِثْلٍ وَجِنْسٍ إِنْ سَكَنْ   أَدْغِمْ كَقُلْ رَبِّ وَبَلْ لَا وَأَبِنْ

ت اور متماثلین ومتجانسین کے حروف اگر ساکن ہوں تو ان کا ادغام کرو جیسے قُلْ رَّبِّ اور بَلْ لَّا۔ اور اظہار کرو۔۔۔۔

---

[1] اسی لئے سیبویہ نے کاف وتا میں سکون کے وقت قلقلہ کہا ہے تاکہ سین سے ابدال نہ ہو اور شدت کی رعایت ہو جائے۔ تمہید۔

[2] یہ صرف تمہید ہی میں نہیں بلکہ نشر میں بھی ہے، فرماتے ہیں (والتاء) يتحفظ بما فيها من الشدة لئلا تصير رخوة كما ينطق به بعض الناس وربما جعلت سينًا لا سيما إذا كانت ساكنة۔ نشر ج۱ ص۲۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ش۵۱ فِی یَوْمٍ مَعْ قَالُوْا وَهُمْ وَقُلْ نَعَمْ سَبِّحْهُ لَا تُزِغْ قُلُوْبَ فَالْتَقَمْ

فِی یَوْمٍ میں مَعْ قَالُوْا وَهُمْ اور قُلْ نَعَمْ اور سَبِّحْهُ اور لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اور فَالْتَقَمَہُ کے ۔

ل اَوَّلَیْ مضاف، اصل میں اَوَّلَیْنِ تھا، اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ حذف ہوگیا مِثْلٍ وَّجِنْسٍ مضاف الیہ۔ مضافین سے مل کر اَدْغِمْ کا مفعول بہ مقدم اِنْ سَکَنْ ضمیر فاعل اَوَّلْ کی طرف راجع ہے جو اَوَّلَیْ سے مفہوم ہوتا ہے، فعل و فاعل مل کر شرط اور اَدْغِمْ مع فاعل و مفعول بہ کے جزا۔ وَاَبِنْ عطف ہے اَدْغِمْ پر، اَبِنْ صیغہ امر مخاطب اِبَانَۃٌ بمعنی اظہار سے فِیْ یَوْمٍ رعایت وزن بیت کے لئے بغیر تنوین کے اَبِنْ کا مفعول فیہ یعنی فِیْ یَوْمٍ، مَعْ ظرف، مضاف قَالُوْا وَهُمْ الی آخرہ تمام کلمات محلاً مضاف الیہ، حرف عطف تخفیفاً محذوف ہے۔ مضاف و مضاف الیہ مل کر کَائِنًا کے متعلق ہوکر فِیْ یَوْمٍ سے حال۔ مِثْلٍ لغت میں بمعنی شِبْہٌ، مراد متماثلین ہیں، یعنی وہ دو حرف جو مخرجاً و صفۃً ایک ہوں۔ وَجِنْسٍ بمعنی قسم شئی، مراد متجانسین ہیں، یعنی وہ دو حرف جو مخرجاً متحد ہوں صفتاً مختلف ہوں، یا وہ دو حرف جو صفۃً متحد ہوں اور مخرجاً مختلف ہوں۔[1]

اَدْغِمْ صیغہ امر مخاطب ادغام سے، ادغام کے لغوی معنی کسی چیز کو کسی چیز میں داخل کرنا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ع وَاَدْغَمْتِ فِیْ قَلْبِیْ مِنَ الْحُبِّ شُعْلَۃً (تو نے میرے دل میں محبت کی چنگاری داخل کر دی ہے۔) کذا فی الصحاح۔ اصطلاح میں تعریف ہے کہ دو حرفوں میں سے پہلے کو دوسرے میں اسطرح داخل کر کے پڑھنا کہ وہ ایک حرف مشدد ہو جائے۔
شارح رومی نے فرمایا کہ دونوں کو ایک حرف مشدد پڑھنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ آواز کو حیز میں قوت کے ساتھ روکا جائے، اور تشدید کا آنا حرف مدغم کے عوض نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ تلفظ میں ایک استقلال پیدا ہو جائے۔ اور اِلْاِبَانَۃُ جس سے اَبِنْ آیا ہے، کے لغوی معنی ظاہر کرنا اور اصطلاح میں ادغام کی ضد ہے، یعنی اِخْرَاجُ حَرْفٍ کَمَا تَقْتَضِیْ ذَاتُہٗ وَصِفَاتُہٗ حرف کو اس کے مخرج سے مع جمیع صفات کے ادا کرنا۔
شارح رومی کا اَوَّلَیْ مِثْلٍ وَجِنْسٍ کو مبتدا قرار دینا غلط ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ح واضح رہے کہ حروف میں اظہار اصل ہے، کیونکہ وہ کسی سبب پر موقوف نہیں، اسی لئے اب تک اظہار ہی کا بیان ہوتا رہا اور وہی مقدم رکھا گیا، اس کے بعد اب ادغام کا بیان شروع ہے، ناظم رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا دو شعروں میں مختصر مگر جامع طریقہ سے ادغام کا محل (مثلین و متجانسین) ادغام کی شرط اور ادغام کے موانع بیان فرمائے ہیں، اس مختصر بیان میں صرف اُن مسائل سے بحث مقصود ہے جو متفق علیہ ہیں اور متداول ہیں۔ کیونکہ یہ رسالہ کسی مخصوص قراءت یا روایت کے لئے نہیں لکھا گیا، بلکہ متداول، کثیر الوقوع اور متفق علیہ مسائل کے لئے لکھا گیا ہے، ہمارا متفق علیہ کہنا بھی تقریبی قول ہے، ورنہ ۔

---

[1] جہد المقل ص ۱۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا، اختلاف پھر بھی کہیں کہیں موجود ہے۔

ادغام کی تعریف

اَلْاِدْغَامُ ھُوَ اللَّفْظُ بِحَرْفَیْنِ حَرْفًا کَالثَّانِیْ مُشَدَّدًا۔[1]	ادغام یہ ہے کہ دو حرفوں کو دوسرے حرف کی طرح ایک مشدّد حرف پڑھنا

بعض نے یہ تعریف کی ہے

ایصالُ حرفٍ ساکنٍ بحرفٍ متحرکٍ بحیثُ یصیران حرفاً واحداً مشدداً یرتفعُ اللسان عنه ارتفاعةً واحدةً[2]	ساکن حرف کو متحرک حرف کے ساتھ اس طرح ملاکر پڑھنا کہ وہ دونوں ایک ایسا مشدد حرف ہو جائیں کہ جن کی ادا میں زبان ایک ہی دفعہ اٹھے۔

ان دونوں تعریفوں میں تفصیل و اجمال کا فرق ہے ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے۔

شرطِ ادغام (۱) ادغام صغیر جس کا یہاں بیان مقصود ہے، اس کی شرط ہے کہ پہلا حرف یعنی مُدغم ساکن ہو ناظم رحمہ اللہ نے اِنْ سَکَنَ میں یہی شرط بیان فرمائی ہے۔ یہ شرطِ وجودی ہوئی۔ اور ۲ دو شرطیں عدمی ہیں، جن کی طرف پہلے شعر کے آخر وَاَبِنْ فِیْ یَوْمِ الخ سے دوسرے شعر کے ختم تک اشارہ فرمایا ہے۔

(۲) حاصل یہ ہے کہ مثلین کا پہلا حرف، حرفِ مدہ نہ ہو جیسے فِیْ یَوْمٍ، اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ قَالُوْا وَھُمْ، اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا، سُبْحٰنَہٗ، اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ۔

تاکہ ادغام کی وجہ سے مد فوت نہ ہو، اس قسم کے مد کو علماء تجوید مدّ تمکین کہتے ہیں، تمکین کا یہ مطلب ہے کہ قاری پر واجب ہے کہ واؤ یا یاء دونوں کے درمیان مدّ طبعی کی مقدار کے مطابق لطیف مد کرے تاکہ ادغام یا اسقاط سے حفاظت ہو جائے، چنانچہ ابوعلی اہوازی نے اس قسم میں اظہار کے واجب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔[3]

لیکن یہ اظہار اسی وقت ہے جب یہ واوین یا یاءین دو کلموں میں جمع ہوں ایک کلمہ میں ہوں تو ادغام ہوگا جیسے امام حمزہ کے یہاں قُرُوْٓءٍ اور اَلنَّبِیْٓءُ وقف کے وقت ہمزہ کو ماقبل حرفِ مد کی جنس سے بدل کر ادغام کیا جائے گا۔ اسی طرح وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا میں یاء مدہ کا اپنے مثل میں ادغام ہوا ہے، اصل میں یَا بَنِیْنَ ی تھا نونِ جمع اضافت کی وجہ سے حذف ہوا پھر یاء کا یاء میں ادغام ہوا ایسے ہی بِمُصْرِخِیَّ ہیں۔ یہ ادغام شدّتِ قرب کی وجہ سے ہوا ہے۔

البتہ یاءِ لین اور واوِ لین کا اپنے مثل میں باجماع ادغام ہوگا جیسے لَدَیَّ[4] اور عَصَوْا وَّکَانُوْا

قرآن مجید میں یاء لینہ کے بعد یاء، دو کلموں میں نہیں پائی جاتی۔ اگر پائی جاتی تو ضرور ادغام ہوتا جیسے رَاَیْتُ غُلَامَیْ یُوْسُفَ

---

[1] دیکھو نشر ص ۲۷۴/۱۳، ارشاد المرید للضباع ص ۶، اتقان للسیوطی ص ۹۴/۱۴ [2] شیخ الاسلام زکریا انصاری۔ شیخ سمنودی علی الدرۃ۔ نہایۃ القول المفید ص ۹۸ تقریب النفع للضباع ص ۱۷۱ وغیرہم [3] ص ۳ و [4] نہایۃ القول المفید ص ۵ شرح الطیبۃ لابن الجزری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلیل کے مذہب پر واو مدّہ اور یاءِ مدّہ کے اپنے مماثل میں مدغم نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مدّیت کی حالت میں واؤ اور یاء کا مخرج جوفِ دہن ہوتا ہے اور اظہار کی وجہ اختلاف مخرج ہے گویا اجتماع مثلین کی صورت ہی نہیں ہے۔ اور واوِ لین وا و متحرکہ کی اسی طرح یاءِ لین یاءِ متحرکہ کی ہم مخرج ہے اس لئے مثلین میں ادغام ہوا ہے۔ اور جن لوگوں نے حروف مدّہ کے مدغم نہ ہونے کی وجہ محافظت علی المدبیان کی ہے ان کا مطلب بھی یہی ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ متجانسین یا متقاربین کا پہلا حرف، حرفِ حلقی نہ ہو جیسے سَبِّحْهُ، اَبْلِغْهُ مَامَنَهٗ، فَاصْفَحْ عَنْهُمْ اَفْرِغْ عَلَيْنَا، لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا کیونکہ حروفِ حلقیہ صعوبت ادا کی وجہ سے ادغام سے بعید قرار دیئے گئے ہیں۔

نوٹ:۔ شعر میں مذکور باقی ممنوع الادغام کلمات کا ذکر عن قریب آتا ہے۔

تشریح حاصل یہ کہ جب مثلین یا متجانسین اس طرح جمع ہوں کہ ان کے درمیان کوئی فاصل نہ ہو اور ان دونوں میں پہلا حرف ساکن ہو، تو ان میں سے پہلے کا دوسرے میں ادغام کر دو۔

مثلین وہ دو حرف کہلاتے ہیں کہ مخرج و صفت میں دونوں متفق ہوں یعنی ایک ہی حرف بعینہٖ مکرر ہو کر آئے مثلاً دو باء اور دو تاء اور دو دال جمع ہوں۔ اور متجانسین یہ کہ دو حرف مخرج میں متفق ہوں لیکن تمام صفات لازمہ میں یا بعض میں متغایر ہوں جیسے دال، تا اور طاء اسی طرح ذال، ظاء اور ثاء۔

مثلین کی مثالیں، فَاضْرِبْ بِّهٖ، رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ، قَدْ دَّخَلُوْا، اِذْ ذَّهَبَ قُلْ لَّهُمْ، وَهُمْ مِّنْ، عَنْ نَّفْسٍ، اَلَّا يَعُوْنَ يُدْرِكْكُّمْ، يُوَجِّهْهُ، بَلْ لَّا۔

متجانسین کی مثالیں۔ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ، اَثْقَلَتْ دَّعَوَا، قَدْ تَّبَيَّنَ، اِذْ ظَّلَمْتُمْ، بَلْ رَّانَ (بغیر سکتہ پڑھنے والوں کے لئے)، قُلْ رَّبِّ۔

نوٹ۔ ناظم علیہ الرحمہ کی بیان کردہ مثالوں میں لف و نشر غیر مرتب ہے، یعنی بیانِ ادغام میں مثلین کا ذکر مقدم اور متجانسین کا مؤخر ہے اور قُلْ رَّبِّ متجانسین کی مثال پہلے اور بَلْ لَّا مثلین کی مثال مؤخر ہے۔

سبب کے اعتبار سے ادغام کی تین قسمیں ہیں، حرفِ مکرر کا ادغام ادغامِ مثلین۔ متحد المخرج و مختلف الصفات حرفوں کا ادغام، ادغامِ متجانسین۔ اور قریب المخرج یا قریب الصفات یا قریب المخرج والصفات میں ادغام کو ادغامِ متقاربین کہتے ہیں جیسے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ، مِنْ مَّالٍ اور مِنْ لَّدُنْهُ بالترتیب ادغامِ متقاربین کی مثالیں ہیں۔ ادغام کی قسموں کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ناظم رحمہ نے ادغام متقاربین کو بیان نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ناظم رحمہ کا یہ رسالہ کسی خاص روایت کے مسائل کے لئے نہیں بلکہ متفق علیہ یا کثیر الوقوع قواعد کے لئے لکھا گیا ہے۔ اور ادغام متقاربین میں بڑا اختلاف ہے چنانچہ قَدْ ضَلَّ، اِذْ تَقُوْلُ، كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ، خَبَتْ زِدْ نٰهُمْ، بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ وغیرہ میں مختلف روایتوں میں ادغام و اظہار دونوں ہیں، اور جائز الادغام ہیں، باعتبار عربیت کے دال، ضاد، تاء ساکنہ اور ثاء، ذال اور تاء وغیرہ حروف متقاربین ہیں، اور جائز الادغام ہیں، لیکن قرآن شریف

ملے منح الفکریہ ملے منح الفکریہ و شیخ زکریا الانصاری والرومی ملے منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھنے والے کو صرف اس کی عربیت کی پابندی ہی لازم نہیں بلکہ قراءت و روایت کی پابندی بھی ضروری ہے ورنہ غلط ہوگا جو حرام ہے۔

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عربیت کے اعتبار سے ادغام کی دو قسمیں ہیں واجب الادغام[1] جائز الادغام[2] مثلین کا ادغام تو باتفاق واجب ہوتا ہے اور متجانسین کا ادغام اکثر حالات میں واجب ہوتا ہے، اور متقاربین کا ادغام اکثر حالات میں جائز ہوتا ہے، اسی وجہ سے ادغام متقاربین میں قراءت میں بہت اختلاف ہوا ہے[1] جس کی تفصیل قراءت کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

ناظمؒ کا یہ ارشاد کہ مثلین اور متجانسین کا پہلا حرف ساکن ہو تو اس کا ادغام کرو۔ مثلین کے اعتبار سے تو بیشک عام اور متفق علیہ ہے، جہاں بھی مثلین جمع ہوں اور پہلا حرف ساکن ہو تو عربیت اور قراءت دونوں کے اعتبار سے ادغام واجب ہے، علامہ شاطبی فرماتے ہیں ۔

وَمَا اَوَّلُ الْمِثْلَيْنِ فِيْهِ مُسَكَّنٌ ۔ فَلَابُدَّ مِنْ اِدْغَامِهِ مُتَمَثِّلًا

اور متجانسین میں یہ اصول اکثری ہے، چنانچہ فاء کا ادغام باء میں جیسے نَخْسِفْ بِهِمُ اسی طرح لام کا نون میں جیسے هَلْ نُنَبِّئُكُمْ یہ صرف کسائی کے لئے ہے۔ يَلْهَثْ ذٰلِكَ میں ورش مکی شامی، ابوجعفر کے لئے اظہار، قالون کے لئے خُلف، اور باقیین کے لئے ادغام ہے (تفصیل آگے آتی ہے) اِن چند اشاروں سے معلوم ہوا کہ متجانسین کا ادغام ہر جگہ واجب اور اجماعی نہیں ہے البتہ اکثری ہے۔ اور یہاں ناظم اس کو اسی حیثیت سے لائے ہیں۔

کیفیت کے اعتبار سے ادغام کی دو قسمیں ہیں تام، ناقص۔ اس باب میں تام ہی مراد ہے کیونکہ ناقص صرف طاء[1] کا تاء میں، قاف[2] کا کاف میں اور نون[3] کا یا اور واؤ میں ہوا ہے، پہلے دو کے ادغامِ ناقص کا بیان وَبَيِّنِ الْاِطْبَاقَ الخ میں آچکا ہے اور نون کے مسائل مستقلاً آرہے ہیں۔ نیز واضح رہے کہ ادغام تام اصل ہے۔

مُدغم کے اعتبار سے ادغام کی دو قسمیں ہیں صغیر و کبیر۔ یہاں صغیر ہی کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ اِنْ سَكَنَ کی شرط سے ظاہر ہے کیونکہ یہ متفق علیہ ہے، اور ادغام کبیر مختلف فیہ ہے بعض خاص روایتوں میں ہوا ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ کہ ناظم نے یہ رسالہ متفق علیہ یا کثیر الوقوع مسائل کے لئے لکھا ہے۔

فائدہ:۔ سورۂ یوسف میں لَا تَاْمَنَّا میں ادغامِ کبیر متفق علیہ ہے، کیونکہ صرف ایک نون مرسوم ہے، البتہ ادغام کے بعد تلفظ میں اختلاف ہے قراءِ عشرہ میں سے ابوجعفر مدنی کے لئے ادغام محض ہے۔ یعنی روم و اشمام نہیں ہے۔ اور باقیین نون اوّل میں اشارہ کرتے ہیں، پھر اشارہ میں اختلاف ہے بعض نے روم کے ساتھ اشارہ کیا ہے گویا اس صورت میں ادغام تام نہیں بلکہ اختلاس ہے اور بعض نے اشمام کے ساتھ اشارہ کیا ہے، اس وقت ادغام تام ہوگا۔ صرف انضمام شفتین سے ضمہ کا اشارہ کیا جائے گا، دونوں صورتیں صحیح و جائز ہیں[2]۔

قُلْ رَّبِّ کی مثال پر اعتراض و جواب

ناظمؒ نے مثلین اور متجانسین کے حرف کے ساکن ہونے کے وقت ادغام کرنے کا حکم فرمایا، اور دونوں کی مثالیں دی ہیں

[1] ادغام متقاربین کی کل اقسام قرآن میں نو ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو نہایۃ القول المفید ص۱۰۵ اور سترہ حروف میں یہ ادغام ہوا ہے دیکھو نشر ص ۸/۲ [2] ...

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بَل لَّا اور قُل رَّبِّ۔ دوسری مثال پر اشکال ہوتا ہے کہ متجانسین اُن دو حرفوں کو کہتے ہیں کہ متحد المخرج ومختلف الصفت ہوں حالانکہ باب مخارج میں ناظمؒ نے لام وراء کو دو مخرجوں سے شمار کیا ہے، لہٰذا لام وراء متقاربین ہوئے نہ کہ متجانسین۔ اس اشکال کے حسب ذیل جواب ہیں۔

(۱) اکثر قراء، لام، راء اور نون کو ایک مخرج سے کہتے ہیں، اور اکثر نحاۃ ان کے علیحدہ علیحدہ تین مخرج قرار دیتے ہیں[۱]، لہٰذا مصنفؒ نے بیان مخارج میں تو نحاۃ کے مذہب کو اختیار کیا، تاکہ مخارج کی تعداد میں اضافہ سے حروف ومخارج میں زیادہ سے زیادہ امتیاز حاصل ہو، اور اس جگہ باب ادغام میں قراء کے مذہب پر لام نون وراء کا ایک مخرج قرار دیتے ہوئے متجانسین کی مثال میں پیش کیا کیونکہ ادغام کا تعلق احکام[۲] قراءت سے ہے۔

(۲) حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الٰہ آبادی نے فرمایا کہ یہاں "جنسین" سے عام معنی مراد ہیں جو متجانسین اور متقاربین دونوں کو شامل ہے، کیونکہ ہر ایسے دو حرف جو مختلف الصفت ہوں، درحقیقت وہ مختلف المخرج ہوتے ہیں لیکن شدتِ قرب کی وجہ سے ان دونوں کو متحد المخرج کہہ دیتے ہیں، گویا دو حروف متحد المخرج کہیں بھی نہیں انتیس ۲۹ حروف کے حقیقت میں انتیس ۲۹ ہی مخارج ہیں، لہٰذا متجانسین بھی حقیقت میں دو ہی مخرجوں سے ہوتے ہیں۔ اور ناظمؒ نے متقاربین کی مثال لاکر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے[۳]۔

(۳) شارح مصری نے فرمایا کہ شاید ناظم کا نظریہ ہو کہ متقارب، مجانس میں داخل ہے، اس کے عکس کے برخلاف . . . . ملا علی قاری فرماتے ہیں، یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ متقاربین بولکر متجانسین کو شامل مفہوم تو مراد لیا گیا ہے، لیکن متجانسین بولکر متقاربین کو بھی شامل عام مفہوم کہیں مراد نہیں لیا گیا ہے۔ نیز فرمایا کہ بہتر ہوتا کہ ناظمؒ بجائے جِنسٍ کے قُرْبٍ فرماتے تاکہ بیان دونوں کو شامل ہو جاتا، جیساکہ شاطبیؒ نے "ادغام المتقاربین" عام معنی میں فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ناظمؒ نے بھی نشر میں بابُ حُرُوفٍ قَرُبَتْ مَخَارِجُهَا فرمایا اور اس کے ذیل میں متجانسین اور متقاربین دونوں کا ادغام بیان فرمایا ہے۔ لیکن یہاں لفظ قُرْبٍ کہنا صحیح نہ تھا، کیونکہ جیساکہ اوپر بتلایا گیا کہ ادغام متقاربین اس رسالہ کی بحث سے خارج ہے، کیونکہ ادغام متقاربین قراء کے درمیان مختلف فیہ ہے اور یہ رسالہ متفق علیہ مسائل کے لئے لکھا گیا ہے۔ لہٰذا جِنسٍ فرمانے کے بعد قُل رَّبِّ کی مثال لاکر اشارہ ہے کہ لام کا راء میں ادغام اگرچہ متقاربین کے باب سے ہے، لیکن ضروری نہیں کہ ہر متقاربین کا ادغام مختلف فیہ ہی ہو، چنانچہ قُل رَّبِّ کا ادغام متفق علیہ ہے۔ اسی طرح آگے اظہار کی جسقدر مثالیں دی گئی ہیں وہ سب کے یہاں باتفاق واجب الاظہار ہیں۔ اشارہ ہے کہ متقاربین کا ادغام کبھی تو متفق علیہ ہوتا ہے کبھی مختلف فیہ اور کبھی باتفاق ممتنع، جیسے قُلْنَا میں باتفاق ممنوع ہے۔

(۴) علامہ مرعشیؒ نے فرمایا کہ متحد المخرج ومختلف الصفت حرفوں کو متجانسین کہتے ہیں اور اسؒ کا عکس یعنی مختلف المخرج ومتحد الصفت حرفوں کا کوئی نام نہیں رکھا گیا ہے جیسے دال مہملہ اور جیم ہیں۔ حالانکہ قَدْ جَعَلَ میں بعض قراءتوں میں ادغام ہوا ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ اس قسم کے دو حرفوں کو بھی متجانسین کہا جائے۔ گویا متجانسین کی تعریف اس طرح ہو وہ دو حرف جو مخرجاً متحد اور صفتاً مختلف ہوں یا اس کے برعکس[۴]۔" مرعشی کی اس تعریف پر لام وراء متجانسین ہوئے، کیونکہ بجز صفتِ تکریر کے لام وراء

---

[۱] منح الفکریہ [۲] زکریا انصاریؒ وملا علی قاریؒ وعین الفکریہ [۳] عین الفکریہ [۴] والظاہر ان المصنفؒ ارادبہ الادغام المتفق علیہ من الادغام الصغیر۔ منح الفکریہ ص ۳۵ [۵] نہایۃ القول المفید ص ۹۹ وجہد المقل ص ۱۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتب "

www.KitaboSunnat.com

باقی تمام صفات جہر، توسط، استفال، انفتاح اذلاق اور انحراف میں مشترک ہیں۔

نوٹ: ان تمام جوابوں میں پہلا اور دوسرا جواب محققانہ ہے۔

روایت حفص رح میں حرفوں کے مدغم و مدغم فیہ ہمارے ملک میں چونکہ روایت حفص ہی بکثرت پڑھی پڑھائی جاتی ہے، قرآن میں وقوع کے اعتبار سے مناسب ہے کہ ۲۹ حروف کا ادغام بیان کر دیا جائے قطع نظر اس سے کہ دوسری روایات اس سے مختلف ہوں یا متفق۔

(۱) (الف) نہ مدغم، نہ مدغم فیہ

(۲) (ب) (۱) مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ، وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ (۲) میم میں ایک جگہ مدغم ہے یعنی اِرْكَبْ مَّعَنَا۔ بطریق شاطبی ادغام واجب ہے[1] اور بطریق جزری، ادغام اکثر ہے لیکن ادغام و اظہار دونوں صحیح ہیں[2]

(۳) (ت) (۱) اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ، فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ (۲) اپنے مجانس دال و طاء میں مدغم ہے جیسے اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا، اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ۔ اٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ، وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ (۳) دال اور طاء کا مدغم فیہ ہے جیسے قَدْ تَّبَيَّنَ، اَرَدْتُّمْ بَسَطْتَّ، فَرَّطْتُّمْ وغیرہ۔ (۴) اپنے مقارب، لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالتِّيْنِ

(۴) (ث) (۱) اپنے مجانس ذال میں مدغم ہے اور یہ ایک جگہ ہے يَلْهَثْ ذّٰلِكَ۔ بطریق شاطبی صرف ادغام ہے[3] اور بطریق جزری خلف ہے[4] (۲) اپنے مقارب لام تعریف کے لئے مدغم فیہ ہے جیسے اَلثَّمَرٰتِ، اَلثَّوَابُ

(۵) (ج) نہ مدغم نہ مدغم فیہ

(۶) (ح) نہ مدغم نہ مدغم فیہ

(۷) (خ) نہ مدغم نہ مدغم فیہ

(۸) (د) (۱) مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے قَدْ دَّخَلُوْا (۲) اپنے مجانس تاء کا مدغم بھی ہے جیسے لَقَدْ تَّقَطَّعَ، وَجَدْتُّمْ اور مدغم فیہ بھی جیسے اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا (۳) اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلدَّوَآئِرَ

(۹) (ذ) (۱) مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے اِذْ ذَّهَبَ (۲) اپنے مجانس ظاء میں مدغم ہے جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا اور ثاء کا مدغم فیہ ہے یعنی يَلْهَثْ ذّٰلِكَ (دیکھو حرف ثاء) (۳) اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلذّٰرِيٰتِ، اَلذُّبَابُ وغیرہ۔

(۱۰) (ر) (۱) مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ (۲) اپنے مقارب لام تعریف وغیرہ کا مدغم فیہ ہے جیسے قُلْ رَّبِّ، بَلْ رَّانَ، اَلرَّحْمٰنُ۔ نیز نون ساکن و تنوین کا مدغم فیہ ہے جیسے اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۔

نوٹ۔ راء کا اپنے مقارب لام و نون میں ادغام نہیں جیسے فَاصْبِرْ لِحُكْمِ اور وَقَرْنَ۔

(۱۱) (ز) صرف اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلزَّبُوْرِ، اَلزَّرْعِ

(۱۲) (س) صرف اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلسَّيِّاٰتِ، اَلسَّاعَةِ

---

[1] دیکھو شاطبی باب حروف قربت مخارجها شعر ۵ [2] نشر صفحہ ۱۱/۲ [3] شاطبی باب حروف قربت مخارجها شعر ۸ [4] نشر صفحہ ۱۴/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱۳) (ش) اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے اَلشَّمْسُ آءِ، اَلشَّیٰطِیْنُ

نوٹ : ش کا اپنے مجانس یا رہیں جیسے اَشْیَآءَ باتفاق ادغام نہیں، اور ش کے بعد جیم کا جیسے اشجاد قرآن میں وقوع نہیں۔

(۱۴) (ص) صرف اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلصِّیَامِ ، اَلصَّمَدُ

(۱۵) (ض) صرف اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلضَّرَّآءِ ، اَلضَّآلِّیْنَ

(۱۶) (ط) (۱) اپنے مجانس تار کا مدغم فیہ ہے جیسے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ اور تار میں مدغم ہے جیسے اَحَطْتُّ ، فَرَّطْتُّ (۲) اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلطَّیِّبَاتُ وَالطَّیِّبُوْنَ

(۱۷) (ظ) (۱) اپنے مجانس ذال کا مدغم فیہ ہے جیسے اِذْ ظَّلَمْتُمْ (۲) اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلظَّالِمِیْنَ، اَلظُّلُمٰتِ

(۱۸) (ع) صرف مماثل میں مدغم ومدغم فیہ ہے جیسے لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْہِ

(۱۹) (غ) نہ مدغم نہ مدغم فیہ

(۲۰) (ف) صرف مماثل میں مدغم ومدغم فیہ ہے جیسے فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ

(۲۱) (ق) صرف ایک جگہ اپنے مقارب، کاف میں مدغم ہے۔ اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ

(۲۲) (ک) (۱) مماثل میں مدغم فیہ ہے جیسے یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ (۲) قاف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ

(۲۳) (ل) (۱) مماثل میں مدغم ومدغم فیہ ہے جیسے بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ، اَللّٰہُ (۲) اپنے مقارب را، میں مدغم ہے جیسے قُلْ رَّبِّ (۳) اپنے مقارب نون کا مدغم فیہ ہے جیسے اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

فوائد :-

(۱) غیر لام تعریف کا نون میں کہیں بھی ادغام نہیں ہے ایک کلمہ ہو جیسے قُلْنَا ، جَعَلْنَا یا دو میں جیسے قُلْ نَعَمْ ، بَلْ نَقْذِفُ ، ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ ۔

کیوں کہ نون کا جن حرفوں (یرملون) میں ادغام ہوا ہے، سوائے نون کے اور کوئی حرف بھی نون میں مدغم نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صفت غنہ اگر ضعیف ہے جیسا کہ تمہید میں ہے تو اظہار کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ لام انحراف کی وجہ سے قوی اور نون غنہ کی وجہ سے ضعیف ہے لہذا قوی کا ضعیف میں ادغام نہیں ہوا۔ اور لام کا را، میں انحراف کی وجہ سے ادغام ہے مگر را، کا لام میں ادغام نہیں جیسے وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِہٖ کیونکہ صفت تکریر کی وجہ سے را، لام سے قوی ہے۔ اسی طرح وَقَرْنَ میں را، کا نون میں ادغام نہیں کیونکہ صفت انحراف وتکریر کی وجہ سے را، قوی ہے۔

(۲) لام تعریف کا چودہ حروف اِبْغِ حَجَّکَ وَخَفْ عَقِیْمَہٗ میں اظہار ہے اور باقی چودہ میں تماثل کی وجہ سے جیسے اَلَّذِیْ یا تقارب کی وجہ سے کثرت دور کی وجہ سے ادغام ہوا ہے۔ گویا جس قدر مدغم فیہ حروف لام کے ہیں اور کسی حرف کے نہیں، اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ لام کا مخرج بڑا وسیع ہے اس وجہ سے بہت سے حرفوں کے ساتھ اس کو تقارب حاصل ہوا دوسرے

ملہ منح الفکریہ صـ ۳۶ ـ ۲ ـ رضی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لام تعریف کا کثرتِ وقوع ہے۔ ہر حرف کے ساتھ مثالیں دیدی گئی ہیں مستقلاً بیان کی ضرورت نہیں۔

(۳) جن چودہ حرفوں میں اظہار ہوا ہے ان کو قمریہ اور جن چودہ میں ادغام ہوا ہے ان کو شمسیہ کہا جاتا ہے گویا یہ لام تعریف بمنزلہ ستاروں کے ہے جو چاند کی روشنی میں غائب نہیں ہوتے، اسی طرح یہ لام ان چودہ حرفوں کے ساتھ ظاہر رہتا ہے اور حروف شمسیہ میں مدغم ہوتا ہے جس طرح ستارے سورج کی روشنی میں مدغم و مستور ہو جاتے ہیں اور بعض کی رائے میں شمسی یا قمری خود لام تعریف کا نام ہے قرآن میں وَالشَّمْسِ میں ادغام کی تشبیہ دیتے ہوئے شمسی اور وَالْقَمَرِ میں اظہار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قمری کہتے ہیں اگویا شمسی و قمری میں یا نسبتی ہے۔

(۴) قُلْنَا اور قُلْ نَعَمْ میں باتفاق قراء اظہار ہے، کسائی نے لام کا نون میں ادغام کیا ہے مثلاً بَلْ نَقْذِفُ، هَلْ نَحْنُ۔

تمہید میں علامہ جزری نے فرمایا کہ اَلنَّاس اور اَلنَّار میں لام کا نون میں ادغام ہے مگر قُلْ نَعَمْ میں نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قُلْ میں عین کلمہ کے حذف کے ساتھ تعلیل ہو چکی ہے، لہٰذا دوبارہ ادغام کے ساتھ کلمہ میں تصرف نہیں کیا گیا، اسی لئے قُلْ تَعَالَوْا میں بھی لام کا تا میں ادغام نہیں ہوا حالانکہ هَلْ تَعْلَمُ میں کسائی کے لئے ادغام ہے[1]۔

(۵) فَالْتَقَمَهُ، اور فَالْتَقَطَهُ میں لام کا تا میں باتفاق ادغام نہیں۔ کیونکہ لام اور تاء کے مخرج بعید ہیں اور صرف لام تعریف کا تا میں کثرتِ دور کی وجہ سے ادغام ہے۔ نیز جہر اور انحراف کی وجہ سے لام تاء سے زیادہ قوی ہے نیز ادغام کی وجہ سے لفظ کی بنا مشتبہ ہوتی ہے، یعنی یہ واضح نہیں رہتا ہے کہ مادہ لَقِمَ اور لَقَطَ ہے یا تَقِمَ اور تَقَطَ ہے۔

(۶) روایت حفص میں چار جگہ سکتہ مروی ہے عِوَجًا (کہف) پر مِنْ مَّرْقَدِنَا (یٰس) پر مَنْ رَاقٍ (قیامہ) میں مَنْ پر بَلْ رَانَ میں بَلْ پر۔

بطریق شاطبیہ ان چاروں جگہ صرف سکتہ ہے، اور بطریق جزری مختلف[2] ہے۔ لہٰذا آخر ین میں اگر سکتہ نہ کیا جائے گا تو لام و نون کا را میں ادغام ہو گا۔

(۷) هَلْ کے لام کے بعد راء کی مثال میں ابوشامہ[3]، علامہ جزری[4] اور شیخ ضباع[5] تینوں نے هَلْ رَاَیْتُمْ مثال بیان کی ہے، لیکن یہ ان بزرگوں کا سہو ہے قرآن میں لام هل کے بعد راء نہیں[6] ہے۔

---

(۲۴) (م) (۱) مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ (۲) مجانس، باء کا مدغم ہے جیسے اِرْكَبْ مَّعَنَا (۳) اپنے مقارب نون کا مدغم فیہ ہے جیسے مِنْ مَّالٍ، كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ مفصل بحث عنقریب میم ساکنہ کے احکام میں آرہی ہے۔

(۲۵) (ن) (۱) اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے مَنْ نَّشَآءُ (۲) اپنے مقارب یاء، راء، لام، میم، واؤ میں مدغم ہے۔ (۳) اپنے مقارب صرف لام تعریف کے لئے مدغم فیہ ہے جیسے اَلنَّاسُ باقی مباحث باب احکام النون الساکنۃ میں آئیں گے۔

---

[1] منح الفکریہ ص ۳۶ [2] نشر ص $\frac{226}{1}$ [3] ابراز المعانی ص ۱۴۲ [4] نشر ص $\frac{19}{2}$ [5] ارشاد المرید ص ۱۴۲ [6] شرح شاطبیہ ملا علی قاری ص ۱۳۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۶ (ف) اگر لین ہو تو اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے عَصَوْا وَّکَانُوا (۲) متقارب، نون کا مدغم فیہ ہے جیسے مِن وَّرَاءِ بشرطیکہ ایک کلمہ میں نہ ہوں جیسے قِنْوَانٌ

۲۷ (ہ) اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے یُوَجِّهْهُ، یُكْرِهْهُنَّ مَالِيَهْ هَلَكَ۔

نوٹ :۔ مَالِيَهْ چونکہ ھاء سکتہ ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس پر وقف کیا جائے، کیونکہ یہ ھا بہ نیت وقف داخل کی گئی ہے، بہرحال اگر وصل کیا جائے تو بہتر اظہار ہی ہے اور اظہار کی صورت یہ ہے سکتہ لطیفہ کرکے پڑھا جائے۔ اور ظاہری حکم کے مطابق ادغام بھی جائز ہے[۱]۔

۲۸ (ء) نہ مدغم نہ مدغم فیہ[۲]،

۲۹ (ی) (۱) مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے، مدغم و مدغم فیہ ایک کلمہ میں ہوں تو یا مدہ اور لین دونوں کا ادغام ہے جیسے وَقَالَ یَانِیَّ اور لَدَیَّ اور کلمتین میں ادغام ہو تو صرف یا لین کا ادغام متصور ہے، مگر قرآن میں اس کا وقوع نہیں جیساکہ ہم شروع باب میں لکھ چکے ہیں (۲) اپنے متقارب نون کا مدغم فیہ ہے جیسے مَنْ یَّشَاءُ بشرطیکہ ایک کلمہ میں نہ ہوں جیسے دُنْیَا

فائدہ :۔ ادغام کے تین سبب ہیں تماثل[۱]، تجانس[۲]، تقارب[۳]۔ تماثل کی وجہ سے جو ادغام ہوتا ہے اس کو ادغام مثلین کہتے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ تام ہی ہوتا ہے، اور تجانس یعنی ہم مخرج ہونے کی وجہ سے ادغام متجانسین کہلاتا ہے۔ اور تقارب سبب ہو تو وہ ادغام متقاربین کہلاتا ہے۔

ادغام متجانسین و متقاربین کی کیفیت کے اعتبار سے دو دو قسمیں ہیں تام، ناقص۔ تو گویا مجموعی پانچ قسمیں ہوئیں ادغام[۱] مثلین تام۔ ادغام[۲] متجانسین تام ادغام[۳] متجانسین ناقص، ادغام[۴] متقاربین تام، ادغام[۵] متقاربین ناقص، ترتیب وار مثالیں۔ إِذْ ذَهَبَ، قَدْ تَّبَيَّنَ، بَسَطْتَ الظُّلَّةَ، مَنْ یَّشَاءُ۔

فائدہ :۔ مُدغم کی کوئی صفت باقی رہے تو وہ ادغام ناقص ہوتا ہے، یہ صفت باقیہ یا غنہ ہے یعنی نون ساکنہ و تنوین کا واؤ اور یا میں ادغام مع الغنہ ہوتا ہے، اور یا اطباق ہے جیسے أَحَطتُّ، یا استعلاء جیسے أَلَمْ نَخْلُقكُّم۔

فائدہ :۔ ادغام تام کی تشدید بھی تام ہوتی ہے ادغام ناقص کی ناقص ہوتی[۳] ہے۔

فائدہ :۔ تشدید خواہ ادغام کی وجہ سے ہو یا وضع کلمہ میں ہو، ادائیگی میں دو حرف کی دیر ہوتی ہے اور غنہ بھی ہو تو اسکی دیر زیادہ ہوتی ہے جیسے مِن وَّالٍ۔

فائدہ :۔ مُشَدَّد، مُدغم ہوتا ہے نہ کہ مُدغم فیہ، اگرچہ تشدید مدغم فیہ پر ہی لکھی جاتی ہے۔ کیونکہ دو حرف کی دیر مُدغم کی ادا میں ہی ہوتی[۴] ہے۔

بَابُ الضَّادِ وَالظَّاءِ

ضاد اور ظاء دونوں میں فرق اور ظ والے کلمات قرآنیہ کی تعداد) کا بیان

---

[۱] تفصیل کیلئے دیکھو نشر ص ۲۱ ج ۲ [۲] قرآن میں ہمزہ ساکنہ کے بعد ہمزۂ متحرکہ کا وقوع نہیں۔ اور عربی میں مثلاً اِقْرَءْ أَبَاكَ میں سیبویہ نے ادغام ناجائز کہا ہے اور بہت سے نحویوں نے ادغام کیا ہے اور اظہار کو لغت ردیہ کہا ہے اَلوشاح ص ۲۴۳ [۳] جہد المقل ص ۱۱۷ [۴] جہد المقل ص ۱۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ش۵۲ وَالضَّادَ بِاسْتِطَالَةٍ وَّمَخْرَجٍ مَيِّزْ مِنَ الظَّاءِ وَكُلُّهَا تَجِيْ

ت اور ضاد کو ظاء سے استطالت اور مخرج کے ساتھ ممتاز کرکے پڑھو، اور تمام ظاءات (قرآن میں حسب ذیل الفاظ میں آتی ہیں)

ل وَالضَّادَ مفعول مقدم مَيِّزْ۔ بِاسْتِطَالَةٍ وَّمَخْرَجٍ اور مِنَ الظَّاءِ متعلقات مَيِّزْ۔ مَخْرَجٍ یا اطلاقی کے ساتھ۔ وَكُلُّهَا مبتدا، ضمیر کا مرجع الظاء ہے تَجِيْ خبر۔ اصل میں تَجِيْءُ ہے۔ حالت وقف میں ہمزہ متطرفہ تخفیفاً حذف ہوگیا، چنانچہ امام حمزہ اور ہشام کے یہاں واؤ اصلی اور یا اصلی کے بعد ہمزہ کی حرکت نقل کرکے ما قبل کو دے کر ہمزہ کو حذف کیا جاتا ہے۔ بہرحال عربی میں یہ بھی ایک فصیح لغت ہے۔ تَجِيْ میں ضمیر فاعل یا تو الظَّاءات کی طرف راجع ہے جو لفظ کلھا سے مفہوم ہو رہا ہے یا لفظ کُلّ ہی کی طرف راجع ہے، اور تانیث کی وجہ یہ ہے کہ کُلّ باعتبار اپنی مراد کے مونث ہے۔

ح یعنی ضاد اور ظاء میں چونکہ صفات کے اعتبار سے قوی مشابہت پائی جاتی ہے، تو اہتمام کرکے ان دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز ادا کرو، اور امتیاز دو چیزوں سے ہے ایک یہ کہ ضاد میں ایک صفت لازمہ استطالت ہے جو ظاء میں نہیں، دوسرے یہ کہ دونوں کے علیحدہ علیحدہ مخرج ہیں۔

استطالت کا مطلب جیسا کہ باب الصفات میں بیان ہوچکا، یہ ہے کہ حافۂ لسان کو اضراس علیا (نواجذ، طواحن اور ضواحک) کی جڑ پر اقصائے حافہ سے ادنائے حافہ تک لگاتے ہوئے آواز کو ممتد رکھنا۔ یہ صفت ظاء میں نہیں ہے، یعنی اس میں آواز کو امتداد نہیں ہوتا۔ دوسرا ممیز مخرج ہے کہ ضاد کا مخرج اضراس علیا کی جڑ اور حافۂ لسان ہے، اور ظاء کا مخرج طرف لسان اور ثنایا علیا ہیں۔ باقی صفات، جہر، رخاوت، استعلاء، اطباق اور اصمات میں یہ دونوں مشترک ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ضاد کی اپنی مستقل آواز ہے اور چونکہ ضاد کا مخرج، مجرائے ہوا سے ہٹ کر حافہ سے تعلق رکھتا ہے، اسی لئے اس کا ادا کرنا مشکل ہے، نیز یہ حرف عربی زبان کے علاوہ اور کسی زبان میں نہیں پایا جاتا تو غیر عرب کیلئے مزید دشوار امر ہے۔

ضاد کی غلط ادا اسی لئے حرف ضاد کی ادا میں زمانۂ قدیم سے لوگ نہایت مختلف الحال رہے ہیں۔ غلط ادا کی توضیح حسب ذیل ہے (۱) ضاد کی بجائے ظاء[۲] اکثر شامیین اور بعض اہل مشرق کا معمول رہا ہے[۳] (۲) ضاد کی بجائے خالص[۴] ذال (۳) ضاد کی بجائے مشابہ بالذال[۵] (۴) دال مہملہ[۶] (۵) طاء مہملہ۔ یہ بہت سے اہل مغرب اور اہل مصر کا معمول رہا ہے[۷] (۶) غین معجمہ[۸] (۷) دال مفخمہ[۹] (۸) لام مفخمہ[۱۰]، یہ اکثر زیالعہ کا معمول ہے (۹) صفیر ادا کرتے ہوئے زا کی مفخم آواز میں پڑھنا[۱۱]۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ظاء، دال[۱۲]، دال مفخمہ، زاء مفخمہ، غین[۵]، دال اور واؤ کا مرکب، اور بعض علاقوں میں غین اور دال کا

---

[۱] حاشیہ فوائد مکیہ از قلم مؤلف بحوالہ شرح رضی [۲] رومی، قاری، جزری [۳] تمہید العلامۃ الجزری [۴] رومی، جزری، قاری [۵] رومی، جزری، قاری [۶] قاری [۷] نہایۃ القول المفید [۸] العطایا الوھبیہ [۹] نہایۃ القول المفید [۱۰] جزری [۱۱] نہایۃ القول المفید [۱۲] جزری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرتب پڑھا جاتا ہے چنانچہ ضاد کو دُواد، ولا الضالین کو ولا الدالین پڑھتے ہیں۔

ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے مع جمیع صفات کے ادا کیا جائے تو اُس کے اعتبار سے مذکورہ تمام تلفظ غلط ہیں ان غلطیوں کا خواہ منشاء کچھ بھی ہو، اسقدر ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ ضاد کو ظاء پڑھنا غلط ضرور ہے مگر ایک شائستہ اور معقولیت سے قریب غلطی ہے۔ کیونکہ ضاد اور ظاء اکثر صفات میں مشترک ہونے کی وجہ سے کافی مشابہت رکھتے ہیں، مگر دوسرے غلط تلفظ نہایت بھونڈے اور خالص جہالت پر مبنی ہیں اسی لئے حضرت ناظمؒ نے دوسرے غلط تلفظ کی طرف توجہ نہیں دلائی بلکہ خاص طور پر ظاء سے ممتاز ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ ناظمؒ کے وطن شام میں اکثر لوگ ضاد کی جگہ ظاء ہی ادا کرتے تھے۔

مرعشی رعایہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سُننے میں ضاد اور ظاء ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، ضاد کو ظاء سے مخرج اور صفت استطالت کے ساتھ فرق کر کے پڑھنا چاہیئے، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو ایک دوسرے میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ اسی طرح بعض لوگ ظاء کے ادا کرنے میں غلطی کرتے ہوئے اس کو ضاد بنا دیتے ہیں، کیونکہ وہ ضاد سے قریب ہے۔[۱]

نیز رعایہ میں ہے کہ ضاد کی صحیح ادا کا تحفظ ضروری ہے۔ ہم نے بہت سے قراء اور ائمہ کو دیکھا کہ وہ اس حرف کی صحیح ادا میں کوتاہی کرتے ہیں بالخصوص صعوبت ادا کی وجہ سے اکثر لوگ تساہل کرتے ہیں اور طرف لسان سے ادا کر لیتے ہیں، حالانکہ ایک مجود قاری پر لازم ہے کہ وہ ضاد کو مفخم یعنی استعلاء و اطباق کے ساتھ مع صفت استطالت کے مخرج سے ادا کرے، اضراس علیا پر حافہ لسان کو دبانے کے ساتھ جو آواز جاری ہو کر نکلے گی وہ ہوا کے چلنے کی سی آواز کے مشابہ ہوگی، اور اگر اس میں افراط سے کام لیا جائے تو ظاء کے مشابہ آواز نکلتی ہے۔

نیز اضراس عُلیا پر جو حافہ کا دباؤ ہوتا ہے اس کو زیادہ سخت نہیں کرنا چاہیئے ورنہ مثل دال کے آواز بالکل بند ہو کر ضاد شدیدہ ہو جائے گا۔[۲]

نیز مرعشی نے ضاد کی صحیح ادا کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ضاد کو حافۂ لسان مع اس کے مقابل اضراس سے ادا کرو، اور حافہ کا اتنا شدید دباؤ نہ ہو کہ آواز بالکل بند ہو جائے اور درمیانی درجہ کا اطباق و تفخیم ہونا چاہیئے اور ساتھ ہی رخاوت، جہر، استطالت اور قدرے تفشی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے تو یہی صحیح ادا ہوگی، اور لازماً اس وقت قدرے ظاء معجمہ کی آواز کے ساتھ مشابہت ہوگی۔ یہی حق ہے اور کتابوں میں آئمہ کے کلام سے اسی حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔[۳]

شرح رضی میں ہے کہ ضاد میں بہ نسبت ظاء کے اطباق قوی ہے جس کی وجہ سے ضاد میں رخاوت ضعیف ہے۔ کیونکہ جس قدر اطباق قوی ہوتا ہے اسی قدر رخاوت میں ضعف ہوتا ہے اس لئے کہ اطباق میں آواز کا حصر ہوتا ہے۔ اور ظاء، اس کے برعکس ہے یعنی اطباق ضعیف ہے اور اس کی وجہ سے رخاوت قوی ہے۔[۴]

اس پر اضافہ کرتے ہوئے حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی الٰہ بادی نے فرمایا ہے کہ ہمارے زمانہ کے اہل عرب کا ضاد مخرج کے اعتبار سے تو صحیح ادا ہوتا ہے لیکن وہ غلطی یہ کرتے ہیں کہ ضاد میں جو ضعیف درجہ کی صفت رخاوت ہے وہ اس کو بھی ختم کر کے مثل شدیدہ

---

[۱] نہایۃ القول المفید ص ۵۸ [۲] نہایۃ القول المفید ص ۵۸ [۳] ایضاً [۴] حاشیۂ فوائد مکیہ از قلم موٴلف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ادا کرتے ہیں[1]، یعنی آواز بالکل بند کر دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے دیار میں جو بعض لوگوں کا تلفظ دال مفخمہ ہے، وہ انہیں اہل عرب کے ضاد کی ادائیگی کو سن کر غلط استدلال پر مبنی ہے، یعنی ان کی شدّت سے یہ استدلال کر لیا گیا ہے کہ وہ ضاد کو دال کے مخرج سے تفخیم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ اکثر ان کی ادائیگی میں مخرج تو صحیح ہی ہوتا ہے، صرف صفت رخاوت کی غلطی ہوتی ہے۔

اور تمہید میں ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنا جائز نہیں، اگر ہم ضَآلِّیْنَ کی جگہ ظَآلِّیْنَ پڑھیں تو معنی دائمین کے ہو جائیں گے، حالانکہ یہ مراد الٰہی کے برخلاف ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ ضلال ضاد سے ھُدیٰ کی ضد ہے جیسے ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاہُ، اور ظاء سے ظلول کے معنی بدلنے کے ہیں جیسے ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا۔ لہٰذا جو شخص ضاد کو ظاء پڑھتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی میں سین کو صاد سے اور وَاَصَرُّوْا وَاسْتَکْبَرُوْا میں صاد کو سین سے بدل دیا جائے حالانکہ اوّل اِسْرار (چھپانا) اور ثانی اصرار (ضد کرنا) سے ہے[2]۔

ابن جنّی فرماتے ہیں کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے میں عموم بلوی کی وجہ سے توسّع ہے یعنی عامی آدمی ضاد کی جگہ ظا پڑھے تو مضائقہ نہیں[3]۔ مزید بحث آگے آئیگی۔

قولہ وَکُلُّهَا تَجِیْ اس رسالہ کا اچھوتا پہلو یہ ہے کہ تمام ظاءات والے کلمات جو قرآن مجید میں آئے ہیں اس باب کے آنے والے سات شعروں میں جمع کر دیئے ہیں تاکہ طلبہ بالخصوص نابینا طلبہ ان کو یاد کر لیں، اور ضاد والے کلمات کا حصر نہیں فرمایا، کیونکہ ضاد والے کلمات قرآن میں زیادہ واقع ہوئے ہیں، لہٰذا اختصار کے لئے ظاء والے کلمات کا حصر ہی مناسب سمجھا گیا۔

فائدہ:۔ کہا گیا ہے کہ کل قرآن میں ضاد کی تعداد سولہ سو سات (۱۶۰۷) ہے اور ظاء کی تعداد آٹھ سو بیالیس (۸۴۲) ہے[4]۔

فائدہ:۔ قرآن میں تمام وہ کلمات جن میں حرف ظاء آیا ہے، اُن کے کل مادّے انتیس (۲۹) ہیں[5]۔ بشرطیکہ ضنین کو جو بعض قراءات میں بالضاد اور بعض میں بالظاء ہے، شمار نہ کیا جائے، ورنہ اُس سمیت تیس (۳۰) ہیں، نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ تعداد اختلافِ معنی کے اعتبار سے ہے اور معنی سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو تعداد کم ہوتی ہے مثلاً اِنْظَار، اِنتظار، نظر کو اختلافِ معنی کے اعتبار سے تین شمار کیا گیا ہے۔

ش ۵۳ فِی الظَّعْنِ ظِلُّ الظُّهْرِ عُظْمِ الْحِفْظِ ... اَیْقِظْ وَاَنْظِرْ عَظْمِ ظَهْرِ اللَّفْظِ

ت۔ ظَعْن، ظِلّ، ظُهْر، عُظْم، حِفْظ، اَیْقَظَ، اَنْظِرْ، عَظْم، ظَهْر اور لَفْظ (کے مادّوں) میں۔

---

[1] ایضاً [2] نہایۃ القول المفید ص ۷۲ [3] نہایۃ القول المفید ص ۷۲ [4] البستان للفقیہ ابی اللیث رح [5] قالہ عبدالعزیز بن عبداللہ، کذا فی المنح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ل ۔ شعر سابق کے آخر میں جو تجی گذرا فِی الظَّعْنِ مع اپنے جمع معطوفات کے اسی کے متعلق ہے۔ اَلْحِفْظ اور اَللَّفظ کے آخر میں یاءِ اطلاقی ہے۔ اکثر معطوفات سے پہلے واوِ عطف محذوف ہے اَلظَّعْنِ بفتح ظاء ظِلّ بالکسر وتشدید اللام اَلظُّهْرِ بالضم عُظْم بالضم[1] یا بالکسر[2] ایقظ وانظر دونوں بفتح ہمزہ اور حرف ثالث کے کسرہ کے ساتھ ہیں[3] عَظْم بالفتح ظَهر بالفتح ۔

ح ۔ (۱) اَلظَّعْنِ کوچ کرنا۔ قرآن میں صرف ایک جگہ سورہ نحل میں ہے یَوْمَ ظَعْنِكُمْ[4] (ع ۱۱)

(۲) ظِلّ بمعنی سایہ ۔ اس مادہ سے قرآن مجید میں ۲۴[5] الفاظ آئے ہیں جیسے وَظَلَّلْنَا (بقرہ ع ۶ واعراف ع ۲۰) فِی ظُلَلٍ (بقرہ ع ۲۵) وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا (نساء ع ۸) مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا (نحل ع ۱۱) وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ، وَظِلٍّ مِّنْ يَحْمُومٍ (واقعہ) وغیرہ ۔

نوٹ :۔ رومی، صاحبزادہ ناظمؒ اور شیخ زکریا انصاری نے الفاظ کی تعداد ۲۲ لکھی ہے، قاریؒ نے ۲۴ لکھی ہے اور یہی صحیح ہے ۔

(۳) اَلظُّهْرِ دوپہر کا وقت، نصف النہار۔ یہ مادہ دو جگہ آیا ہے[6] مِنَ الظَّهِيرَةِ (نور ع ۸) وَحِينَ تُظْهِرُونَ (روم ع ۲)

(۴) عُظْمِ بمعنی بڑائی وعظمت ۔ اس مادہ سے قرآن کریم میں ۱۱۳[7] الفاظ آئے ہیں جیسے وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ وَمَنْ يُعَظِّمْ (حج، ع ۴) وغیرہ)

نوٹ :۔ رومی، شیخ زکریا اور قاریؒ وغیرہ نے مشتقات کی تعداد ۱۰۳ بتلائی ہے لیکن صحیح ایک سو تیرہ[3] بتفصیل ذیل ہے۔ عظیم اور العظیم ۸۵[8] جگہ عَظِيمًا ۲۲ جگہ يُعَظِّمْ ۲ جگہ يُعْظِمْ ایک اور اَعْظَم تین جگہ

(۵) اَلْحِفْظِ اس لفظ کے مشتقات قرآن میں چوالیس ۴۴ ہیں[9]۔ گو قاری وغیرہ نے تعداد بیالیس ۴۲ بتلائی ہے ۔

(۶) اَيْقِظْ اس کا مادہ يَقْظٌ بمعنی جاگنا ہے، اس سے قرآن میں صرف ایک لفظ ہے وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا (کہف ع ۳)

(۷) اَنْظِرْ اِنْظَار سے صیغہ امر ہے جس کے معنی مہلت دینا ہیں جیسے اَنْظِرْنِي اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (اعراف ع ۲) فَاَنْظِرْنِي (ص ع ۵)، فَلَا تُنْظِرُوْنِ (اعراف ع ۲۴) وَلَا تُنْظِرُوْنَ (یونس ع ۸) وغیرہ

اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ (حدید ع ۲) میں اختلاف قراءت ہے امام حمزہ نے باب افعال سے مہلت دینے کے معنی میں پڑھا ہے اور باقین نے باب نصر سے دیکھنے کے معنی میں پڑھا ہے۔ اور وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (بقرہ ع ۱۹ وغیرہ) کی تفسیر میں اختلاف ہے نظر اور انتظار دونوں سے لیا گیا ہے[10] ۔

مذکورہ کلام سے یہ نہ سمجھا جائے کہ مہلت اور ڈھیل دینے کے معنی صرف اِنْظَار باب افعال ہی کے لفظ میں ہیں، قرآن میں ایک جگہ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (بقرہ ع ۳۸) مجرد بھی اس معنی میں آیا ہے ۔

---

[1] قاری [2] منجد [3] قاری [4] عین کو شامی و کوفیین نے ساکن اور باقین نے مفتوح پڑھا ہے [5] تفصیل کے لئے دیکھو نجوم الفرقان، تالیف فاضل جرمنی فلوگل، [6] منح الفکریہ وغیرہ [7] نجوم الفرقان ص ۲۵۱ [8] بعض اردو شروح میں تعداد ۸۹ لکھی ہے جو صحیح نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو نجوم الفرقان۔ [9] نجوم الفرقان ص ۱۶۵ [10] منح الفکریہ ص ۳۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہرحال اختلافِ قراءت، اختلافِ تفسیر اور اختلافِ مجرد و مزید سے قطع نظر کرتے ہوئے "مہلت والے معنی"[1] میں یہ لفظ قرآن میں کل بیس[2] جگہ آیا ہے۔ اگرچہ عام شراح نے تعداد بائیس[22] لکھی ہے۔

(۸) عَظْم بمعنی ہڈی عِظَام جمع، قرآن میں کل پندرہ[3] جگہ ہے، جیسا کہ شارح مصری نے کہا ہے اگرچہ قاری وغیرہ نے چودہ جگہ کہا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

(۹) اَلظَّهْر بمعنی پشت ظُهُور جمع، جیسے وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ (بقرہ وغیرہ) اَنْقَضَ ظَهْرَكَ اور وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا (ہود ع ۸) اور ظِہار کے معنی میں جو ایک جگہ احزاب میں اور دو جگہ مجادلہ میں ہے وہ بھی[4] اسی سے ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لفظ ظہر سے قرآن میں کل ۱۹ الفاظ لئے ہیں۔ چودہ[14] یا صرف[5] ایک کہنا صحیح نہیں۔

(۱۰) اَللَّفْظ بمعنی بولنا اس سے قرآن میں صرف ایک جگہ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ (ق ع ۲) ہے۔

شعر ۵۸ ظَاهِرْ لَظَى شُوَاظِ كَظْمٍ ظَلَمَا ۔ اُغْلُظْ ظَلَامِ ظُفُرٍ اِنْتَظِرْ ظَمَا

ت۔ اور ظَاهِرْ، لَظَى، شُوَاظ، كَظْم، ظَلَمَ، اُغْلُظْ، ظَلَام، ظُفُر، اِنْتَظِرْ اور ظَمَا کے مادوں میں۔

ل۔ یہ تمام الفاظ گذشتہ شعر کے مجرورات پر محلاً یا لفظاً معطوف ہیں۔

ظَاهِرْ بکسر ہا و سکونِ راء۔ راء کا سکون یا تو ضرورت شعری یا وقف بہ نیتِ وصل کے قاعدے سے ہے، یہ بھی جائز ہے کہ راء کو مکسور پڑھا جائے مگر زحاف[6] ہوتا ہے۔ شُوَاظ قراءت مکی میں بکسر شین باقین کے یہاں[7] بالضم ہے، ظاء کو یا تو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور اور ضرورۃً بغیر تنوین پڑھا جائے، "رفع حکایۃ" ہوگا کیونکہ قرآن میں شُوَاظٌ مرفوع منوّن ہے۔ كَظْمٍ مجرور منوّن ظَلَمَا ظلم سے فعل ماضی معروف، الف اطلاقی ہے اور بعض نسخوں میں ظُلْمًا بالضم و سکون لام ہے اُغْلُظْ بضم ہمزہ و لام ظَلَامِ بفتح ظاء و کسرِ میم۔

ظُفُرٍ بضم ظاء ہے اور سکونِ فاء ضرورۃً ہے کیونکہ قرآن میں بضم فاء[8] ہے یا حسن بصری کی قراءت شاذہ پر بسکون فاء[9] ہے اور راء مجرور منوّن ہے۔ ظَمَا الف کے ساتھ۔ امام حمزہ و ہشام کے وقف کے قاعدہ کے مطابق[10]۔

ح۔ (۱) ظَاهِرْ ظہور سے بمعنی ظاہر ہونا جیسے وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ (انعام ع ۱۴) اظہار سے بمعنی ظاہر کرنا جیسے وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ (تحریم ع ۱) فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ (جن ع ۲) غالب[11] و کامیاب ہونا یا کرنا جیسے اِنْ يَّظْهَرُوا عَلَيْكُمْ (کہف ع ۲)

---

[1] ماخوذ از نجوم الفرقان ص ۵۷۳ [2] نجوم الفرقان ص ۳۵۱ [3] چنانچہ قاری نے بھی لفظ ظاہر کے تحت اسی کو بہتر کہا ہے۔ منح الفکریہ [4] منح الفکریہ و انصاری۔ [5] منح الفکریہ [6] البدور الزاہرہ فی القراءات العشرہ لعبد الفتاح القاضی ص ۳۰۹ [7] شارح رومی [8] القراءات الشاذہ لعبد الفتاح القاضی ص ۲۶ [9] منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ (توبہ، فتح، صف) اعانت[م] و مدد کرنا جیسے تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ (بقرہ ع ۱۰) چڑھنا[م] جیسے وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ (زخرف ع ۳) وغیرہ غرض لفظ ظہور کے تمام مشتقات مراد ہیں جس میں ظَهْر بمعنی کمر اور ظہیرہ بمعنی دوپہر داخل نہیں، کیونکہ ان کو علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ اور ظہور کے تمام مشتقات قرآن میں ستائیس[۲۷] ہیں[1]

اس تعداد میں ظہار والے کلمات داخل نہیں وہ لفظ ظِہر کے تحت آ گئے ہیں۔

اس مقام پر شراح کا کلام نہایت الجھا ہوا ہے، اور ملا علی قاری نے نہایت عمدگی سے سلجھا کر شراح کی غلطیوں کو واضح کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم تفصیل میں نہیں گئے۔

(۱۲) لَظٰى جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے یا اس کے طبقات میں سے ایک طبقہ کا نام ہے یہ لفظ معارج میں ہے كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى۔ اصل میں اس لفظ کے معنی مشتعل ہونے کے ہیں، اسی سے سورہ لیل میں ہے فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى یہ لفظ قرآن میں انہیں دو جگہ میں ہے۔

یہ لفظ ناقص یائی ہے، ابن المصنف وغیرہ نے جو اس کو اَلَظَّ مضاعف سے بمعنی اَلْزَمَ کہا ہے صحیح نہیں، دونوں لفظوں کا مادہ علیحدہ علیحدہ ہے[2] (کذا فی القاموس)

(۱۳) شُوَاظٌ۔ شین کے ضمہ یا کسرہ کے ساتھ، وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ صرف ایک جگہ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ (رحمٰن ع ۲) آیا ہے۔

(۱۴) كَظْمٌ بمعنی غصہ کو ضبط کرنا، قرآن میں چھ[۶] جگہ ہے، پہلا وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ (آل عمران ع ۱۴) میں ہے كَظِيْمٌ، مَكْظُوْمٌ دوسرے الفاظ بھی آئے ہیں۔

(۱۵) ظَلَمَ بمعنی کسی شئ کو اس کے غیر محل میں رکھنا، اور زیادتی کرنا۔ قرآن میں ظَلَمَ، يَظْلِمُ، ظَلَمْتُ، ظَلَمْتُ، ظَلَمُوْا يَظْلِمُوْنَ۔ ظُلْمًا، ظَالِمُوْنَ، ظَالِمِيْنَ، اَلظَّالِمُ، ظَالِمَةٌ، ظَلُوْمٌ، ظَلَّامٍ اَظْلَمُ مَظْلُوْمًا بہت سے صیغوں کے ساتھ استعمال ہوا ہے، تمام شراح نے مشتقات کی تعداد ۲۸۲ لکھی ہے۔ ہمارے شمار میں دو سو، ۲۸ اٹھاسی[3] ہے۔

اُغْلُظْ غِلْظَةٌ سے صیغہ امر، بمعنی موٹا اور بھاری ہونا، جیسے غَلِيْظَ الْقَلْبِ (آل عمران ع ۱۷)، فَاسْتَغْلَظَ، وَاَغْلُظْ، غَلِيْظًا، غِلَاظٌ، غِلْظَةً قرآن میں تمام الفاظ اسی مادہ سے ہیں کل مشتقات کی تعداد باتفاق تیرہ[۱۳] ہے۔

ظَلَامٌ، ظُلْمَةٌ سے بمعنی اندھیری۔ قرآن میں اس کے مشتقات کل پچیس[۲۵] ہیں[4] بتفصیل ذیل ہیں۔

ظُلُمَاتٌ (بقرہ ع ۲، نور ع ۵) اَلظُّلُمَاتُ (رعد ع ۲، فاطر ع ۳) ظُلُمَاتِ (انعام ع ۷، و ع ۸ و ع ۱۲، نمل ع ۵) ظُلُمَاتٍ (بقرہ ع ۲، زمر ع ۱) كَظُلُمَاتٍ (نور ع ۵) اَلظُّلُمَاتِ (بقرہ ع ۳۴ میں دو جگہ، مائدہ ع ۳، انعام ع ۱ و ع ۱۵، ابراہیم ع ۱ میں دو جگہ، انبیاء ع ۶، احزاب ع ۶، حدید ع ۱) طلاق ع ۲) مُظْلِمًا (یونس ع ۳) مُظْلِمُوْنَ (یٰسین ع ۳)

ابن الناظم، زکریا انصاری نے تعداد، ستو اور رومی و قاری وغیرہ نے چھبیس[۲۶] بتلائی ہے۔

ظُفُرٌ بضمتین ایک لغت میں اسکان فاء سے بھی ہے۔ بمعنی ناخن۔ صرف ایک جگہ كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ (انعام ع ۱۸) میں ہے۔

---

[1] نجوم الفرقان [2] منح الفکریہ [3] نجوم الفرقان [4] نجوم الفرقان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱۹) اِنْتَظِرْ انتظار سے، یعنی کسی چیز پر نگاہ رکھنا۔ قرآن میں اس کے مشتقات کل چودہ ہیں جیسے قُلِ انْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (انعام ع ۱۹)
وغیرہ تفصیل لفظ نظر میں دیکھو۔

(۲۰) ظَمَاءٌ بمعنی پیاس۔ تین جگہ ہے لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاءٌ (توبہ ع ۱۵)، اِنَّكَ لَا تَظْمَاءُ (توبہ ع ۱۵) یَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ
(نور ع ۵)

شعر ۵۵۔ اَظْفَرَ ظَنًّا كَيْفَ جَا وَعْظُ سِوٰى   عِضِيْنَ ظَلَّ النَّحْلِ زُخْرُفٍ سَوَا

ت۔ اور اَظْفَرَ میں اور ظَنًّا میں خواہ یہ ظن (قرآن میں) کسی طرح بھی آئے اور وَعْظ میں علاوہ لفظ عِضِیْنَ کے اور ظَلَّ نحل اور
زخرف میں ایک ہی طرح ہے۔

ل۔ ظَنًّا نصب کے ساتھ حکایۃً۔ کَیْفَ جَا اصل میں جَاءَ ہے ضرورۃً ہمزہ حذف کیا گیا، ضمیر فاعل ظَنًّا کی طرف راجع ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فاعل اسم ظاہر وَعْظٌ کو قرار دیا جائے۔ وَعْظٌ بفتح واو وسکون عین مصدر ہے اور خالد نے واؤ کو عاطفہ قرار دیتے ہوئے عِظْ صیغہ امر ضبط کیا ہے، اور رومی نے وَعَظَ صیغہ ماضی معروف قرار دیتے ہوئے، ضرورۃً بسکون ظار لکھا ہے۔ سِوٰی بکسر سین حروف استثناء میں سے ہے بمعنی غَیْر، کہا جاتا ہے جَاءُوْا سِوٰی زَیْدٍ۔ ایک لغت بفتح سین، قصر ومد کے ساتھ بھی ہے[۱]، استثناء منقطع ہے۔ ظَلَّ بتاویل لفظ مضاف النَّحْلِ مضاف الیہ زُخْرُفٍ بحذفِ عاطف اَلنَّحْلُ پر معطوف[۲]، مضاف ومضاف الیہ، مبتدا۔ سَوا بفتح سین یعنی سَوَاءٌ خبر آخر سے ہمزہ، امام حمزہ وہشام کے وقف علی الہمزہ کی لغت پر حذف ہو گیا، کہا جاتا ہے۔ ثَوْبٌ سَوَاءٌ یعنی کپڑے کا طول وعرض برابر اور ایک جیسا ہے[۳]۔ بہر حال سوٰی ماضی معروف صیغہ واحد مذکر قرار دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ سَوٰی یَسْوٰی باب سمع سے ہے۔

نوٹ:۔ بعض شراح کا "رومی کی رائے پر وَعْظَ عین کے سکون اور واؤ اور ظاء کے فتحہ سے، اور یہ ماضی ہے۔ جس میں عین کا سکون وزن کی بنا پر ہے۔" لکھنا، قاری کی غلط ترجمانی ہے۔ اسی طرح پہلے مصرعہ میں سِوٰی کو مَكَانًا سُوًى کی طرح قرار دے کہ قراءتوں کے اختلاف پر روشنی ڈالنا بالکل بے محل ہے۔ مَكَانًا سُوًى میں سُوًى بمعنی مُسْتَوِیًا[۴] ہے اور یہاں سِوٰی حرفِ استثناء بمعنی غَیْر ہے۔

ح (۲۱) اَظْفَرَ۔ ظَفَر بفتحتین سے ہے، جس کے معنی فوز وکامیابی کے ہیں۔ قرآن میں صرف ایک جگہ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ (فتح ع ۳) میں ہے۔

(۲۲) ظَنًّا مختلف معانی میں آتا ہے، بمعنی یقین وعلم، ظَنَنْتُهٗ یعنی اِسْتَیْقَنْتُهٗ، اسی سے ہے وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ

---

[۱] منجد [۲] ملا علی قاری نے عبارت کی تقدیر اس طرح کہی ہے ظَلَّ الْكَائِنِ فِي النَّحْلِ وَزُخْرُفٍ۔ منح الفکریہ۔ مگر یہ تکلف ہے۔ [۳] منجد [۴] جلالین

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(توبہ ع ۱۴) بمعنی گمان یعنی اعتقاد راجح مع احتمال نقیض جیسے وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ (فتح ع ۲) بمعنی تہمت جیسے بِظَنِينٍ (تکویر) بمعنی وہم و شک جیسے اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (نجم ع ۲) ۔

...... قرآن میں اس کے مشتقات کل ۶۹ آئے ہیں، گو شارحین نے ۶۷ بتلائے ہیں ۔

قَوْلُهٗ كَيْفَ جَا یعنی لفظ ظن خواہ کسی طرح اور کسی بھی صیغہ پر آئے ظاء ہی کے ساتھ ہوگا ۔

(۲۳) وَعْظٌ بمعنی نصیحت کرنا، ڈرانا جیسے اَوَعَظْتَ، اَعِظُكَ وغیرہ، قرآن میں اس کے مشتقات کی تعداد پچیس ہے اگرچہ شیخ زکریا انصاری وغیرہ نے صرف نو ہی بتلائی ہے ۔

قولہ:- سِوٰی عِضِيْنَ یعنی سورہ حجر میں اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ کا لفظ وعظ سے نہیں ہے بلکہ وہ باتفاق عضاد سے ہے۔ جو عِضَةٌ کی جمع ہے، عِضَةٌ اصل میں عِضَهَةٌ تھا، پھر ھاء اصلیہ حذف ہوئی چنانچہ اس کی جمع عِضَاهٌ بروزن فعال ہے، جو ہا کے اصل ہونے کی دلیل ہے، جیسے شَفَةٌ کہ اصل میں شَفَهَةٌ تھا چنانچہ اسکی جمع شِفَاهٌ آتی ہے۔ یا عِضَةٌ کی اصل عِضْوَةٌ ہے واؤ حذف کردی گئی، پہلی صورت میں معنی کذب و بہتان کے ہیں، اور دوسری صورت میں تفرق کے ہیں، یعنی وہ کفار نے قرآن کے بارے میں مختلف اقوال کہے ۔ "کسی نے شعر کہا کسی نے کہانت، اور کسی نے سحر" ۔

(۲۴) ظَلَّ بمعنی صَارَ و دَامَ قرآن میں اس کے مشتقات کل نو آئے ہیں۔ ناظم یہاں سے ان کو بتفصیل بیان کرتے ہیں۔ خاص طور پر اسی لفظ کے مشتقات کی تفصیل لانے سے لفظ ضَلَّ اور اس کے مشتقات سے ممتاز کرنا ہے، نیز لطیف پیرائے میں طالب علم کو ترغیب دینا مقصود ہے کہ جس طرح ہم نے اس لفظ کے تمام مشتقات تلاش کئے تم بھی باقی الفاظ کے مشتقات کا تتبع کرو، تاکہ بصیرت پیدا ہو۔

قولہ ظَلَّ النَّحْلُ وَزُخْرُفٌ سَوَا یعنی لفظ ظَلَّ بصیغہ ماضی واحد مذکر قرآن میں دو جگہ ہے، ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا (نحل ع ۷، زخرف ع ۲) میں ایک ہی طرح ہے، یعنی دونوں جگہ ظاء کے ساتھ ہے ۔ قاری فرماتے ہیں کہ چونکہ دونوں سورتوں میں باعتبار الفاظ و معنی کے جملوں کی ترکیب ایک جیسی ہے، اسی لئے سَوَاءٌ فرمایا۔

ش ۵۶ وَظَلْتَ ظَلْتُمْ وَبِرُوْمٍ ظَلُّوْا كَالْحِجْرِ ظَلَّتْ شُعَرَا نَظَلُّ

ت۔ اور (ظاء آتی ہے) ظَلْتَ اور فَظَلْتُمْ میں اور سورۂ روم میں لَظَلُّوْا سورۂ حجر والے فَظَلُّوْا کی طرح ہے ۔ (اور ظاء آتی) سورۂ شعراء کے فَظَلَّتْ اور فَنَظَلُّ میں ۔

ل۔ وَظَلْتَ واؤ عاطفہ ہے، اور وَكُلُّهَا تَجِئُ فِيْ کے تحت میں گذشتہ شعروں میں جو مجرورات آئے ہیں، یہ بھی انہیں

مل تفصیل کے لئے دیکھو نجوم الفرقان ص ۳۴۲ ۲ نجوم الفرقان و منح الفکریہ ۳ شارح مینی ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر معطوف ہے، ظَلْتُمْ بحذف عاطف ظَلْتَ پر معطوف ہے۔ وَبِرُوْمٍ ظَلُّوْا کَالْحَجَرِ جملہ معترضہ ہے، جس کا ترکیب نحوی میں سیاق و سباق سے تعلق نہیں یعنی وَثَبَّتَ بِرُوْمٍ ظَلُّوْا کَالْحَجَرِ، دونوں مجرور ثَبَّتَ کے متعلق، اور ظَلُّوْا بتاویل لفظ ثَبَّتَ کا فاعل ہے۔ ظَلْتَ شُعَرَا سے پھر وہی فِیْ کے مجرورات کا سلسلہ جاری ہو گیا ظَلْتَ شُعَرَا مضاف و مضاف الیہ ہیں کیونکہ ظَلْتَ فعل کی حیثیت میں مراد نہیں جو مضاف بنانا ناجائز ہو، بلکہ بتاویل لفظ مراد ہے۔ شُعَرَا اصل میں شُعَرَاءِ ہے آخر سے ہمزہ ضرورۃً حذف کیا گیا۔ نَظَلُّ وا و اطلاقی کے ساتھ، بحذف عاطف ظَلْتُ پر معطوف ہے۔

نوٹ:۔ ظَلْتَ اور ظَلْتُمْ اصل میں ظَلِلْتَ اور ظَلِلْتُمْ دو لاموں کے ساتھ ہیں، لام اوّل کو جو مکسور ہے تخفیفاً حذف کیا گیا ہے[1] قاریؒ کا لام ثانی کو محذوف فرمانا صحیح نہیں۔

ح۔ یعنی لفظ ظَلَّ بمعنی دَامَ کے مشتقات میں سے تیسرا مشتق سورۂ طٰہٰ ع ۵ میں اِلٰی اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا بھی ہے۔ اور چوتھا سورۂ واقعہ ع ۲ میں فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ۔ پانچواں سورۂ روم ع ۵ میں لَظَلُّوْا مِنْ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ، چھٹا سورۂ حجر ع ۱ میں فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ۔ ساتواں شعراء ع ۱ میں فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ آٹھواں نیز شعراء ع ۵ میں فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ ط

ش۸: یَظْلَلْنَ مَحْظُوْرًا مَّعَ الْمُحْتَظِرِ ۔۔۔ وَکُنْتَ فَظًّا وَّجَمِیْعُ النَّظَرِ

ت۔ اور فَیَظْلَلْنَ میں ـــــــ اور مَحْظُوْرًا میں ـــــــ مَعَ الْمُحْتَظِرِ کے اور کُنْتَ فَظًّا ـــــــ میں اور تمام نَظَرَ (کے مشتقات) میں۔

ل۔ یَظْلَلْنَ گذشتہ شعروں میں جس طرح ظاءات والے کلمات مجرور ہیں یہاں بھی یہ کلمات انہیں پر عطف ہیں لہٰذا یَظْلَلْنَ محلاً مجرور ہے ماقبل و مابعد میں حرف عاطف محذوف ہے یعنی وَمَحْظُوْرًا۔ مَعَ الْمُحْتَظِرِ (بکسر ظاء) مضاف و مضاف الیہ ظرف ہے اور کائنًا کے متعلق ہو کر مَحْظُوْرًا سے حال ہے۔ وَجَمِیْعِ النَّظَرِ لفظ جَمِیْع میں ظاہر تو یہ ہے کہ اس کو بھی گذشتہ مجرورات پر معطوف قرار دیتے ہوئے مجرور پڑھا جائے، لیکن مرفوع پڑھنا بھی صحیح ہے، اس صورت میں یہ مَعَ اپنے مضاف الیہ کے مبتدا ہو جائے گا، اور بِالظَّاءِ خبر محذوف سمجھی جائی گی اس طرح جملۂ اسمیہ ہو جائے گا یعنی وہ تمام الفاظِ نظر ظاء کے ساتھ ہیں۔ یا اِقْرَأْ فعل محذوف کا مفعول بہٖ قرار دیتے ہوئے منصوب پڑھا جائے یعنی اِقْرَأْ جَمِیْعَ النَّظَرِ بِالظَّاءِ یعنی نظر کے تمام الفاظ کو ظاء کے ساتھ پڑھو[2]۔

---

[1] تفسیر مظہری وجلالین [2] شارح رومی [3] ان تمام ترکیبوں کی طرف ملا علی قاریؒ نے اشارہ کیا ہے۔ دیکھو منح الفکریہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ح ۔ یعنی ظلّ سے نواں لفظ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ شوریٰ ع ۴ میں ہے ۔ یہاں تک ظلّ اور اس کے مشتقات کا بیان ختم ہوگیا ۔

(۲۵) مَحْظُوْرًا حظر سے بمعنی ممنوع ، قرآن میں اس سے صرف دو لفظ آئے ہیں ایک وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (اسراء ع ۲) دوسرے فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ (قمر ع ۲) اَلْمُحْتَظِرِ بصیغۂ اسم فاعل

(۲۶) فَظًّا بمعنی درشت مزاج ، قرآن میں صرف ایک جگہ ہے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ (آل عمران ع ۱۷)

(۲۷) نَظَرَ بمعنی دیکھنا ، یا انتظار کرنا قرآن میں اس کے مشتقات تمام شراح نے چھیاسی [۸۶] بتلائے ہیں [سلہ] ۔ لیکن یہ تعداد محل نظر ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ نظر قرآن میں اکثر دیکھنے کے معنی میں اور کہیں کہیں انتظار کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے مثلاً هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ (بقرہ ع ۲۵)

اگر دیکھنے اور انتظار کرنے دونوں معانی کو شامل ، الفاظِ نظر مراد لئے جائیں تو کل تعداد چھیانوے [۹۶] [سلہ] ہے ، اور اگر دیکھنے کے معنی میں شمار محدود رکھا جائے تو ہمارے تتبع میں جمہور کے نزدیک ستاسی [۸۷] اور امام حمزہ کے یہاں چھیاسی [۸۶] ہے ۔ کیوں کہ وہ سورۂ حدید میں اَنْظِرُوْنَا نَقْتَبِسْ انظار (بمعنی مہلت دینا) سے پڑھتے ہیں ۔ اور جمہور نظر سے ۔ جیسا کہ گذر چکا ہے ۔

لیکن اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ الفاظ نظر جو بمعنی انتظار ہیں ، کس جگہ شمار کئے گئے ہیں ؟ اُن کا شمار نہ تو لفظِ انتظار میں کیا گیا ، کیونکہ تمام شراح نے انتظار والے کلمات کی تعداد چودہ [۱۴] بتلائی ہے اور اس تعداد میں وہی لفظ مراد لئے ہیں جو انتظار (افتعال) سے ہیں ۔ نو [۹] جگہ لفظ نظر کے صیغے بمعنی انتظار آئے ہیں ۔ لہٰذا لفظ انتظار کے تحت میں انتظار کے معنی والے کلمات قرآنیہ کی تعداد تیئس [۲۳] بتلانی چاہیئے تھی ۔ اور اگر وہاں صرف لفظ انتظار (افتعال) والے الفاظ ہی میں کلام محدود تھا تو لامحالہ یہ نو [۹] الفاظ ، لفظ نظر کے ذیل میں داخل ہوجاتے ہیں ، اور اس وقت الفاظِ نظر کی تعداد کل چھیانوے [۹۶] ہوتی ہے ۔ اور غالباً یہی صحیح ہے کہ یہاں لفظ نظر دیکھنے اور انتظار کرنے والے دونوں معانی میں عام وشامل مراد ہے ، ناظم رحمہ اللہ نے اسی تعمیم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے غالباً وَجَمِيْعِ النَّظَرِ فرمایا ہے ۔

تفصیل درج ذیل ہے :۔

(۱) نَظَرَ توبہ ، ع ۱۶ مدثر ع ۱ (۲) فَنَظَرَ صٰفّٰت ع ۳ (۳) يَنْظُرُ آل عمران ع ۸ ۔ یونس ع ۵ ۔ ص ع ۲ ۔ نبا ع ۲ (۴) فَلْيَنْظُرْ اعراف ع ۱۵ (۵) فَلْيَنْظُرْ کہف ع ۳ ۔ حج ع ۲ ۔ عبس ۔ طارق (۶) وَلْتَنْظُرْ حشر ع ۳ (۷) اُنْظُرْ اعراف ع ۱۷ (۸) يَنْظُرُوْنَ (بمعنی انتظار) بقرہ ع ۲۵ ۔ انعام ع ۲۰ ۔ اعراف ع ۶ ۔ نحل ع ۴ ۔ فاطر ع ۵ ۔ یٰسٓ ع ۳ ۔ زخرف ع ۶ ۔ محمدؐ ع ۲ (۹) نَاظِرِيْنَ احزاب ع ۷ ۔ (۱۰) يَنْظُرُوْنَ (بمعنی دیکھنا) اعراف ع ۲۴ ۔ انفال ع ۱ ۔ احزاب ع ۲ ۔ صٰفّٰت ع ۱ ۔ زمر ع ۷ ۔ شوریٰ ع ۵ ۔ محمدؐ ع ۳ ۔ ذاریات ع ۲ ۔ مطففین ۔ ایضاً ۔ غاشیہ ۔ (۱۱) يَنْظُرُوْا اعراف ع ۲۳ ۔ ق ع ۱ (۱۲) فَيَنْظُرُوْا یوسف ع ۱۲ ۔ روم ع ۴ ۔ فاطر ع ۵ ۔ مومن ع ۳ ۔ مومن ع ۹ ۔ محمدؐ ع ۱ (۱۳) بقرہ ع ۶ ۔ ایضاً ۔ آل عمران ع ۱۴ ۔ واقعہ ع ۳ (۱۴) سَنَنْظُرُ نمل ع ۲ (۱۵) لِنَنْظُرَ یونس ع ۲ (۱۶) تَنْظُرُ نمل ع ۳ (۱۷) اُنْظُرْ نساء ع ۷ ۔ مائدہ ع ۱۰ ۔ ایضاً ۔ انعام ع ۳ انعام ع ۸ ، اعراف ع ۱۷ ۔ اسراء ع ۲

سلہ کذا فی الفراح سلہ رومی ، انصاری ، قاری وغیرہ سلہ نجوم الفرقان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَانْظُرْ بقرہ ع ۳۵۔ اعراف ع ۱۰۔ اعراف ع ۱۳۔ یونس ع ۴۔ یونس ع ۸۔ نمل ع ۱۔ نمل ع ۲۔ نمل ع ۴۔ قصص ع ۴۔ روم ع ۵۔ صٓفّٰت ع ۲، صٓفّٰت ع ۳۔ زخرف ع ۲ (۱۹) وَانْظُرْ بقرہ ع ۳۵۔ ایضًا۔ طٰہٰ ع ۵ (۲۰) وَانْظُرِیْ نمل ع ۳ (۲۱) اُنْظُرُوْا انعام ع ۳۔ انعام ع ۱۲۔ یونس ع ۱۰ (۲۲) فَانْظُرُوْا آل عمران ع ۱۴۔ نحل ع ۵۔ نحل ع ۶ عنکبوت ع ۲ روم ع ۵ (۲۳) وَانْظُرُوْا اعراف ع ۱۱ (۲۴) اُنْظُرْنَا بقرہ ع ۱۳ (۲۵) وَانْظُرْنَا نساء ع ۷ (۲۶) اُنْظُرُوْنَا حدید ع ۲۔ (۲۷) نَظَرَ محمد ع ۳ (۲۸) اَلنّٰظِرِیْنَ بقرہ ع ۸ (۲۹) لِلنّٰظِرِیْنَ اعراف ع ۱۳۔ حجر ع ۲۔ شعراء ع ۲۔ (۳۰) فَاظِرَةٌ قیٰمۃ ع ۱۔ فَنَاظِرَةٌ نمل ع ۳ (۳۱) نَظْرَةً صٓفّٰت ع ۳۔

نوٹ:۔ (۱) آٹھ^۸ اور نو^۹ نمبر کے تحت لفظ یَنْظُرُوْنَ اور نٰظِرِیْنَ بمعنی انتظار ہیں۔ باقی دیکھنا ہیں اور حرف فِیْ آئے جیسے اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ تو بمعنی تفکر ہوتا ہے۔[1]

(۲) لفظ فَنَظِرَةٌ (بقرہ ع ۳۸) یہاں شمار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ بمعنی مہلت ہے۔

(۳) سورۂ حدید ع ۲ میں اُنْظُرُوْنَا باب نصر سے ہو تو مفسّرین نے دیکھنے اور انتظار کرنے کے دونوں معانی بیان کئے ہیں، اور امام حمزہ کے یہاں افعال سے ہے، جس کے معنی باتفاق مہلت دینے کے ہیں[2] اس لفظ میں خصوصیت یہ ہے کہ دیکھنا، انتظار کرنا اور مہلت دینا تینوں معانی کو جامع ہے۔

ش۵. اِلَّا بِوَیْلٍ هَلْ وَاُولٰی نَاضِرَهْ وَالْغَیْظِ لَا الرَّعْدِ وَهُوْدٍ قَاصِرَهْ

ت۔ مگر وہ نَضْرَةٌ جو سورۂ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ اور هَلْ اَتٰی (دہر) میں ــــ اور (قیامہ میں) پہلے لفظ نَاضِرَةٌ میں ہے ــــ اور (ظاء) آئی ہے، لفظ غَیْظ میں نہ اُس غَیْض میں جو رعد اور ہود ہی میں محدود ہے۔

ل۔ اِلَّا حرفِ استثناء۔ استثناء مقصود ہے وَجَمِیْعِ النَّظَرِ بِالظَّاءِ سے۔ مستثنیٰ محذوف ہے یعنی اِلَّا الَّذِیْ بِوَیْلٍ۔ بِوَیْلٍ فعل مقدر وَقَعَ کے متعلق ہے، اور جملہ، موصول مقدر اَلَّذِیْ کا صلہ ہے۔ هَلْ، وَیْلٍ پر عطف ہے، حرفِ عاطف مقدر ہے۔ اُوْلٰی مضاف نَاضِرَة مضاف الیہ۔ مرکب اضافی اپنے ماقبل پر عطف ہے۔ وَالْغَیْظِ (جر کے ساتھ) اوپر کے اشعار میں ظاءات والے الفاظ پر عطف، جو تحجّی فِیْ کے تحت میں مجرور ہیں لَا حرفِ عطف۔ اَلْغَیْظِ معطوف علیہ، اَلرَّعْدِ وَهُوْدٍ معطوف قَاصِرَة مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی۔ اَلْغَیْضُ قَاصِرَةٌ فِی الرَّعْدِ وَهُوْدٍ۔ یا اَلرَّعْدِ وَهُوْدٍ سے حال ہونے کی وجہ سے حال منصوب ہے یعنی نہ کہ رعد و ہود دراں حالیکہ وہ دونوں لفظ غَیْض (بالضاد) کے ساتھ ہی مخصوص و محدود ہیں۔

---

[1] منح الفکریہ [2] ابراز المعانی ص۱۷۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خ ۔ یعنی قرآن میں نظر کے تمام الفاظ ظاء سے ہیں مگر تین جگہ ضاد ہے ۔ ایک سورۂ مطففین میں نَضْرَةَ النَّعِيمِ دوسرا سورۂ هَلْ اَتٰى اور پہلا اسلئے فرمایا وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا تیسرا سورۂ قیامہ میں پہلا لفظ یعنی وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ اور پہلا اس لئے فرمایا کہ اس کے بعد دوسرا لفظ ظاء ہی سے ہے یعنی اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔

ضاد والے مذکورتینوں الفاظ، نَضَارَتٌ (باب سمع وکرم) سے ہیں، جس کے معنی حسن ورونق کے ہیں، اسی سے حدیث میں آتا ہے نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو رونق بخشے جو میرا کلام سنے، اسے محفوظ رکھے اور پھر اسی طرح دوسروں کو پہنچا دے جس طرح سنا ہے ۔"

(۲۸) وَالْغَيْظ یعنی قرآن مجید میں تمام الفاظِ غیظ بھی ظاء کے ساتھ آئے ہیں، جس کے معنی غضب وغصہ کے ہیں ۔ اور جس کی حقیقت[1] ہے "حرارتِ قلبی کا جوش مارنا "

قرآن میں اس سے گیارہ الفاظ آئے ہیں[2] (۱) يَغِيْظُ (توبہ ع ۱۵) حج ع ۲ (۲) لِيَغِيْظَ (فتح ع ۴) (۳) اَلْغَيْظِ (آل عمران ع ۱۲ ۔ ملک ع ۱) (۴) غَيْظَ (توبہ ع ۲) (۵) اَلْغَيْظَ (آل عمران ع ۱۴) (۶) بِغَيْظِكُمْ (آل عمران ع ۱۲) (۷) بِغَيْظِهِمْ (احزاب ع ۳) (۸) لَغَآئِظُوْنَ (شعراء ع ۴) (۹) تَغَيُّظًا (فرقان ع ۲)

قولہ :۔ لا الرَّعْدِ وَهُوْدٍ یعنی سوائے دو جگہ کے، کہ وہاں لفظ غَيْض بالضاد سے بنے ہوئے الفاظ آئے ہیں، ایک سورۂ رعد میں وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ (ع ۲) دوسرا سورۂ ہود میں وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ (ع ۴) لفظ غَيْض کے معنی کم کرنے اور کم ہونے کے ہیں[3] ۔

قولہ :۔ قَاصِرَةٌ اس کی مراد میں شراح مختلف الرائے ہیں ۔

(۱) یعنی لفظ غیض رعد وہود دو سورتوں میں ہی منحصر ہے، قرآن میں اور کہیں نہیں[4] ۔ قَاصِرَةٌ عَلَيْهِمَا اي مُنْحَصِرَةٌ فِيْهِمَا.

نوٹ :۔ ترجمہ میں ہم نے اسی معنی کو لیا ہے ۔

(۲) قصور بمعنی نقص، یعنی ناظم رح قاصرہ سے يَغِيْضُ کے معنی بتلا رہے ہیں، کہ یہ دیکھنے کے معنی میں نہیں بلکہ نقص کے معنی میں ہے[5] ۔

(۳) شاید لفظ قَاصِرَة سے ناظم رح کی یہ مراد ہو کہ ان دو سورتوں میں جو ضاد والے دو لفظ آئے ہیں وہ مقصور الالف ہیں، لہذا ضاد ہیں ظاء نہیں[6] ۔

اسی آخری تشریح کو ملا علی قاری رح نے اختیار کرتے ہوئے[7]، با وضاحت کلام کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ خطِ کوفی میں ضاد کا الف چھوٹا ہوتا تھا اور ظاء کا الف طویل ہوتا تھا، تاکہ مرکب کلمات میں دونوں میں فرق ہو جائے ۔ یعنی اس طرح ضا ضا کہ اول ضاد ہے اور دوسرا ظاء ہے ۔ بعد میں فرق کو واضح کرنے کے لئے ضاد میں گول مرکز دائرہ بنایا گیا اور ظاء میں نہیں یعنی اس طرح ض ۔ ظ باقی تفصیل آئندہ شعر میں لفظ ضنین کے تحت دیکھو ۔

---

[1] منح الفکریہ [2] نجوم الفرقان وتمام شراح ۔ [3] لازم ومتعدی دونوں معنی ہیں ۔ کذا فی القاموس ۔ تفسیر مظہری [4] شیخ زکریا الانصاری رح [5] رومی رح [6] رومی [7] منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شٓ۵۹ وَالْحَظِّ لَا الْحَضِّ عَلَى الطَّعَامِ ۔۔۔ وَفِي ضَنِينٍ بِالْخِلَافُ سَامِي

ت ۔ اور (ظائی ہے) لفظ حَظّ (کے مادہ) میں، نہ کہ حَضّ عَلٰی طعام المسکین (والے مادہ) میں ۔ اور لفظ ضَنِین میں (قراء کا) اختلاف بلند ہے ۔

ل ۔ ظاء کے ساتھ حَظّ کے معنی نصیب کے ہیں ۔ اور ضاد کے ساتھ حَضّ کے معنی کسی کام کا شوق دلانے اور ترغیب دینے کے ہیں ۔ حَضّ عَلَى الطَّعَامِ کے معنی ہوئے، کھانا کھلانے کی ترغیب دینا ۔ قرآن میں چونکہ ہر جگہ حَضّ کے صیغوں کے ساتھ عَلَى الطَّعَامِ آیا ہے، ناظم رح نے بطور قید قرآنی اس کو بھی ذکر کردیا ہے ۔ سَامِي بمعنی بلند سَمَا يَسْمُو سے صیغۂ اسم فاعل ۔ یاء کے ساتھ ہونے میں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ناقص کے صیغۂ اسم فاعل کے آخر سے یاء حذف ہونی چاہیئے جیسے قَاضٍ، دَاعٍ میں ۔ لیکن آخر سے یاء کا حذف، یاء اور تنوین میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ اگر کسی وجہ مثلاً لام تعریف کے داخل ہونے، یا وقف کی وجہ سے تنوین حذف ہوجائے تو اجتماع ساکنین نہ رہنے کی وجہ سے یاء کو باقی رکھنا جائز ہے، جیسا کہ ابن کثیر مکی رح کی قراءت میں باقی، واقی وغیرہ میں بحالت وقف یاء رہتی ہے ۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ آخر سے تنوین کے حذف کے بعد کسرۂ میم کو اشباع کے لئے قرار دیا جائے ۔

وَالْحَظِّ جر کے ساتھ ۔ کلمات مذکورہ پر عطف ہے یعنی اَلظَّاءُ فِي الْحَظِّ ۔ لَا ۔ حرف عطف ۔ الْحَضِّ معطوف الْحَظِّ پر، عَلَى الطَّعَامِ، متعلق اَلْحَضِّ کے ساتھ ۔ اَلطَّعَامِ میں الف لام تعریف قرآنی لفظ کی طرف اشارہ کے لئے ہے تو جنسی ہے یا مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۔ احتمال اول بہتر ہے ۔ اَلْخِلَافُ مبتدا سَامِي خبر فِي ضَنِينٍ متعلق سَامِي ۔

ح ۔ (۲۹) وَالْحَظِّ یعنی حظ بمعنی نصیب، قرآن میں ظاء کے ساتھ ہے ۔ اور سات جگہ ہے ۔ نساء ع ۲ اور ع ۲۲ ۔ قصص ع ۸ ۔ حٰم سجدہ ع ۵ ۔ آل عمران ع ۱۸ ۔ مائدہ ع ۳ ، ایضاً

قولہ لَا الْحَضِّ عَلَى الطَّعَامِ یعنی حَضّ بمعنی ترغیب ظاء کے ساتھ نہیں، بلکہ ضاد کے ساتھ ہے، جو قرآن میں تین جگہ آیا ہے وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ (حاقہ ع ۱، وماعون) اور وَلَا تَحَاضُّونَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ (فجر)

(۳۰) قولہ وَفِي ضَنِينٍ الخ یعنی سورۂ تکویر میں لفظ ضنین قراء میں مختلف فیہ ہے ۔

قراء عشرہ میں سے مکی بصری، رُوَیس اور کسائی ظاء کے ساتھ بِظَنِينٍ اور نافع، شامی ابوجعفر عاصم، حمزہ، خلف اور رَوح ضاد کے ساتھ بِضَنِينٍ پڑھتے ہیں ۔ گویا یہ لفظ ظاء پڑھنے والوں کے یہاں ظاءات والے کلمات میں اور ضاد پڑھنے والوں

---

۱ منح الفکریہ ۲ رومی ۳ منح الفکریہ ۴ نجوم الفرقان ۵ البدور الزاہرہ فی القراءات العشرہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے یہاں ظاءات والے کلمات میں، اور ضاد پڑھنے والوں کے لئے ضاد والے کلمات میں داخل ہے۔

علماء رسم نے لکھا ہے کہ مصحف امام اور دیگر مصاحف میں یہ لفظ ضاد کے ساتھ ہی مرسوم پایا گیا ہے[1]۔ البتہ ظاء کا رسم مصحف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں دیکھا گیا۔ گویا ظاء والی قراءت کی تائید مصاحف عثمانیہ سے تو نہیں ہوتی، البتہ مصحف ابن مسعودؓ سے ہوتی ہے[2]۔

نیز زمخشری نے کہا ہے کہ مصحف عبداللہ بن مسعودؓ میں ظاء اور مصحف اُبَی بن کعبؓ میں ضاد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قراءتیں پڑھتے تھے[3]۔

اور ابوعبید اور جعبری اس کی توجیہہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں اختلافِ رسم کو تلاش نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ خط کوفی جس میں مصاحفِ عثمانیہ لکھے گئے تھے اس میں ضاد اور ظاء کا رسم کچھ زیادہ مختلف نہ تھا، بس یہ فرق تھا کہ ضاد کا الف چھوٹا اور ظاء کا قد سے طویل ہوتا تھا، یعنی یہ صورت ہوتی تھی ص ۔ ط۔ اول ضاد اور ثانی ظاء ہے۔ حاصل یہ کہ دونوں کا رسم مشتبہ ہوتا تھا، تو دونوں قراءتوں کے رسم کی تائید مصاحف عثمانیہ ہی سے ہو جاتی ہے[4]۔

فائدہ:۔ عہد اوّل میں مصاحف کا رسم خط کوفی میں تھا اور تقریباً پانچویں صدی ہجری تک خط کوفی ہی رہا پھر خط ثلث میں رواج ہوا اور آٹھویں نویں صدی تک اسی میں معمول رہا، پھر خط نسخ ظہور میں آیا جو سابقہ طرز تحریر کے مقابلہ میں زیادہ صاف وعمدہ تھا چنانچہ اس وقت سے موجودہ دور تک مصاحف کا طرزِ تحریر نسخ ہی میں ہے[5]۔

ظَنِیْنٍ ظنۃ بمعنی تہمت سے ہے۔ یعنی آپؐ غیب کی خبریں دینے میں مُتّہم نہیں، بلکہ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ وحی سے ہی ہوتا ہے جیسے فرمایا **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى**۔

ضَنِيْنٍ بمعنی بخیل فعیل بمعنی فاعل یعنی ضانٌّ ہے، یعنی آپؐ وحی کو لوگوں تک پہنچانے میں قطعاً بخل سے کام نہیں لیتے، بلکہ سب کچھ بے کم وکاست اُمت تک پہنچا دیتے ہیں۔

نوٹ:۔ ظاء والے کلمات ختم ہو گئے مشتقات کے جو اعداد درج کرتے آئے ہیں، اُن میں سورہ حدید ع ۲ والا انظرونا اختلاف قراءت کے باعث انظارا اور نظر دونوں میں شمار ہو کر مکرر ہوا ہے۔ ان مشتقات کی کل میزان حدید والے کو ایک شمار کرتے ہوئے کل ۸۵۹ اور لفظ ضنین میں ظاء والی قراءت کو بھی شمار کیا جائے تو کل ۸۶۰ آٹھ سو ساٹھ ہوتی ہے۔ یہ تعداد اُس سے مختلف ہے جو ہم شروع میں فقیہ ابواللیث کی کتاب بُستان سے نقل کر آئے ہیں وہ تعداد آٹھ سو بیالیس دی گئی ہے۔ واللّٰہ اَعْلَمُ بالصواب

بَابُ التَّحْذِيْرَاتِ

ضاد وغیرہ کی ادا میں احتیاط وتنبیہات کا بیان۔

---

[1] روحی، قاری، عقیلہ [2] روحی وقاری [3] ابراز المعانی [4] ابراز المعانی، فضل الرحمٰن شرح عقیلہ، غیث النفع قاری روحی [5] تاریخ القرآن لمحمد طاہر بن عبدالقادر الکردی المکی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ش: وَاِنْ تَلَاقَيَا الْبَيَانُ لَازِمٌ ۔ أَنْقَضَ ظَهْرَكَ يَعَضُّ الظَّالِمُ

ت: اور اگر یہ دونوں حروف (ضاد و ظا) پاس پاس آئیں تو ان میں فرق کرنا ضروری ہے (جیسے) أَنْقَضَ ظَهْرَكَ (اور) وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ۔

ل: إِنْ حرفِ شرط تَلَاقَيَا جملہ ہوکر شرط اَلْبَيَانُ (مبتدا) لَازِمٌ (خبر) جملہ اسمیہ ہوکر، شرط کی جزا۔ اور فاءِ جزائیہ مقدر ہے یعنی فَالْبَيَانُ لَازِمٌ۔ مگر جزا جبکہ جملہ اسمیہ ہو فاءِ جزائیہ کا لانا لازم ہے، فا کی تقدیر شاذ ہے، جیسے شاعر نے کہا ہے ؎

مَنْ يَفْعَلِ الْحَسَنَاتِ اللّٰهُ يَشْكُرُهَا ۔ وَالشَّرُّ بِالشَّرِّ عِنْدَ اللّٰهِ مِثْلَانِ

یعنی فَاللّٰهُ يَشْكُرُهَا۔ آگے مِثَالُهُ مبتدا مقدر ہے اور دوسرا مصرعہ خبر ہے جس میں دو مثالیں دی گئی ہیں أَنْقَضَ ظَهْرَكَ اور يَعَضُّ الظَّالِمُ کو یا حرفِ عاطف مقدر ہے۔ یہ اشکال نہ کیا جائے کہ دوسری مثال میں ضاد اور ظا میں تلاقی نہیں درمیان میں الف لام تعریف فاصل ہے، کیونکہ ناظمؒ کی تلاقی سے مراد تلاقی اللفظ ہے رسم کے اعتبار سے تلاقی ہو یا نہ ہو۔

ح: ناظمؒ نے باب اوّل میں ضاد کو اس کے صحیح مخرج و صفاتِ لازمہ کے ساتھ اس کی صفتِ ممیزہ استطالت کو ادا کرنے کا حکم فرمایا تاکہ ضاد ظا سے نہ بدلے، وہ تاکید اس وقت تھی کہ ضاد تنہا ہو، یہاں فرماتے ہیں کہ جب یہ دونوں حروف ایک جگہ جمع ہوں تو اہتمام سے دونوں میں خوب فرق کرنا چاہیئے، کیونکہ تمام مشتبہ الصوت حروف میں سے جہاں بھی دو حرف جمع ہوں خصوصیت سے دونوں میں فرق کرنا بہت ضروری ہے مثلاً س، ص ث اور ت ط اور د، ز ظ، ض آپس میں مشتبہ الصوت ہیں، ناظمؒ کا یہ شعر گذر چکا ہے کہ ؎ وَهُوَ اِعْطَاءُ الْحُرُوْفِ حَقَّهَا ۔ مِنْ صِفَةٍ لَهَا وَمُسْتَحَقَّهَا۔

علم تجوید کا بنیادی اصول یہی ہے جو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ: ضاد کی ادا کا جھگڑا عرصہ سے مسلمانوں میں چلا آتا ہے اور یہ ہمارے دور کا ہی فتنہ نہیں بلکہ صدیوں سے قائم ہے علامہ جزری کا دور بھی اس مسئلہ میں تنازعات سے خالی نہ تھا، چنانچہ اکثر شامیین و اہلِ مشرق کی یہ غلطی لکھی ہے کہ وہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے تھے۔ مگر وہ علمی دور تھے، دلائل قاطعہ سے عوام کی تسکین ہو جاتی تھی، مگر ہمارا دور، ضاد و ظا یا دال میں اس بُری طرح اُلجھا کہ صحیح ادا کے مسئلہ سے بڑھ کر نماز دوں کے فساد و عدمِ فساد اور اسلام و کفر تک نوبت پہنچ گئی۔

ان جھگڑنے والوں کا حال یہ ہے کہ شین قاف تک دُرست نہیں وصل، وقف اظہار اخفا، ترقیق و تفخیم کے نام سے بھی اچھی طرح واقف نہیں، اس پر حال یہ کہ ایک فریق دوسرے فریق کی نماز کو باطل بتاتا ہے، اور سارے جھگڑے میں تان آکر ضاد کی ادائیگی پر ٹوٹتی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ اور باتوں میں جھگڑا کیوں نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ضاد کو صحیح ادا کرنا جس طرح مامور بہ ہے اسی طرح تجوید کی اور باتیں بھی مامور بہ ہیں، پھر صرف ایک قاعدہ پر عمل کرتے اور باقی کو ترک کرتے نئے نماز کیونکر صحیح یا کامل ہو جائے گی۔

واضح ہو کہ یہاں دو مسئلے ہیں ایک یہ کہ تبدیل حرف بحرف تجوید کے خلاف ہے اور لحن جلی ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز کی صحت و فساد کا حکم کس حالت میں ہے ؟

علمائے تجوید کی بحث کا مرکز حروف کی صحیح ادا پر زور دینا ہے ، غلط ادا کی صورت میں ان کا وظیفہ یہ نہیں کہ نماز کی صحت یا فساد کا حکم کریں اس کے لئے علمائے شریعت سے رجوع کرنا چاہیئے ۔

اکثر مشائخ اخیار کا فتویٰ یہ ہے کہ غلط تلفظ سے اگر معنی میں تغیر فاحش ہو تو نماز فاسد ہے ورنہ نہیں ۔ بعض نے فرمایا کہ اگر دو حرفوں میں امتیاز دشوار ہو اور ایک حرف دوسرے سے بدل جائے تو عمومِ بلویٰ کی وجہ سے نماز صحیح ۔ اور امتیاز دشوار نہ ہو تو حرف کی تبدیلی سے نماز فاسد ہو گی جیسے ضاد کی جگہ طاء یا تاء پڑھے ۔

لہذا ضاد کو خالص دال پڑھنے سے نماز صحیح نہ ہو گی البتہ دال مفخم یا ظاء خالصہ یا مشابہ ظاء پڑھنے سے نماز صحیح ہو جائے گی ۔

اکثر مشائخ کے قول پر ہی فتاویٰ قاضیخان میں ہے کہ غیر المغضوب پڑھنے سے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے و لا الظالین پڑھنے سے نہیں ہوتی ، کیونکہ قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظَلَّ بالظاء کے معنی جَنَحَ اللیل اور سواد السحاب کے بھی ہیں پس ظالّین کے معنی داخل فی الظلمات کے ہوں گے ، جو حاصل ہے ضلال بالضاد کا ۔ یا یہ افعال ناقصہ سے ظالّین بمعنی الکائنین ہو گا اور فی ضلال خبر مقدر ہو گی ۔

بہر حال اس نزاع کو اہلِ فقہ سمجھیں ، ہمیں اس سے بحث مقصود نہیں ۔ عرض یہ کرنا ہے کہ علمائے تجوید نے لکھا ہے ضاد آواز کے اعتبار سے ظاء سے مشابہ ہے ۔ علامہ ابو محمد مکیؒ فرماتے ہیں الضاد حرفٌ یُشْبِہُ لَفْظُہٗ فِی السَّمْعِ بِلَفْظِ الظَّاءِ ۔[2] تمہید میں ہے اگر استطالت اور اختلاف مخرج نہ ہوتا تو ضاد ، ظاء ہوتا ،، ضاد کو ظاء سے مشابہ پڑھنے کی تین صورتیں ہیں اول ض و ظ میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو ، یعنی ضاد کو صاف مخرجِ ظاء سے نکالا جائے دوسرے یہ کہ مخرج میں تو تمیز ہو ، لیکن صوت میں بالکل تمیز نہ ہو یعنی نکالا تو جائے اپنے اپنے مخرج صحیح سے لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو جس کو اتحادِ صوت کہا جاتا ہے ، تیسرے یہ کہ مخرج و صوت دونوں میں تمیز ہو مگر اقرب الی الظاء ہو ، یعنی نکالا بھی جائے ۔ مخرجِ صحیح سے اور دونوں کی صورت میں تشابہ تام نہ ہو بلکہ من وجہٍ دون وجہٍ ہو لیکن غالب مشابہت صوتِ ظاء سے ہو دال سے نہیں ۔ یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالظاء کی ہیں

یہی تین صورتیں تشبیہ بالدال کی ہیں (۱) ضاد و دال میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو ، گو تفخیم کا فرق کر لیا جائے یعنی ضاد کو صاف مخرجِ دال سے نکالا جائے (۲) مخرج میں تمیز ہو ، لیکن صوت میں تمیز نہ ہو یعنی نکالا تو جائے اپنے مخرجِ صحیح سے لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو (۳) مخرج و صوت دونوں میں تمیز ہو ، مگر اقرب الی الدال ہو ، یعنی نکالا بھی جائے مخرجِ صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام بھی نہ ہو بلکہ من وجہٍ ہو ، لیکن غالب مشابہت صوتِ دال کی ہو ۔

اختلاف کرتے والوں میں خالص ظاء اور خالص دال پڑھنے والوں کا باطل ہونا بدیہی ہے ، کیونکہ یہ صاف تبدیل حرف بحرف ہے ۔ اور بعض نے تشبیہ بالظاء کی دوسری اور تیسری صورتوں کو اختیار کیا ہے ، اور یہ لوگ اہل اختلاف میں محقق شمار ہوتے ہیں ؛ اور علامہ جزری کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صورتیں بھی صحیح نہیں ، کیونکہ ان پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی اور مطلق تشابہ ہونا جیسا کہ کتب تجوید و فقہ میں مصرح ہے ، تشابہ تام میں منحصر نہیں ، بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے ، چنانچہ لِثُبُوْتِ التَّشَابُہِ وَعُسْرِ التَّمْیِیْزِ بَیْنَہُمَا میں عسرِ تمیز کا لفظ خود بتلا رہا

---

[1] یہ تمام بحث فتاویٰ امدادیہ جلد اول سے نقل کی گئی ہے ۔ [2] رعایہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ تمیز تو ہے مگر عسیر ہے، کیونکہ یہ کسی بھی جگہ نہیں کہ ضاد و ظاء میں کوئی تمیز نہیں، اور جب واقعۃً ظاء سے متمیز ہے باوجودیکہ دونوں صفات کثیرہ میں مشترک ہیں تو دال سے بدرجہ اولی متمیز ہوگا، کیونکہ عُسرِ تمیز کو جہدُ المقل وغیرہ میں اس علت کے ساتھ معلول کیا ہے کہ فَاِنَّہٗ یُشَارِکُ الظَّاءَ فِیْ صِفَاتِہَا اور دال کے ساتھ اکثرت صفات میں اشتراک منتفی ہے، لہٰذا تشابہ بھی منفی ہو گیا۔ اب صورت سوم باقی رہی یعنی ضاد و ظاء کے مخرج وصوت دونوں میں تمیز ہو مگر اقرب الی الظاء ہو، اور یہی صورت حق ہے کہ صوت و مخرج میں امتیاز ہونا چاہیئے۔

علامہ ابوعمرو دانی سے نقل کیا گیا ہے کہ

وَقَدْ کَانَ بَعْضُ الْفُقَہَاءِ مِنْ اَصْحَابِنَا لَایَقْرَأُ الصَّلٰوۃَ خَلْفَ مَنْ لَمْ یُمَیِّزِ الضَّادَ مِنَ الظَّاءِ[۲]	ہمارے اصحاب میں بعض فقہاء اس شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے جو ضاد کو ظاء سے ممتاز ادا نہ کر سکے۔

حاصل یہ کہ اگر حافۂ لسان و اضراس سے استطالت کے ساتھ ہو تو حق فصیح ہے اور اگر طرفِ لسان وثنایا ادا ہو تو ظاء سے ضاد نہیں ہو سکتا اور اگر حافہ و اضراس سے بلا استطالت ادا ہو تو وہ ضاد مستہجن ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ ضاد فصیحہ اور ظاء کے مخرج کے بین بین ہوگا،[۳] اور اسی کو جاربردی اور شافیہ میں ضاد مستہجنہ کہا ہے (یعنی ضادِ معیوب وغیر صحیح)

اب یہ اشکال نہ رہا کہ علامہ جزری رح نے ضاد و ظاء میں امتیاز کرنے کی تاکید فرمائی اور مرعشی، وابومحمد مکی نے ضاد کو ظاء کے مشابہ قرار دیا ہے، کیونکہ تشابہ سے ضاد کا عین ظاء ہونا لازم نہیں آتا۔ شافیہ میں ہے کہ "وہ ضاد ضعیفہ مستہجن ہے"۔ نظامیہ شرح شافیہ میں ہے کہ "وہ ضاد ضعیفہ یہ ہے کہ بین الضاد والظاء ہو"۔ اور حروف مستہجنہ کا قرآن شریف میں پڑھنا جائز نہیں اور تلاوت و قراءت میں حرام[۴] ہے"۔ یہ جائز نہیں تو بعینہٖ ظاء پڑھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

ش ۲۱ وَاضْطُرَّ مَعْ وَعَظْتَ مَعْ اَفَضْتُمُ ۔۔۔ وَصَفِّ هَاجِبَاهُهُمْ عَلَيْهِمُ

ت اور ضاد و ظاء کو واضح کرنا ضروری ہے (جب کہ وہ طاء یا تاء سے پہلے واقع ہوں جیسے) اُضْطُرَّ میں مَعَ اَوَعَظْتَ اور مَعَ اَفَضْتُمْ کے۔ اور صاف ادا کرو جِبَاهُهُمْ اور عَلَيْهِمْ کی ھا کو۔

ل واؤ عاطفہ یعنی وَبَیَانُ الضَّادِ وَالظَّاءِ لَازِمٌ فِیْ اُضْطُرَّ الخ لہٰذا اُضْطُرَّ بتقدیر فِیْ محلاً مجرور ہے مَعْ دونوں بسکون عین تخفیفاً۔ علی لغۃ ربیعہ ظرف متعلق کائنًا کے ہو کر اُضْطُرَّ سے حال وَعَظْتَ، مَعَ کا مضاف الیہ محلاً مجرور مَعَ ظرف متعلق کائنًا کے ہو کر وَعَظْتَ سے حال اَفَضْتُمْ (اشباع کے ساتھ) مَعَ کا مضاف الیہ محلاً مجرور[۵]۔ یہ بھی احتمال صحیح ہے کہ بقرینہ سابق ولاحق واؤ عاطفہ کے بعد بَیِّنْ یا صَفِّ فعل محذوف ہو[۶] یعنی بَیِّنْ یا صَفِّ اُضْطُرَّ الخ

---

[۱] ماخوذ از امداد انصاری بتغیر [۲] محو الفساد ص ۴۴ [۳] امداد الفتاوی [۴] رسالہ تبعید الضاد عن صوت الظاء [۵] ردمی [۶] عین الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صَفّ صیغہ امر از تنفیۃ ھا بحذف ہمزہ ضرورۃ مضاف، جِبَاهُهُمْ عَلَيْهِمْ بحذف عاطف مضاف الیہ محلاً مجرور۔ مضافین صَفّ کا مفعول۔

ح۔ یعنی اگر ضاد و ظاء کے بعد طا یا تا واقع ہوں تو ضاد ظا کو واضح پڑھنا ضروری ہے تاکہ ادغام نہ ہو جائے کیونکہ اختلاف مخرج کی وجہ سے ادغام جائز نہیں۔ جیسے فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (مائدہ ع ۱) اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوَاعِظِيْنَ (شعراء ع ۷) فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ (البقرہ ع ۲۵) وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا (توبہ ع ۹)

اسی طرح فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ (توبہ ع ۵) میں دو ھا غیر مدغم جمع ہیں، ہر ایک کو واضح پڑھنا ضروری ہے تاکہ ادغام نہ ہو جائے یا ھا کے حرف خفی ہونے کی وجہ سے ایک ھا حذف نہ ہو جائے۔ بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ ھا خود بھی ضعیف ہے اور الف کے بعد واقع ہے اور وہ بھی حرف ضعیف ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ھَاوِیُّ کے چار حروف ضعف کی وجہ سے خفی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح عَلَيْهِمْ اِلَيْهِمْ میں ھا کا بیان و اظہار ضروری ہے کیونکہ یہاں بھی دو حرف ضعیف جمع ہو رہے ہیں۔ ایک یا لین، جو اپنی لینیت کی وجہ سے حرف ضعیف ہے دوسرے ھاء۔

ضاد و ظا کی تلاقی کا بیان اور مثالیں شعر بالا میں ختم ہو گئیں، اس شعر میں ناظم حسب سابق ضاد و ظا کی بحث سے قطع نظر پھر تمایز بین الحروف اور تجوید کے اصول کے بیان کی طرف لوٹ گئے ہیں۔[1]

بَابُ اَحْكَامِ النُّوْنِ وَالْمِيْمِ الْمُشَدَّدَتَيْنِ وَالْمِيْمِ السَّاكِنَةِ

نون مشدد، میم مشدد اور میم ساکنہ کے مسائل

ش ۶۲ وَاَظْهِرِ الْغُنَّةَ مِنْ نُّوْنٍ وَّمِنْ   مِيْمٍ اِذَا مَا شُدِّدَا، وَاَخْفِيَنْ

ت اور غنّہ ظاہر کرو نون و میم میں جس وقت کہ وہ مُشَدَّد ہوں۔ اور ضرور اخفا کرو . . . .

ل۔ اَظْهِرْ صیغہ امر اَلْغُنَّةَ اس کا مفعول مِنْ نُّوْنٍ متعلق اَلْغُنَّةَ کے۔ وَمِنْ مِيْمٍ اس پر عطف ہے۔ اِذَا، اَظْهِرْ کا ظرف مَا زائدہ ہے۔ اَخْفِيَنْ نون خفیفہ تاکید کے لئے ہے، اس کا مفعول اگلے شعر میں اَلْمِيْمَ آرہا ہے شُدِّدَا ماضی مجہول، اس کا نائب فاعل ضمیر تثنیہ ہے جو نون و میم کی طرف راجع ہے۔[2]

---

[1] شیخ خالد ازہری [2] ملا رومی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ح :- یعنی نون ومیم میں غنہ کی صفتِ ذاتی جو اُن میں پہلے سے موجود ہے اُن کے مشدّد ہو جانے کی صورت میں اس صفت کو بکمال ظاہر کرو، جیسے اِنَّ اور ثُمَّ ۔

اور "بکمال ظاہر کرو" کا مطلب اس بات سے نکلتا ہے کہ نون ومیم متحرک ہوں یا ساکن، ظاہر ہوں یا مخفات یا مدغم بادغام ناقص، غنہ اُن کے لئے مطلقاً صفتِ لازمہ ہے، البتہ ان حرفوں کے سکون کے وقت یہ غنہ بہ نسبت متحرک ہونے کے اکمل ہوتا ہے، اور مخفات ہونے کی حالت میں مظہر سے زیادہ ہے اور مُدغم میں مُخفات سے بھی زیادہ مکمل ہوتا ہے۔ اور مخارج کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ غنہ کا مخرج خیشوم ہے[1] ۔

نون ومیم کا مشدّد ہونا عام معنی میں مراد ہے، خواہ ادغام کی وجہ سے تشدید ہو یا کلمہ اپنی وضع ہی میں مشدّد ہو۔ اور ادغام کی وجہ سے جو تشدید ہو وہ بھی عام ہے کہ خواہ ایک کلمہ میں ادغام ہوا ہو جیسے اَلْجِنَّةِ وَالنَّاسِ، اَلنَّاسُ اور اِمَّا اور ثُمَّ مِيقَاتُ، هُمَّ قَوْمٌ، اَلَمْ تَرَ یا دو کلموں میں جیسے مِنْ نَّاصِرِيْنَ اور كَمْ مِّنْ، وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ۔ بغیر ادغام کے بالوضع تشدید جیسے اِنَّ، لَمَّا، ثُمَّ، ثَمَّ وغیرہ مکی نے رعایہ میں کہا ہے کہ نون ساکنہ وتنوین کا ادغام نون ومیم میں ناقص ہوتا ہے کیونکہ پہلے حرف کا ہوتا ہے، لہٰذا تشدید بھی غیر کامل ہوتی ہے لیکن یہ مکی کی رائے ہے۔ ابو شامہ نے کہا ہے کہ نون وتنوین کا ادغام نون ومیم میں ادغام کامل ہوتا ہے، کیونکہ مدغم ومدغم فیہ دونوں میں غنہ ہوتا ہے ادغام کی وجہ سے جب مدغم کا غنہ نہ رہا تو دوسرا یعنی مدغم فیہ اپنے غنہ پہ باقی رہا، جمہور کا یہی مذہب ہے[2]۔ لہٰذا جمہور کے نزدیک ادغام تام ہے اور تشدید کامل ہے[3]۔

نوٹ :- اِمَّا قرآن میں کہیں تو مدغم ہونے کی وجہ سے مشدّد ہے جیسے فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ کیونکہ اصل میں اِنْ شرطیہ ہے جس کا مَا زائدہ میں ادغام ہے۔ اور کہیں تشدید وضعی ہے جیسے فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً[4]۔

فائدہ :- نون ومیم ساکنہ کا اپنے مثل میں دیگر حروف کی طرح ادغام واجب ہے۔ جیسا کہ باب الادغام میں معلوم ہو چکا ہے نون کے ادغام کا بیان مستقلاً بھی عنقریب آرہا ہے، یہاں اسقدر یاد رکھو کہ میم کا میم میں ادغام عام ہے کہ وہ مُدغم یعنی میم اصلی ہو یا نون ساکنہ وتنوین سے مقلوب ہو جیسے مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ، اور اصلی کی مثال جیسے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ، اَمْ مَّنْ۔ دَمَّرَ يُعَمَّرُ۔ ضروری ہے کہ تشدید کامل ادا ہو اور غنہ کا پوری طرح اظہار ہو۔ کیونکہ اہل فن کے یہاں یہ غُنہ مُدغم فیہ کا ہے، لہٰذا مِمَّنْ اور اَمْ مَّنْ کے تشدید میں کوئی فرق نہیں[5]۔

فائدہ :- ہر تشدید ادغام کو مستلزم نہیں بعض کلمات میں تشدید کا سبب ادغام نہیں بلکہ اصل وضع ہوتی ہے، جیسے اِنَّ كَاَنَّ، لٰكِنَّ وغیرہ۔ اس قسم کے کلمات میں غُنّہ کا ہونا اس وجہ سے ہے کہ اُن کی تشدید کامل ہوتی ہے[6]۔

فائدہ :- جس مشدّد میں غنہ نہ ہو وہ بسرعت ادا ہوتا ہے اور جس میں غنہ ہو اس میں تراخی ہوتی ہے۔ اور نون ساکنہ وتنوین کے واؤ اور یا میں ادغام بالغنہ میں مزید تراخی ہوتی ہے[7]۔

فائدہ :- نہایۃ القول المفید میں نون ومیم مشدّدہ کا مخرج خیشوم لکھا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ اس حالت میں نون ومیم اپنے مخرج

---

[1] وَالمعنی بَالِغْ فِي اِظْهَارِ الْغُنَّةِ الخ منح الفکریہ [2] منح الفکریہ وشرح تحفۃ الاطفال [3] نہایۃ القول المفید ص۱۱۱ [4] منح الفک
[5] مرعشی - نہایۃ القول ص۱۱۹ [6] رعایہ [7] مرعشی نہایۃ القول ص۱۲۱ [8] نہایۃ القول المفید ص۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(راس[1] لسان اور شفتین[2]) سے خیشوم میں متحول ہوجاتا ہے[3]۔

اس کا تقاضا ہے کہ تشدید کی حالت میں نون ومیم کو نون مخفات ومیم مخفات کی طرح ادا کیا جائے۔ لیکن نشر میں علامہ جزری کے کلام سے اس کے برخلاف نون ومیم مشددہ کا مخرج مثل نون مظہرہ میم مظہرہ کے محقق ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ موصوف نون مخفات کے مخرج کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

مَخْرَجُ النُّوْنِ وَالتَّنْوِيْنِ مَعَ حُرُوْفِ الْاِخْفَاءِ الْخَمْسَةَ عَشَرَ مِنَ الْخَيْشُوْمِ فَقَطْ وَلَا حَظَّ لَهُمَا مَعَهُنَّ فِي الْفَمِ لِاَنَّهُ لَا عَمَلَ لِلِّسَانِ فِيْهِمَا مَعَ مَا يَظْهَرَانِ عِنْدَهُ اَوْ مَا يُدْغَمَانِ فِيْهِ بِغُنَّةٍ[4]

نون وتنوین کا مخرج فقط خیشوم ہے ان حرفوں کے ساتھ اُن دونوں کا منہ میں کوئی حصہ نہیں، کیونکہ اس وقت زبان کو کوئی دخل نہیں جیسا کہ زبان کو ان دونوں میں اُس وقت ہوتا ہے کہ جب یہ ان حرفوں کے ساتھ ہوں کہ جن کے ساتھ اظہار کیا جاتا ہے یا جن میں غنہ کے ساتھ ادغام کیا جاتا ہے۔

جن حرفوں میں غنہ کے ساتھ ادغام کیا جاتا ہے اُن سے مماثل ہی مراد ہیں، کیونکہ واو اور یا میں نون کا ادغام ناقص ہوتا ادغام کی وجہ سے باتفاق نون، واؤ اور یاء کے مخرج ہی سے ادا ہوگا۔

www.kitabosunnat.com

بہر حال ناظم رح کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت القول المفید کی عبارت اپنے ظاہر مفہوم میں خلاف ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ مشدد حرف دو دفعہ پڑھا جاتا ہے پہلے ساکن پھر متحرک اسی طرح میم مشدد اور نون مشدد بھی پہلے ساکن اور پھر متحرک پڑھے جائیں گے اور متحرک ہونے کی حالت میں باتفاق نون ومیم کا مخرج محقق ہوتا ہے، تو ساکن ہونے کی حالت میں بھی محقق ہی ہونا چاہیئے ورنہ دو مخرج ہوجائیں گے اور پر کسی نے بھی نہیں لکھا ہے کہ نون ومیم کو مشدد ہونے کی حالت میں پہلے ساکن پڑھتے ہوئے خیشوم سے اور پھر متحرک پڑھتے ہوئے مخرج اصلی سے ادا کرو۔ کیونکہ تشدید کی تعریف کرتے ہیں هُوَ شِدَّةُ اتِّصَالِ الْحَرْفَيْنِ مَعَ امْتِزَاجِهِمَا فِي السَّمْعِ بِحَيْثُ يَرْتَفِعُ اللِّسَانُ ارْتِفَاعًا وَاحِدًا[5] یعنی دو حرفوں کے متصل ہونے میں ایسی مضبوطی کہ سننے میں ان دونوں کا امتزاج محسوس ہو اور دونوں میں زبان ایک ہی دفعہ مرتفع ہو۔

لہٰذا صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ نون ومیم مشددتین کا مخرج تو اصلی ہی ہوتا ہے البتہ غُنَّہ بطور صفت ہوتا ہے اور غالباً نہایت القول المفید کی بھی یہی مراد ہے کہ ان کی صفت غنہ کا محل خیشوم ہے اور اس صفت کی وجہ سے ہی ان کو حروف غُنّہ کہا جاتا ہے۔

ش ۶۳ اَلْمِيْمُ اِنْ تَسْكُنْ بِغُنَّةٍ لَدَا ۞ بَاءٍ عَلَى الْمُخْتَارِ مِنْ اَهْلِ الْاَدَا

ت (اور ضرور اخفا کرو) میم میں غُنّہ کے ساتھ اگر وہ ساکن ہو اور واقع ہو نزدیک باء کے۔ اہل ادا کے پسندیدہ قول پر۔

ل گذشتہ شعر کے آخر میں وَاَخْفِيَنْ صیغۂ امر بانون تاکید خفیفہ جو معطوف ہے اَظْهِرْ پر۔ اَلْمِيْمُ جو اس شعر کے شروع میں ہے

---

[1] نشر ص ۲۷/۲ [2] بعض تحریرات حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ آبادی رحمہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُسی اَخْفِیَنْ کا مفعول ہے اِنْ حرفِ شرط تَسْکُنْ فعلِ شرط، ضمیر فاعل اَلْمِیْمَ کی طرف راجع ہے اور شرط کی جزا مقدم ہے یعنی اَخْفِیَنْ ۔ بِغُنَّةٍ اور عَلَی الْمُخْتَارِ دونوں اَخْفِیَنْ کے متعلق ہیں، لَدَا بائِ بہ ترکیب اضافی، ظرف، متعلق تَسْکُنْ ۔ مِنْ اَهْلِ الْاَدَا ۔ آخر سے ہمزہ بحالت وقف حذف ہوگیا ۔ یعنی عَلَی الْقَوْلِ الْمُخْتَارِ ۔ مِنْ اَهْلِ الْاَدَا گویا مضاف محذوف ہے اور مِنْ اَهْلِ الْاَدَا، اَلْمُخْتَارِ کے متعلق ہے ۔ لَدٰی ظرفِ مکان بنی بمعنی لَدُنْ

نوٹ :۔ بِغُنَّةٍ جیسا کہ لکھا گیا ہے اَخْفِیَنْ کے متعلق ہے ۔ شیخ رومی ؒ کا تَسْکُنْ کے متعلق کہنا صحیح نہیں ۔

نوٹ :۔ لفظ لَدٰی کا رسم قرآن میں لَدَا اَلْبَابِ (یوسف) میں بالالف ہے اور لَدَی الْحَنَاجِرِ (مومن) میں مختلف فیہ ہے : اکثر مصاحف کا رسم بالیاء ہے ۔ بالالف تلفظ کی مطابقت میں اور بالیاء اصل کی مطابقت میں دونوں طرح صحیح ہے مثل عَلٰی وحَتّٰی وغیرہ۔

ح ۔ یعنی جب میم ساکن ہو اور اس کے بعد باء آئے تو اہلِ تجوید کے مختار مذہب پر میم میں اخفا کرنا چاہیئے اس کو اخفاءِ شفوی کہتے ہیں، مصر، شام اندلس اور تمام بلادِ غربیہ میں اِخفا ہی کا رواج رہا ہے ۔

دراصل اِس قسم کی میم ساکنہ میں اختلاف رہا ہے ابن مجاہد، ابن منیر، علامہ دانی اخفا مع الغنہ ہی کو اختیار کرتے ہیں، جمہور کا یہی مختار مذہب ہے اور اسی پر عمل ہے ۔ البتہ ابن المنادی ابن الدلال کے ساتھ وغیرہ نے اس میم میں اظہار کو اختیار کیا ہے[1] اور مکی وقیسی وغیرہ کا یہی پسندیدہ عمل ہے اور اسی پر اہل عراق اور تمام بلادِ شرقیہ کا عمل رہا ہے حتیٰ کہ احمد بن یعقوب تائب نے اس پر قرا کا اجماع نقل کیا ہے ۔ علامہ جزری فرماتے ہیں کہ دونوں وجہیں صحیح اور معمول بہ ہیں لیکن اخفا بہتر ہے، کیونکہ نون ساکنہ کے بعد با آنے کی صورت میں نون کو میم سے بدلکر باجماع اخفا کیا جاتا ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مشہور قاری ونحوی ابوعمرو بصری مثلین و متقاربین میں ادغام کبیر کرتے ہیں لیکن اُن کے اس اِدغام کے اصول میں اَعْلَمُ بِالشّٰکِرِیْنَ جیسی صورتوں میں بجائے ادغام کے اخفاء کیا جاتا ہے[2] ۔ جس صورت میں کہ یہ میم ساکن ہو تو قیاساً ادغام صغیر کی صورت ہوتی ہے، لہٰذا بجائے ادغام کے بصورتِ اخفا اس کے تقاضے کو پورا کرنا چاہیئے ۔

حاصل یہ کہ میم ساکنہ کے تین حال ہیں ادغام، اخفاء اور اظہار[3] ۔

ادغام، اس وقت ہے جب میم ساکن ہو اور اس کے بعد اس کا مماثل میم متحرک ہو، اس صورت میں دو حکم ہیں ایک یہ کہ ادغام ہوگا، یہ حکم پیچھے آچکا ہے یعنی ؎

وَاَوَّلَیْ مِثْلٍ وَّجِنْسٍ اِنْ سَکَنْ . . . اَدْغِمْ

ادغام کی وجہ سے میم مشدد ہو جائے گی، اور مشدد ہو جانے کے بعد دوسرا حکم یہ کہ اس میں غُنَّہ ہوگا، ناظم ؒ اس حکم کو بھی بیان فرما چکے ہیں ؎

وَاَظْهِرِ الْغُنَّةَ مِنْ نُّوْنٍ وَّمِنْ . . . مِیْمٍ اِذَا مَا شُدِّدَا

---

[1] مقنع ص۶۵ [2] شارح رومی [3] نشر ج۱ ص۲۲۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسرا حال اخفاء ہے: یعنی میم ساکن کے بعد باء آئے خواہ یہ میم ساکنہ بسکونِ اصلی ہو یا بسکونِ عارضی، تو ناظمؒ اور اکثر محققین کے نزدیک مختار و پسندیدہ، اس میں اخفاء مع الغنہ ہے[1]، چنانچہ فرمایا عَلَی الْمُخْتَارِ مِنْ اَهْلِ الْاَدَا[2] ۔ سکونِ اصلی کی مثال جیسے اَمْ بِظَاهِرٍ سکونِ عارضی جیسے وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ، وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ، فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ، رَبُّهُمْ بِهِمْ ۔

نوٹ:- امثلہ مذکورہ میں سے پہلی اور تیسری مثال میں سکونِ میم، حالتِ جزمی کی وجہ سے ہے اور دوسری اور چوتھی میں میم جمع ہے جو اصل میں واؤ کے صلہ کے ساتھ هُمُوْ ہے اور تخفیفاً واؤ کو حذف کر کے میم ساکن کی گئی ہے ۔ میم ساکنہ کا تیسرا حال اظہار ہے۔ جس کا بیان اگلے شعر میں آتا ہے ۔

لغت میں اخفاء کے معنی چھپانے کے ہیں، اِخْتَفَی الرَّجُلُ عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ یعنی اِسْتَتَرَ عَنْهُمْ اصطلاح میں النطق بحرف ساکن عارٍ من التشدید علی صفة بین الاظہار والادغام مع بقاء الغنة فی الحرف الاول[3] یعنی حرف ساکن کو بغیر تشدید کے ایسے طریقہ پر ادا کرنا جو اظہار و ادغام کے درمیان ہو، اور پہلے حرف میں غنہ کا باقی رہنا۔ مطلب یہ ہوا کہ حرف مُخْفیٰ، مخفف اور مُدغم مشدد ہوتا ہے۔ یہ اخفاء ایسی جگہ اختیار کیا جاتا ہے جہاں دو حرفوں میں نہ تو قرب ہو کہ ادغام کیا جائے اور نہ بُعد ہو کہ اظہار کیا جائے[4] ۔

اخفاء میں مراتب ہیں جو حرف قُرب کی طرف زیادہ مائل ہو اس میں اخفاء زیادہ اور جو بُعد کی طرف مائل ہو اس میں اس سے کم اخفاء ہوتا ہے[5] ۔

فائدہ: اخفاء کی دو قسمیں ہیں، اخفاءِ حرکت، و اخفاءِ حرف۔ حرکت کا کچھ حصہ پڑھنے کو اخفاءِ حرکت کہتے ہیں۔ جیسے لَا تَاْمَنَّا میں اظہار مع الروم کیا جائے۔ اور حرف کا کچھ حصہ پڑھنا اور بقیہ کا اس کی ذات کو چھپانا اخفاءِ حرف کہلاتا ہے[6] ۔ لہٰذا بحالتِ اخفاء میم کو ہونٹوں کے خشک حصہ پر اطباقِ شفتین نہایت نرمی سے کرتے ہوئے بقدر ایک الف غنّہ کر کے ادا کرنا چاہیئے پھر ہونٹوں کے تر حصہ سے اطباقِ شفتین کی مضبوطی کے ساتھ بار کو ادا کرنا چاہیئے ۔

گویا اخفاء میں میم حرف غنّہ ہوتا ہے اس لئے اس کی آواز کا زیادہ زور خیشوم میں ہوگا، اور مخرج اصلی سے تعلق ضعیف رہ جائے گا ۔

فائدہ: میم ساکن عند الباء میں جو حضرات اظہار کرتے ہیں کیا اُن کے نزدیک میم میں غُنّہ ہوگا؟[7]

جواب یہ ہے کہ نہیں، اگرچہ میم غُنّہ ذاتیہ سے کسی حال میں بھی خالی نہیں[8] ۔ (مرعشی)

اور درحقیقت یہ غنہ ذاتیہ ہی مانع ادغام ہے اگر غنہ ہوتا تو میم باء ہوتی، کیونکہ میم و باء دونوں مخرج اور صفات و قوت میں قریباً متفق ہیں[9] ۔

فائدہ: شیخ زکریا انصاریؒ نے میم ساکن عند الباء میں اظہار و اخفاء کے علاوہ ایک وجہ ادغام بھی لکھی ہے ۔ لیکن یہ قلمی سہو ہے، باء کا ادغام میم میں تو ہوا ہے جیسے يُعَذِّبْ مَّنْ يَّشَآءُ[10] (بقرہ) اور اِرْكَبْ مَّعَنَا میں لیکن میم کا ادغام باء میں کہیں نہیں ہوا ۔

ش۴۱ وَاَظْهِرَنْهَا عِنْدَ بَاقِی الْاَحْرُفِ   وَاحْذَرْ لَدَا وَاوٍ وَّفَا اَنْ تَخْتَفِیْ

ت- اور اُس میم ساکنہ کو باقی حرفوں (الف، با اور میم کے سوا) کے نزدیک خوب ظاہر کر کے پڑھو، اور واؤ اور فاء کے نزدیک

---

[1] شرح طیبہ لابن الناظم رحمۃ اللہ علیہما [2] منح الفکریہ [3] نہایۃ القول المفید [4] نہایۃ القول المفید ص۱۱۶ [5] شارح رومیؒ [6] شارح رومیؒ [6] نہایۃ القول المفید [7] رعایہ للمکی [8] نہایۃ القول المفید بحوالہ النشر۔ [9] نشر [10] يُعَذِّبُ شامی عاصم، ابوجعفر، اور یعقوب کے علاوہ بسکون باء پڑھتے ہیں، اور سکون پڑھنے والوں میں سے ورش، مکی اظہار کرتے ہیں باقی ادغام البدور الزاہرہ ص۵۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احتیاط کرو کہ وہ میم مخفات نہ ہو جائے ۔

ل : اَظْهِرَنْهَا ضمیر منصوب میم ساکنہ کی طرف راجع ہے اَلْاَحْرُفِ وزن کے لئے اشباع کسرہ کے ساتھ۔ حرف کی جمع قلت ہے لیکن مجازاً جمع کثرت مراد ہے۔ لَدَا واوِ وَفَا حرف فا مقصور وزن بیت کیلئے ہے لَدَا یا تو وَاَخْذَرْ کا ظرف ہے یا اَنْ تَخْتَفِیْ کا۔ اَنْ تَخْتَفِیْ صیغہ واحد مؤنث غائب، ضمیر فاعل میم ساکن کی طرف راجع ہے آخر سے یا وَقْفاً ساکن ہے۔ بتاویل مصدر اِحْذَرْ کا مفعول بہ۔[1]

ح : یعنی میم ساکن کا تیسرا حال اظہار ہے، اظہار کی تعریف ہے ۔ اِخْرَاجُ حَرْفٍ كَمَا اقْتَضٰى ذَاتُهٗ وَصِفَاتُهٗ یعنی حرف کو ٹھیک اسی طرح ادا کرنا جس طرح اس کی ذات (مخرج) اور صفات (لازمہ) کا تقاضا ہو۔ بالفاظِ دیگر اِخْرَاجِ حَرْفٍ كَمَا هُوَ هُوَ یعنی حرف کو اس کی حقیقت کے مطابق ادا کرنا ۔

ہر حرف کے اندر اصل اظہار ہی ہے۔ اصل سے ہٹ کر کسی اور طرح اس حرف کو ادا کرنا مثلاً ادغام یا اخفاء کے ساتھ ادا کرنا کسی سبب پر مبنی ہوگا ۔

میم ساکن کے بعد ظاہر ہے کہ الف نہیں ہوتا اور با و میم کا حال بیان ہو چکا ہے، باقی چھبیس ۲۶ حروف واقع ہوں تو میم ساکن کو اظہار سے پڑھا جائے گا یعنی شفتین کے خشک حصہ کو مضبوطی بند کرتے اور خیشوم میں آواز لیجانے کے بغیر میم کو ادا کیا جائے گا۔ البتہ غنۂ ادنیٰ بلا قصد ادا ہونا چاہیئے کیونکہ وہ مطلقاً ذات میم کے لئے لازم ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں ۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ عِنْدَ بَاقِي الْاَحْرُفِ کی قید میم ساکنہ میں اس حیثیت سے تو بیشک احترازی ہے کہ با اور میم کو نکالنا مقصود ہے ۔ لیکن اس حیثیت سے ان کا ذکر مقصود نہیں کہ یہ میم میں اظہار کا سبب بنتے ہیں، کیونکہ اظہار کے لئے کوئی سبب خارجی نہیں ہوتا بلکہ یہ حال ذاتی ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میم موقوفہ کہ جس کے بعد "باقی احرف" میں سے کوئی بھی نہ ہوگا، اس میں بھی اظہار ہوگا جیسے عَلِيْمْ اور حَكِيْمْ کی میم وقف میں ۔

تشریں ہے ۔ تو تیسرا حال میم ساکنہ میں یہ ہے کہ باقی حرفوں کے ساتھ اظہار ہو گا جیسے اَلْحَمْدُ، اَنْعَمْتَ، وَهُمْ يُوْقِنُوْنَ وَلَهُمْ عَذَابٌ، اِنَّهُمْ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ ۔" ان مثالوں سے اشارہ ہے کہ حروفِ اظہار اور میم ساکنہ خواہ ایک کلمہ میں ہوں جیسے پہلی دو مثالوں میں، یا دو کلموں میں ہوں جیسے باقی امثلہ میں ۔

محل وقوع کے اعتبار سے اس کو اظہار شفوی کہا جاتا ہے[1] جیسا کہ میم میں اخفاء کو اخفاءِ شَفَوِیْ رفقتین، نام دیا گیا تھا، تاکہ اس اظہار و اخفاء سے ناموں کا التباس نہ ہو جو نون میں ہیں ۔

قولہ : وَاَخْذَرْ لَدٰی الخ یعنی میم ساکنہ جب واو یا فا سے پہلے واقع ہو جیسے اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ

---

[1] شارح رحمی و قاری رح

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فِيْ طُغْيَانِهِمْ تو احتیاط کرنی چاہیئے کہ میم میں اخفا نہ ہو، بلکہ کامل اطباقِ شفتین کے ساتھ اظہار ہی ہو۔

اس بات کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہ تھی، کیونکہ میم ساکنہ کے بعد جب میم اور با کے علاوہ " باقی اَحْرُفَ " پائے جائیں تو فرما چکے ہیں کہ میم ساکنہ میں اظہار کرو اور " باقی اَحْرُفَ " میں واؤ اور فا بھی داخل تھی، اس خصوصیتِ ذکر کی وجہ یہ ہے کہ واؤ اور فا شفوی ہونے کی وجہ سے دونوں حروف میم کے مقارب ہیں، اس تقارب کی وجہ سے عموماً تساہل اور غفلت میں میم پوری طرح اطباقِ شفتین سے ادا نہیں ہوتا، واؤ ہو تو انضمام کی طرف اور فا ہو تو اس کے مخرج کی طرف ہونٹوں کو سبقت ہوتی ہے، چنانچہ حدراً تلاوت کرتے ہوئے بہت سے طلبہ کو ہم نے بھی اس غلطی میں مبتلا پایا ہے، گویا اس طرح میم اپنے مخرج سے نہیں بلکہ مابعد والی واؤ یا فا سے مخلوط ہو کر نکلتی ہے، گویا میم مابعد میں مستور ہوتی ہے، اس غلطی کے ساتھ خواہ میم میں غنہ ہو یا نہ ہو، بہر حال یہ اظہار ہرگز نہیں۔ اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے ایسے لوگوں کو جاہل فرمایا ہے۔

اور یہ اخفاء اس لئے نہیں ہوا کہ درحقیقت حروفِ حلقی کی طرح حروفِ شفوی بھی اپنے مماثل کے سوا میں مدغم نہیں ہوتے اور اخفا بھی نصف ادغام ہوتا ہے لہٰذا وہ نہیں ہوا، البتہ میم میں عند الباء اخفا ہوا، کیونکہ دونوں میں اطباقِ شفتین کی وجہ سے قرب نہایت قوی تھا۔

فائدہ: میم کا غنہ کی وجہ سے اس کے مقارب (واو۔ فا) میں ادغام نہیں ہوا اگر ادغام کیا جاتا تو غنہ باقی نہ رہتا، اس کلمہ میں خلل اور اجحاف[1] لازم آتا تھا، اس لئے اظہار ہی کیا گیا[2] یا یہ کہا جائے کہ اگرچہ واؤ، میم کا مجانس ہے، لیکن ادغام اس لئے نہیں کرتے تاکہ میم اور نون مدغمہ فی الواو کے درمیان فرق رہے ورنہ معلوم نہ ہوگا کہ مدغم میم ہے یا نون؟ اور میم کا فا میں اس لئے ادغام نہیں ہوا کیونکہ میم قوی اور فا ضعیف ہے، اور قوی کا ضعیف میں ادغام نہیں ہوتا[3]۔

فائدہ: جب میم ساکن میں اظہار ہو تو میم کو قلقلہ اور حرکت سے بچانا چاہیئے، نیز میم پر سکتہ بھی نہ ہونا چاہیئے جیسا کہ بہت سے لوگ اس لئے سکتہ کرتے ہیں کہ میم میں اخفاء یا ادغام نہ ہو[4]۔

بَابٌ فِيْ حُكْمِ النُّوْنِ السَّاكِنَةِ وَالتَّنْوِيْنِ

نونِ ساکنہ اور تنوین کے مسائل

ش۶۵۔ وَحُكْمُ تَنْوِيْنٍ وَّنُوْنٍ يُّلْفٰى ۔۔۔ اِظْهَارُ اِدْغَامٌ وَّقَلْبٌ اِخْفَا

ت۔ اور تنوین اور نونِ (ساکنہ) کا حکم (بصورتِ) اظہار، ادغام، قلب اور اخفاء پایا جاتا ہے۔

ل۔ حُكْمُ یعنی وہ احکام و آثار جو تنوین اور تنوین اور نون ساکنہ پر ان کے حروفِ ہجا کے ساتھ ملاقی ہونے پر مرتب ہوتے ہیں۔

---

[1] نہایۃ القول المفید [2] بتقدیم الجیم علی الحاءِ نقصِ فاحش۔ منجد [3] مقدسی۔ نہایۃ القول المفید [4] شرح القول المفید [5] نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تنوین اصل میں مصدر ہے نَوَّنْتُہٗ یعنی اَدْخَلْتُہٗ نُوْنًا پھر مجازاً آخر میں لاحق ہونے والے نون کو تنوین کا نام دیا گیا، مصدر کی صورت میں یہ نام اس لئے رکھا گیا[1] تاکہ اس نون کے حدوث و عروض کی طرف اشارہ ہو جائے ۔ اور اصطلاح میں تو وہ نونِ ساکنہ جو آخرِ کلمہ کی حرکت کے تابع ہوتا ہے[2] یا وہ نونِ ساکنہ جو لفظ کے کامل ہونے کے بعد آخر میں لاحق ہوتا ہے[3] قرآن میں تنوین کی چار قسمیں آتی ہیں تنوینِ تمکن[4] جیسے رِجَالٌ مقابلہ جیسے مُسْلِمٰتٌ کہ تنوین مُسْلِمِیْنَ کے نون کے مقابلہ میں ہے ۔ عوض[5] جیسے حِیْنَئِذٍ کہ اِذْ کَانَ کَذَا کے عوض میں ہے تناسب[6] جیسے سَلٰسِلًا و اَغْلٰلًا کہ بعض قراءتوں میں اَغْلٰلًا کے تناسب سے تنوین آئی ہے[7] ۔

ہمارے خیال میں تنوین کی پانچویں قسم بھی قرآن میں ہے یعنی نونِ خفیفہ کا بصورت تنوین ہونا ۔ یہ تنوین قرآن میں دو جگہ ہے لَیَکُوْنًا (یوسف) لَنَسْفَعًا (علق) اور یہ صرف قرآن ہی کی خصوصیت نہیں، نونِ خفیفہ کا بصورت تنوین آنا عربی میں بکثرت ہے اَعْشٰی کہتا ہے ع
وَلَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ وَاللّٰہَ فَاعْبُدَا ۔

نوٹ :- قاری[8] نے غَوَاشٍ کی تنوین کو عوض کی کہا ہے، یعنی اصل میں غَوَاشِیُ غَاشِیَۃٌ کی جمع ہے، آخر سے یاء حرفِ علت حذف ہو گئی اور اُس کے عوض میں شین کو تنوین دی گئی ۔ لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ تنوینِ عوض ہمیشہ مضاف الیہ کے عوض میں ہوتی ہے، حرفِ علت یاء حذف ہو گئی اور اُس کے عوض میں شین کو تنوین دی گئی ۔ لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ تنوینِ عوض ہمیشہ مضاف الیہ کے عوض میں ہوتی ہے، حرف علت کے عوض میں تنوین عوض کا کوئی تناسب ہی معلوم نہیں ہوتا ۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ غَوَاشِیٌ جمع مُسْنَوَّنٌ اصل قرار دی جائے، اور بقاعدہ قاضٍ یا کا حذف اور تنوین کا بقا مانا جائے ۔ غَوَاشِیُ بروزن فَوَاعِلُ منتہی الجموع ہے، اشکال ہوتا ہے کہ غیر منصرف پر تنوین کہاں سے آئی ؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اسماء میں اصل انصراف ہے اور تعلیل اس اصل کے مطابق ہی ہوئی ہے ۔

نُوْنٍ سے نون ساکنہ مراد ہے، اور قرینہ یہ ہے کہ تنوین پر عطف ہے ۔ یا بر بنا شہرت، ساکنہ کی قید نہیں لگائی ۔ اور اگر باب کا عنوان ناظمؒ ہی کا قائم کیا ہوا ہے تو عنوان میں نون ساکنہ کی قید بھی اس استغنا کا باعث ہو سکتا ہے ۔ یا اگلے مصرعہ میں لفظ ادغام قرینہ ہو سکتا ہے کیونکہ ادغام حرفِ ساکن کا ہوتا ہے ۔ نونِ ساکنہ کی تعریف یہ ہے "وہ نون جس پر حرکت نہ ہو[9]"، نونِ ساکنہ اور نونِ تنوین بالاصل ساکن ہی ہیں، کسی حالت میں حرکت عارض ہو جائے تو وہ اس کے منافی نہیں جیسے طُوًی نِ اذْھَبْ اور لِمَنِ ارْتَضٰی نون ساکنہ اور تنوین کی تعریفیں وہی ہیں جو ہم نے لکھیں ۔ باقی یہ جو کہا گیا کہ تنوین وہ ہے جو وصلاً ملفوظ ہو نہ کہ وقفاً اور خطاً اور نون ساکنہ وہ ہے جو لفظاً، خطاً وصلاً وقفاً ہر حال میں ثابت رہے ۔ یہ تعریف نہیں، بلکہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے ۔

اِظْھَارُنِ ادْغَامٌ ۔ بقاعدہ نقلِ حرکت اِدْغَامٌ کے ہمزہ کا کسرہ نقل کر کے اِظْھَارٌ کے نونِ تنوین کو دے کر ہمزہ حذف کر دیا گیا ۔ دوسرے مصرعہ میں چاروں الفاظ آپس میں معطوف و معطوف علیہ ہیں ۔ حرفِ عطف کہیں مذکور ہے اور کہیں محذوف ہے[10] ۔

ترکیب (۱) حُکْمُ مبتدا مضاف الی التنوین وَنُوْنٍ، تنوین پر معطوف ۔ یُلْفٰی (مبتدا کی خبر) ضمیر ھُوَ مقدر نائب فاعل، جو حُکْمُ کی طرف راجع ہے، اور یہی یُلْفٰی کا پہلا مفعول ہے اور دوسرا مفعول مقدر ہے یعنی یُلْفٰی حُکْمُ التَّنْوِیْنِ والنُّوْنِ عَلٰی اَرْبَعَۃِ اَقْسَامٍ ۔ اور دوسرا مصرعہ، مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اَلْحُکْمُ الْمَذْکُوْرُ اِظْھَارُنِ ادْغَامٌ[11] الخ

---

1. الفوائد الضیائیہ 2. ابراز المعانی 3. منح الفکریہ مختصراً 4. فوائد ضیائیہ 5. علم الصیغہ لمولانا قاضی عنایت احمد صاحبؒ 6. نہایۃ القول المفید 7. منح الفکریہ
8. شارح روحؒ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) حُكْمُ مبتدا مضاف إِلَى التَّنْوِيْنِ وَنُوْنٍ، يُلْفَى تنوین کی صفت، ضمیر نائب فاعل حُکْمُ کی طرف راجع ہے۔ دوسرا مفعول مقدر ہے یعنی مَقْرُوْنًا بِأَحَدِ حُرُوْفِ الْهِجَاءِ[1]۔ دوسرے مصرعہ کی ترکیب اوپر گذر چکی۔

(۳) ہمارے خیال میں بے تکلف اصل عبارت اس طرح ہے۔ وَحُكْمُ تَنْوِيْنٍ وَنُوْنٍ أَنْ يُلْفَى فِيْهِ، إِظْهَارٌ إِدْغَامٌ وَقَلْبٌ إِخْفَاء۔ یعنی حُکْم مضاف، تَنْوِيْنٍ وَنُوْنٍ مضاف الیہ۔ مبتدا، اَنْ ناصبہ مصدریہ مقدرہ یُلْفَى فعل مجہول فِيْهِ (قائم مقام مفعول ثانی) جار مجرور متعلق یُلْفَى إِظْهَارٌ الخ تمام معطوفات نائب فاعل۔ پھر بتاویل مصدر ہوکر مبتدا کی خبر۔

ح۔ یعنی نون ساکنہ اور تنوین کے چار احوال ہیں، اظہار، ادغام، قلب اور اخفاء۔

نون ساکنہ۔ دیگر ساکن حرفوں کی طرح کلمہ کے آخر میں بھی ہوتا ہے اور وسط میں بھی، اور کلمہ کی تینوں قسموں اسم، فعل اور حرف میں ہوتا ہے۔ اور تنوین ہمیشہ اسم کے آخر میں ہوتی ہے، بشرطیکہ اسم منصرف ہو، غیر منصرف نہ ہو موصول ہو موقوف نہ ہو، اور لام تعریف سے خالی ہو، ان شرائط کے ساتھ تنوین کا ثبوت صرف تلفظ میں ہوتا ہے رسم الخط میں نہیں، البتہ لفظ کَاَیِّنْ قرآن میں جہاں بھی ہے اس میں نون تنوین مرسوم ہے[1]۔

بعض نے پانچ احوال بتلائے ہیں ادغام کی دو قسمیں کیں ادغام مع الغنہ اور ادغام بلا غنہ اس طرح پانچ قسمیں ہوئیں۔ اور جعبری نے صرف تین ہی احوال بتلائے اقلاب کو اخفا میں شامل کیا، اور اخفا کی دو قسمیں اخفا، مع القلب اخفا بغیر قلب بیان کیں[2]۔ بہرحال یہ اختلاف لفظی ہے۔ آگے ہر ایک کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

ش۔[۶۶] فَعِنْدَ حُرُوْفِ الْحَلْقِ أَظْهِرْ وَادَّغِمْ ۞ فِي اللَّامِ وَالرَّا لَا بِغُنَّةٍ لَزِمْ

ت۔ پس حروفِ حلقیہ کے نزدیک (نون و تنوین میں) اظہار کرو، اور لام و را میں ادغام کرو، ایسا ادغام جو غنّہ کے ساتھ ضروری نہیں ہے۔ (بلکہ صرف جائز ہے)

ل۔ فَعِنْدَ فا تفصیلیہ عِنْدَ اپنے مضاف الیہ سے مل کر أَظْهِرْ (امر حاضر معروف) کا ظرف، وَادَّغِمْ (امر حاضر معروف) اِدِّغَام باب افتعال سے، فِي اللَّامِ وَالرَّا (بتخفیف ہمزہ ضرورۃً) وَادَّغِمْ سے متعلق لَا بِغُنَّةٍ متعلق اِدْغَامًا مصدر مقدر سے، لَزِمْ (صیغہ ماضی معروف) بِغُنَّةٍ کی صفت، لَزِمْ کی میم قافیہ بندی کے لئے ساکن ہے، اور ضمیر فاعل غُنَّةٍ کی طرف راجع ہے[1]۔

نوٹ:۔ أَظْهِرْ وَادَّغِمْ صیغہ امر حاضر ہیں اور ھُمَا ضمیر مفعول محذوف ہے، جو نون اور تنوین کی طرف راجع ہے۔ اور ممکن ہے کہ صیغہ ماضی مجہول واحد غائب ہوں یعنی أُظْهِرَ وَادُّغِمَ اس صورت میں نائب فاعل کی ضمیریں، نونِ ساکنہ و تنوین کی طرف بتاویل

---

[1] ملا علی قاری رح [2] نشر ۲۲/۲ [3] نہایۃ القول المفید۔ ذ شرح شاطبیہ للقاری رح [4] شارح رومی رح ابن الناظم رح، مصری رح

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا راجع ہیں۔ نیز بعض نسخوں میں لَا بِغُنَّةٍ أَتَمّ ہے[۱]۔ اس نسخہ کی بنا پر اِدْغَامًا مصدر محذوف کی دو صفتیں ہوں گی، اوّل لَا بِغُنَّةٍ اور دوسری أَتَمّ (صیغۂ اسم تفضیل) اور دوسری صفت کا مفہوم بطور تاکید وہی ہے جو لَا بِغُنَّةٍ سے سمجھا جاتا ہے، یعنی نون ساکنہ وتنوین کا لام وراء میں ایسا ادغام کرو جو بلا غنہ ہو، تام ہو۔ یعنی اگرچہ ادغام با لغنّہ بھی جائز ہے اور ایک جماعت نے کیا ہے، لیکن تم بلا غنہ ہی کرو کیونکر مشہور یہی ہے[۲]۔

اظہار یعنی نونِ ساکنہ اور تنوین کے بعد جب حروف حلقی میں سے کوئی حرف ہو خواہ ایک کلمہ میں، خواہ دو میں تو نون کو اس کے مخرج محقق (نوک زبان اور تالو) سے مع جمیع صفاتِ لازمہ کے، پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ حروفِ حلقی اپنے مخارج میں نون کے مخرج سے بعید واقع ہوئے ہیں۔ جیسے: (ہمزہ کی مثال) كُلٌّ اٰمَنَ، مَنْ اٰسْلَمَ، يَنْئَوْنَ[۳]۔ (ہاء کی مثال) جُرُفٍ هَارٍ، مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ، مِنْهَا (حا) جیسے نَارٌ حَامِيَةٌ، مَنْ حَادَّ اللّٰهَ، وَانْحَرْ (عین) حَقِيقٌ عَلَىٰ، مَنْ عَمِلَ، أَنْعَمْتَ (خ معجمہ) يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ، مَنْ خَافَ، الْمُنْخَنِقَةُ[۴] (غین معجمہ) مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ، مِنْ غِلٍّ، فَسَيُنْغِضُونَ[۵]۔

اظہار لغۃً بمعنی واضح کرنا۔ اور اصطلاحًا إِخْرَاجُ كُلِّ حَرْفٍ مِنْ مَخْرَجِهِ مِنْ غَيْرِ غُنَّةٍ فِي الْمُظْهَرِ یعنی ہر حرف کو اس کے مخرج سے اس طرح نکالنا کہ مُظہر میں غنہ نہ ہو۔

حروفِ حلقیہ کو حروفِ اظہار کہا جاتا ہے، نونِ ساکنہ اور تنوین کے ساتھ ان کی تلاقی کے وقت نون کو ظاہر کر کے پڑھا جاتا ہے۔ اظہار کی وجہ یہ ہے کہ نون اور حروف حلقیہ کے مخارج میں بُعد ہے، اور ادغام اس وقت ہوتا ہے جب دو حرفوں میں قرب ہو۔ اور چونکہ نون سہل الادا حرف ہے، جس کے اخراج میں کوئی کلفت نہیں، بخلاف حروف حلقیہ کے، کہ ادا میں وہ اصعب الحروف ہیں، اسی لئے نون اور حروف حلقیہ میں ایک قسم کا تغایر و تباین ہے جس کی وجہ سے ادغام کی طرح اخفا بھی نون کے تلفظ میں خوبی وحُسن کا باعث نہیں ہے، لہٰذا اظہار واجب ہوا جو اصل ہے[۶]۔

اسی لئے علماء تجوید نے فرمایا ہے حروف حلقی میں جو جسقدر نون سے ابعد ہوگا اُسی قدر نون میں اظہار بھی تام ہونا چاہیئے۔ نون ساکنہ اور تنوین کے بعد ہمزہ ھا ہوں جیسے من اٰمن۔ كُلٌّ اٰمَنَ من ھاد، جُرُفٍ هَارٍ تو اظہار نہایت کامل ہونا چاہیئے، اس کو اظہار اعلیٰ کہا جاتا ہے، اور عین وحا میں اوسط اور غین وخا میں ادنیٰ[۷]۔ اور تینوں حالتوں میں اظہار کا نام اظہار حلقی ہے۔

اس اظہار کی حقیقت یہ ہے کہ نون کو ساکن ادا کرنے کے بعد بغیر غنہ، ساکن اور قطع کے آنیوالا حرف حلقی ادا کیا جائے، نہ نون میں قلقلہ ہو، نہ غنہ کی طرف میلان ہو[۸]۔

بعض قراء نے لکھا ہے کہ اظہار کیوقت بھی نون میں غنہ باقی رہتا ہے[۹] اور علامہ دانی فارس بن احمد کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اظہار میں غنہ ساقط ہوتا ہے، یہی نحات کا مذہب ہے اور میں نے اپنے تمام شیوخ پر یہی پڑھا ہے۔

---

[۱] قاری و انصاری رح [۲] انصاری رح [۳] نون ساکنہ کے بعد ہمزہ کی مثال کلمۂ واحدہ میں قرآن کے اندر بس یہی ہے۔ ابو شامہ [۴] نون ساکنہ متوسطہ کے بعد خا صرف اسی کلمہ میں ہے۔ نہایۃ القول [۵] نون متوسط قبل العین کی طرف یہی ایک مثال ہے۔ نہایۃ القول [۶] و[۷] و[۸] نہایۃ القول المفید[۹] نہایۃ القول بحوالہ تمہید للجزری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملا علی قاری اور علامہ مرعشی فرماتے ہیں کہ یہ نزاع لفظی ہے، کیونکہ جن حضرات نے یہ فرمایا کہ اظہار کی حالت میں بھی غنہ باقی رہتا ہے، غنہ سے ان کی مراد فی الجملہ ہے جو ذاتی ہے اور نون کی ذات سے منفک نہیں، اور جن حضرات نے غنہ کا ساقط ہونا بیان کیا ہے، ان کی مراد غنۂ ظاہر ہے۔

قولہ فَعِنْدَ حَرْفِ الْحَلْقِ اظہار کے لئے یہ قید من وجہ احترازی اور من وجہ اتفاقی ہے، حروف حلقیہ کے باقی حروف ہجا پلٹ جانے کے لحاظ سے تو یہ قید احترازی ہے، یعنی اظہار صرف انہیں چھ حروف میں ہوگا۔ اور نفسِ اظہار کے لئے قید اتفاقی ہے یعنی اظہار عند حروفِ الحلق میں ہی منحصر نہیں نون ساکنہ موقوفہ جس کے بعد کوئی بھی حرف نہیں ہو سکتا، اس میں بھی اظہار ہوگا جیسے يَعْلَمُوْنَ ٥ اور اس کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کیونکہ ہر حرف میں اظہار اصل ہے جب تک اس اصل سے پھیر دینے والا کوئی باعث نہ ہو وہ حرف اپنی اصل میں ہی قائم رہتا ہے، اسی لئے نون متحرکہ کو بھی بیان نہیں کیا، حالانکہ اس میں بھی اظہار ہی ہوتا ہے۔ میم میں اظہار کے ذیل میں بھی یہ تقریر آچکی ہے۔ اور اظہار چونکہ اصل ہے اسی لئے مقدم کیا گیا ہے۔

ادغام (بلاغنہ) نون ساکن وتنوین کا دوسرا حال ادغام ہے۔ ادغام کے لغوی واصطلاحی معنی بَابُ الْإِدْغَام میں گزر چکے ہیں، یہ ادغام چھ حرفوں میں ہوا ہے جن کا مجموعہ یَرْمَلُوْنَ ہے، ان میں سے دو حرف لام و را میں ادغام بلاغنہ یعنی تام ہے اور باقی چار میں ادغام مع الغنہ ہے، اظہار کے بعد ادغام ہی کو اس لئے بیان کیا کہ ادغام اظہار کی ضد ہے اور ضد کا خیال بہ نسبت دیگر انواع کے ذہن میں زیادہ سبقت رکھتا ہے، یا یہ وجہ ہو کہ حروفِ اظہار بھی چھ تھے اور حروفِ ادغام بھی چھ ہیں۔ (قاری رح)
ناظم رحمہ نے یَرْمَلُوْنَ کے چھ حروف میں سے لام و را، دو حرفوں میں ادغام کو پہلے بیان کیا ہے، باقی چار میں ادغام کا بیان آئندہ شعر میں آرہا ہے۔

جمہور اہل ادا اور اکابر ائمہ تجوید کا مذہب یہی رہا ہے کہ نون ساکنہ وتنوین کا لام و را میں ادغام تام (بلاغنہ) ہی ہے، چنانچہ ناظم فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں امصار وبلاد کے اساتذہ ومشائخ کا اسی پر عمل ہے، حتی کہ مغاربہ میں سے تو تمام مشائخ نے اور ان کے علاوہ مشائخ میں سے اکثر نے ادغام تام ہی لکھا ہے۔ تیسیر، شاطبیہ، عنوان، کافی وغیرہ وغیرہ کتبِ فن میں (بلا اختلاف) ادغام تام ہی لکھا ہے۔ لیکن بہت سے اہل ادا ادغام مع الغنہ کی طرف گئے ہیں، اور بہت سے ائمہ قرآءات سے یہی نقل کیا ہے، مثلاً نافع، ابن کثیر، ابو عمرو بصری، ابن عامر، عاصم، ابو جعفر اور یعقوب وغیرہم[1]

آگے حضرت علامہ ان ائمہ قراءات کے طرق پر مفصل بحث فرماتے ہیں، جس کو ہم خوفِ طوالت سے نقل نہیں کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَقَدْ وَرَدَتِ الْغُنَّةُ مَعَ اللَّامِ وَالرَّاءِ عَنْ كُلٍّ مِنَ الْقُرَّاءِ وَصَحَّتْ مِنْ طَرِيقِ كِتَابِنَا نَصًّا وَأَدَاءً عَنْ أَهْلِ الْحِجَازِ وَالشَّامِ وَالْبَصْرَةِ وَحَفْصٍ وَقَرَأْتُ بِهَا مِنْ رِوَايَةِ قَالُونَ وَابْنِ كَثِيرٍ وَهِشَامٍ وَعِيسَى

میں کہتا ہوں، کہ لام و را میں ادغام مع الغنہ تمام قراء سے ثابت ہے، اور ہماری اس کتاب کے طرق سے نصاً وادائً اہل حجاز، شام، بصرہ اور حفص رح سے صحیح ہے اور میں نے قالون، ابن کثیر، ہشام، عیسیٰ بن وردان اور روح وغیرہم کی روایت سے اس ادغام

---

[1] نہایۃ القول المفید۔ ومنح الفکریہ ٢ نشر ص ۲۳ ج ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن ر، دان ور، وح وغیرھم[1] ۔ | مع الغنہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

اور طیبہ میں فرماتے ہیں ؎

وَاَدْغِمْ بِلَاغُنَّةٍ فِیْ لَامٍ وَّرَا ۔ وَھِیَ لِغَیْرِ صُحْبَۃٍ اَیْضًا تُرٰی

یعنی نونِ ساکنہ و تنوین کا لام و را میں ادغام بلاغنہ کرو، اور صحبہ (حمزہ کسائی خلف شعبہ) کے علاوہ یعنی نافع، مکی، بصری، شامی ابو جعفر، یعقوب اور حفص سے ادغام مع الغنہ بھی ثابت[2] ہے۔

شیخ علی محمد ضباع فرماتے ہیں[3] جمہور کے یہاں تو نون ساکنہ تنوین کا لام و را میں ادغام بغیر غنہ ہی ہے اور ھذلی، اھوازی اور ازمیری نے ادغام مع الغنہ کیا ہے۔ اور علامہ جزری نے نشر میں اس ادغام مع الغنہ کی یہ شرط بیان کی ہے کہ نون ساکنہ مقطوع الرسم ہو جیسے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا۔ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ نہ کہ موصول جیسے فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ سورہ ہود میں، اور اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ کہف میں اَلَّنْ نَّجْمَعَ قیامہ میں، وغیرہ وغیرہ

اسی طرح قاری فرماتے ہیں[4] حلوانی نے مزید ہے، ابو عون نے قالون سے اور ابو حاتم نے یعقوب سے نون و تنوین کے ادغام کے ساتھ غنہ کا اظہار کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جہاں نون مرسوم نہ ہو جیسے اِلَّا تَفْعَلُوْهُ، اِلَّا تَنْصُرُوْهُ وغیرہ تو باجماع نون کا ادغام لام و را میں تام ہی ہے[5]۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قید ضروری ہے ورنہ رسم کے خلاف ہونے کی وجہ سے ادغام مع الغنہ شواذ میں سے ہو جاتا۔

ان تمام مذکورہ بالا تصریحات سے ثابت ہوا کہ بطریق جزری روایت حفص وغیرہ میں نون ساکنہ و تنوین کا لام و را میں ادغام بلاغنہ عند الاکثر ہے اور مع الغنہ بھی صحیح و ثابت ہے۔ اس کو شواذ میں قرار دینا صحیح نہیں جیسا کہ قاری شرح شاطبیہ میں فرماتے ہیں[6] کیونکہ شواذ میں سے اس وقت کہا جاتا ہے جب قرات یا روایت تواتر کی حد تک نہ پہنچے یا رسم قرآنی کے خلاف یا باجماع خلاف نحو ہو، اس باب میں علامہ جزری سند کی حیثیت رکھتے ہیں اگر یہ شواذ میں سے ہے تو موصوف اس کو کبھی بھی اپنے طریق میں صحت کا مقام نہ دیتے،

اس تقریر کی روشنی میں ناظم کے کلام وَاَدْغِمْ فِی اللَّامِ وَالرَّا لَا بِغُنَّةٍ لَزِمْ کا مفہوم متبادر اور ناظم کی مراد کے موافق وہی ہے جو ابن الناظم، رومی اور مصری نے بیان کیا ہے، کہ نون ساکنہ و تنوین کا جو لام و را میں ادغام ہوگا وہ غنہ کے ساتھ اور بغیر غنہ دونوں طرح صحیح ہے۔ گویا لَا حرفِ نفی لَزِمَ پر داخل ہے یعنی لَا لَزِمَ بِغُنَّةٍ، یا لَزِمَ لَا بِغُنَّةٍ کی صفت ہے یعنی لام و را میں ادغام ایسے غنہ کے ساتھ نہیں ہے جو لازم و ضروری ہو۔ گویا ناظم نے اپنے طریق کے مطابق ادغام مع الغنہ و بغیر غنہ کے خلف کو جس طرح سے نشر اور طیبہ میں بیان کیا اس نظم میں بھی اپنے اسی طرز بیان کو باقی رکھا، جو ان کے لئے یقیناً ضروری تھا۔

شیخ خالد نے ابن الناظم وغیرہ کی مذکورہ بالا تشریح کو وہم قرار دیتے ہوئے کہا کہ ادغام ناقص صحیح نہیں، اور یہی میلان ملا علی قاری کا ہے، مگر ناظرین فیصلہ کریں کہ کیا ابن الناظم کی صحیح تشریح کو وہم قرار دینا خود وہم میں مبتلا ہونا نہیں ؟

نوٹ :۔ لام و را میں ادغام کی وجہ جمہور کے نزدیک شدت قرب ہے۔ اور فرا وغیرہ کے نزدیک تجانس یعنی اتحاد مخرج[7] ہے۔

---

[1] نشر ص ۲۴ ج ۲ [2] شرح طیبہ لابن الناظم ص ۱۲۵ [3] مریح النص فی الکلمات المختلف فیہا عن حفص، للشیخ المرحوم الضباع ص ۱۱ [4] شرح شاطبیہ ص ۱۰۸ [5] منح الفکریہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ش: وَادْغِمَنْ بِغُنَّةٍ فِيْ يُوْمِنُ ۔ اِلَّا بِكِلْمَةٍ كَدُنْيَا عَنْوَنُوْا

ت :- اور یُوْمِنُ (کے حرفوں) میں لازمی طور پر غُنّہ ہی کے ساتھ ادغام کر دو، مگر ایک کلمہ میں (نہیں) جیسے دُنْيَا اور عَنْوَنُوْا

ل :- وَادْغِمَنْ صیغۂ امر حاضر بانون خفیفہ، اس کا مفعول مقدّر ہے یعنی اَلتَّنْوِیْنَ۔ یُوْمِنُ نون کے اشباع کے ساتھ۔ اور بعض نسخوں میں یُوْمِنُوْا آخر میں واؤ کے ساتھ ہے[1]، لیکن یہ نسخہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ خواہ مخواہ واؤ میں تکرار پیدا ہوتی ہے، نیز یُوْمِنُ کا لفظ ہمزہ کے ابدال بالواو کے ساتھ پڑھنا چاہیئے، اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ ہمزہ کا حکم (اظہار) اوپر گزر چکا ہے۔

اِلَّا بِكِلْمَةٍ، كِلْمَةٍ بکسر کاف وسکون لام اور جمع كِلَم ہے یا كَلِمَةٍ بفتح کاف وکسر لام جمع كَلِم بفتح کاف وکسر لام ۔ وكَلِمات یا كَلْمَةٌ بفتح کاف وسکون لام جیسے لَبِنَةٌ ولَبْنَةٌ جمع كَلَمَاتٌ بفتحتین[2]۔

اِلَّا کے مستثنیٰ منہ میں شارحین کا اختلاف ہے روحی کے نزدیک اَدْغِمَنْ سے استثناء ہے، زکریا انصاریؒ کے نزدیک یُوْمِنُ سے استثناء ہے یعنی اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْحُرُوْفَانِ بِكِلْمَةٍ اور قاری کے نزدیک بھی یُوْمِنُ کے حروف سے ہی استثناء ہے مگر تقدیر عبارت یہ ہے اِلَّا الْوَاقِعَ مِنْهَا بِكِلْمَةٍ ۔ حاصل سب کا ایک ہی ہے ۔

نوٹ :- بعض نسخوں میں بجائے عَنْوَنُوْا کے صَنْوَنُوْا ہے ۔ عَنْوَنُوْا یعنی اہل تجوید نے اس کو عنوان ٹھہرایا اور صَنْوَنُوْا یعنی لکھا انہوں نے[3] ۔

ادغام مع الغنہ یعنی نون ساکنہ اور تنوین کا یُوْمِنُ کے چار حروف میں ادغام مع الغنہ ہے یہ چار حروف ہوئے یا واؤ میم اور نون، جیسے اِنْ يَّرَوْا، مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ ۔ مِنْ وَّالٍ، اِيْمَانًا وَّعَلٰى، مِنْ مَّالٍ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ، اِنْ نَّحْنُ مَلِكًا نُّقَاتِلْ۔

نون میں ادغام کی وجہ تماثل ہے اور میم میں ادغام کی وجہ یہ ہے کہ نون و میم میں غنہ، جہر، انفتاح، استفال اور توسط میں اشتراک ہے گویا صفات کے اعتبار سے دونوں متجانسین ہیں۔ اور واؤ اور یاء میں ادغام کی وجہ یہ ہے کہ نون، واو، یاء کے ساتھ انفتاح، استفال اور جہر میں مشترک ہے نیز دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ مد اور غنہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اسی وجہ سے مضارع کے سات صیغوں میں نون اعرابی لایا جاتا ہے اور اسم منصرف میں نون تنوین کے ساتھ اعراب کو ظاہر کیا جاتا ہے، اور اسماء ستہ مکبّرہ کا اعراب واؤ الف اور یاء کے ساتھ آتا ہے، حاصل یہ کہ نون میں غنہ کی وجہ سے اور حروف مدّہ میں مدیّت کی وجہ سے مشترک طور پر امتداد صوت ہے ۔

واؤ اور یاء میں جو ادغام بالغنہ ہے علماء تجوید کے یہاں بالاتفاق یہ غنہ صفتِ نون ہے لہٰذا ادغام ناقص ہے، البتہ نون و تنوین کا جو میم میں ادغام ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے کہ یہ ادغام تام ہے یا ناقص، یعنی غنہ نونِ مُدغم کا ہے یا اُس میم کا ہے جو ادغام کی وجہ سے میم مقلوبہ

---

[1] نسخۂ شارح روحی [2] حاشیۂ الفیۂ ابن مالکؒ و منح[3] منجد [4] روحی و قاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جمہور کے نزدیک یہ غنہ میم مقلوبہ کا ہے عن النون ہے؟ ابوالحسن بن کیسان نحوی اور ابوبکر بن مجاہد مُقری وغیرہ کی رائے پر ادغام ناقص ہے اور نہ کہ نون ساکنہ یا تنوین کا، علامہ دانی وجزری اور دیگر محققین کے نزدیک یہی صحیح ہے اس لئے کہ مُدغم، ادغام کی وجہ سے مدغم فیہ سے بدل گیا ہے اور نون موجود نہیں ہے، لہٰذا مِنْ مَّنْ اور اَمْ مَّنْ میں کوئی فرق نہیں۔ بعض مشائخ کی عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادغام نون کا نہیں بلکہ غنہ کا ہوتا ہے، مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ غنہ صفت قائم بالنون ہے وہ کوئی الگ شئ نہیں جس کا ادغام متصور ہو، نیز یہ قراء ونحویین کے اجماع کے خلاف ہے[1]۔

معلوم ہو چکا ہے کہ واؤ، یاء میں ادغام بالغنہ ہے اسی طرح جن حضرات نے لام وراء میں ادغام بالغنہ روایت کیا ہے ادغام کی یہ چاروں صورتیں غنّہ کی وجہ سے ادغام ناقص کہلاتی ہیں، اور جن حضرات نے بغیر غنہ کے ادغام کیا ہے ان کے یہاں ادغام تام کہلائے گا۔

اور بعض مشائخ ادغام مع الغنہ والی صورتوں کو اخفاء کہتے ہیں، ان کے نزدیک اس پر ادغام کا اطلاق مجازاً ہے، چنانچہ ابوالحسن سخاوی اسی طرف گئے ہیں، فرماتے ہیں "ادغام مع الغنہ کی مذکورہ صورتیں درحقیقت اخفاء ہیں نہ کہ ادغام، ادغام کہنا مجازاً ہے، البتہ جو حضرات ادغام بغیر غنہ کرتے ہیں وہ البتہ ادغام ہے۔ اس قدر ضرور ہے کہ خالص ادغام نہ ہو تو اس اخفاء میں قدرے تشدید ہے اور ہمارے اکابر کا بھی یہی قول ہے۔"

ناظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ائمہ کے اقوال میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ غنہ کی آواز کی وجہ سے جو کہ مُدغم میں ہے یہ ادغام ناقص ہے جیسے اَحَطْتُّ۔ بَسَطْتَّ میں مدغم میں اطباق کی صفت کے بقا کے باوجود اس کو ادغام ہی کہا گیا ہے۔ اور تشدید کا ہونا دلیل ہے کہ یہ ادغام ہے، کیونکہ اخفاء میں تشدید ناجائز ہے۔

حاصل یہ کہ یَرْمَلُوْن کے چھ حروف میں سے لام وراء میں بطریق شاطبی رحمہ اللہ وغیرہ ادغام تام ہی ہے خواہ نون ساکنہ مرسوم ہو یا نہ ہو اور بطریق جزری مختلف ہے بشرطیکہ نون ساکنہ مرسوم ہو۔ لیکن جزری رحمہ اللہ کے مشائخ میں سے بھی اکثر نے ادغام تام کی وجہ نون کا لام وراء سے شدت قرب اور بعض کے مذہب پر ہم مخرج ہونے کی وجہ سے تجانس ہے۔

شارح رومی نے فرمایا کو اسی شدت قرب یا تجانس کی وجہ سے لام وراء میں ادغام تام ہوا، گویا لام وراء کو نون کے مماثل کے ہم مرتبہ کا درجہ دیا گیا[3]۔

اس پر ملا علی قاری نے اعتراض کیا کہ نون کا نون میں جو ادغام ہوتا ہے وہ تو مع الغنہ، لہٰذا متماثلین کے درجہ میں فرض کرنے سے لام وراء میں ادغام تام ہونے کی وجہ نہیں بنتی[4]۔

لیکن قاری رحمۃ اللہ کا یہ اعتراض وارد نہیں، کیونکہ متماثلین کا ادغام باجماع تام ہی ہوتا ہے اور غنہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ ادغام تام نہیں، کیونکہ غنہ، ادغام کی وجہ سے مشدّد ہونے کی بنا پر ہے نون مُدغم کا نہیں ہے، نون مشدد چونکہ محل غُنہ ہے اس لئے غُنہ ہوا اور لام وراء چونکہ محل غنہ نہیں اس لئے وہاں نہیں ہو سکتا۔

اور نون کا واؤ یاء میں جمہور کے نزدیک ادغام بالغنہ ہی ہے، جو ادغام ناقص ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ واؤ، یاء میں تو غنہ ہے نہیں لہٰذا

[1] شرح ۲ [2] شرح ۲ [3] شرح رومی [4] منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادغام کے ساتھ غنہ کے بقاء کو مُدغم یعنی نون کی طرف منسوب کرنا پڑے گا کہ یہ غنہ نون ہی کا ہے۔ اور نون کا میم میں ادغام تام ہے یا ناقص ؟ اس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

مقدمۃ الجزریہ کی شرح میں حلبی نے کہا ہے کہ عدم غنہ کے ساتھ نون وتنوین کا ادغام جس حرف میں بھی ہو وہ ادغام محض یعنی ادغام تام ہوگا اور تام ہونے کی وجہ سے کامل التشدید ہوگا[1]۔ اس پر ملا علی قاری نے اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ نون وتنوین کا ادغام مع الغنہ واؤ اور یا میں ادغام ناقص قرار دیا جائے اور ناقص ہونے کی وجہ سے بیشک وہ ناقص التشدید قرار دیا جائے لیکن میم اور نون میں اگرچہ ادغام مع الغنہ ہے لیکن ناقص نہیں کیونکہ نون خود حرف غنہ ہے اور جب اس کی مقارنت حروف غنہ (نون ومیم) سے ہوئی تو شدت قرب کی وجہ سے ادغام تام ہی ہوا ہے اور باوجود ادغام مع الغنہ کے کامل التشدید ہوگا۔ اسی لئے واؤ و یا میں ادغام کی وجہ سے جو غنّہ کی آواز ہے وہ اس غُنّہ کی آواز سے ناقص ہوگی، جو نون ومیم میں ادغام مع الغنہ سے پیدا ہوتی ہے[2]۔

قوله اِلَّا بِكِلْمَةٍ كَدُنْيَا عَنْوَنُوْا یعنی نون ساکنہ کا حروف یرملون میں ادغام اسی وقت ہوگا جب کہ وہ کلمہ کے آخر میں منطوق اور یرملون کے حروف مابعد کے کلمہ کے شروع میں آئیں حاصل یہ کہ مدغم اور مدغم فیہ کلمتین میں ہوں، لیکن اگر ایک کلمہ میں ہوں جیسے دُنْيَا، بُنْيَانٌ، قِنْوَانٌ صِنْوَانٌ تو نون میں اظہار رہوگا، کیونکہ ادغام کرنے میں مضاعف کے ساتھ التباس ہوتا ہے مضاعف وہ ہے کہ حروف اصلیہ میں عین اور لام کلمہ میں حرف مکرر ہو جیسے فَرَدَ سے فَرَّ۔ صِنْوَانٌ اور دُنیا میں اگر ادغام کیا جائے تو صِوَّانٌ اور دُيَّا ہو جائیں گے، اور سامع پر کلمہ کی اصل مشتبہ ہو جائے گی کہ حروف اصلیہ صِنْوٌ اور دُنُوٌّ ہیں یا صِوٌّ اور دُيٌّ ہیں، لہٰذا نون کو ظاہر کرکے بغیر غنہ پڑھا گیا۔

اس پر اگر یہ اعتراض ہو کہ ادغام مع الغُنَّۃ کیوں نہیں کر لیا گیا تاکہ غُنہ کی وجہ سے مضاعف اور غیر مضاعف میں فرق ہو جائے تو جواب یہ ہے کہ اس فرق کو معتبر نہیں سمجھا گیا کیونکہ غیر واضح ہے۔ لہٰذا ظاہری التباس کے خوف کی بنا پر ادغام ممنوع ہوا[3]۔ یہی وجہ ہے کہ اہل زبان نے اَنْمُلَةٌ (انگلی) وغیرہ میں نون کا میم میں ادغام نہیں کیا۔ لیکن کلمۂ واحدہ میں نون کے بعد قرآن میں صرف واؤ اور یا ہیں اور کوئی حرف واقع نہیں۔ اور اس قسم کے کلمات بھی صرف چار ہیں، جو اوپر نقل کئے گئے اسی لئے ناظمؒ نے دُنْيَا اور عَنْوَنُوْا دو مثالیں بیان کیں لیکن عَنْوَنُوْا قرآنی کلمہ نہیں ہے۔ بلکہ شعری وزن کی تنگی کی وجہ سے کلمۂ قرآنی کی مثال نہیں لا سکے۔ اسی لئے قاریؒ نے صِنْوَنُوْا والے نسخہ کو بہتر قرار دیا، کیونکہ مادّہ کے لحاظ سے وہ کلمۂ قرآن صِنْوَانٌ کی طرف مُشیر ہو جاتا ہے۔ البتہ عَنْوَنُوا میں معنوی خوبی یہ ہے کہ یہ لفظ عُنْوَان سے ہے جس کے معنی ہیں کسی مسئلہ کا موضوع، مطلب یہ ہوگا کہ نحات اور علماء تجوید نے کلمۂ واحدہ میں اسلئے ادغام نہیں کیا تاکہ یہ اظہار کلمہ کی اصل وضع پر دال ہو جائے اور مضاعف سے التباس نہ ہو[4]۔

فائدہ:۔ تمام شراح ومصنفین نے بیک قلم لکھا ہے کہ کلمۂ واحدہ میں نون کے واؤ، یا میں مدغم نہ ہونے کی وجہ مضاعف کے ساتھ التباس ہے۔ لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس پر فنی اعتراض کیا ہے جو نہایت معقول ہے، حاصل یہ ہے کہ صِنْوَانٌ، قِنْوَانٌ میں حروف اصلیہ صِنْوٌ قِنْوٌ اور بُنْيَانٌ، دُنْيَا میں بَنْيٌ اور دُنُوٌّ ہیں اور مضاعف ثلاثی کی تعریف یہ ہے کہ اس کے عین ولام کلمہ میں حرف مکرر واقع ہو لیکن یہ حرف مکرر غیر حرف علت ہونا چاہیئے ورنہ وہ لفیف مقرون کہلائے گا۔ لہٰذا کلمات مذکورہ میں ادغام کے بعد اشتباہ مضاعف سے نہیں بلکہ لفیف

---

[1] نہایۃ القول المفید بحوالہ حلبی [2] منح الفکریہ [3] نہایۃ القول المفید [4] کیونکہ دُنْيَا اصل میں دُنْوَیٰ تھا واؤ کو یا سے بدلا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقرون سے ہوتا ہے مثلاً دُنیا میں ادغام کرنے سے لفظ دُیَّا ہوتا ہے، اور دُیَّا مضاعف نہیں بلکہ لفیف ہے جیسے کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ میں طَیّ کہ اصل میں طَوْیٌ لفیف مقرون تھا واؤ کا یا میں ادغام ہونے کے بعد بھی اس کو لفیف ہی کہا گیا، مُضاعف نہیں ہیں کہا ہوں کہ غالباً مضاعف سے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی ہیں۔

فائدہ روایت حفص میں چار جگہ سکتے ہیں، سورۂ کہف میں عِوَجًا سکتہ قَيِّمًا، یٰسٓ میں مِن مَّرْقَدِنَا سکتہ هٰذَا میں قیمہ میں مَنْ سکتہ رَاقٍ میں تطفیف میں كَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ ہیں۔

پہلی جگہ اس لئے سکتہ ہے کہ وصل کرنے میں قَيِّمًا کے عِوَجًا کی صفت ہونے کا وہم ہوتا ہے حالانکہ صفت نہیں۔ اس طرح دوسری جگہ میں ھذٰا کے مَّرْقَدِنَا سے صفت یا بدل ہونے کا وہم ہوتا ہے، حالانکہ صفت یا بدل نہیں ہے اور تیسری اور چوتھی جگہ میں اس لئے سکتہ ہے کہ اوّل میں من راق میں نون کا راء میں اور بل ران میں لام کا راء میں حسب قاعدہ ادغام ہو تو ادغام کے بعد اوّل میں مَرَّاقٍ کا صیغہ مبالغہ ہونے کا اور ثانی میں بَرَّ کے تثنیہ ہونے کا وہم ہوتا ہے گویا پہلی دو جگہ میں معنی کی رعایت سے اور دوسری دو جگہ لفظ کی رعایت سے سکتہ کیا گیا ہے تاکہ ادغام نہ ہو اور حفص کے علاوہ کسی کے یہاں یہ سکتے نہیں۔ کیونکہ پہلی دو جگہ میں وقف کر کے النّاس معنی کے وہم کو زائل کیا جاسکتا ہے اور دوسری دو جگہ میں وہم کا اعتبار نہیں کیا گیا، کیونکہ رسم میں کلمات مفصول ہیں، لہٰذا ادغام ہونے میں حرج نہیں۔

فائدہ:- یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ اور نٓ وَالْقَلَمِ میں ادغام مختلف فیہ ہے چنانچہ بعض قراءتوں میں ضابطہ کے تقاضا کے مطابق ادغام ہوا ہے اور بعض میں اظہار ہوا ہے کیونکہ حروفِ مقطعات اپنی اصل وضع میں کلماتِ قرآنیہ سے مقطوع ہیں، اور بعض قراءتوں میں ادغام و اظہار میں خُلف ہے پھر علم قراءات کے شیخین یعنی جزری و شاطبی کے طُرُق میں بھی اختلاف ہے، اس کی تفصیل نقشۂ ذیل سے سمجھئے۔

		بطریقِ جزری رح	بطریقِ شاطبی رح	
یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ	مُدغمین	ہشام، کسائی	شعبہ، ورش شامی کسائی	مُدغمین
	مُظہرین	قنبل، بصری، حمزہ	حفص، حمزہ، مکی، بصری، قالون	مُظہرین
	اہلِ خُلف	ابن ذکوان نافع، بزّی عاصم		اہلِ خُلف
نٓ وَالْقَلَمِ	مُدغمین	ہشام۔ کسائی	شعبہ، شامی، کسائی	مُدغمین
	مُظہرین	قالون قنبل بصری حمزہ	حفص، حمزہ مکی بصری قالون	مُظہرین
	اہلِ خُلف	ورش بزّی، ابن ذکوان، عاصم	ورش	اہلِ خُلف

معلوم ہوا کہ حفص رح کے لئے بطریقِ جزری خُلف ہے اور بطریقِ شاطبی رح صرف اظہار ہے۔

فائدہ:- ایک کلمہ میں نون ساکنہ کے بعد میم کا وقوع عربی زبان میں ہے مگر قلیل جیسے زَنْمَآءُ کان کٹا ہوا اونٹ یا بکری) غُنُمٌ

ے تفصیل کے لئے دیکھو منح الفکریہ، ابراز المعانی اور شرح شاطبیہ ملا علی قاری رح ے شرح طیبہ لابن المصنف رح ص۱۳۲ ے ۳ ارشاد المرید للضباع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمع غَنِیمت، نون ساکنہ کے بعد راء بھی پائی جاتی ہے مگر بہت کم جیسے خَنْرٌ بمعنی بنانا اسی سے خَنِیْرَہ بمعنی کمان آتا ہے۔ اور نون ساکنہ کے لام کا وقوع ایک کلمہ میں نہایت شاذ ہے۔ بعض لوگوں نے اِنْلَوْھَرَ مثال لکھی ہے، مگر یہ لغت میں نہیں ہے۔ البتہ واؤ، یاء و وقوع بکثرت ہے جیسے اَنْوَارٌ۔ اَنْیَابٌ وغیرہ یہ سب صورتیں ادغام سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن ایک کلمہ میں نون کے بعد نون ہو تو تماثل کی وجہ سے ادغام ہوگا جیسے اٰمَنَّا صیغہ جمع متکلم اور لَدُنَّا۔ اس لئے ناظم اگر یَرْمُلُوْن کے چھ حرفوں کے بجائے لَمْ یُرْوَ کے پانچ حروف پر اکتفا کرتے تو بہتر تھا، کیونکہ نون ساکنہ کا اپنے مثل میں ادغام ہونا باب الادغام میں، اور نون مشدّدہ میں غنّہ کا بیان باب احکام النون والمیم میں آ ہی چکا تھا، اسی لئے ناظم نے میم کا میم میں ادغام مستقلاً بیان نہیں کیا، جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔ مجموعہ یُؤْمِنُ میں نون آجانے سے اس کا مدغم فیہ ہونا معلوم ہوا۔ اس کے بعد ایک کلمہ میں بوجہ استثناء نون کا یُؤْمِنُ میں ادغام نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ کلمۂ واحدہ میں نون کا نون میں ادغام ہے۔ توجیہ کے درجہ میں کہا جاسکتا ہے کہ نون کا نون میں ادغام اسلئے بیان کیا کہ تنوین کے نون کو بھی اس حکم میں شامل کرنا تھا، کیونکہ تنوین کا نون گو نون ساکنہ ہی ہوتا ہے لیکن رسم و وقف میں نون ساکنہ سے ممتاز ہے اور یُؤْمِنُ مدغم فیہ حروف کے ذکر کرنے کے بعد کلمۂ واحدہ میں ادغام کے استثناء میں نون کا استثناء مقصود نہیں کیونکہ اوپر نون مشددہ کا حال گذر چکا ہے کہ نون مشددہ کا وقوع کلمۂ واحد اور کلمتین دونوں میں ہوا ہے۔ گویا اٰمَنَّا جیسے کلمات ضمنی طور پر مشددہ ہیں لہٰذا وہ استثناء کے ذیل میں نہیں آتے۔

متنبی کا شعر ہے ؎

كذا الفاطميون الندى في اكفهم
اعزّ امحاءً من خطوط الرواجب

اِمِّحَاءٌ اصل میں اِنْمِحَاءٌ ہے۔

ش۔۲۸ وَالْقَلْبُ عِنْدَ الْبَا بِغُنَّةٍ كَذَا الِاخْفَا لَدٰى بَاقِى الْحُرُوْفِ اُخِذَا

ت۔ اور نون ساکنہ و تنوین میں با کے نزدیک، غنہ کے ساتھ قلب ہے اسی طرح (یعنی غنّہ کے ساتھ) باقی حرفوں کے نزدیک (نون ساکنہ و تنوین میں) اخفاء اختیار کیا گیا ہے۔

ل۔ وَالْقَلْبُ الف و لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی وَقَلْبُ النُّوْنِ السَّاكِنَةِ وَالتَّنْوِيْنِ۔ گویا مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور دوسرا مفعول یعنی مِیْمًا شہرت کی بنا پر حذف کر دیا گیا۔ عند البا ضرورۃً ہمزہ حذف ہوا یعنی الباءِ عِنْدَ اور بِغُنَّةٍ، اَلْقَلْبُ کے متعلق ہیں كَذَا مصرعۂ ثانی کے متعلقات میں سے ہے۔ اور الاخفا کے متعلق ہے یعنی وَالِاخْفَاءُ كَذٰلِكَ بِغُنَّةٍ الاخفا (ضرورۃً حذفِ ہمزہ کے ساتھ)، اصل میں اَلْاِخْفَاءُ تھا اِخْفَا کا ہمزہ نقلِ حرکت کے قاعدہ سے حذف ہوا، لام تعریف مکسور

سله رومی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا، اور ہمزۂ وصل استغناءً حذف ہوگیا، جیسا کہ باب الخارج میں الاَضْرَاس میں یہی صورت ہوئی ہے۔ لام تعریف یہاں بھی مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی اِخْفَاءُ النُّوْنِ السَّاكِنَةِ وَالتَّنْوِيْنِ ۔ لَدَىٰ بَاقِي الْحُرُوفِ ، اَلْاِخْفَاء کا ظرف ہے اُخِذَا میں ضمیر نائب فاعل الاِخْفَاءُ کی طرف راجع ہے اور الف، اطلاقی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ الف تثنیہ کا ہو، اور ضمیر، مذکورہ دو حکم قلب و اخفا کی طرف راجع ہو۔ نیز الف اطلاقی ہونے کے احتمال پر بتاویل مَاذُكِرَ اظہار، ادغام، قلب اور اخفا چاروں حکموں کی طرف راجع کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں[1]۔ بہتر یہ ہے کہ اُخِذَا کو صیغۂ تثنیہ قرار دیا جائے اور اَلْقَلْبُ مع اپنے متعلقات اور الاخفا مع اپنے متعلقات کو مبتدا اور اُخِذَا کو خبر کہا جائے۔

نوٹ :- اُخِذَا کی ضمیر نائب فاعل رومی[2] نے نون ساکنہ و تنوین کی طرف راجع کی ہے، جو ظاہر کے خلاف ہے اور تکلف سے خالی نہیں۔

بعض متداول نسخوں میں اِخْفَا بغیر لام تعریف کے ہے، مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ بلا وجہ مُبتدا کا نکرہ ہونا غلط ہے۔

قلب[3] یعنی نون ساکنہ (خواہ متوسطہ ہو یا متطرفہ) اور تنوین کے بعد اگر حرف بَا واقع ہو جیسے اَنْۢبِئْهُم ، اَنْۢ بُوْدِكَ ، عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ تو نون و تنوین، میم سے بدل جائیں گے اور اس میم مقلوبہ میں اخفاء مع الغنہ ہوگا۔ جیسا کہ میم ساکنہ عند البا میں اکابر اہل تجوید سے اخفا مع الغنہ کا بیان گذر چکا ہے[4]۔

قلب کی وجہ یہ ہے کہ نون و تنوین میں اظہار کے ساتھ غنہ ادا کرنا، پھر با کی ادائیگی کے لئے اطباقِ شفتین ہونا، دشوار ہے۔ اور نون کا با میں ادغام نہیں کیا جاتا، کیونکہ مخرج کے اعتبار سے نون اور با میں کوئی مناسبت نہیں، لہٰذا اخفا ہی زیادہ موزوں ثابت ہوا، اور یہ اخفاء اسی طرح موزوں ہوسکتا تھا کہ نون کو میم سے بدلا جائے، کیونکہ میم، با کی ہم مخرج ہے اور نون کے ساتھ بھی غنہ و دیگر صفات میں مشترک ہے، اس طرح گویا نون کو میم ہی سے بدلا گیا تاکہ وہ با کے تلفظ میں واسطہ ثابت ہو[5]۔

یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ کلمۂ واحدہ میں نون ساکنہ کا واؤ - یا، وغیرہ میں ادغام نہیں کیا گیا، تاکہ مضاعف سے اشتباہ نہ ہو، اشتباہ کی یہی صورت یہاں بھی وارد ہے کہ نون ساکنہ کو عند البا، جب میم سے بدلیں گے تو پتہ نہ چلے گا کہ اصل حرف نون ہے یا میم؟ مثلاً اَنۢبَآءُ کو اَمْبَاءُ پڑھا جائے گا تو ظاہر ہے کہ کلمہ کی اصل مشتبہ ہوگی۔ لیکن یہ اشکال وارد نہیں، کیونکہ نہ صرف قرآن میں بلکہ تمام عربی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس میں میم کے بعد با کا وقوع ہو لہٰذا اشتباہ پیدا نہیں ہوتا[6]۔

میم مقلوبہ میں اخفاء مع الغنہ اجماعی ہے اس کو میم اصلی عند البا پر جس کا حکم گذر چکا ہے، قیاس نہ کیا جائے علامہ جزری نے بعض اہل مغرب مصنفین کے حوالہ سے ان کا یہ قول کہ میم مقلوبہ میں اظہار بھی جائز ہے" نقل کرنے کے بعد اس قول کو بے اصل اور مذکورہ رائے کو مبنی بر وہم قرار دیا ہے[7]۔

اِخْفَاء نون ساکنہ و تنوین کا چوتھا حال اِخْفَاء ہے۔ معنی لغوی چھپانا، اصطلاح میں "کسی حرفِ ساکن کا تلفظ اس طرح کرنا کہ بقاءِ غنہ کے ساتھ بین الاظہار والادغام، بغیر تشدید ادا ہو[8]"

وہ حروف جن سے پہلے نونِ ساکنہ و تنوین میں اخفا ہوگا پندرہ ہیں، کیونکہ کل انتیس ۲۹ حروف میں سے چھ ۶ میں اظہار چھ ۶ میں ادغام

---

[1] و [2] منح الفکریہ [3] رومی قاری [4] رومی و قاری علیہما رحمۃ الباری [5] ابراز المعانی، لابی شامۃ [6] نشر ج ۲ [7] نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک میں قلب یہ کل تیرہ ۱۳ ہوئے، انہیں میں چودھواں حرف الف بھی شامل کر لیجئے، کیونکہ اس کا وقوع نون ساکنہ و تنوین کے بعد نا ممکن ہے تو گویا کل ۱۴ حروف کے ماسوا یعنی پندرہ ۱۵ حروف میں اخفا ہوگا، اخفاء کی کل پینتالیس ۴۵ مثالیں بنتی ہیں، تیس ۳۰ نون ساکنہ، متوسطہ اور متطرفہ کی، اور پندرہ نون تنوین کی غور کرنے سے یہ پینتالیس ۴۵ مثالیں دریافت کر لی جا سکتی ہیں۔ شیخ سلیمان جمزوری رح نے تحفۃ الاطفال میں حروف اخفاء کو ذیل کے شعر کے اوائل کلمات میں جمع کیا ہے ؎

صِفْ ذَا ثَنَا كَمْ جَادَ شَخْصٌ قَدْ سَمَا　　دُمْ طَيِّبًا زِدْ فِيْ تُقًى ضَعْ ظَالِمًا

ص ذ ث ك ج ش ق س د ط ز ف ت ض ظ

مذکورہ پندرہ حروف میں اخفا کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ حروف نون کے مخرج سے نہ تو ایسے قریب ہیں جیسا کہ حروفِ ادغام قریب تھے کہ ادغام ہو اور نہ ایسے بعید ہیں جیسا کہ حروفِ اظہار ہیں کہ اظہار واجب ہو، لہٰذا جب قرب جو ادغام کا موجب تھا اور بُعد جو اظہار کا موجب ہے دونوں معدوم ہیں تو نون و تنوین کو ایک ایسا حکم دیا گیا جو اظہار و ادغام دونوں کے بین بین ہے اور یہ اخفا ہے، اظہار کے معنی ہیں حرف کی ذات و صفت کو باقی رکھنا اور ادغام تام میں حرف کی ذات و صفت دونوں کو مدغم فیہ میں فنا کیا جاتا ہے، اور اخفا میں نون و تنوین کی ذات کا تلفظ سے فنا ہو کر ان کی صفتِ غنہ کا باقی رہنا ہے، اسی لئے اِس حالت میں اُن کا مخرج لسان سے خیشوم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ [1]

اخفاء کی ادا اخفا کی ادا کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نوکِ زبان نون کے ذاتی مخرج میں نہایت ضُعف کے ساتھ لگے یعنی نہایت ضعیف اتصال ہو اور خیشوم سے بقدر ایک الف، غنہ کی آواز ظاہر کی جائے۔"

نون مخفاۃ میں مخرج اصلی کو بھی دخل ہے اور خیشوم کو بھی، مگر لسان کا دخل ضعیف ہے اسی وجہ سے کالعدم سمجھا گیا، جیسا کہ حروف مدّہ میں اعتماد ضعیف سے قطعِ نظر کر کے خلیل وغیرہ نے اُن کا مخرج جوف بیان کیا ہے ایسا ہی نون مُخفی کا حال ہے کہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے حَرْفٌ خفیٌ یخرج من الخیشوم لا عَمَلَ لِلّسانِ فیہ۔ (ترجمہ) نون مُخفی ایک حرفِ خفی ہے جو خیشوم سے ادا ہوتا ہے، زبان کا اس میں کوئی کام نہیں۔

لیکن لَا عَمَلَ لِلّسان میں لسان کے عمل خاص یعنی الصاقِ محکم کی نفی مقصود ہے، چنانچہ ملا علی قاری رح منح الفکریہ میں لکھتے ہیں "نونِ مخفاۃ، مخرجِ ذات اور تحقق صفت سے مرکب ہے۔"

نوٹ:- نون مُخفات کی ادا میں تین طریقے عام رائج ہیں، اور تینوں غلط ہیں (۱) نون مخفات کو صرف خیشوم سے ادا کرنا نوکِ زبان کو تالو کی طرف بالکل نہ اُٹھانا، جس سے حروف مدّہ کی تولید ہوتی ہے، اِنْ كُنْتُمْ اِيْن كُوْنْتُمْ ہو جاتا ہے، کیونکہ صوت خیشومی کو بغیر ارتفاع طرفِ لسان، جوف دھن سے گذارا جاتا ہے، جس سے حروف مدّہ کی تولید ہوتی ہے۔ (۲) حرفِ مابعد کے مخرج پر اعتماد کی حالت میں نون مُخفاۃ کو خیشوم سے ادا کیا جاتا ہے، جس سے نون مخفات کی آواز مابعد کے حرف سے ممزوج و مخلوط ہو کر نکلتی ہے[2]، جس طرح سنگ، جنگ میں عجمی زبانوں میں ادا ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ یہ تو ادغام ہوا، ادغام کی تعریف خَلْطُ حَرْفٍ بِحَرْفٍ بِحَيْثُ يَرْتَفِعُ اللِّسَانُ اِرْتِفَاعَةً وَّاحِدَةً اس قسم کی ادا پر صادق آ رہی ہے، غنہ کی آواز باقی رہنے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ اس کو ادغام

---

[1] نہایۃ القول المفید و شرح۔ [2] چنانچہ اخفاء کی تعریف اس طرح کی گئی۔ ھی حالۃٌ بینَ الاظہار والادغام ای ابطال الذاتِ مع بقاء الغنۃ الممزوجۃ بما بعدھا (خلاصۃ البیان[3]) اس تعریف میں کھلا ہوا اشکال یہ ہے کہ مابعد کے ساتھ غنہ کے امتزاج سے اخفاء ادغام کے ساتھ ملتبس ہو جائے گا جو غلط ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناقص کہہ لیجیے ۔ (۳) نوک زبان کو نون کے مخرجِ اصلی یعنی تالو پر محکم طریقہ سے لگا کر خیشوم سے صوتِ غنہ کو ظاہر کرنا ۔ اس صورت میں اخفاء نہیں ہے بلکہ اظہار مع الغنہ ہے ۔ جو صحیح نہیں ۔

پہلی قسم کی غلطی میں عموماً قراءِ مصر و عرب مبتلا ہیں دوسری قسم کی غلطی میں قراءِ عجم اور بہت سے عرب مبتلا چلے آتے ہیں، تیسری غلط ادا ہمارے ہاں کے جاہل قاریوں اور عوام کا طریقہ ہے ۔

علامہ شبراملسی اور ان کے ارشد تلامذہ علامہ احمد دمیاطی اپنی کتاب اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربعۃ عشر میں لکھتے ہیں ۔

قاری کے لئے ضروری ہے کہ وہ اِنْ كُنْتُمْ وغیرہ میں اخفاءِ نون کے وقت اسی طرح اِنَّ الَّذِيْنَ اور اِمَّا فِدَآءً کے نون میم میں غنہ ادا کرتے وقت حروفِ مد کی تولید سے بچے، کیونکہ یہ خطاء قبیح اور تحریف ہے ۔ نیز اخفاءِ نون میں زبان کو ثنایا علیا کے اوپر تالو کے ساتھ ملصق کرنے سے بچے، یہ بھی غلط ہے ان دونوں غلطیوں سے بچ نکلنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ لسان تالو سے قدرے جدا رکھ کر نونِ مخفات ادا کرے ۔"

نشر میں علامہ جزری تحریر فرماتے ہیں ۔

پندرہ حروفِ اخفا کے ساتھ نون و تنوین کا مخرج فقط خیشوم سے ہے، منہ میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور زبان کا ان میں وہ دخل نہیں ہے جو نونِ مظہرہ اور مدغم بالغنہ میں ہوتا ہے ۔

علامہ مکی کتاب الرعایا لکھتے ہیں ۔

اخفاء میں حروف کو اپنی ذات میں چھپایا جاتا ہے اور ادغام میں اپنی ذات میں نہیں بلکہ مابعد والے حرف میں چھپایا جاتا ہے چنانچہ یوں کہا جاتا ہے اُخْفِيَتِ النُّوْنُ عِنْدَ السِّيْنِ اور یہ کہنا غلط ہوگا اُخْفِيَتِ النُّوْنُ فِي السِّيْنِ اور ادغام کو کہا جائے گا اُدْغِمَتِ النُّوْنُ فِي الْوَاوِ نہ کہ اُدْغِمَتِ النُّوْنُ عِنْدَ الْوَاوِ ۔

ان تمام مذکورہ اقوال سے ثابت ہوا کہ نونِ مخفی میں اصلی مخرج کو دخل ہے، لیکن اعتمادِ ضعیف کے ساتھ، جس کو ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے ۔ مثلاً شبراملسی نے مقلوب سے و دمیاطی نے تجافیِ قلیل سے، جزری نے كَعَمَلِهٖ سے اور محمد مکی نے فی نفسہٖ لا فی غیرہ سے اور ملا علی قاری نے مُرَكَّبَةٌ من مخرج الذات سے تعبیر کیا ہے ۔

حاصل بحث یہ ہے کہ ایک طرف تو علماء تجوید نے نونِ مخفات کے مخرج کو یہ لکھا کہ وہ خیشوم ہے، بعض نے صاف زبان کے عمل کی نفی کردی اور کسی نے کہا کہ اخفاء میں ذاتِ نون باطل ہوجاتی ہے ۔ اور دوسری طرف لکھتے ہیں کہ تولیدِ حروفِ مدہ سے بچو، اور مثل نونِ مظہرہ کے الصاقِ لسان سے بھی بچو ۔ نون کا اخفاء مستتر فی نفسہٖ ہوتا ہے نہ کہ مابعد کے حرف میں ۔

اب ان اقوال میں تطبیق کا طریق اور عمل میں صحیح صورت یہی ہے کہ تجافیِ قلیل کے ساتھ نوکِ زبان تالو پر لگے ۔ اسی لئے مرعشی نے لکھا ہے ۔ "اس سے چھٹکارا اور خلاصی کا طریقہ جس سے نونِ مخفی ادا ہو، تولیدِ حرفِ مدہ بھی نہ ہو، الصاقِ لسان بھی نہ ہو اور مابعد کے حرف پر اعتماد نہ ہو ۔ یہ ہے کہ اعتماد مخرجِ اصلی پر ضعیف ہونا چاہیئے[1] ۔"

ترتیب میں خوبی ناظمؒ نے اولاً اظہار کو بیان فرمایا، کیونکہ وہ اصل ہے، اس کے بعد ادغام کو لائے، پہلے ادغام فی اللام والراء کو، جو جمہور کے یہاں بغیر غنہ ہے پھر ادغام مع الغنہ کو بیان فرمایا، اظہار کے بعد ادغام کو متصلاً اس

[1] تفصیل کے لئے دیکھو حاشیۂ فوائد مکیہ از قلم مؤلف اور فتاویٰ امدادیہ ص ۲۰۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لئے بیان کیا کہ ادغام، اظہار کی ضد ہے، اور ضدّین کے سمجھنے کے بعد اُن کے اصل مفہوم میں وضاحت ہوتی ہے۔ اس کے بعد قلب کو لائے۔ کیونکہ وہ بھی ادغام ہی کی ایک نوع ہے، دوسرے قلب میں صرف ایک حرف ہے جو ضبط کرنے میں آسان ہے۔ پھر سب سے آخر میں اخفاء کو بیان فرمایا تاکہ حروفِ اخفا کے شمار میں آسانی رہے، دوسرے یہ کہ اخفا، بین الاظہار والادغام ایک حالت کا نام ہے، اور اظہار وادغام کے بعد ہی اُس کا تحقق ہو سکتا ہے، کیونکہ اخفاء اپنے مفہوم میں اُن دونوں کے بین بین ہے۔

بَابُ الْمَدَّاتِ

مَد کی قسموں کا بیان

ش ۱۶۹ وَالْمَدُّ لَازِمٌ وَّ وَاجِبٌ اَتٰی وَجَائِزٌ وَّهُوَ وَقَصْرٌ ثَبَتَا

ت۔ اور مد (ایک قسم میں) لازم ہے اور (ایک قسم میں) واجب ہے جو دہرا ایک بتواتر ہم تک آیا ہے اور (ایک قسم میں) جائز ہے در آنحالیکہ (اس میں) وہ مد اور قصر دونوں ثابت ہوتے ہیں۔

ل۔ اَلْمَدُّ مبتدا لَازِمٌ معطوف علیہ، وَاجِبٌ معطوف، خبر اول، اَتٰی خبر ثانی جَائِزٌ تیسرا معطوف، ذوالحال، وَهُوَ وَقَصْرٌ واو حالیہ هُوَ معطوف علیہ واو حرف عطف قَصْرٌ معطوف۔ دونوں معطوفین مبتدا ثَبَتَا بصیغۂ تثنیہ، خبر اور اس طرح یہ جملہ اسمیہ ہو کر جَائِزٌ سے حال۔

نوٹ:۔ ضمیر هُوَ کا مرجع مد ہے اور ثَبَتَا کی ضمیر تثنیہ کا مرجع مد وقصر ہیں۔

ح۔ مد کے لغوی معنی ہیں زیادت۔ قرآن میں اسی سے ہے یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ یعنی یَزِدْكُمْ اور یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ۔ اور اصطلاح میں اِطَالَةُ الصَّوْتِ بِحَرْفٍ مَدِّيٍّ مِنْ حُرُوْفِ الْعِلَّةِ[۱] یعنی حروفِ علّت میں سے کسی مد والے حرف کی آواز کو لمبا کرنا۔ (خواہ مد والا ہونا باعتبار اصل ہو جیسے تین حروف مدّہ یا باعتبار تشابہ ہو جیسے حروف لین) اور قصر کے معنی لغوی ہیں روکنا اسی سے ہے حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِيَامِ یعنی وہ حوریں جو خیموں میں روکی گئی ہوں گی۔ اور اصطلاح میں اِثْبَاتُ حَرْفِ الْمَدِّ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ عَلَيْهِ یعنی حرف مد کو بغیر کسی زیادتی آواز کے پڑھنا۔

مد کی دو قسمیں ہیں اصلی اور فرعی۔

اصلی۔ اُس مد طبعی کا نام ہے، جس کے بغیر اُس حرفِ مد کی ذات باقی نہ رہے۔ یہ حرف مد کی اپنی ذاتی مقدار ہوتی ہے اسی لئے کسی سبب پر موقوف نہیں، بلکہ حرفِ مد کا وجود ہی اس پر موقوف ہوتا ہے۔ حروف مدّہ تین ہیں جو لفظ نُوْحِيْهَا میں جمع

---

[۱] شیخ زکریا الانصاری وقاری رحمہما اللہ

[۲] منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ مدِ اصلی کی علامت یہ ہے کہ اس کے بعد ہمزہ یا کوئی حرفِ ساکن نہیں ہوتا۔ اس کو مدِ طبعی اس لئے کہتے ہیں کہ طبعِ سلیم والا آدمی اس کی اپنی اور ذاتی مقدار کو باقتضاء طبیعت صحیح ادا کر لیتا ہے، اصلی مقدار میں زیادتی یا کمی اسکو کھٹکتی اور اجنبی محسوس ہوتی ہے۔

اس مدِ اصلی کی مقدارِ کشش بقدر ایک الف ہوتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ الف کی کیا مقدار ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اسقدر کھینچا کہ دو حرکتیں ادا ہو جائیں۔ ان دو حرکتوں میں سے ایک حرکت تو اُس حرف کی ہوگی جو حرفِ مد سے پہلے ہے اور دوسری حرکت کے مساوی یہ حرف مد ہوگا مثلاً بَ، اب میں پہلی با کی حرکت تو اس حرف کی حرکت سمجھنی چاہیئے جو حرفِ مد سے پہلے ہوتا ہے، اور دوسری با کی حرکت کے مساوی حرف مد کی مقدار ہوگی[1] حاصل یہ کہ بقدر دو حرکت کہتے ہیں حرفِ مد کے ماقبل والے حرف کی حرکت کی مقدار بھی شامل ہوتی ہے۔ اور اگر حرفِ مد کی مقدار کو ذہن میں ماقبل کی حرکت سے قطعِ نظر کر کے سوچا جائے تو حرفِ مد کی مقدار بقدر ایک حرکت رہ جاتی ہے، یہ خالص ذہنی تصور کے مطابق ہے ورنہ ظاہر ہے کہ خارج میں بقدر دو حرکت ہی مقدار ہوگی، کیونکہ واوِ مدّہ سے ماقبل ضمّہ، یاءِ مدّہ کے ماقبل کسرہ اور الف سے ماقبل فتحہ بدرِ موجود ہوں گے۔

مدِ فرعی۔ وہ مد جو مدِ اصلی پر کسی سبب سے زائد ہو۔ مدِ فرعی کے تین شرائط ہیں اور دو سبب ہیں۔ تین شرائط واؤ ساکن ماقبل مضموم، یاء ساکن ماقبل مکسور، اور الف ساکن ماقبل مفتوح۔ ان تینوں کو شرطِ مد یا محلّ مد کہا جاتا ہے۔ سبب مد کی دو قسم ہیں لفظی، معنوی، ان دونوں میں اول قوی ہے اور دوسرا ضعیف اسی لئے وہ مختلف فیہ ہے اور ناظمؒ نے اس کو بیان نہیں فرمایا پھر سبب لفظی کی دو قسم ہیں ہمزہ اور سکون۔ پھر ایک سبب کی دو، دو صورتیں ہیں، شرطِ مد اور ہمزہ یا دونوں ایک کلمہ میں ہوں گے یا دو کلموں میں، اور سکون یا لازم ہوگا یا عارض۔ اس طرح کل چار قسمیں ابتدائً ہوتی ہیں ہر ایک کی تفصیل آگے آتی ہے، باب کا یہ پہلا شعر اجمال ہے اور آنے والے اشعار تفصیل ہیں، مقامِ اجمال میں ناظمؒ نے تین قسمیں بیان کی ہیں مدِ لازم، مدِ واجب اور مدِ جائز، مدِ منفصل اور مدِ عارض دونوں کو مدِ جائز میں جمع کر دیا ہے۔ کیونکہ مد اور قصر کے جواز میں دونوں فی الجملہ یا اختلاف اہلِ قراءت کے لحاظ سے شریک ہیں۔

مدِ اصلی اور فرعی میں سے اول اصلی ہے اور ثانی فرع ہونے کی وجہ یہ کہ وہ سبب کے پائے جانے پر موقوف ہے، بخلاف اوّل کے، کہ وہ کسی سبب پر موقوف نہیں۔ بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ قصر والے مد کو مقدم بیان کیا جانا چاہیئے تھا کیونکہ وہ اصل ہے، لیکن حضرت ناظمؒ نے مدِ فرعی کو پہلے بیان کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصود بالذکر، مدِ فرعی ہی ہے، ورنہ مدِ اصلی کا تعارف تو بابِ مخارج میں بھی ہو چکا ہے۔

واؤ ساکن ماقبل مضموم، یاء ساکن ماقبل مکسور اور الف کو حروفِ مدّہ یا حروفِ مدّ و لین کہا جاتا ہے اور واؤ ساکن ماقبل مفتوح اسی طرح یاء ساکن ماقبل مفتوح کو حروفِ لین کہتے ہیں، اور ان کے متحرک ہونے کی صورت میں اُن کو حروفِ علّت کہا جاتا ہے، مگر "حروفِ علّت" کا نام صرف متحرک ہونے کی حالت میں ہی مخصوص نہیں، بلکہ عام ہے، یعنی مدّیت، لینیت اور تحرک تینوں حالتوں کو شامل ہے۔

مدّ اور لین میں بعض حضرات نے تباین کہا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان میں عموم و خصوص مطلق ہے، یعنی حروفِ مدہ کو تو حروفِ مدّ و لین کہا گیا ہے، حروفِ لین کو مدّہ نہیں کہا گیا ہے[2]

مد کی تعریف جو ہم نے اوپر نقل کی ہے، اس میں مِنْ حُرُوْفِ الْعِلَّةِ کا لفظ بہ نسبت مِنْ حُرُوْفِ الْمَدِّ کے زیادہ بہتر ہے،

---

[1] نہایۃ القول المفید بحوالہ النشر الباسم ص ۱۲۲ [2] منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاکہ حروفِ لین پر مدّ والی صورتیں بھی اس تعریف میں شامل ہو جائیں۔

اور نشر میں ہے اَلْمَدُّ هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ زِيَادَةٍ مَطْلُوبَةٍ فِي حَرْفِ الْمَدِّ عَلَى الْمَدِّ الطَّبِيعِيِّ[1] یعنی حرفِ مد کو مدِ طبعی سے زیادہ ایک مقررہ اور مطلوب زیادتی کے ساتھ بڑھا کر پڑھنا" ناظم رحؒ کی مذکورہ تعریف میں فنی خوبی اور جامعیت یہ ہے کہ مدِ فرعی میں مقررہ حد میں مد کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے آگے آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ یہ قید واقعی بڑی ضروری ہے۔

مد کی ایک قسم کا نام مدِ لازم اور دوسری کا واجب ہونا، صرف . . . . فرق اصطلاحی ہے ورنہ لغوی معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا یہ دونوں مد ضروری ہیں، قراء میں سے کسی کے یہاں بھی ان میں قصر جائز نہیں، دونوں میں قصر پڑھنا لحن قبیح اور صریح غلط ہے حاصل یہ کہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہر ایک مدِ لازم اور مدِ واجب ہے، کیونکہ لغوی معنی کے اعتبار سے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ایسا مد کہ جس کا ترک جائز نہیں[2]۔

یا دونوں کے ناموں میں نکتہ یہ ہے کہ مدِ لازم تو خالص اصطلاحی نام ہے، اور مدِ واجب میں شرعی اصطلاح ملحوظ ہے، نشر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک شخص کو پڑھا رہے تھے، اس نے إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ (الآیۃ) میں لِلْفُقَرَاءِ کو مد کے بغیر پڑھا۔ استاذ نے فرمایا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں پڑھایا، شاگرد نے پوچھا، فرمائیے کس طرح پڑھایا ہے؟ استاذ نے آیت مذکورہ پڑھی اور لِلْفُقَرَاءِ میں مد کیا۔ علامہ جزری رحؒ نے فرمایا ہے یہ حدیث عظیم الشان ہے اور اس باب میں حجت و نص کی حیثیت رکھتی، اس کی اسناد کے تمام راوی ثقہ ہیں، اس کو طبرانی نے معجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔

گویا "لازم" تو فنی اصطلاح ہے مگر "واجب"، شرعی اصطلاح ہے جس کا ثبوت دیگر شرعی احکام کی طرح حدیث نبوی سے ہوا ہے[3]۔

فائدہ :۔ مد کا سببِ معنوی یہ ہے کہ مبالغہ فی النفی مقصود ہو۔ عربی میں یہ بھی ایک اہم سبب مانا گیا ہے، اگرچہ یہ قراء کے یہاں سببِ لفظی کے مقابلہ میں اضعف ہے چنانچہ امام حمزہ کی قراءت کے بعض طرق میں توسط کے ساتھ لائے نفی الجنس پر یہ مد ہے جیسے لَا رَيْبَ فِيهِ۔ لَا شِيَةَ فِيهَا اسی طرح مدِ منفصل میں قصر کرنے والوں کے یہاں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ میں یہ مد مستحب ہے اور اس کے استحباب پر بعض احادیث بھی وارد ہیں جو سنداً اگرچہ ضعیف ہیں مگر فضائلِ اعمال میں مقبول ہیں گویا اس مد سے غیر اللہ کی نفی میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے، اسی طرح دعا اور استغاثہ میں بھی عرب میں یہ مد کرنا معروف رہا ہے[4]۔ تاہم یہ مدود جن کے اسباب معنوی ہیں بطریق شاطبی اور جمہور قراء معمول نہیں۔ البتہ بطریق جزری ان کی گنجائش ہے[5]۔

ش۔ فَلَازِمٌ إِنْ جَاءَ بَعْدَ حَرْفِ مَدّْ ... سَاكِنُ حَالَيْنِ وَبِالطُّولِ يُمَدّْ

ت۔ پس مدِ لازم ہے اگر حرفِ مد کے بعد ایسا حرف آئے جو دونوں حالتوں (وصل و وقف) میں ساکن ہی رہتا ہو اور یہ مد طول کے ساتھ کھینچا جاتا ہے۔

---

[1] نشر ص ۲۱۳ ج ۱ [2] نہایۃ القول المفید بحوالہ ملا علی قاری رحؒ [3] سمعناہ عن الاستاذ المرحوم [4] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نشر ص ۳۴۴ ج ۱ [5] منح الفکریہ ص ۵۷ وحاشیہ ابراز المعانی للضباع ص ۸۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ل۔ فا، تفصیلیہ، اور لَازِمٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی فَالْمَدُّ لَازِمٌ یہ جملہ اسمیہ جزاءِ مقدم ہے اِنْ جَاءَ بَعْدَ حَرْفِ مَدٍّ سَاکِنٌ حَالَیْنِ شرط مؤخر ہے جَاءَ فعل بَعْدَ حَرْفِ مَدٍّ مفعول فیہ، سَاکِنٌ حَالَیْنِ مضاف، ومضاف الیہ ہیں اور اضافت بتقدیر فِیْ ہے یعنی سَاکِنٌ فِیْ حَالَیْنِ۔ سَاکِنٌ مرفوع ہے کیونکہ جَاءَ کا فاعل ہے وَبِالطُّوْلِ یُمَدُّ جملہ فعلیہ ہے بِالطُّوْلِ جار مجرور یُمَدُّ کے متعلق ہے اور یُمَدُّ فعل مضارع مجہول کا نائب فاعل هُوَ ضمیر مقدر ہے، جو مد لازم کی طرف راجع ہے

ح۔ مد کی اجمالی تقسیم کے بعد یہاں سے تفصیل شروع کرتے ہیں، اور جو ترتیب اجمال میں اختیار کی گئی وہی ترتیب تفصیل میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے، یعنی لازم، واجب، جائز۔ مد کے یہ اقسام سببِ مد کے اعتبار سے ہیں۔ سبب دو ہیں سکون اور ہمزہ، پھر قوت وضعف کے اعتبار سے ان سببوں کی بھی دو دو قسمیں ہو جاتی ہیں یعنی سکون اصلی، سکون عارض اور ہمزہ متصلہ وہمزہ منفصلہ، ان تمام میں سکونِ اصلی کا سبب سب سے زیادہ قوی ہے[1]۔ یہی وجہ اس کو مقدم رکھنے کی بھی ہوئی ہے۔

نیز مدِ لازم کو مقدم رکھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ مقدارِ کشش کے اعتبار سے یہ مد تقریباً متفق علیہ ہے اور بیک قول سب نے طول کے ساتھ مد کیا ہے۔ اور باقی اقسام مد میں جن کی تفصیل آئندہ شعروں میں آئے گی یا تو مقدارِ کشش میں اختلاف ہے جیسے مد متصل ومنفصل میں۔ یا سبب مد ضعیف ہے جیسے مدِ منفصل ومدِ عارض میں۔

مد کی اِس قسم کا نام مد لازم یا تو اس وجہ سے ہے کہ اس مد میں سببِ مد سکونِ لازم ہوتا ہے گویا یہ نام حذفِ مضاف کی تقدیر پر ہے، یعنی " اَلْمَدُّ للساکن اللازم "۔ یا اس کو لازم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام قراءتوں میں ایک متفق علیہ مقدار (طول) میں یہ مد کرنا ضروری ہے۔ اسی مد کو " مدِ عدل " بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ مد کا سبب سکون ہے، حرفِ مد پہلے ہی ساکن تھا، اس کے بعد دوسرا ساکن آیا۔ اور اجتماعِ ساکنین ہوا، اجتماعِ ساکنین کی ثقالت دور کرنے کے لئے حرفِ مد کو اس کی مقدارِ اصلی سے زیادہ کھینچ کر پڑھا گیا، اس طرح مدِ فرعی ثقالت رفع کرنے میں ~~مثل حرکت کے~~ ہو گیا۔ عدل کے معنی برابری کے ہیں یعنی یہ مدِ فرعی حرکت کے برابر ہے[2]۔ یا اس لئے کہ مدِ لازم کی مقدار میں تمام قراءتوں میں باتفاق طول ہے اور تمام قراء اس مقدار میں یکساں ہیں[3]۔ نیز مدِ فصل اور مدِ حجز بھی کہتے ہیں[4]، کیونکہ مدِ فرعی ساکنین کے درمیان میں فاصل اور حاجز (یعنی مانع) ہو جاتا ہے۔

اور شارح خالد نے مدِ حجز ادخالِ الف بین الہمزتین کا نام بتلایا ہے[5]، جیسا کہ بعض قراءتوں میں ہے کہ ایک کلمہ میں دو متحرک ہمزوں کے اجتماع کے وقت درمیان میں الف پڑھا جاتا ہے جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ۔

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ " اگر حرفِ مد کے بعد کوئی ساکن اصلی ہو تو وہ مد لازم کہلاتا ہے، جس کو طول کے ساتھ کھینچنا چاہیئے "۔ ساکنِ لازم یا ساکنِ اصلی، سَاکِنٌ حَالَیْنِ سے مراد ہے، اس سے احتراز مقصود ہے، اُس ساکن سے جس کا سکون عارضی ہو خواہ وہ سکونِ عارضی وقف کی وجہ سے ہو جیسے یَوْمِ الدِّیْنِ ٥ یَعْلَمُوْنَ ٥ مَتَابِ ٥ خواہ ادغام کی وجہ سے ہو جیسے روایتِ سوسی میں وَالْاَبْرَارِ رَّبَّنَا۔ اور روایتِ بزی میں وَلَا تَّعَاوَنُوْا کہ یہ مدِ عارض کہلاتا ہے اور طول، توسط، قصر تینوں جائز ہیں[6]۔ مزید تفصیل مدِ عارض وقفی میں آئے گی

---

[1] نشر ص ۳۴۹ ج ۱ و ص ۳۵۱ ج ۱ ، معانی ص ۸۹ [2] نشر ص ۳۱۷ ج ۱ [3] نشر ص ۳۱۷ ج ۱ منح الفکریہ [4] منح الفکریہ [5] ملا علی قاری علی الشاطبیہ ص ۶۵ [6] منح الفکریہ [7] ابراز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نیز ساکنٌ حائِنٌ سے مراد وہ ساکن ہے جو اُسی کلمہ میں ہو جس میں حرف مد ہے اگر دوسرے کلمہ میں ہوگا تو اجتماع ساکنین علی غیر حدّہ کی وجہ سے حرفِ مد حذف ہو جائیگا جیسے قَالَا الْحَمْدُ، وَإِذَا الْجِبَالُ، وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ، قَالُوا اطَّيَّرْنَا، وَمُحِلِّي الصَّيْدِ۔

یہ شعر مد کی چھ قسموں کو شامل ہے۔ مد لازم کلمی مثقل[1]، مد لازم کلمی مخفف[2]، مد لازم حرفی مثقل[3]، مد لازم حرفی مخفف[4]، مد لازم لین مخفف[5]، مد لازم لین مثقل[6]۔ ذیل میں ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

مد لازم کلمی مثقل۔ یعنی حرفِ مد کے بعد ایسا حرف ساکن موجود ہو جو مدغم ہو، اور اس کا وقوع کلمۂ قرآنی میں ہو، جیسے اَلطَّآمَّةُ، اَلصَّآخَّةُ، اَلدَّآبَّةُ، اَلْحَآقَّةُ، اَتُحَآجُّوٓنِّيْ، تَاْمُرُوٓنِّيْ اور اَتَعِدَانِّيٓ (بروایت ہشام)۔ ان کلمات کی اصل عربی میں نہ کہ قرآن میں۔ اَلطَّامِمَةُ، اَلصَّاخِخَةُ، اَلدَّابِبَةُ، اَلْحَاقِقَةُ، اَتُحَاجِجُوْنَنِيْ اور تَاْمُرُوْنَنِيْ ہے پہلے حرف کو ساکن کرکے دوسرے میں ادغام کیا گیا، اسی طرح اَتَعِدَانِنِيْ وغیرہ میں نونِ مضارع کا نون وقایہ میں ادغام کیا گیا، اس سکون کا نام سکون عارضی نہیں بلکہ سکون لازم ہے۔ اس قسم میں، قرآن میں صرف الف اور واؤ میں یہ مد پایا گیا ہے یاء[1] میں نہیں۔ حاصل یہ کہ کلمۂ قرآنی میں حرف مد کے بعد اگر ایسا مدغم ہو جو لغتہً واجب ہونے کی وجہ سے متفق علیہ ہو تو وہ لازم کلمی مثقل ہے، اور اگر لغتہً جائز ہو جیسے بروایت سوسی نُصِيبُ بِّرَحْمَتِنَا تو یہ مد جائز کی قسم میں داخل ہے[2] چنانچہ مد جائز میں اس کی تفصیل معلوم ہوگی۔

مد لازم کلمی مخفف۔ حرفِ مد کے [illegible] بعد کلمۂ قرآنی میں سکون لازم ہو جیسے آٰلْـٰٔنَ (غیر نافع کی قراءت میں)، اور مَحْيَايْ قراءتِ نافع میں، اور ءَآنْذَرْتَهُمْ ابدال کے ساتھ روایتِ ورش میں۔ اور وَالّٰٓـىْ يَئِسْنَ قراءتِ بصری و بزی[4] میں ہیں۔

فائدہ: تمام قراءتوں میں مشترک طور پر چھ مواقع ہیں کہ ہمزۂ استفہام، ہمزۂ وصل مفتوحہ پر داخل ہوا اور ہمزۂ وصل کو بجائے حذف کے ابدال یا تسہیل سے پڑھا گیا ہے، تاکہ انشا، کا خبر سے التباس نہ ہو۔ اس میں تسہیل کے مقابلہ میں ابدال اُولیٰ ہے۔ وہ چھ الفاظ، ءَآلذَّكَرَيْنِ دو جگہ انعام میں ءَآلْـٰٔنَ دو جگہ یونس میں اور ءَآللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ یونس میں اور ءَآللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ نمل میں۔ اور ایک ساتواں لفظ ابو عمرو بصری اور ابو جعفر کی قراءتوں میں ءَآلسِّحْرُ یونس میں ہے۔ ان ساتوں الفاظ میں ابدال کی صورت میں مد لازم ہے۔ ءَآلْـٰٔنَ میں کلمی مخفف اور باقی میں کلمی مثقل۔

مد لازم حرفی مثقل۔ یعنی حرفِ مد کے بعد ایسا ساکن ہو جو مدغم ہو اور اس کا وقوع حروفِ مقطعات میں سے کسی حرف میں ہو۔ جیسے الٓمّٓ میں حرفِ لام کا مد اور طٰسٓمّٓ میں سین کا مد۔

مد کی یہ قسم اکثر قراءتوں میں ہے۔ ابوجعفر کے ہاں نہیں کیونکہ ان کے یہاں مقطعات میں سکتہ ہوتا ہے۔ اور یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ اور نٓ وَالْقَلَمِ میں جن بعض طرق میں ادغام ہے ان کے یہاں یہ مد لازم حرفی مثقل ہی شمار ہوگا۔

مد لازم حرفی مخفف۔ یعنی حرفِ مد کے بعد سکون غیر مدغم کا وقوع حروفِ مقطعات میں ہو جیسے قٓ وَالْقُرْاٰنِ وغیرہ۔

فائدہ: مقطعات، حروفِ ہجا کی تعداد کے مطابق انتیس ۲۹ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں جن میں صٓ، قٓ، نٓ تو اُحادی ہیں،

---

[1] ملا علی قاری علی الشاطبیہ ونہایۃ القول المفید [2] نہایۃ القول المفید [3] ابراز المعانی ص۸۹ [4] وَالّٰٓـىْ يَئِسْنَ میں بزّی اور بصری کے لئے بطریق شاطبی فقط اظہار ہے، اور ادغام بطریق جزری ہے۔ البدور الزاہرہ ص۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نیز ہ البقرہ، آل عمران شوریٰ کے سوا چھ حوامیم یہ کل نو ۹ ثنائی ہیں کہ جن کے شروع میں دو دو حرف آئے ہیں۔ اور طٰہٰ۔ طسٓ۔ یٰسٓ اور شوریٰ کے سوا چھ حوامیم یہ کل نو ۹ ثنائی ہیں کہ جن کے شروع میں دو دو حرف آئے ہیں۔ اور نیز البقرہ، آل عمران اور رعد کے سوا یونس سے حجر تک کی پانچوں اور شعراء اور قصص سے الٓمٓ سجدہ تک پانچوں سورتوں میں ثلاثی ہیں کہ جن کے شروع میں تین تین حروف ہیں، اور دو اعراف و رعد میں رباعی ہیں یعنی چار چار حروف ہیں اور مریم و شوریٰ میں خماسی ہیں یعنی پانچ پانچ حروف ہیں[1]۔

مد لازم حرفی کا ضابطہ یہ ہے کہ حروف مقطعات میں سے جس حرف کی بنا پر تین حروف ہوں اور درمیانی حرف مدہ ہو، اس میں یہ مد پایا جائے گا۔ یہ سات حروف ہیں نون، قاف، صاد، شین، لام، کاف، میم۔ ان حروف میں سے جن کا مابعد مدغم ہوگا وہ مثقل ورنہ مخفف کہلائیں گے۔

یہ کل چودہ حروف ہیں جن کا مجموعہ نَقَصَ عَسَلُكُمْ حَيٌّ طَاهِرٌ ہے، الف میں کوئی مد نہیں کیونکہ محلِ مد موجود نہیں حَیٌّ طٰھُرٌ کے پانچ حروف میں ثنائی ہے کیونکہ کوئی سببِ مد یعنی ہمزہ یا سکون موجود نہیں۔

مد لازم لین مخفف۔ یعنی حرفِ لین کے بعد سکونِ لازم ہو، یہ مد صرف حروفِ مقطعات میں ہے اور صرف حرفِ عین میں ہے جو دو سورتوں مریم اور شوریٰ کے اوائلِ مقطعات میں ہے۔

مدّ لازم لین مثقل: یعنی حرفِ لین کے بعد جو سکونِ لازم ہو وہ بصورت تشدید ہو، اور یہ قسم صرف مکّی کی قرات میں ہے یعنی ھٰتَیْنِّ (قصص) اور وَالَّذَیْنِّ (فصلت) میں۔ کہ مکی کے یہاں یہ دونوں لفظ بتشدید نون پڑھے گئے ہیں[2]۔

مدلازم کی یہ کل چھ قسمیں ہیں، عقلی احتمال کے اعتبار سے آٹھ قسمیں چاہئیں یعنی چار حرف مد کے بعد سکون لازم کی۔ اور چار حرف لین کے بعد سکون لازم کی۔ لیکن حرفِ لین کے بعد سکون لازم کی صرف دو ہی قسمیں قرآن میں پائی جاتی ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر کی گئیں یعنی مد لازم لین حرفی مخفف، اور مد لازم لین کلمی مثقل۔ اور مد لازم لین حرفی مثقل، و مد لازم لین کلمی مخفف کا قرآن میں وقوع نہیں ہے۔ نیز واؤ لین میں مد لازم کی کوئی سی بھی قسم کا وقوع نہیں ہے جیسا کہ مثالوں سے واضح ہو چکا ہے۔

لازم لین کی مذکورہ دونوں قسموں میں اگرچہ طول واجب نہیں بلکہ بہتر ہے جیسا کہ مد لازم کی مقدار کے بیان سے عنقریب ان شاء اللہ تفصیل معلوم ہوگی، لیکن بسبب مد چونکہ سکون لازمی ہے، اور سکونِ لازمی مد کا قوی سبب ہے اس لئے لازم لین کی قسموں کو بھی مد لازم ہی کے ذیل میں بیان کیا گیا۔

محلِّ مد اور سببِ مد

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ حروفِ مدہ شرطِ مد ہیں اور سکون یا ہمزہ دو سبب ہیں پھر سکون کی دو قسمیں ہیں لازم یا عارض، ایسے ہی ہمزہ کی دو حالتیں ہیں متصل یا منفصل۔ حروفِ لین اگرچہ حقیقۃً حروفِ مد نہیں کیونکہ ان کا مخرج محقق ہوتا ہے اور مخرج محقق میں مدیت کی گنجائش نہیں بخلاف حروفِ مدہ کے، کہ ان کا مخرج ہی خلاء دہن ہے، مخرج کی وسعت اور عدمِ تصادم جس میں ان کا محصور نہ ہونا مدِ صوت کی گنجائش پیدا کرتا ہے۔ لیکن حروفِ لین صفتِ لینیت کی وجہ سے حروفِ مدہ سے مشابہ ہیں۔ شبہِ مد ہونے کی وجہ سے ان میں مدِ صوت ضعیف ہے۔ سبب قوی ہو تو اس محلِ ضعیف میں مد ہوتا ہے ورنہ نہیں اور سبب مد میں سکون قوی ہے لہٰذا مد لین میں سبب کی قوت کی بنا پر طول بہتر ہے بشرطیکہ سکون لازم ہو اور اگر سکون عارضی ہوگا تو محلِّ مد اور سببِ مد دونوں میں ضعف کی وجہ سے قصر بہتر ہوگا جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ سکون کے مقابلہ میں ہمزہ چونکہ سبب ضعیف ہے اسی لئے اکثر قراءتوں میں

---

[1] مفتاح۔ [2] نشر ص ۳۴۹ ج ۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حروفِ لین کے بعد اس کا اعتبار نہیں کیا گیا اور شَیْءٌ ۔ سَوْءٌ میں بحالتِ وصل صرف قصر ہی ہے، البتہ روایتِ ورش میں مد ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ محلِ مد میں تو حروفِ مدہ اصل اور قوی ہیں اور حروفِ لین شبہ مد ہیں اور ضعیف ہیں، اور اسباب میں سب سے زیادہ قوی سکونِ لازم پھر حرفِ مد کے بعد ہمزۂ متصلہ، پھر سکونِ عارض اور اس کے بعد ہمزۂ منفصلہ ہے۔ نیز جس طرح حروفِ مدہ کے بعد ہمزہ کا ہونا سببِ مدہ ہے اسی طرح بعض روایات (روایتِ ورش) میں حروفِ مدہ سے ہمزہ کا مقدم ہونا بھی سببِ مد ہے جیسے اٰمَنَ، اِیْمَانًا میں، اس کو مدِ بدل یا مد بالہمزہ السابق کہتے ہیں۔ نظم

أَقْوَاهُ السُّكُونُ يَلِيهِ الْمُتَّصِلْ ۔۔۔ فَعَارِضُ السُّكُونِ ثُمَّ الْمُنْفَصِلْ

ثُمَّ كَآمَنُوا وَذَا أَضْعَفُهَا ۔۔۔ قَاعِدَةٌ يَعْرِفُهَا مُتْقِنُهَا

یعنی مدود میں سب سے زیادہ قوی سکونِ لازم والا مد ہوتا ہے، اس کے بعد متصل پھر سکونِ عارض والا پھر منفصل۔ اس کے بعد اٰمَنُوْا والا (مدِ بدل) جو مد کی سب سے ضعیف قسم ہے۔

قولہ وَبِالطُّوْلِ يُمَدُّ :۔ مقدارِ مد کی تصریح اس لئے ضروری سمجھی کہ مد کا اطلاق طول و توسط دونوں پر ہوتا ہے۔

مدِّ لازم کی مقدار تمام قراءتوں میں اس پر تو اتفاق ہے کہ مدِ لازم جس میں محلِ مد حرفِ مد اور سببِ مد سکونِ لازم ہو اسکی مقدار بغیر افراط و تفریط کے طول ہے چنانچہ سلف و خلف میں کوئی قول بھی اس کے خلاف موجود نہیں، البتہ اس متفق علیہ مقدار کی تعیین میں اہلِ ادا کی آراء مختلف فیہ ہیں۔ محققین اہلِ ادا کے نزدیک طول کی مقدار اشباع (بھرپور مد) یعنی پانچ الف ہے، اور جمہور اہلِ ادا کے نزدیک اس قدر مقدار میں کھینچا جائے کہ مدِ صوت کی گنجائش پیدا ہو جائے یعنی بقدر تین الف۔ پھر ان جمہور کے نزدیک اس تین الف میں مدِ اصلی کی مقدار کے شامل ہونے اور نہ ہونے میں بھی اختلاف ہے گویا کل مقدار تین الف یا چار الف ہے۔ اور بعض کے نزدیک طول کی مقدار مدِ متصل کی مقدار سے کچھ کم ہے، چنانچہ علامہ ابوالحسن سخاویؒ فرماتے ہیں۔

وَالْمَدُّ مِنْ قَبْلِ الْمُسَكَّنِ دُوْنَ مَا ۔۔۔ قَدْ مُدَّ لِلْهَمَزَاتِ بِاسْتِيقَانِ

یعنی مدِ لازم کی مقدار یقیناً اس مقدار سے کم ہے جو ہمزہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ علامہ جزری اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ مدِ لازم کی مقدار مد کے اعلیٰ مرتبہ سے کچھ کم اور توسط سے کچھ اوپر ہے۔ حاصل یہ کہ دونوں قول قریب قریب ہی ہیں[1]۔

استاذ ابوالفخر حامد بن علی حسنویہ اپنی کتاب حلیۃ القراء میں نقل کرتے ہیں کہ مدِ لازم کی مقدار میں قراء مختلف ہیں، محققین کے نزدیک چار الف (یعنی بغیر مدِ اصلی) جمہور کے نزدیک (بغیر مدِ اصلی) تین الف، اور حدر پڑھنے والوں کے لئے بقدر دو[2] الف یعنی ایک الف مدِ اصلی اور دوسرا مدِ زائد، چنانچہ خاقانی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ گویا دو الف والوں کے نزدیک توسط کی مقدار ڈیڑھ الف ہے۔

حاصل یہ کہ طول کی مقدار میں چار قول ہیں پانچ الف، چار الف، تین الف اور دو الف۔

بہتر یہ ہے کہ ان اقوال میں ترتیب قائم کی جائے یعنی تحقیق کے ساتھ پڑھنے میں بقدر پانچ الف ترتیل میں چار الف تدویر میں تین الف اور حدر میں دو الف۔

---

[1] نشر ص ۳۱۸ ج ۱ قاری نے منح الفکریہ میں اس شعر کی تشریح میں بقدر دو الف مقدار اخذ کی ہے جو صحیح نہیں، اس شعر کی تشریح ہی صحیح تر ہے جو ہم نے علامہ جزری کے الفاظ میں درج کی ہے۔ [2] نشر ص ۳۱۷ ج ۱ لہٰذا منح الفکریہ ص ۵۲ میں قاری کا یہ فرمانا صحیح نہیں کہ ناظمؒ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے اور الفین کی مقدار علاوہ مدِ اصلی پر محمول ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدّلازم متصل یا مخفف

اس میں اختلاف ہے کہ مدلازم کی کونسی قسم میں زیادہ مد ہے، مثقل میں یا مخفف میں؟ اکثر کی رائے میں بہ نسبت مظہر کے مُدغم یعنی مثقل میں مد زیادہ ہے، کیونکہ ادغام کی وجہ سے حرفِ مد کے مابعد پر تشدید ہوتا ہے اور تشدید کی وجہ سے بقدر ایک الف کی تاخیر کے وہ حرفِ مشدّد ادا ہوتا ہے، بخلاف کے مُظہر کے کہ اس میں مابعد حرف مد کے ساکن ہونے کی وجہ سے سکون کے ادا ہوتے ہی آواز منقطع ہوجاتی ہے، لہذا مثقل میں ثقالت کی وجہ سے مد زیادہ ہے اور مخفف میں کم۔ نتیجہ یہ نکلا کہ الٓمّٓ میں لام کا اشباع ادغام کی وجہ سے میم کے اشباع سے زیادہ ہوگا۔ اسی طرح دَآبَّۃٍ میں بہ نسبت ءَآلْئٰنَ کے اشباع زیادہ ہوگا۔ ابوحاتم سجستانی، ابن مجاہد، مکی ابن ابی طالب، ابوعبداللہ بن شُریح وغیرہ کی یہی رائے ہے اور ابوعمرو دانی نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے۔

اور بعض نے اس کے برعکس مدغیر مُدغم کو مد مدغم پر فوقیت دی ہے، کیونکہ مدغم فیہ میں حرکت ہونے کی وجہ سے مدغم میں قوت ہوتی ہے گویا مدغم میں بھی حرکت آجاتی ہے اور مُظہر میں خالص سکون ہوتا ہے، ابوالعزؒ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

لیکن جمہور ان دونوں قسموں میں مساوات ہی کے قائل ہیں، کیونکہ مد کا سبب التقاءِ ساکنین ہے جو دونوں قسموں میں موجود ہے لہذا دونوں میں فرق کرنے کے کوئی معنی نہیں، عراقیین، مصریین اکثر اہل اندلس سب کا یہی مذہب ہے، علامہ دانی نے اپنے اکثر مشائخ کا یہی معمول لکھا ہے[1]۔ حضرت ناظمؒ فرماتے ہیں "مدلازم میں تفاوت کی جو تفصیل اوپر لکھی گئی اگر کوئی تفاوت پر عمل کرے تو میں اس سے منع تو نہیں کرتا ہوں، لیکن پسندیدہ مجھے جمہور ہی کا مسلک ہے[2]"

مدلین لازم کی مقدار

مدلین لازم غیر مشدّد صرف حرفِ عٓ میں ہے جو سورۂ مریم اور شوریٰ کے اوائل مقطّعات میں ہے۔ اس کے اشباع، توسط اور قصر میں اہل ادا کا اختلاف ہے، اور یہ اختلاف کسی روایت سے مخصوص نہیں بلکہ تمام قراءتوں کے مشائخ اہل ادا سے منقول ہے۔ بعض نے حرفِ لین کو حرف مد کی طرح التقاءِ ساکنین کی وجہ سے اشباع سے پڑھا ہے، ابوبکر بن مجاہد، ابوالحسن انطاکی، ابوبکر اذفوی وغیرہ کا یہی مذہب ہے اور ابومحمد مکی، وعلامہ شاطبی کے نزدیک یہی مختار ہے۔ علامہ دانی نے جامع میں فرمایا ہے کہ شَیْءٍ اور سَوْءٍ میں جن حضرات نے ورش کے لئے طول کیا ہے، اُن کے قول پر قیاس کرتے ہوئے حرف عین میں طول ہی بہتر معلوم ہوتا ہے[3]۔ کیونکہ جب ہمزہ کی وجہ سے حرفِ لین میں طول کیا گیا ہے تو سکون کی وجہ سے، حرف لین میں بدرجہ اولیٰ طول ہونا چاہیئے، کیونکہ سکون زیادہ قوی سبب ہے۔

اور بعض مشائخ نے توسط اختیار کیا ہے، یعنی جمع بین الساکنین کی رعایت سے مد، اور یا لین ہونے کی وجہ سے وہ، مد بصورتِ توسط اختیار کیا گیا تاکہ دونوں تقاضوں کی رعایت ہوجائے۔ ابوالطیب، عبدالمنعم بن غلبون اُن کے صاحبزادے طاہر بن غلبون علی بن سلیمان انطاکی، ابوالطاہر، ابوالفتح بن شیطا اور ابوعلی وغیرہ کا یہی مذہب ہے، اور ورش کے لئے شَیْء میں توسط پڑھنے والوں کی روایت پر قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔ دانی اور شاطبی وغیرہ نے بھی یہ دوسری وجہ بیان کی ہے[4]۔

یہ دونوں وجہیں تمام قراء مصریین ومغاربہ اور ان کے متبعین سے منقول ہیں، لیکن بعض مشائخ نے قصر کو بھی اختیار کیا ہے، گویا انہوں نے حرف لین کو حرف صحیح کا درجہ دیتے ہوئے مد نہیں کیا چنانچہ ابوطاہر، ابومحمد سبط الخیاط، ابوالعلاء ہمدانی کا یہی مذہب

---

[1] نشر ص۳۱۸ ج۱ [2] نشر ص۳۳۴ ج۱ [3] نشر ص۳۴۸ ج۱ [4] ونشر ص۳۴۹ ج۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، تمام متاخرین عراق کا یہی پسندیدہ مذہب ہے۔ البتہ قصر کو روایت ورش میں اُن مشائخ نے ناجائز قرار دیا ہے جو شیئ میں طول یا توسط کرتے ہیں۔[1]

مذکورہ تینوں وجوہ، مدلازم لین مشدد میں بھی سمجھنی چاہئیں،[2] مگر یہ تینوں صرف قرأت ابن کثیر مکی کے طرق میں منحصر ہیں کیونکہ یہ قسم بھی صرف انہیں کی قراءت میں ہے۔

خلاصہ یہ کہ مدلازم لین کی دونوں قسموں میں طول، توسط قصر تینوں وجہیں صحیح ہیں، ناظم نے طیبہ میں تینوں کی تصریح کی ہے،[3] فرماتے ہیں ؏

وَنَحْوُ عَيْنٍ فَالثَّلَاثَةُ لَهُمْ

یعنی حرف عین میں تمام قراءِ عشرہ کے لئے تینوں وجوہ جائز ہیں۔ البتہ ورش کے لئے بطریق ازرق، قصر نہایت ضعیف ہے کیونکہ قصر ورش کے اصول کے خلاف ہے۔ بطریق ازرق حرف لین قبل الھمز شیئ وغیرہ میں قصر نہیں، اور سبب سکون سبب ہمزہ سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔[4]

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ آل عمران کے شروع مقطعات پر اگر وقف نہ کیا جائے تو حرف میم میں طول و قصر دو وجہ تمام قراءتوں میں صحیح ہیں، توسّط صحیح نہیں، وصل میں میم پر فتحہ پڑھا جائے گا، میم میں چونکہ سکون اصل ہے اور فتحہ عارضی ہے، اصل کا اعتبار کرتے ہوئے اور عارضی فتحہ کو کالعدم شمار کرتے ہوئے طول کیا گیا، اور عارضی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے قصر جائز ہوا۔ جمہور مشائخ انہیں دو وجہوں کو صحیح قرار دیتے ہیں، البتہ ابو عبداللہ فاسی نے دونوں جانبوں کی رعایت کرتے ہوئے توسط کو بھی صحیح کہا ہے، مگر علامہ جزری فرماتے ہیں کہ یہ محض تفقہ اور قیاس ہے نقل و روایت میں جس کی تائید نہیں ملتی ہے۔[5]

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ شروع عنکبوت میں روایت ورش کے اصول کے مطابق نقل حرکت کی وجہ سے میم مفتوح ہوگی۔ روایت مذکور میں بھی آل عمران کی طرح طول یا قصر دونوں صحیح ہیں۔

فائدہ: شروع آل عمران میں وصلاً فواتح کی میم پر فتحہ بقاعدۂ نقل حرکت ہے، یعنی اسم الجلالہ کے ہمزہ کا فتحہ نقل کر کے ماقبل کی میم ساکنہ کو دیا گیا ہے۔[6]

نہایۃ القول المفید وغیرہ بعض کتابوں میں ہے کہ میم کی حرکت اجتماع ساکنین علی غیر حدّہ کی وجہ سے ہے، اجتماع ساکنین علی غیر حدّہ میں اگر پہلا ساکن حرف مدہ نہ ہو تو کسرہ دیتے ہیں، مگر یہاں کسرہ نہیں دیا گیا تاکہ لامِ اسم الجلالہ مفخم پڑھا جائے۔[7] لیکن اس پر اعتراض دو وجہ سے ہے۔

(۱) اسی جگہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ جہاں بھی کہیں ساکن کے بعد اسم الجلالہ ہو، پہلے ساکن کو فتحہ ہی ملنا چاہیئے، تاکہ اسم الجلالہ کی تفخیم قائم رہے مثلاً اَحَدُ ۝ اللّٰهُ۔ حالانکہ ایسا نہیں۔

(۲) الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ میں وصلاً ہمزۂ وصل کے حذف ہونے کے بعد اجتماع ساکنین کہاں ہے؟ کیا حرف میم میں میم ساکن سے پہلے یا مدہ بھی ساکن نہیں؟ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ تین ساکن جمع ہوئے یائے مدہ[1] میم[2]، اور لامِ[3] اسم الجلالہ۔ پھر اجتماع ساکنین کے قاعدہ مذکورہ

---

[1] و [2] نشر ص ۳۴۹ ج ۱ [3] منح الفکریہ و ارشاد المرید للضباع [4] نشر ص ۳۴۹ ج ۱ [5] نشر ص ۳۶۰ ج ۱ [6] کذا حققہ البیضاوی فی تفسیرہ [7] نہایۃ القول المفید ص ۱۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اجراء یہاں کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ تین ساکنوں میں سے حرکت پہلے ساکن کو نہیں بلکہ دوسرے ساکن کو دی گئی۔

فائدہ :۔ تلاوت کے وقت اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر دو یا زیادہ مدلازم مثقل جمع ہوں۔ مثلاً اتحاجوٓنی یا دو یا زیادہ لازم مخفف جمع ہوں جیسے حٓمٓ عٓسٓقٓ یا مثقل و مخفف جمع ہوں مثلاً، الٓمٓصٓ تو سب میں تساوی قائم رہے۔ ع

وَاللَّفْظُ فِي نَظِيرِهِ كَمِثْلِهِ

ناظم رحمہ اللہ نشر میں فرماتے ہیں جو مدلازم (مثقل اور مخفف) میں جو تفاوت ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، ہم اس تفاوت پر عمل کرنے سے منع تو نہیں کرتے ہیں، لیکن ہمارا پسندیدہ طریقہ وہی ہے، جس کو جمہور نے اختیار کیا ہے، یعنی باہمی تساوی[1]"

ش: وَوَاجِبٌ إِنْ جَاءَ قَبْلَ هَمْزَةٍ مُتَّصِلاً إِنْ جُمِعَا بِكِلْمَةٍ

ت :۔ اور اگر حرف مد، ہمزہ سے پہلے متصلاً آئے، اس طرح کہ (حرف مد اور ہمزہ) دونوں ایک کلمہ میں جمع ہوں تو (یہ مد) مدّ واجب ہے۔

ل وَاجِبٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وَالْمَدُّ وَاجِبٌ یہ جملہ اسمیہ دال بر جزا ہے آگے تمام عبارت شرط ہے، جَاءَ میں ضمیر فاعل حرف مد کی طرف راجع ہے۔ قَبْلَ هَمْزَةٍ مضاف و مضاف الیہ جاء کا ظرف ہے۔ مُتَّصِلاً جاء کی ضمیر فاعل سے یا هَمْزَةٍ سے حال ہے۔ اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے یعنی لِاَنْ یا بِاَنْ (یمنی)، اور قاریؒ کی رائے میں بہتر یہ ہے کہ اِنْ شرطیہ قرار دیا جائے۔ اور بعض نسخوں میں بجائے اِنْ، اِذْ ہے جو کہ تعلیلیہ یا ظرفیہ ہے۔ جُمِعَا میں ضمیر نائب فاعل حرف مد اور ہمزہ کی طرف راجع ہے۔ بِكِلْمَةٍ لام کے سکون کے ساتھ کاف کا کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں، اور لام کے کسرہ کے ساتھ بفتح کاف ہے۔

نوٹ :۔ قاریؒ کی رائے میں اِنْ جُمِعَا میں اِنْ شرطیہ ہے، شارح یمنی کے نزدیک اَنْ بفتح ہمزہ ہے۔ ہمارے خیال میں یمنی کی رائے زیادہ مستحسن ہے، کیونکہ ایک شرط اوپر ہو چکی ہے کہ "اگر حرف مد ہمزہ سے پہلے متصل آئے" اس کے بعد "اگر وہ دونوں ایک کلمہ میں جمع ہوں" فرمانے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے یہ بات تو پہلی شرط میں بھی آچکی ہے، لہذا بہتر یہ ہے کہ اَنْ جُمِعَا بِكِلْمَةٍ کو مُتَّصِلاً کی تفسیر و تشریح قرار دیا جائے۔

ح مد فرعی کی تمام اقسام میں سب سے قوی مد یعنی مد لازم کو بیان فرمانے کے بعد، مد کی اس دوسری قسم کو بیان کیا جو اگرچہ پہلی قسم کے ہم مرتبہ تو نہیں لیکن مد کی باقی تمام اقسام میں سب سے زیادہ قوی ہے، یعنی مد واجب یا مد متصل۔ مد لازم کے مقابلہ میں مد متصل کو

---

[1] نشر ص ۳۴۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو ثانوی درجہ ملا، اسکی وجہ اوپر معلوم ہوچکی ہے، کہ مدِ لازم میں سبب مد سکونِ لازم تھا جو اسباب میں سب سے زیادہ قوی سبب ہے، اور محلِ مد میں قوی محل حرف مد ہے نہ کہ حرفِ لین۔ لہٰذا مد لازم کی چاروں قسمیں محل اور سبب دونوں کے اعتبار سے علی وجہ الکمال قوی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مد لازم اپنی چاروں قسموں کے اعتبار سے تمام قراءتوں میں باتفاق طول کے ساتھ پڑھا گیا۔ اس کے بعد دوسرے مرتبہ پر مدِ متصل ہے، جس کا اس شعر میں بیان ہو رہا ہے، اس میں محل مد تو حرف مد ہی ہے اور اس اعتبار سے اس کو مد لازم کا ہم مرتبہ ہی ہونا چاہیئے لیکن سبب مد ہمزہ ہے، جو سکون لازم کے مقابلہ میں کم درجہ کا سبب ہے، لیکن اس اعتبار سے اس ہمزہ کو آنے والی باقی اقسام مد پر فوقیت حاصل ہے کہ اس مد میں ہمزہ حرف مد سے متصل ہوتا ہے، جس طرح سکونِ لازم حرف مد کے بعد لازم الوجود ہوتا ہے اسی طرح یہ ہمزہ بھی حرف مد کے لئے لازم الوجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مد متصل میں قصر کسی بھی قراءت متواترہ یا شاذہ میں ثابت نہیں، حضرت ناظم فرماتے ہیں۔

توجب ان لا یعتقد ان قصر المتصل جائز عند احد من القراء وتتبعته فلم اجده فی قراءة صحیحة ولا شاذة.[1]	لہٰذا ضروری ہے کہ یہ اعتقاد نہ کرے کہ مد متصل میں قراء میں سے کسی کے بھی نزدیک قصر جائز ہے، چنانچہ میں نے اس قصر کو بہت تلاش کیا مگر کسی بھی قراءت صحیحہ یا شاذہ میں مجھے نہیں ملا۔

حاصل یہ ہوا کہ مد متصل اور مد لازم دونوں میں باتفاق مد کرنا ضروری ہے۔ البتہ سببِ مد ہمزہ کی وجہ سے مد متصل کی مقدار میں اختلاف ہوا ہے جس کو ہم آئندہ واضح کریں گے۔

ہمزہ کو سببِ مد ہونے میں اس لئے دخل ہے کہ حرفِ مد حرف خفی ہے جیسا کہ صفات میں گذرا، اور ہمزہ بُعدِ مخرج کی وجہ سے صعب الاداء ہے، تو اس حرف خفی کی آواز میں اضافہ کیا جاتا ہے تاکہ ہمزہ کی ادائیگی تحقیق ہو سکے ورنہ ہمزہ میں بھی خفت اور تسہیل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔[2] جیسے اُولٰٓئِكَ، يَشَآءُ اللّٰهُ، السُّوٓأَى، مِنْ سُوٓءٍ، يُخْفِيٓ ءُ سِيٓئَتْ، یا جیسے بُيُوتَ النَّبِيٓءِ قراءتِ نافع میں۔ اسی لئے اس مد کو مد تمکین بھی کہا گیا ہے۔[3]

اَنْ جُمِعَا بِكِلْمَةٍ بظاہر یہ جملہ زائد ہے، لیکن غور کیا جائے تو مفہوم کو واضح کرنے میں اس کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے بات یہ ہے کہ کلمۃ کی تا وحدت کے لئے ہے یعنی حرف مد اور ہمزہ اس طرح متصل ہوں کہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں، اس سے ناظم کی مراد کلمہ واحدہ حقیقۃً ہے۔ لہٰذا کلمہ واحدہ حکماً نکل جائے گا مثلاً هَٰاَنْتُمْ، يَٰاُخْتَ، يَٰادَمُ کہ یہ کلمات کلمہ واحدہ حقیقۃً نہیں بلکہ باعتبار رسم کے موصول ہونے کی وجہ سے کلمہ واحدہ حکماً ہیں۔

ناظم رحمہ اللہ نے اَنْ جُمِعَا بِكِلْمَةٍ فرما کر کلمہ واحدہ حقیقی مراد لیا ہے، یعنی وہ کلمہ جو عربیت کے لحاظ سے واحد ہو، لہٰذا يَٰاُخْتَ وغیرہ مد متصل ہونے سے خارج ہو گئے، کیونکہ یہ عربی میں کلمہ واحدہ نہیں۔ ہم یہی مفہوم عِ اِلَّا بِكِلْمَةٍ كَذَا نَبَا عَنْ نُوِّعَا کے ذیل میں بھی لکھ آئے ہیں۔

---

[1] نشر ص ٣١٥/١ [2] نشر ص ٣١٤/١ [3] تقریب النشر ص ١٨

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدمتصل کی مقدار

مقدار کا بیان شروع کرنے سے پہلے یہ یاد رہے کہ یہ مقدمہ جزریہ کسی مخصوص قراءت یا روایت کے اصول کیلئے نہیں بلکہ متفق علیہ یا اکثری اصول پر مشتمل ہے لہٰذا ضروری ہو جاتا ہے کہ مد کی مقداریں تمام قراءتوں اور ان کے طرق کے اختلافات کو بیان کیا جائے، اسی لئے دیگر شراح نے بھی قراءتوں کے اس اختلاف کو ذکر کیا ہے۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مدمتصل میں باتفاقِ جمیع قرائت مدفرعی واجب ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مدزائد کی یہ مقدار کس قدر ہے؟ اختلاف کرنے والوں کو اولاً دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) تمام قراءتوں میں مدمتصل کی ایک ہی مقدار ہے یعنی مدمُشبَع، یعنی نہ بے انتہا کھینچا جائے اور نہ عربیت کے طور طریق سے باہر ہو۔

(ب) تمام قراءتوں میں مدمتصل کی ایک ہی مقدار نہیں بلکہ تفاوت ہے۔

پھر تفاوت کے قائلین کے تین گروہ ہیں:۔

(۱) تفاوت کے چار مراتب ہیں۔ اشباع[۱] پھر[۲] اس سے کم پھر[۳] اس سے کم پھر[۴] اس سے کم

(۲) تفاوت کے تین مرتبے ہیں۔ وُسطیٰ، فوق[۲] الوسطیٰ، فوق[۳] القصر

(۳) تفاوت کے صرف دو مرتبے ہیں، طول[۱]، توسط[۲] . . . . . . تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ ایک مرتبہ

اکثر عراقی اور بہت سے مغاربہ ائمہ اہل ادا، کا اس پر اتفاق ہوا ہے کہ تمام قراءتوں میں مدمتصل کی ایک ہی مقدار یعنی مدمشبع ہے۔ چنانچہ ابوالفتح ابن شَنَبُوذ، ابوطاہر ابن سوار، ابوالعز قلانسی، ابومحمد سبط الخیاط، ابوعلی بغدادی ابومعشر طبری، ابومحمد مکی ابن ابی طالب، ابوعباس مہدوی اور حافظ ابوالعلا ہمدانی وغیرھم نے اس کی تصریح کی ہے اور ابوالقاسم ہذلی نے تو اس عدم تفاوت کو اتنے زور سے بیان کیا ہے کہ ابونصر عراقی . . . جنھوں نے مدمتصل میں مراتب کے تفاوت کا ذکر کیا تھا۔ کی سخت تردید کی ہے۔ اور فرمایا کہ مدمنفصل کی طرح، مدمتصل میں مراتب کے تفاوت کا قائل ہم نے صرف عراقی کو پایا۔ جہاں تک مشائخ اور ان کی کتابوں کا تعلق ہے ہم نے ان میں یہی دیکھا کہ وہ متصل اور منفصل میں فرق کرتے ہیں[۱]۔ یعنی اول کی مقدار متفق علیہ اور ثانی کی مختلف فیہ۔"

۲۔ چار مراتب

مذکورہ گروہ کے مقابلہ میں دوسرے وہ مشائخ و محققین ہیں جن کے یہاں مدمتصل میں مراتب کا تفاوت مثلِ مدمنفصل کے پایا جاتا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ منفصل میں قصر بھی ہے اور متصل میں نہیں۔ پھر ان حضرات کا اس میں اختلاف ہے کہ اس تفاوت کے کتنے مراتب ہیں۔

ابوالحسن طاہر غلبون، حافظ ابوعمرو دانی، ابوعلی حسن بن بُلیمہ، اور ابوجعفر بن باذش وغیرھم کے نزدیک چار مراتب ہیں۔ اشباع[۱] پھر[۲] اس سے کم، پھر[۳] اس سے کم اور پھر[۴] اس سے کم۔

مدفرعی کا یہ چوتھا اور آخری مرتبہ قصر (مد اصلی) سے ذرا اوپر ہے۔ لہٰذا اس کے بعد والا مرتبہ قصر ہی کا ہو سکتا ہے۔

علامہ دانی نے اپنی کتاب الجامع میں متصل اور منفصل میں ایک پانچویں مرتبہ کا اضافہ کیا ہے جو مرتبۂ اولیٰ یعنی اشباع سے بھی اطول ہے۔ یہ پانچواں مرتبہ ان حضرات کے لئے لکھا ہے، جو ساکن قبل الہمزہ پر سکتہ کرتے ہیں، ان سکتہ کرنے والوں کی تفصیل یہ ہے۔

---

[۱] نشر ص ۳۱۴ ج ۱، ارشاد المرید ص ۸۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱) روایت ابوبکر شعبہ بطریق شمونی عن الاعشیٰ۔

(۲) روایت حفص بطریق اشنانی

(۳) امام حمزہ بروایت غیر خلاد

(۴) امام کسائی بروایت قتیبہ

کیونکہ ان حضرات کے یہاں پہلے مرتبہ پر مُشبَع ہوتا ہے اور اس کے بعد ہمزہ ادا کرنے سے پہلے سکتہ بھی کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ مرتبہ خامسہ صرف اُنہیں حضرات کے لئے مخصوص ہے جو مُشبَع بھی کرتے ہیں اور سکتہ بھی۔ لیکن اسقدر یاد رہے کہ مدمتصل و منفصل میں سکتہ بطریق شاطبی یا جزری مُروّج اور متداول نہیں ہے۔

(۳) تین مراتب اور امام ابوبکر بن مہران، ابوالقاسم بن فحام، استاذ ابوعلی اہوازی، ابونصر عراقی، وغیرھم کے نزدیک مدمتصل میں مد کے تفاوت کے صرف تین مراتب ہیں۔ وسطیٰ، اس سے ذرا اوپر یعنی فوق التوسط۔ وسطیٰ سے ذرا نیچے یعنی فوق القصر۔

گویا ان حضرات نے مدّ مشبع والا مرتبۂ علیا ساقط کردیا، چنانچہ ابن مہران نے دو الف، تین الف، اور چار الف کے ساتھ، ان تین مراتب کا اندازہ مقرر کیا ہے۔

(۴) دو مراتب استاذ ابوبکر بن مجاہد، ابوالقاسم طرسوسی اور ابوطاہر بن خلف وغیرھم اس طرف گئے ہیں کہ مراتب صرف دو ہیں، طول، توسط۔

گویا ان مشائخ نے مرتبۂ ادنیٰ اور مافوق الوسطی دونوں مرتبوں کو ساقط[۱] کردیا۔

مزید تشریح ہم نے اوپر چار طرق نقل کئے ہیں لیکن مشہور ان میں سے بھی تین ہی ہیں یعنی (۱) متصل کی مقدار تمام قراء کیلئے یکساں مدّ مشبع ہے، یہ طریق جمہور قراء کا ہے (۲) دوسرا طریق مراتب کے تفاوت کا ہے، اور چار مراتب مقرر کئے گئے ہیں یہ علامہ دانی کا طریق کہلاتا ہے، اور اُن کے شاگرد ہُذَلی کے نام پر طریق بھی کہدیتے ہیں۔ علامہ جزری رحمہ اللہ تقریب میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے عام مشائخ سے اسی طریق میں پڑھا ہے۔

صاحبزادہ ناظم رح فرماتے ہیں کہ ترتیل وحدر میں قراء کے مراتب کا التزام کرکے پڑھا جائے تو مد کے چار مراتب کو حسب ذیل طریقہ پر تقسیم کرنا چاہیئے۔

سب سے زیادہ طویل مد ورش وحمزہ کے لئے اس سے کم عاصم کے لئے اس سے کم شامی اور کسائی کے لئے اور اس سے کم مکی بصری اور قالون کے لئے۔ اسی کو کسی نے ذیل کے دو شعروں میں نظم کیا ہے۔

یُمَدُّ بِقَدْرِ الْخَمْسِ جُوْدُ وَفَاضِلٌ وَالِاَرْبَعٍ نَجْمٌ وَثَلٰثٌ رِضَا كِلَا

ج ف ن ر ک

وَالِاثْنَانِ بُرٌّ دَارِهِمْ ثُمَّ حَامِدٌ مَرَاتِبُ مَدٍّ جَاءَ فِیْ ذَا مُسَبَّلَا

ب د ح

---

[۱] یہ تمام تفصیل نشر ص ۳۱۵ ج ۱ میں ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یعنی ورش وحمزہ کے لئے مدمنفصل بقدر پانچ الف، اور عاصم کے لئے بقدر چار الف اور کسائی وشامی کے لئے بقدر تین الف اور قالون، مکی اور بصری کیلئے بقدر دو الف کھینچا جائے۔

مد کے مراتب میں تفاضل وتفاوت کی بر تشریح مصنفین کے بیان میں بہت مختلف فیہ واقع ہوئی ہے، شیخ زکریا انصاری فرماتے ہیں مد کا ادنی مرتبہ الف و ربع (سوا الف) ہے جو مکی، بصری اور قالون کے لئے ہے پھر ڈیڑھ الف، پھر پونے دو الف، پھر پورے دو الف۔

بعض کے نزدیک ادنی مرتبہ ڈیڑھ الف پھر دو الف پھر ڈھائی الف پھر تین الف ہے، چنانچہ علامہ جعبری نے اسی کو پسندیدہ ٹھہرایا ہے۔

بعض کے نزدیک ادنی مرتبہ دو الف ہے[1] پھر تین الف پھر چار الف پھر پانچ الف۔ اس کے متعلق شارح رومی فرماتے ہیں کہ یہ جمہور کا مذہب ہے[2]، یہ وہی مذہب ہے جو اوپر اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

تنبیہ:۔ بعض مصنفین مثلاً شارح رومی وغیرہ نے اس طرح بھی تعبیر کیا ہے کہ حمزہ وورش کے لئے مد طویل بقدر چار الف، عاصم کے لئے متوسط بقدر تین الف، شامی وکسائی کے لئے دون المتوسط بقدر دو الف اور قالون، مکی اور بصری کے لئے فوق القصر یعنی ایک الف ہے۔ اس قول میں اور اشعار والے قول میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ اس میں مقادیر، صرف مد فرعی کی بیان کی گئی ہیں اور مد اصلی کو شامل نہیں کیا گیا اور اشعار والی مقادیر میں مد اصلی سمیت بیان ہے، لہذا اختلاف لفظی ہوا نہ کہ حقیقی[3]۔

اسی طرح جن حضرات نے کہا ہے کہ مد اطول بقدر پانچ الف ہے، الف سے ان کی مراد حرکت ہے لہذا مجموعہ چھ حرکات ہوتیں، کیونکہ پانچ الف سے ان کی مراد علاوہ مد اصلی ہے، الف کی مقدار ان کے نزدیک ایک حرکت ہے۔ ایسے ہی توسط کی مقدار تین الف اور توسط سے نیچے دو الف کہنے والوں کی مراد، مد طبعی کے علاوہ ہے، جس کی مقدار اُن کے نزدیک ایک حرکت ہے[4]۔

اس تحقیق کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیئے تاکہ اقوال کے اختلاف سے انتشارِ ذہنی نہ ہو۔ ورنہ صاحب نہایۃ القول المفید کے اس قول کا کوئی مطلب نہ ہوگا کہ "مد متصل ومنفصل کی زیادہ سے زیادہ مقدار بقدر چھ حرکات ہے، اس سے زائد نہیں[5]"۔

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"مد کی زیادتیوں کا الف یا نصف الف کے ساتھ اندازہ لگانے کا ایک ہی مطلب ہے[6]"

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"و رہا ورہے کہ مد نہ حرف ہے اور نہ حرکت بلکہ حرف مد کی مقدار پر ایک زیادتی کا نام ہے جو محض ایک حالت عارضہ ہے اور حرف مد ہی کے ساتھ قائم ہو سکتی ہے[6]۔"

حاصل یہ کہ الف بولکر دو حرکت مراد لینا یا ایک حرکت مراد لینا یکساں ہے، صرف طرز تعبیر کا فرق ہے۔

شیخین کا عمل شیخین یعنی علامہ شاطبی وجزری رحمہما اللہ نے مد منفصل میں صرف دو مرتبوں کا قول اختیار کیا، جس کا تفصیلی ذکر اوپر آچکا ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبی کے شاگرد علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی شرح شاطبیہ میں لکھا ہے کہ علامہ شاطبی

---

۱ یہ تمام بحث منح الفکریہ سے منقول ہے ۲ منح الفکریہ ۳ نہایۃ القول المفید ص ۱۲۴ بحوالہ ابن غازی ۴ ص ۱۲۶ ۵ نشر ص ۳۲۷ ج ۱ ۶ منح الفکریہ ص ۵۴ و شیخ زکریا رح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دو مرتبوں والا قول ہی اختیار کیا کرتے تھے[1]۔ اور علامہ جزری فرماتے ہیں کہ گو میں چار مراتب والے قول پر عمل کرنے سے کسی کو نہیں روکتا ہوں اور روک بھی کیسے سکتا ہوں جب کہ میں نے خود اپنے عام مشائخ پر اسی کے مطابق پڑھا ہے لیکن میرا خود اپنا عمل یہ ہے کہ اکثر دو مرتبوں والے قول ہی کو اختیار کرتا ہوں میرا اکثر اسی پر اعتماد ہے اور اسی طرف میلان ہے[2]۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں سے

وَقَدْ قَرَأَ الشَّيْخَانِ طُوْلَى لِوَرْشِهِمْ ... وَحَمْزَةَ وَالْوُسْطَى لِبَاقِيهِمُ الْمَلَا[3]

ترجمہ: اور شیخین (شاطبی وجزری) نے ورش وحمزہ کے لئے طول اور باقی معزز قراء کیلئے توسط پڑھا ہے۔

بہر حال اختصار اور آسانی کے لئے شیخین کا یہ طریقہ ہی اب اکثر اساتذہ میں مقبول و رائج ہے ہم نے اپنے استاذ رحمہ اللہ کا عمل بھی اسی پر پایا۔ شیخ علی بن محمد ضباع مصری فرماتے ہیں۔

وھو الذی استقر علیہ رای المحققین من ائمتنا قدیما وحدیثا[4] | ہمارے نئے اور پرانے محقق ائمہ کا عمل برابر اسی پر ہوتا رہا ہے۔

تنبیہ:۔ قریب قریب تمام شراح و مصنفین نے ایک الف کی مقدار معلوم کرنے کے لئے کھلی انگلی کو بند کرنے یا بند کو کھولنے کی دیر کے ساتھ اندازہ کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے۔ ترتیل میں بتدریج کھولنے اور بند کرنے کے ساتھ اور حدر میں بسرعت کھولنے اور بند کرنے کے ساتھ معیار سمجھنا چاہیئے لیکن ساتھ ہی یہ حضرات یہ بھی فرماتے ہیں اور بجا فرماتے ہیں کہ یہ محض ایک اندازہ ہے حقیقی اور مضبوط معیار ماہر مشاق سے کافی استفادہ پر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

تنبیہ:۔ حالت قراءت میں جب دو یا زیادہ مد متصل جمع ہوں جیسے وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً تو ان میں باہم مساوات کا خیال رکھنا چاہیئے، یہ جائز نہیں کہ ایک پر مد کرے دوسرے پر نہ کرے، نیز مقدار مد میں بھی مساوات کا خیال رکھے اگر پہلے تمام پر مثلاً دو الف کی مقدار مد کیا تو دوسری جگہ بھی دو الف ہی ہونا چاہیئے، نہ زیادہ نہ کم۔ اور اگر ڈھائی الف مد کیا ہے تو دوسری جگہ بھی ڈھائی الف ہی مد کرے۔ علامہ جزری نے بطور کلیہ اسی کی طرف توجہ دلانے کے لئے فرمایا ع

وَاللَّفْظُ فِي نَظِيرِهِ كَمِثْلِهِ

ش ۲۷ وَجَائِزٌ إِذَا أَتَى مُنْفَصِلًا ... أَوْ عَرَضَ السُّكُونُ وَقْفًا مُسْجَلًا

ت۔ اور مد جائز ہے جب کہ وہ (حرف مد) ہمزہ سے جدا ہو کر آئے یا (حرف مد کے بعد والے حرف کو) حالت وقف میں کسی طرح کا بھی سکون عارض ہو جائے۔

ل۔ وَجَائِزٌ یعنی وَالْمَدُّ جَائِزٌ۔ مبتدا، خبر جملہ اسمیہ ہو کر دال بر جزا۔ اِذَا حرف شرط اَتٰی فعل ماضی، ضمیر فاعل حرف

---

[1] ارشاد المرید ونشر [2] نشر ص ۳۳۴/۱ وتقریب ص ۱۹ [3] ارشاد المرید شرح شاطبیہ ص ۸۴ ونشر ص ۳۳۳/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مد کی طرف راجع ہے مُنْفَصِلاً ضمیر فاعل سے حال ۔ متعلق محذوف ہے یعنی اَتیٰ مُنْفَصِلاً عَنِ الْهَمْزَةِ ۔ اَتیٰ مُنْفَصِلاً جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، اَوْ (برائے تنویع) حرف عطف عَوَّض فعل ماضی اَلسُّكُوْنُ ذوالحال وَقْفًا مُسْجَلاً موصوف وصفت ہو کر حال ہے یعنی حال کون السکون ذا وقفٍ یا حال کون السکون موقوفاً علیہ (نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وقفاً مُسْجَلاً مرکب توصیفی، منصوب بنزع الخافض ہو، یعنی فِيْ وَقْفٍ مُسْجَلٍ پھر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، دونوں معطوفین شرط مؤخر اور پورا شعر جملہ شرطیہ ہے

قولہ مُسْجَلاً اِسْجَال بمعنی ارسال سے ہے، بولتے ہیں اَسْجَلْتُ الْكَلَامَ یعنی اَرْسَلْتُہٗ یہاں مُسْجَلاً بمعنی مُطْلَقًا ہے۔

ح ۔ مد منفصل

قولہ وَجَائِزٌ اِذَا اَتیٰ مُنْفَصِلاً :۔

یعنی جب حرف مد ہمزہ سے منفصل ہو، کہ حرف مد ایک کلمہ کے آخر میں ہو اور ہمزہ مابعد والے کلمہ کے شروع میں ہو تو وہ مد جائز ہے ۔ خواہ حرف مد مرسوم ہو، جیسے بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ، قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا، فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ یا نہ ہو جیسے فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ، هٰٓؤُلَآءِ كَرِهَا کا الف محذوف الرسم ہے اور جیسے لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ اور بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ اور میم جمع میں صلہ والی قراءتوں میں عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ ۔ اسی طرح وہ دو کلمے خواہ مفصول (مرسوم ہوں جیسا کہ مثالیں گذریں یا موصول ہوں جیسے هٰٓاَنْتُمْ، يٰٓاٰدَمُ وغیرہ

مد منفصل کے نام اور وجہ تسمیہ

مشہور نام مد منفصل ہے، یعنی حرف مد اور ہمزہ دو کلموں میں ہونے کی وجہ سے منفصل یعنی جدا ہوتے ہیں، مدِّ فصل بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ مد کلمتین میں فصل کرتا ہے، مدِّ بسط کیونکہ یہ دو کلموں میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اعتبار گویا مد کرتے ہوئے دو کلموں کو کلمۂ واحدہ کی طرح اعتبار کہا جاتا ہے ۔ مد حرف لِحرف حرف بمعنی کلمہ ہے یعنی ایک کلمہ کی وجہ سے مد ہوتا ہے۔ مدِّ جائز، کیونکہ اس کے مد اور قصر میں قراء کا اختلاف ہے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔

مد جائز کہنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ مد جب ہی ہوگا جب حرف مد اور سبب مد والے دونوں کلموں کو وصل کر کے پڑھا جائے۔ لیکن اگر پہلے کلمہ پر وقف کر دیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ مد نہ ہوگا، کیونکہ سبب مد نہ رہے گا۔ گویا سبب مد کے ممکن الزوال ہونے کی وجہ سے اس کو مد جائز کہا گیا۔ تو جائز بمعنی ممکن ہوا یعنی ایسا مد جو ممکن الوقوع ہے لازم الوقوع نہیں بخلاف مد متصل کے کہ وہاں حرف مد کے لئے سبب مد کا ہونا لازم الوقوع ہے۔

ہمارے خیال میں یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ مد اور اسی طرح آگے آنے والا مد عارض وقفی دونوں لغت عربیہ کے لحاظ سے صرف جائز ہیں۔ ضروری نہیں، مد کیا جائے تو بھی صحیح اور قصر کیا جائے تو بھی عربیت کے منافی نہیں، آگے چل کر پھر بعض قراءتوں میں یہ مد کرنا ضروری ہوا اور بعض میں نہ کرنا ضروری ہے ۔ یہ ضرورت کا درجہ بعد میں پیدا ہوا، کیونکہ قرآن کی عربیت

لے شارح رزمی ح ۲ رومی دقاری ملے ان کلمات میں ایک ہی الف لکھا ہے جو کہ ہمزہ کی شکل ہے اور ھا اور یا کے الف محذوف الرسم ہیں۔ البشارۃ ص ۸۵ ہے نشر ص ۳۱۹ ج ۱ ھے منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں صرف اتباعِ لغت عرب ہی کافی نہیں کہ لغت عربیہ کے مطابق قرآن کو جس طرح بھی چاہے پڑھ لیا جائے بلکہ اتباع عربیت کے ساتھ اتباع قراءت یا روایت بھی ضروری ہے۔ مثلاً عربیت کے لحاظ سے کَیْفَ فَعَلَ میں کیف کی فاء کا فَعَلَ کی فاء میں ادغام کبیر بھی صحیح ہے اور اظہار ہی جائز ہے، لہٰذا عربیت کے لحاظ سے تو یہ ادغام جائز کی قسم سے ہوگا لیکن روایت سوسی کی اتباع میں یہی ادغام واجب ہو جائے گا۔

بالکل اسی طرح مدمنفصل کو جو مدجائز کہا گیا ہے یہ عربیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ فن قراءت کے لحاظ سے۔ کیونکہ قراءت کے باب میں یہ مد کسی قاری کے لئے کرنا ضروری ہے اور کسی کے لئے نہ کرنا ضروری ہے لیکن یہ ضرورت کا درجہ باب قراءت وروایت کے اتباع میں پیدا ہوا، نہ کہ عربیت میں۔ چنانچہ حضرت ناظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مدمنفصل کو مدجائز بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کے مدا ور قصر میں اختلاف ہے۔	وَيُقَالُ الْمَدُّ الْجَائِزُ مِنْ اَجْلِ الْخِلَافِ فِيْ مَدِّهٖ وَقَصْرِهٖ۔

مطلب یہ کہ کوئی بھی قراءت یا روایت عربیت سے خارج نہیں، لہٰذا قراءت یا روایت کے باب میں کسی مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا دلیل ہے کہ عربیت میں وہ تمام اختلافی صورتیں صحیح ہیں۔ حاصل یہ کہ مدمنفصل کا نام "مدجائز" عربیت کے لحاظ سے ہے نہ کہ کسی مخصوص قراءت یا روایت کے لحاظ سے۔ اسی لئے نحات میں سے مُبَرِّد کے نزدیک مدمنفصل میں قصر مختار ہے، اور دوسرے نحویین کے یہاں مد مختار ہے[1]۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ مدمنفصل میں مد و قصر کا مسئلہ اوّلاً عربی میں اٹھا اور پھر قراءت میں آیا۔

مدمنفصل کی مقدار اور اختلافِ قراءت

(۱) ابن مجاہد وغیرہ اور اکثر عراقیین اور شیخین (جزری و شاطبی) نے مدمنفصل میں صرف تین مرتبے معمول بہا قرار دیئے قصر، توسط، طول[2] (۲) ابوالقاسم صقلی نے چار قصر، توسط فوق[3] التوسط طول یعنی قصر اور توسط کے درمیان کسی مرتبہ کا ذکر نہیں کیا (۳) ابن مہران اور صاحب کتاب الوجیز نے بھی چار مرتبے قرار دیئے مگر طول کو ساقط کیا، یعنی قصر، فوق القصر، توسط اور فوق التوسط۔ (۴) اکثر مشائخ مغاربہ نے پانچ مرتبے ذکر کئے ہیں یعنی قصر، فوق القصر توسط فوق المتوسط، طول[5]۔ علامہ ابوعمرو دانی نے تیسیر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے (۵) علامہ ابوعمرو دانی ہی نے اپنی کتاب جامع البیان میں چھ مرتبے ذکر کئے ہیں یعنی مذکورہ پانچ مرتبے اور چھٹا مرتبہ فوق الطول، ابوالعلاء ہمدانی اور ابوالقاسم ہذلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے[3]۔

مرتبۂ اُولیٰ قصر

یعنی مدفرعی کا حذف اور صرف حرف مد کی ذات کا ابقاء، اس کو قصر محض کہتے ہیں، یہ مرتبہ، قراء میں سے ابوجعفر (۱) ابن کثیر، کے لئے اور رُواۃ میں سے سوسی کے لئے بلاخلف اور دوری بصری یعقوب و قالون کے لئے بالخلف ہے یعنی قصر و مد دونوں وجہیں ہیں۔

نوٹ:۔ بطریق علامہ جزری حفص، ہشام کے لئے بھی خُلف ہے، چنانچہ حفص کے لئے بطریق عمرو بن صباح، انھوں نے صرف قصر اور بطریق عُبَید مد پڑھا ہے[4]۔ البتہ بطریق علامہ شاطبی صرف توسط ہے، قصر نہیں۔

---

[1] نشر ص ۳۱۹/ج ۱ [2] شرح شاطبیہ ملا علی رحمہ اللہ ص ۶۱ [3] نشر ص ۳۲۱ [4] تفصیل کیلئے دیکھو نشر ص ۳۲۱/ج ۱ و ص ۳۲۴/ج ۱ نیز شرح طیبۃ النشر لاحمد الجزری ص ۹۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرتبۂ ثانیہ، فوق القصر یعنی قصر سے ذرا زیادہ بڑھا کر پڑھنا، جسکی مقدار بعض نے دو الف اور بعض نے ڈیڑھ الف مقرر کی ہے، اس مرتبہ کو زیادتی ادنیٰ بھی کہا گیا ہے۔ یہ مرتبہ اُن کے لئے ہے جو مدِ منفصل میں بالتخلف قصر کرتے ہیں جیسے دوری بصری اور قالون۔

مرتبۂ ثالثہ، توسّط یعنی مرتبۂ ثانیہ سے ذرا زیادہ، اس، اس کا اندازہ ہُذَلی وغیرہ نے ڈھائی الف، اُن کے شیخ عبداللہ بن محمد نے دو الف اور جمہور نے تین الف مقرر کیا ہے۔ یہ مقدار شامی اور کسائی کے لئے متصل اور منفصل دونوں میں ہے۔

مرتبۂ رابعہ، فوق التوسط یعنی توسط سے کچھ زیادہ، جس کا اندازہ اُن جمہور کے نزدیک چار الف ہے جو تیسرا مرتبہ بقدر تین الف بتلاتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک بقدر ساڑھے تین الف ہے اور ہذلی ان کے شیخ کے نزدیک بقدر تین الف ہے۔

بہر حال صاحب تیسیر کے نزدیک امام عاصم کے لئے متصل اور منفصل دونوں قسموں میں یہی چوتھے مرتبہ کا مد ہے۔

مرتبۂ خامسہ[۵] طول یعنی چوتھے مرتبہ سے کچھ ہی زیادہ اس مرتبہ کا اندازہ پانچ الف، ساڑھے چار الف اور چار الف کے ساتھ کیا گیا ہے یعنی حسب سابق مختلف اقوال ہیں۔ صاحب تیسیر وغیرہ کے نزدیک امام حمزہ اور ورش (بطرق ازرق) کے لئے متصل اور منفصل دونوں مدوں میں یہی مقدار[ا] ہے۔

فائدہ: متداول اور مشہور طُرق میں مذکورہ پانچویں مرتبہ سے اُوپر کوئی مرتبہ نہیں۔ البتہ بعض غیر متداول طُرق میں حرف ساکن قبل الہمزہ پر سکتہ ہے مثلاً خلف کے لئے بطریق ادریس، حفص کے لئے بطریق اشنانی، اور کسائی کے لئے بطریق قُتیبہ، ساکن قبل الہمزہ پر سکتہ ہوتا ہے، اس سکتہ کی وجہ سے ہمزہ میں زیادہ تحقیق و تمکین مقصود ہوتی ہے، غرض ان حضرات کے یہاں سکتہ کا عرصہ مد کے عرصہ کے ساتھ مرکب ہو کر مجموعی طور پر مد کی مقدار مرتبۂ خامسہ سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے، جس کو مقدارِ مد کا چھٹا مرتبہ کہنا چاہئے۔ لیکن یہ مرتبہ صرف اصحاب سکتہ ہی کے لئے مخصوص سمجھنا چاہیئے۔

فائدہ: شیخین یعنی علامہ شاطبی و علامہ جزری کا مدِ متصل میں دو مرتبوں پر عمل رہا ہے، جیسا کہ متصل کے بیان میں گذرا۔ مدِ منفصل میں انھیں دو مرتبوں پر تیسرے مرتبہ قصر کا اور اضافہ سمجھ لیجئے کل تین مرتبے ہوئے۔ قصر[۱] ابو جعفر، مکی اور سوسی کے لئے بلا خُلف، یعقوب، دوری بصری اور قالون کے لئے ایک ایک وجہ میں، طول[۲] حمزہ اور ورش کے لئے توسّط[۳] باقین کے لئے اور یعقوب دوری بصری اور قالون کے لئے دوسری وجہ میں۔ ہمارے دور میں اسی پر عمل ہے، لیکن اگر کوئی مولفِ تیسیر علامہ دانی کے معمول کے مطابق ان پانچ مراتب کے تفاوت پر عمل کرے جن کی ہم نے اوپر تفصیل نقل کی، تو کوئی ممانعت بھی نہیں، مگر تلاوت میں اور خصوصًا جمع الجمع میں اسقدر قریب قریب مراتب کے تفاوت کو ملحوظ رکھنا بڑی لطافت اور ذوقِ صحیح کا مقتضی ہے، اسی لئے علامہ جزری فرماتے ہیں وان مثل

ا۔ تفصیل کے لئے دیکھو نشر ج۱ نشر ص ۳۲۶/۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

هذا التفاوت لا يكاد ينضبط من ذلك غالبًا هو القصر المحض والمد المشبع من غير افراط عرفًا، والتوسط بين ذلك¹۔

نوٹ:- مدات کی مقادیر میں بعض نے مذکورہ بالا پانچ مراتب کو دو الف، پونے[2] دو الف، ڈیڑھ[3] الف سوا[4] الف اور ایک[5] الف کے ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ صقلی نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور عراقیین کے مذہب میں مد طولی کی مقدار تین الف پھر ہر مرتبہ میں نصف الف کم کیا جائے حتی کہ مرتبۂ قصر میں ایک الف رہ جائے۔ علامہ جعبری نے اسی کو پسند کیا ہے، بہرحال جمہور کا وہی مسلک ہے جو ہم نے بتفصیل اوپر لکھا ہے²۔

منفصل میں مد و قصر کی وجہ

مد کی وجہ یہ ہے کہ حرف مد ضعیف و خفی ہے اور ہمزہ حرف قوی و مشکل الاداء ہے لہذا حرف مد میں مقدار کو بڑھا کر بڑھا گیا تاکہ ضعیف کو قوی کی مجاورت میں قوت حاصل ہو جائے گویا اس لئے مد کیا گیا تاکہ ہمزہ اپنی صفت شدت و جہر کے ساتھ بحال ادا ہو۔ اور قصر اسلئے صحیح ہوا کہ ہمزہ اسی کلمہ میں نہیں جس میں حرف مد ہے، اہل زبان کے نزدیک دو کلموں کا تلفظ اُن کے دو مختلف معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حقیقۃً تغایر پر مبنی ہے گو تکلم میں وہ دونوں ایک سانس میں جمع ہو گئے ہوں۔ لہذا ہمزۂ منفصلہ مدیت میں سبب ضعیف ہوا اور کالعدم قرار دیتے ہوئے قصر بھی جائز ہوا۔

کئی مد منفصل میں مساوات

جب کئی مدودِ منفصلہ جمع ہوں جیسے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ تو یہ جائز نہیں کہ ایک جگہ مد کرے دوسری جگہ قصر کرے، اسی طرح مد کرنے کی صورت میں مقدار مد میں بھی مساوات کا خیال رکھے اگر ایک جگہ ڈیڑھ الف مد کیا تو دوسرے مد کو ڈیڑھ الف سے زیادہ یا کم کھینچنا جائز نہیں، اسی طرح اگر ایک جگہ دو الف مد کیا تو دوسری جگہ بھی دو ہی الف مد کرے، وجہ وہی ہے کہ ع

وَاللَّفْظُ فِيْ نَظِيْرِهٖ كَمِثْلِهٖ

خصوصًا جب کہ ایک ہی سانس میں کئی منفصل پڑھنے میں آئیں تو مساوات کا سختی سے خیال رکھے، کمی زیادتی اس صورت میں اور بھی زیادہ قبیح ہے³۔

مد متصل و منفصل کا اجتماع

اُوپر تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ بطریق علامہ دانی مد متصل میں چار مراتب ہیں طول[1] یا اشباع[2] توسط، دُون[3] التوسط فوق[4] القصر، یہ چار مرتبے مد منفصل میں بھی ہیں، مگر اس میں ایک پانچواں مرتبہ قصر بھی ہے۔ تلاوت میں متصل و منفصل اگر دونوں جمع ہوں جیسے هٰٓؤُلَآءِ تو یہ خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ یا تو متصل اور منفصل کی مقداریں مساوی رہیں جب کہ منفصل میں قصر نہ کیا گیا ہو۔ یا منفصل کی مقدار کم اور متصل کی زیادہ ہے، اس کے برعکس صحیح نہیں۔ مثلاً منفصل میں قصر کرتے ہوئے متصل میں تین یا چار الف مد کرنا صحیح ہے، یا دونوں میں تین چار یا پانچ الف مد کر لیا جائے تو بھی مساوات ہوگی اور صحیح ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ منفصل ضعیف اور متصل قوی ہے، لہذا ضعیف کو یا تو قوی کے برابر ہونا چاہئے یا کم، زیادہ ہونا ہرگز صحیح نہیں۔ خواہ منفصل مقدم اور متصل مؤخر ہو یا اس کے برعکس ہو۔

---

¹ تفصیل کے لئے دیکھو نشر ص۳۳۳/۱ ² رومی وقاری ³ منح الفکریہ ونہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریق کی پابندی

کوئی اختلاف جس طریق سے مروی ہو، اس اختلاف کو اُسی طریق تک محدود رکھنا چاہیئے چونکہ روایت حفص رح بکثرت پڑھی پڑھائی جاتی ہے لہٰذا اس قدر ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ مدِ منفصل میں حفص کے لیے بطریق جزری مد اور قصر دونوں صحیح ہیں اور بطریق شاطبی صرف مد ہے قصر نہیں، لہٰذا بطریق شاطبی پڑھنے والے منفصل میں قصر کر ناجائز نہیں۔ شیخ نویری رح دُرّہ کی شرح میں فرماتے ہیں، طُرق میں خلط و ترکیب حرام ہے یا مکروہ ہے یا معیب ہے۔ اور علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس میں تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ جب تلاوت بطور روایت کر جیسے طالب علم کو کسی طریق کے التزام کے ساتھ پڑھا جائے یا اس سے سُنے تو خلط فی الطرق ناجائز ہے کیونکہ یہ کذب فی الروایت ہے اور اہل روایت پر مسائل کو خلط اور ملتبس کرنا ہے۔ اگر تلاوت بطور نقل و روایت نہ ہو بلکہ علی حسب التلاوت ہو تو خلط جائز ہے۔ اگرچہ ائمہ قراءت کے لئے ہم اس کو بھی معیوب ہی قرار دیں گے، کیونکہ ان کو قراءات و روایات کے اختلاف کا صرف عالم ہی نہیں عامل بھی ہونا ضروری ہے ورنہ عوام اور خواص میں کیا فرق رہ جائے گا۔ تاہم ایسی صورت میں خلط کو حرام یا مکروہ نہیں کیا جائے گا۔[1]،، ناظم کے قول ؏ وَذِينَةَ الْأَدَاءِ وَالْقِرَاءَةِ میں ادا، اور قراءت کا فرق بیان ہو چکا ہے کہ ادا سے یہ روایت ہی مراد ہے۔

دوسری جگہ علامہ جزری نے اگرچہ بلا تفصیل خلط کو مطلقاً ناجائز کہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تفصیل ہی میں تحقیق ہے۔[2]،،

مدِ عارض وقفی | **قولہٗ اَوْ عَرَضَ السُّكُونُ وَقْفًا مُّسْجَلًا**

یہ مدِ جائز کی دوسری قسم مدِ عارض کا بیان ہے یعنی مدِ جائز یہ بھی ہے کہ حرفِ مد کے بعد والے حرف کو وقف کی وجہ سے سکون عارض ہو جائے، خواہ یہ سکون کسی طرح کا ہو، یعنی وقف بالاسکان المحض ہو یا بالاشمام ہو، احتراز ہو گیا، وقف کی تیسری قسم وقف بالروم سے، جس میں صوتِ خفی کے ساتھ حرکت کو پڑھا جاتا ہے، کیونکہ روم کا حکم مثل وصل کے ہے۔ کہ اس میں مدِ اصلی سے زائد مد نہ ہوگا۔ اسکان روم اشمام تینوں قسموں کی تشریح مستقل باب میں آگے آنے والی ہے۔

مثالیں جیسے يَعْلَمُوْنَ ٥ نَسْتَعِيْنُ ٥ تُكَذِّبٰنِ ٥ ان میں سے ہر وقف میں تمام قراء کیلئے

طول، توسط، قصر | تین تین وجہیں طول، توسط اور قصر جائز ہیں۔ طول کی وجہ یہ کہ اجتماعِ ساکنین میں یہ لازم کے مشابہ ہے، لہٰذا اس کے مثل طول کیا گیا۔ چونکہ سکون اصلی نہیں بلکہ عارضی ہے لہٰذا مد کی اُس مقدار سے جو مدِ لازم کی تھی کم درجہ کا مد یعنی توسط بھی جائز ہوا۔ اور چونکہ یہ سکون وقف کی وجہ سے ہے، اور وقف میں اجتماعِ ساکنین جائز ہے جیسے اَلْقَدْرِ ٥ وَالْفَجْرِ وغیرہ میں لہٰذا اجتماعِ ساکنین کی ثقالت کالعدم سمجھی گئی اور قصر بھی جائز ہوا۔

مدِ لین عارض | معلوم ہو چکا ہے کہ حروفِ لین حروفِ مد کے مشابہ ہیں، اور مشابہت کی وجہ سے حروفِ لین میں بھی مد کے احکام جاری ہوتے ہیں، لہٰذا اگر حروفِ لین کے بعد سکون عارض ہو جیسے لَا خَوْفٌ، لَا ضَيْرَ

---

[1] نہایۃ القول المفید [2] غیث النفع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو مشابہت مذکورہ کی وجہ سے اس میں بھی طول، توسط قصر تینوں جائز ہیں بشرطیکہ وقف بالاسکان یا بالاشمام ہو وقف بالروم میں صرف قصر ہوگا۔ لیکن مد عارض اور مد لین عارض میں اتنا فرق ہے کہ اول میں طول پھر توسط پھر قصر بہتر ہے اور مد لین میں اس کے برعکس اول قصر کا درجہ ہے پھر توسط کا اور پھر طول کا۔ کیونکہ محلِ مد حقیقۃً حرفِ مد نہیں بلکہ مشابہ مد ہے۔

صرف مد لازم کی مقدار کیوں بیان کی گئی

مد عارض اور لین عارض میں یہ تین تین وجوہ باتفاق طرق تمام قراءتوں میں ہیں اور اسی وجہ سے ناظم علیہ الرحمۃ نے اس کو مد جائز کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ مد کرنا جائز ہے، اور یہ جواز مستلزم ہے مد نہ کرنے کو اور چونکہ مد بطور جنس طول اور توسط دونوں مقداروں کو شامل ہے، اس لئے ان تینوں وجوہ کا اثبات ناظم کے کلام میں صحیح ہوگا۔ اور اسی وجہ سے کہ لفظ مد طول اور توسط دونوں کو شامل ہے ناظم علیہ الرحمہ نے مد لازم میں وَبِالطُّولِ يُمَدُّ فرماکر توسط کے احتمال کی نفی فرمانی ضروری سمجھی تھی، بخلاف مدوں کی اور قسموں کے کہ وہاں مقدار کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ علی حسب القراءات والطرق طول توسط (جیساکہ منفصل میں) اور طول توسط قصر کی (جیساکہ منفصل اور مد عارض میں) گنجائش تھی۔ لیکن منفصل اور مد عارض کے مد جائز ہونے میں نوعیت کا فرق ہے۔ منفصل اس لحاظ سے مد جائز ہے کہ مجموعی قراءات کے اعتبار سے ہے کہ کسی قراءت میں طول ہے، کسی میں توسط اور کسی میں قصر، اور مد عارض میں طول توسط قصر کے مراتب ہر ہر قراءت کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

مد عارض پر مد منفصل کیوں مقدم ہوا؟

بظاہر قیاس چاہتا ہے کہ مد جائز کی قسموں (منفصل اور مد عارض) میں سے مد عارض کو مقدم کرنا چاہیئے تھا، کیونکہ اس میں سبب مد سکون ہے گو عارض ہی ہو۔ کیونکہ ہمزہ اور سکون دو اسباب مد میں سے سکون سبب[1] قوی ہے۔ چنانچہ ذیل کی مشہور نظم میں ترتیب یہی ہے۔

افواہ السکون یلیہ المتصل ... بعارض السکون ثم المنفصل

یعنی سبب قوی سکون لازم ہے پھر اس کے بعد ہمزۂ متصل ہے۔ پھر ہمزۂ منفصل۔ لیکن ناظم رحمہ اللہ نے یہ ترتیب دو وجہ سے اختیار فرمائی (۱) مد منفصل میں اکثر قراءتوں میں طول یا توسط کے ساتھ مد کیا گیا ہے، اور مد عارض میں قصر کے جواز پر تمام قراءتیں متفق ہیں لہذا اکثر قراءتوں کے اعتبار سے سکونِ عارض کے مقابلہ میں ہمزۂ منفصل زیادہ قوی سبب ہے البتہ اُن قلیل قراءت و روایات کے اعتبار سے جن میں منفصل میں قصر کیا جاتا ہے ہمزۂ منفصل کے مقابلہ میں سکون عارض یقیناً قوی سبب ہے کہ سکون عارض کی صورت میں قصر کے علاوہ توسط و طول بھی جائز ہیں حالانکہ منفصل میں ان قراءتوں میں صرف قصر ہے۔ گویا ناظم رحمہ اللہ نے یہاں منفصل کو مقدم رکھنے میں اکثر قراءتوں کے تقاضا کو پیش نظر رکھا۔ (۲) یا یہ کہا جائے کہ منفصل سے پہلے چونکہ مد متصل کا ذکر ہو چکا تھا، جس میں سبب مد ہمزہ متصلہ ہوتا ہے تو تیسرے نمبر پر اس کے بعد مد منفصل کا ذکر مناسب سمجھا، کیونکہ اس میں بھی سبب مد ہمزہ ہی ہوتا ہے گو وہ ہمزہ منفصلہ ہے۔

مد عارض للادغام یا مد عارض وصلی

جمہور کے نزدیک، مد جائز کی اقسام میں سے مد عارض وصلی بھی ہے، کیونکہ سکون عارضی جس طرح وقف میں ہوتا ہے وصل میں بھی ہوتا ہے مثلاً سوسی اور امام حمزہ کے یہاں وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا وغیرہ میں تا کا صاد میں ایسے ہی فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ وغیرہ میں سوسی کے لئے اور وَلَا تَّیَمَّمُوْا وغیرہ میں

---

[1] نشر ج ۱ ص ۳۴۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بزی کے لئے ادغام کبیر ہوا ہے، ادغام کے لئے مابعد حرف مد میں مثلین یا متقاربین کی وجہ سے وجہ سے مدغم ساکن ہوا اور یہ ادغام اسی
وقت ہے جبکہ کلمۂ اولی پر وقف نہ کیا جائے [1] وقف کیا جائے تو پھر کوئی ادغام نہ ہوگا، لہٰذا یہ ادغام اور مدغم کا سکون صرف وصل
میں ہے، اور اسی حیثیت سے اس ادغام اور سکون کو عارضی کہا گیا، جس طرح سے کہ مد منفصل میں حرف مد پہ وقف کر دیا جائے اور
مابعد کا ہمزہ والا کلمہ ملا کر نہ پڑھا جائے تو مد زائد نہ ہوگا (اسی طرح مد عارض وقفی میں مد زائد اسی وقت ہوگا کہ اسکان یا اشمام کے ساتھ
وقف کیا جائے وقف نہ کیا جائے تو مد نہ ہوگا [1] انہیں نظائر پر قیاس کرتے ہوئے جمہور نے ادغام کبیر کے ان مواقع کو جن میں مدغم سے
پہلا حرف مد ہو اور ادغام دو کلموں میں ہوا ہو تو ادغام کی وجہ سے جو سکون ہوگا اس کو عارضی کہا ہے اور اس مد کا نام مد عارض وصلی
لکھا ہے۔ حکم اس کا بھی عارض وقفی کی طرح یہی ہے اول طول بہتر ہے پھر توسط پھر قصر۔ بشرطیکہ مدغم کا ماقبل حرفِ مد ہو اور اگر حرف
لین ہو جیسے کَیْفَ فَعَلَ تو قصر بہتر ہوگا پھر توسط اور پھر طول [1]
شارح مصری نے اس مد کو مد لازم کے ذیل میں شمار کرتے ہوئے جمہور کا مذہب بتلایا ہے گویا یہ مد لازم کلمی مثقل ہے، اور اس
کو بھی تسلیم کیا ہے کہ بعض اس کے خلاف ہیں اور مد جائز کی قسم قرار دیتے ہیں، لیکن قابل اعتماد پہلی رائے کو ہی لکھا ہے۔"
ملا علی قاری رحمہ اللہ نے، شارح مصری کی سخت تردید کی، اور فرمایا۔

وَھٰذَا زَلَّۃٌ منہ وخطل فانہ ذھب الی خلاف ما صرحوا بہ

شارح مصری سے یہ سخت لغزش ہوئی ہے اور یہ اُن کا خیال فاسد ہے کیونکہ علماء کی صراحت کے خلاف مصری نے یہ قدم اٹھایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قاریؒ کی تردید کا مقصد اگر یہ ہے کہ مصری نے اس مد کے مد لازم ہونے کی نسبت جمہور کی طرف کی ہے، اور مد
عارض ہونا بعض کا مسلک بتلایا ہے" تو صحیح ہے، لیکن اگر قاری رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ یک قول اس کو سب نے ہی مد عارض
کہا ہے تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ علماء میں مابہ النزاع ہے۔
اور نشر میں ناظم رحمہ اللہ کے کلام سے تفصیل معلوم ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مدغم پر جن حضرات کے لئے روم و اشمام صحیح ہوگا ان
کے لئے مد عارض ہے اور جن کے لئے روم و اشمام صحیح نہ ہو بلکہ صرف اسکان ہو تو ان کے لئے اس مد کو مد لازم کہنا چاہیئے، اور روم و اشمام
کی اجازت صرف روایتِ سوسی میں ہے چنانچہ سوسی کے شیخ ابوعمرو بصری نے ادغام کے ساتھ قصر، توسط اور طول تینوں کی اجازت
دی ہے جیسا کہ اُن سے جعبری نے نقل کیا ہے [2] اور امام حمزہ اور بزی کے لئے صرف مد ہے توسط و قصر نہیں ہے۔
بہر حال جزری، جعبری، شاطبی وغیرہ جمہور کا قول یہی ہے کہ ادغام کبیر میں مطلقاً خواہ کسی کے لئے بھی ہو چونکہ سکون عارضی
ہے اس لئے اوجہ ثلاثہ صحیح ہیں۔ اور ابو شامہ اور ہذلی نے اس کو مد لازم میں شمار کرتے ہوئے صرف طول کو اختیار کیا ہے [3]۔
یہ تمام تفصیل اسی وقت ہے جب کہ مدغم کو بالاسکان یا بالاشمام پڑھا جائے لیکن اگر بالروم پڑھا جائے
تو اُس وقت صرف قصر ہے [4]۔

---

[1] منح الفکریہ ص۱۵ [2] نشر ص ۳۳۶/ج۱ [3] نشر ص ۳۳۷/ج۱ ونہایۃ القول المفید ص۱۳۲ [4] نہایۃ القول المفید۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدّ عارض و لین میں اوجہِ مد

کلمۂ موقوف علیہ کے آخر جب کہ ہمزہ یا حرف مشدّد نہ ہو، اور مرفوع ہو، اور موقوف علیہ کا ماقبل حرفِ مد یا لین یا حرف لین ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ ، خَیْرٌ ، خَوْفٌ تو موقوف علیہ پر اسکان روم اور اشمام تینوں صحیح ہیں اور اشباع، توسط اور قصر کے اعتبار سے سات وجوہ علی التخییر صحیح ہوں گی، یعنی تین سکون محض کے ساتھ، تین اشمام کے ساتھ اور ایک روم کے ساتھ یعنی قصر۔ اور موقوف علیہ مکسور یا مجرور جیسے اَلرَّحِیْمِ ، الدِّیْنِ ، حَذَرَ الْمَوْتِ ، اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ، وَ اتَّبِعُوْنِ تو اس میں اشمام صحیح نہیں بلکہ فقط سکون و روم صحیح ہیں۔ وقف میں چار وجوہ ہوں گی تین[3] سکون کے ساتھ اور ایک (قصر) روم کے ساتھ۔

نوٹ:۔ جن حضرات کے یہاں یاءِ زائدہ کا اثبات صرف وصل میں صحیح ہو اُن کے یہاں وقف بالروم اور وقف مع الاسکان دونوں حالتوں میں یاءِ زائدہ کا حذف ضروری ہے۔ جیسے اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ، دَعَانِ وغیرہ۔

اور اگر موقوف علیہ منصوب یا مفتوح ہو جیسے اَلْعٰلَمِیْنَ ، اَلْمُسْتَقِیْمَ ، لَا رَیْبَ تو اس میں روم و اشمام صحیح نہیں بلکہ فقط وقف بالاسکان ہوگا، اور وقف میں اوجہِ ثلاثہ صحیح ہوں گی۔

مد لازم و سکونِ عارض کا اجتماع

اگر موقوف علیہ مشدّد ہو اور اس کے ماقبل حرف مد ہونے کی وجہ سے مد لازم مثقل کی صورت ہو جیسے عَلَیْهَا صَوَآفَّ ، غَیْرَ مُضَآرٍّ ، لَا تُضَآرَّ ، وَالدَّوَآبِّ ، وَلَا جَآنٌّ ۔ تو وقف خواہ بالاسکان ہو یا بالاشمام اور بالروم، بہر حال صرف طول ہوگا۔ گویا اس مد کی مقدار میں وقفاً اور وصلاً کوئی فرق نہ ہوگا۔ بلکہ بحالتِ وقف بالاسکان یا بالاشمام میں مد کی مقدار کو اگر اشباع سے بھی کچھ زیادہ بڑھا دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ وقف کی وجہ سے تین سواکن[1] جمع ہوگئے ہیں۔ یہی حکم اَللّٰذَانِّ ، اَلَّذَیْنِّ اور هٰتَیْنِّ (جو قراءت ابن کثیر مکی میں ہیں) کا بھی سمجھنا چاہیئے۔

مد متصل و عارض کا اجتماع

یَشَآءُ ، تَفِیْٓءَ ، السُّوْٓءِ پر وقف کی کسی بھی حالت میں قصر صحیح نہیں، موقوف علیہ مرفوع ہیں اگر مثلاً حفصؒ کے لئے پڑھا جائے اور وقف بالاسکان یا بالاشمام ہو تو مد دو الف، یا ڈھائی الف کے برابر توسط یا تین الف کے برابر طول کرنا بھی صحیح ہوگا اور روم کی حالت میں صرف توسط یعنی دو الف یا ڈھائی الف مد کرنا صحیح ہوگا گویا کل آٹھ وجوہ ہوں گی۔ اور موقوف علیہ مکسور ہیں، اسکان کے ساتھ دو الف، ڈھائی، تین الف اور روم کے ساتھ دو الف یا ڈھائی الف مد یعنی کل پانچ وجہیں صحیح ہوں گی، اور موقوف علیہ مفتوح میں چونکہ صرف وقف بالاسکان ہوگا اس لئے بقدر دو الف یا ڈھائی الف توسط اور بقدر تین الف طول کل تین وجوہ صحیح ہوں گی۔ حاصل یہ کہ مد عارض کی وجہ سے مد متصل میں طول بھی صحیح ہوگا، کیونکہ بسبب مد ہمزۂ متصلہ اور سکون عارض دونوں جمع ہوگئے ہیں البتہ روم کے ساتھ صرف توسط ہوگا جو مد متصل کی مقدار ہے۔ البتہ اگر ورش یا حمزہ کے لئے پڑھا جائے تو بہر حال طول[2] ہوگا۔

مد عارض کی اوجہِ مد میں تساوی

جب دو یا زیادہ مد عارض جمع ہوں جیسے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر

---

[1] نہایۃ القول المفید ص۱۳۳ [2] نشر ص۳۶۲ ج۱ و نہایۃ القول المفید ص۱۳۳ و ارشاد المرید ص۱۹۲ [3] نہایۃ القول المفید ص۱۳۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقف کرے تو قاری کے لئے یہ مناسب نہیں کہ ان میں سے ایک پر دوسرے کے مقابلہ میں کم یا زیادہ مد کرے، تساوی قائم رکھنا ضروری ہے، تساوی کے خلاف پڑھنا اگرچہ حرام نہیں، لیکن مکروہ اور عیب ضرور ہے، کیونکہ اس میں طرق کی ترکیب و تخلیط ہے۔ لہٰذا تساوات قائم رکھنا منجملہ احکام تجوید کے سمجھے، جیسا کہ ناظم کے کلام سے اس پر متعدد مرتبہ روشنی ڈالی جاچکی ہے۔

اسی طرح اگر دو عارض لین جمع ہوں مثلاً لَا رَیْبَ ۝ اور اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ۝ تو بھی مساوات قائم رکھنا ضروری ہے۔

طول، توسط مع الاسکان کے ساتھ قصر مع الروم

شیخ حلبی نے اپنی کتاب اَلْفَیْضُ الرَّبَّانِی میں ذکر کیا ہے کہ اگر مثلاً اعوذ باللّٰہ، بسم اللّٰہ اور الحمد للّٰہ رب العٰلمین کو تین وقفوں میں فصل کل کے ساتھ پڑھا جائے تو کل چار[۴] وجوہ صحیح ہیں یعنی رجیم، رحیم میں طول، توسط قصر مع الاسکان اور قصر مع الروم کے ساتھ اَلْعٰلَمِیْن میں تینوں وجوہ مع الاسکان۔ اس طرح کہ تینوں میں طُول مع الاسکان، تینوں میں توسّط[۲] مع الاسکان، تینوں میں قصر[۳] مع الاسکان اور رَجِیْم، رحیم، میں قصر[۴] مع الرَّوم اور اَلْعٰلَمِیْن میں قصر مع الاسکان۔

اور وصل اوّل فصل ثانی یا فصل اول اصل ثانی میں بھی مذکورہ چار چار وجوہ کل آٹھ[۸] وجوہ صحیح ہیں اور وصل کل میں العٰلمین میں کل تین وجوہ یعنی طول توسط قصر مع الاسکان ہیں۔ گویا کل پندرہ وجوہ صحیح ہیں۔ اور باتفاق صحیح ہیں۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ رَجِیْم، رَحِیْم میں قصر مع الروم کے ساتھ اَلْعٰلَمِیْن میں طول، توسط مع الاسکان صحیح ہے یا نہیں شیخ طباخ کے نزدیک صحیح ہے۔ اس طرح پندرہ جائز وجوہ کے ساتھ ان چھ مختلف فیہ کو بھی جمع کیا جائے تو کل اکیس[۲۱] وجوہ صحیح ہوتی ہیں۔ باقی تمام احتمالات غیر صحیح[۱] ہیں۔

مد عارض و مد لین عارض کا اجتماع

ان دونوں میں مد عارض قوی اور لین عارض ضعیف ہے، اسی لئے لین عارض میں اول قصر، پھر توسط پھر طول ہے، اور مد عارض میں اول طول پھر توسط پھر قصر ہے، اگر یہ دونوں جمع ہوں مثلاً سورۂ فاتحہ میں اَلْعٰلَمِیْن اور غَیْر پر وقف کیا جائے اور اَلْعٰلَمِیْن پر قصر کیا جائے تو غَیْر پر بھی قصر ہی کرے، اور العٰلمین پر توسط کیا جائے تو غَیْر پر توسط و قصر دونوں جائز ہیں۔ اور العٰلمین پر طول کیا جائے تو غَیْر پر تینوں وجوہ جائز ہیں۔

اس کے برعکس اگر لین، مد پر مقدم ہو جیسے لَا رَیْبَ ۝ اور لِلْمُتَّقِیْن ۝ تو اول کے قصر پر ثانی میں تینوں وجوہ جائز ہیں۔ اور اول کے توسط کے ساتھ ثانی میں توسط و طول ہوگا اور اگر اول پر طول کیا جائے تو ثانی میں طول ہی ضروری ہے۔ جواز میں کل چھ[۶] صورتیں ہوئیں اور باقی تین ناجائز ہوئیں۔

حاصل یہ کہ مد اور لین پر وقف کی صورت میں چھ[۶] وجوہ صحیح ہوں گی، خواہ لین مقدم ہو خواہ مؤخر۔ اگرچہ لین کی تقدیم کی صورت میں ترتیب کی کیفیت لین کے مؤخر ہونے کی صورت سے مختلف ہوگی۔

اَلْعٰلَمِیْن پر اگر طول مع الاسکان یا توسط مع الاسکان کے ساتھ وقف کیا جائے تو غَیْرِ پر قصر مع الروم کے ساتھ

---

[۱] نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقف کا جواز مختلف فیہ ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ جائز ہے، کیونکہ روم مثل وصل کے ہے، جس طرح اَلْعٰلَمِیْن پر طول یا توسط کے ساتھ وقف کرکے غَیْرِ کو بغیر وقف کئے ہوئے وصل کے ساتھ پڑھنا صحیح ہے، وقف بالروم کیوں ناجائز ہو؟

حاصل یہ کہ کل نو ۹ وجوہ صحیح ہیں (۱) دونوں میں طول مع الاسکان (۲) دونوں میں توسط مع الاسکان (۳) دونوں میں قصر مع الاسکان (۴) اول میں طول مع الاسکان ثانی میں توسط مع الاسکان۔ (۵) اول میں طول مع الاسکان ثانی میں قصر مع الاسکان (۶) اول میں توسّط مع الاسکان ثانی میں قصر مع الاسکان (۷) اول میں قصر مع الاسکان ثانی میں قصر مع الروم (۸) اول میں طول مع الاسکان ثانی میں قصر مع الروم (۹) اول میں توسّط مع الاسکان، ثانی میں قصر مع الروم۔

نوٹ:۔ مذکورہ نو ۹ وجوہ میں سے پہلی سات بالاتفاق جائز ہیں اور باقی دو مختلف فیہ ہیں۔

سکون اصلی و عارضی، ایک اشکال و جواب

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ الٓمّٓ ۞ اللّٰہُ کی میم وصل میں دو طرح سے پڑھی جا سکتی ہے یا اصل کی بنا پر طول یا حرکتِ عارضہ کا اعتبار کرتے ہوئے قصر۔ اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ مد عارض کی طرح میم میں تین وجہوں (طول، توسط، قصر) کا جواز کیوں نہیں؟ یعنی توسّط بھی کیوں جائز نہیں، مد عارض میں جس طرح اصل حالت کا اعتبار کرتے ہوئے قصر کیا گیا اور سکونِ عارضی کا اعتبار کرتے ہوئے مد کی دونوں وجہیں توسط اور طول جائز سمجھی گئیں، اسی طرح میم میں بھی کہا جا سکتا تھا کہ حالتِ اصلی یعنی سکون کا اعتبار کرتے ہوئے طول جائز ہوا، اور حرکتِ عارضہ کا اعتبار کرتے ہوئے توسط اور قصر جائز ہوا؟ جواب یہ ہے کہ میم اور مد عارض میں اسقدر تو بیشک قدرِ مشترک موجود ہے کہ دونوں میں عارضی حالت کا اعتبار اور عدمِ اعتبار رہا، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ میم میں اصل مد ہے۔ لیکن اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے اس کے سبب مد یعنی سکون میں تغیر ہوا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ عارض کا اعتبار نہ کیا جاتا، اور اصلی حالت کے مطابق صرف مد کیا جاتا، لیکن عارض کا اعتبار بھی کیا گیا اور اس اعتبار کی وجہ سے قصر جائز ہوا کیونکہ مد کی ضد قصر ہی ہے لیکن یہ واضح ہے کہ قصر میں کوئی تفاوت یعنی کمی زیادتی نہیں۔ لہذا حالتِ عارضہ کا اعتبار قصر میں ہی محدود رہا۔ اس کے برخلاف مد عارض میں قصر اصل تھا، کیونکہ اصل یہ ہے کہ عارض کا اعتبار نہ کیا جائے گویا مد عارض میں قصر ایسا ہی اصل ہے جس طرح میم میں مد اصل ہے چونکہ سبب مد یعنی سکون عارض ہوا تو اِس عارضی سبب کے اعتبار کرنے کی بنا پر مد کیا گیا، مد اگرچہ قصر کی ضد ہے مگر وہ توسط اور طول دونوں درجوں کی گنجائش رکھتا ہے لہذا اس تفاوت کا اعتبار کیا گیا اور دونوں صورتیں جاری ہوئیں۔[1]

مد کی انواع

مطولاتِ فن میں مد کی بہت سی قسمیں لکھی ہیں بعض نے چودہ، بعض نے سولہ اور بعض نے چھبیس[2] تک لکھی ہیں، لیکن انواع کا یہ تعدد زیادہ تر بعض مخصوص قراءتوں کے لحاظ سے ہے مثلاً ورش کے یہاں حرف مد سے پہلے ہمزہ ہو تو اس کو مدّ بدل کہا جاتا ہے جیسے اٰمَنَ اس میں طول توسط، قصر تینوں صحیح ہیں، اسی طرح روایتِ ورش میں حرف لین کے بعد کلمۂ واحدہ میں ہمزہ ہو تو اس میں طول و توسط ہوتا ہے جیسے شَیْءٌ اس کو مد لین کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ پڑھ آئے ہیں کہ ابن کثیر مکی کے یہاں اَلّٰذَیْنِّ الخ میں نون مشدد ہے اس کا نام مدِّ لین مثقل رکھا گیا ہے۔ ایسے ہی امام حمزہ کے بعض طرق میں لا نفی الجنس میں مد ہوتا ہے جیسے لَا رَیْبَ اسکو مد مبالغہ کہا جاتا ہے۔[3]

---

[1] نہایۃ القول المفید بحوالہ الفیض الربانی للحلبی ص ۱۳۵ ۔ [2] نشر ص ۳۶۰/ج۱ [3] نہایۃ القول المفید ص ۱۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا پھر ان انواع میں ہی بعض کے لئے مخصوص القاب تجویز کر لئے گئے ہیں مثلاً مد لازم کلمی مثقل میں ءآلذّکرین کا مدِ فرق بھی نام رکھا گیا۔ ناظم کے کلام کے ذیل میں ہم نے جو مدود لکھے ہیں اُنہیں کو اصل سمجھنا چاہیئے، باقی سب انھیں کے فروع ہیں۔

بَابُ مَعْرِفَةِ الْوَقْفِ وَالْاِبْتِدَآءِ

وقف اور ابتدا کی تعریف

شؔ۔ وَبَعْدَ تَجْوِيدِكَ لِلْحُرُوْفِ لَابُدَّ مِنْ مَعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ

شؔ۔ وَالِابْتِدَاءِ وَهِيَ تُقْسَمُ اِذَنْ ثَلَاثَةً تَامٌّ وَّكَافٍ وَّحَسَنْ

ت۔ اور تمہارے لئے حروف کی عمدہ ادائیگی کو جان لینے کے بعد ضروری ہے وقوف (کی قسموں) اور ابتدا کا جاننا۔ اور اس وقت یہ وقوف تین قسموں کی طرف منقسم ہوتے ہیں۔ تام، کافی اور حسن۔

ترکیب اصل عبارت اس طرح ہے۔
وَلَابُدَّ بَعْدَ تَجْوِيدِكَ لِلْحُرُوْفِ مِنْ مَعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ وَالْاِبْتِدَآءِ۔ واؤ استینافیہ لا لِنَفْيِ الْجِنْس بُدَّ نکرہ مفردہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الفتح، لا کا اسم، بَعْدَ ظرف، مضاف، تَجْوِيدِكَ مصدر مضاف الی الفاعل لِلْحُرُوْفِ، تَجْوِيدِكَ کے متعلق، مصدر اپنے مضاف الیہ اور متعلق کے ساتھ بَعْدَ کا مضاف الیہ بَعْدَ کا مضاف اپنے مضاف الیہ کے ساتھ ظرف متعلق بُدَّ۔ بُدَّ اپنے متعلق سے مل کر لا کا اسم۔
مِنْ مَعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ وَالْاِبْتِدَاءِ کائِنٌ کے متعلق ہو کر خبر۔ اور لا اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ۔
وَهِيَ (یعنی الوقوف) مبتدا تُقْسَمُ فعل مجہول، ضمیر نائب فاعل راجع الی الوقوف اِذَنْ ظرف متعلق تُقْسَمُ۔ ثَلَاثَةً منصوب بنزع الخافض یعنی اِلٰی ثَلٰثَةٍ، جار مجرور متعلق تُقْسَمُ۔ اَحَدُهَا مبتدا محذوف تَامٌّ خبر وثَانِيْهَا مبتدا محذوف كَافٍ خبر، وثَالِثُهَا مبتداء محذوف حَسَنٌ خبر۔

حلّ الفاظ لِلْحُرُوْفِ حروف سے مراد حروف ہجا ہیں بُدَّ ماخوذ ہے بَدَّ الْاَمْرُ و تَبَدَّدَ سے اذا فُرِّقَ و تَفَرَّقَ بولا گیا ہے جَاءَتِ الْخَيْلُ بَدَادًا یعنی مُتَفَرِّقَةً۔ لَابُدَّ کے اصلی معنیٰ لا مُفَارَقَةَ کے ہیں، مگر یہ اُن لفظوں میں سے ہے جن کے حقیقی معنیٰ متروک ہو کر مجازی معنیٰ مشہور ہو جاتے ہیں، اس لفظ کے مشہور معنیٰ وَجَبَ اور لَزِمَ کے ہوتے ہیں۔
اَلْوُقُوْفِ یاءِ اطلاقی کے ساتھ، وقف کی جمع ہے۔ جیسا کہ وَهِيَ کی ضمیر مؤنث سے اور تُقْسَمُ کی ضمیر نائب فاعل سے ظاہر ہے، کیونکہ ان دونوں ضمیروں کا مرجع الوقوف ہی ہے جو جمع ہونے کی وجہ سے حکماً واحد مؤنث ہے۔ اور وقوف کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمع اس لئے فرمایا کہ آگے اس کی متعدد انواع بیان کرنا مقصود ہیں۔ یہ تنوع اگرچہ اِلْابْتِدَا میں بھی ہے جیسا کہ تشریح سے معلوم ہوگا۔ لیکن ناظم علیہ الرحمہ نے اختصار کے پیش نظر ابتدا کی اقسام کو اسقدر اہم نہیں سمجھا اس لئے اُسے واحد لائے ہیں۔ اور اس کی اقسام کو ذکر بھی نہیں کیا۔

ابن المصنف، شیخ زکریا اور شارح رومی کی یہی رائے ہے، اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ الوقوف کو وَقَفَ کا مصدر قرار دیا جائے۔ اس صورت میں الوقوف اور الابتداء دونوں مصدر ہوں گے۔ پھر قاری رحمہ اللہ نے وھی اور تُقَسَّمُ کا مرجع بنانے کے لئے مضاف مقدر مانا ہے یعنی مواضع الوقوف والابتداء۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ سراسر تکلف ہے۔

وَھْیَ بسکون ھا تُقْسَمُ بتخفیف سین، افعال سے مضارع واحد مؤنث غائب۔ اِذَنْ ضرورت شعری کی وجہ سے تقدیم وتاخیر ہے یعنی وَھِیَ اِذَنْ تُقْسَمُ، اِذَنْ کی وجہ سے مضارع منصوب نہ ہوگا، کیونکہ عمل کی شرطیں (جواب ہونا، مضارع کا زمانۂ استقبال کے لئے ہونا، اِذَنْ کے مابعد کا اس کے ماقبل کے لئے معمول نہ ہونا) مفقود ہیں۔ ابوعلی فارسی نے کہا ہے کہ اِذَنْ کبھی کبھی محض جواب کے لئے ہوتا ہے جیسے کہا جائے اُحِبُّكَ اور جواب میں کہا جائے۔ اِذَنْ اَظُنُّكَ صَادِقًا، اسی طرح یہاں جب ناظم نے فرمایا لَابُدَّ مِنْ مَعْرِفَتِ الْوُقُوْفِ تو اس سے وقوف کی کئی اقسام ہونا معلوم ہوا، تو اس کے جواب میں فرمایا وَھِیَ اِذَنْ تُقْسَمُ ثَلَاثَةً۔

دوسرا مسئلہ حالت وقف میں اِذَنْ کا تلفظ ہے، بعض کے نزدیک نون الف سے بدل جائیگا کیونکہ نون تنوین سے مشابہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ اَنْ، لَنْ کے نون کے مشابہ ہے، لہٰذا الف سے نہیں بدلے گا۔ اور حقیقت میں یہ اختلاف اس نون کی کتابت کے اختلاف پر متفرع ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ نون تنوین ہے لہذا بصورت الف لکھنا چاہیئے چنانچہ قرآن شریف میں اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ، اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ وغیرہ میں ہر جگہ بصورت تنوین ہی لکھا ہے، اور مازنی اور مبرّد کے نزدیک یہ نون تنوین نہیں لہذا بصورت نون ساکنہ ہونا چاہیئے اور فرّاء کی رائے میں اگر اِذَنْ مضارع میں نصب کا عمل کرے تو بصورت تنوین لکھنا چاہیئے ورنہ بصورت نون ساکنہ۔[1] چنانچہ ناظم کے کلام میں یہی صورت ہے۔ اور اسی لئے شیخ زکریا نے اس کو زائدہ فرمایا ہے۔ "تَامٌ" بضرورت میم کی تخفیف کے ساتھ بولا گیا ہے، ورنہ اصل میں تَامٌّ بتشدید میم ہے۔

اختلافِ نسخ دوسرے شعر میں مختلف نسخے ہیں ہم نے جو نسخہ اختیار کیا ہے، وہ شیخ زکریا، خالد ازہری اور شارح مصری کا اختیار کردہ ہے۔ دوسرا نسخہ اس طرح ہے۔

(۲) وَالِابْتِدَاءِ وَھِیَ تُقْسَمُ اِلٰی ــــــ تَامٍ وَّكَافٍ وَّحَسَنٍ تَفَصُّلًا

وَالِابْتِدَاءِ یعنی بحذف ہمزۂ اَلْ وکسر لام۔ وَھِیَ بسکون ھا تَفَصُّلًا تمیز ہے، یعنی یہ وقوف تفصیل کے اعتبار سے منقسم ہوتے ہیں۔

---

[1] حواشی شرح مفصّل، لمحمد طیب مکّی۔ ص ۱۹۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملاعلی قاری اور شارح رومی نے یہی نسخہ اختیار کیا ہے۔ ابن المصنف رحؒ نے بھی اسی نسخہ کو اختیار کیا ہے، مگر وہ تَقَسَّمُ کو بصیغۂ ماضی یعنی بفتح صاد پڑھتے ہیں یعنی "دراں حالیکہ اس تقسیم سے ہر قسم واضح ہوگئی۔"

اور بعض نے پہلا مصرعہ اس طرح ضبط کیا ہے۔

(۳) وَالِابتِدَا وَهِيَ تُقَسَّمُ اِلَى - یعنی وَالِابتِدَا بحذف ہمزۂ وصل وکسر لام تعریف اور آخر سے تخفیفاً ہمزہ کا حذف۔ وَهِيْ بضرورت، یاء ساکنہ کے ساتھ تُقَسَّمُ تَقْسِيْم سے تشدید سین، مضارع مجہول۔

اور بعض نے پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے۔

(۴) وَالِابتِدَاءِ وَهِيَ تَنقَسِمُ اِلَى - یعنی وَالِابتِدَاءِ بحذف ہمزۂ وصل وکسر لام تعریف - وَهِيَ بسکونِ ھا تَنقَسِمُ اِنقِسَام سے مضارع معروف۔

ح : یاد ہوگا کہ شروع میں ناظم علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ تجوید کے فن میں ماہر ہونے کے لئے تین باتوں کا جاننا ضروری ہے تجوید، وقف، مصاحفِ عثمانیہ کا رسم۔

تجوید یعنی مخارج وصفات لازمہ وعارضہ کا بیان ختم ہوگیا آگے وقف کی بحث شروع فرماتے ہیں اس باب میں وقف کی بحث سے یہ مقصد ہے کہ وقف کہاں کرنا چاہئیے اور کہاں نہیں؟ وقف کی تعریف ہے کلمۂ غیر موصول کے آخر میں سانس توڑنا۔ تعریف سے معلوم ہوا کہ وقف کی بحث اسی صورت میں مکمل ہوسکتی ہے کہ کلماتِ موصولہ ومقطوعہ کے رسم سے واقف ہو، نیز وقف میں ضروری ہے کہ تاءِ مربوطہ پڑھا سے بدل کر وقف ہو اور قرآن مجید میں کہیں کہیں لمبی تا بھی لکھی ہوئی ہے، لہٰذا ضروری ہوا کہ تاءاتِ مطوّلہ کی تعیین کی جائے۔ چنانچہ ناظم رحمہ اللہ کے کلام میں وقف وابتدا کے اس باب کے بعد رسم سے متعلق، موصول ومقطوع۔ اور باب رسم التاءات دو باب آئیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ناظم علیہ الرحمہ رسم قرآن کے جملہ ابواب سے بحث نہیں کرنا چاہتے، بلکہ رسم کی صرف اسقدر بحث کریں گے جو وقف وابتدا میں مفید ہو، قاعدہ ہے کہ ضروری شئ کا مقدمہ بھی ضروری ہوتا ہے جب معرفتِ وقف وابتدا ضروری ہے تو رسم کے مذکورہ ابواب سے بحث بھی ضروری ہوگئی۔ رسم کے ابوابِ مذکورہ سے فارغ ہوکر ہمزۂ وصل کی حرکات سے بحث کی گئی ہے، اس باب کا مقصد یہ ہے کہ کلمات کی ابتداء کا طریقہ . . . . . معلوم ہوجائے جیسا کہ فرمایا ہے لَابُدَّ مِنْ مَعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ وَالِابْتِدَاءِ یعنی جس طرح محل وقف جاننا ضروری ہے اس طرح ابتدا کا علم بھی ہونا چاہئیے۔ ہمزۂ وصل کی حرکات کے بیان کے بعد آخری باب، باب الرَّوم والاشمام میں کیفیت وقف بیان کرتے ہوئے، وقف کا یہ باب جو یہاں سے شروع ہے مکمل کر لیتے ہیں۔ حاصل یہ کہ مقدمہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ تجوید اور وقف وابتدا۔ شروع مقدمہ سے یہاں تک تجوید کا حصہ پورا ہوگیا اب یہاں سے وقف کا بیان شروع ہے، اور رسم کی جو بحث آرہی ہے وہ باب وقف ہی کا ایک حصہ سمجھنا چاہئیے۔

معرفتِ وقف وابتدا ضروری ہے

قولہ لَابُدَّ مِنْ مَعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ وَالِابْتِدَاءِ ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہماری زندگی کا ایک وقت اس طرح بھی گذرا ہے، کہ قرآن پڑھنے سے پہلے اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا تھا، جب کوئی سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی، ہم اس کے حلال وحرام کو سیکھتے نیز اُن مواقع کو ہم اسی طرح سیکھا کرتے تھے جس طرح تم آج قرآن سیکھتے ہو۔ لیکن آج ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ایمان لانے سے پہلے ہی اُن پر قرآن پیش کیا جاتا ہے اور وہ فاتحہ سے ختم تک پڑھ جاتا ہے مگر نہ اُس کو قرآن کے اوامر کا علم ہوتا ہے نہ اُس کی تنبیہات کا نہ اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقف کہاں مناسب ہے حالانکہ قرآن کا ایک ایک حرف اس کو پکار پکار کر کہتا ہے "میں خدا کا تیرے لئے پیغام ہوں، تاکہ تو مجھ پر عمل کرے اور میری نصیحتوں سے عبرت آموز ہو۔"[1]

نحاس رح فرماتے ہیں کہ اِس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وقوف کی تعلیم مثل قرآن کے حاصل کرتے تھے۔ نیز روایت میں ہے کہ:۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سورۂ بقرہ یاد کرنے میں آٹھ سال لگائے، اور جب سورت ختم ہوئی، تو ایک اونٹ ذبح کیا (۱۰ اخرجہ مالک رح فی الموطا)

نیز ایک صحیح روایت میں ہے کہ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطیب کو سُنا وہ کہتا ہے۔ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا یہاں تک پہنچ کر خطیب ٹھہر گیا، آپؐ نے فرمایا بِئْسَ خَطِيْبُ الْقَوْمِ اَنْتَ! یہ کیوں نہیں کہتے ہو وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى۔

اس روایت میں واضح دلیل ہے کہ خطیب کے غلط جگہ وقف کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عتاب فرمایا۔ خطیب کے لئے مناسب یہ تھا کہ اگر وہ دونوں فقرے ایک سانس میں نہیں بول سکتا تھا تو فَقَدْ رَشَدَ پہلے فقرہ پر وقف کرتا پھر نئے سانس میں اگلا جملہ کہتا معلوم ہوا کہ جب گفتگو میں بھی وقف کی بے اعتدالی نہایت ناگوار اور بھونڈا طرز ہے تو کلام اللہ میں یہ بے اعتدالیاں کس درجہ مکروہ اور قبیح ہوں گی اور اُن سے بچنا کسقدر ضروری ہے۔[2] حالانکہ اس خطیب کا مقصد خیر ہی تھا شر نہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آیت وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کی تفسیر میں فرمایا:۔
اَلتَّرْتِيْلُ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ،[3] یعنی ترتیل کا مطلب حروف کی عمدہ ادا اور وقوف وابتدا کی معرفت ہے۔ علامہ جزری فرماتے ہیں کہ حضرت علی رض کے اس قول میں دلیل ہے کہ وقف کا سیکھنا واجب ہے۔[4]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وقوف کی تعلیم پر جو اہتمام تھا، یہ اُن کا اپنا فعل نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اُن کا یہ معمول تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا، لہذا اِن آثار کو احادیث مرفوعہ کے حکم میں سمجھنا چاہیے۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِّنْ دَهْرِنَا الخ کہ ہم (صحابہ) نے ایک وقت اپنی زندگی کا اس طرح بھی گذارا (الی آخرہ) دلالت کرتا ہے کہ وقف کا اہتمام جمیع صحابہ میں تھا، جس سے اجماع صحابہ ثابت ہوا۔[5]

---

۱ منار الہدی فی الوقف والابتدا ص۴ واتقان ص۸۳ بحوالہ سنن للبیہقی۔ ۲ منار الہدی ص۴ ۳ نشر، اتقان، منار الہدی وغیرہا
۴ جہد المقل ص۱۹ ۵ اتقان للسیوطی ص۸۳ ج۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن الانباریؒ نے فرمایا مِنْ تَمَامِ مَعْرِفَةِ الْقُرْاٰنِ معرفةُ الوقفِ والابتدا یعنی قرآن کی مکمل تعلیم میں معرفت وقف وابتدا بھی داخل ہے ؎ کیونکہ قرآن کے معانی کا سمجھنا فواصل اور رؤس الایات کے جاننے پر موقوف ہے۔

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، چونکہ قاری پوری سورت یا پورا واقعہ ایک سانس میں نہیں پڑھ سکتا، تو سانس لینے کے لئے اس کو موقع ومحل دیکھنا چاہیئے، ورنہ اندیشہ ہے کہ آیت کا مفہوم تبدیل ہو کر معنی کے سمجھنے میں خلل نہ پیدا ہو۔ اسی لئے ائمہ قراءت اور سلف نے وقف کو ایک مستقل فن کی شکل دی۔ چنانچہ نافع مدنی، یعقوب بن اسحاق حضرمی بصری، ابوحاتم سجستانی، علی بن حمزہ کسائی، اخفش، ابوعبیدہ، ابوعمرو دانی، ابوجعفر محمد بن طیفور سجاوندی۔ ابوجعفر یزید بن قعقاع (جو مشہور تابعی ہیں) وغیرھم علم الاوقاف کے ائمہ اور زمام تحقیق کے شہسوار رہے۔

انہیں بزرگوں میں سے بہت سے فضلاء نے وقوف قرآنیہ پر مستقل تصانیف کیں، چنانچہ ابوجعفر نحاس، ابن الانباری، زجاجی، دانی، عمانی، سجاوندی، ابن الجزری، احمد الاشمونی، شیخ زکریا انصاری وغیرھم مشہور مصنفین ہیں، علامہ جزری کی تصنیف الاھتدا الی معرفة الوقف والابتدا ہے اشمونی کی منار الھدی فی بیان الوقف والابتدا شیخ زکریا انصاری کی المقصد مشہور ہیں۔

علماء وقف نے لکھا ہے قاری کو چاہیئے کہ جس آیت میں نار یا عقاب کا ذکر ہو اور اس کے مابعد ذکر جنت ہو تو آیت نار کو مابعد سے قطع کر کے یعنی وقف کر کے پڑھے جیسے وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ یہاں وقف کرے، اور اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ سے ملا کر نہ پڑھے اور جیسے يُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ یہاں وقف کرنا چاہیئے، مابعد سے وصل نہ کرے، اسی طرح وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ کو مابعد لِلْفُقَرَآءِ سے وصل نہ کرے، اور مثلاً سورہ توبہ میں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ پر وقف کرنا چاہیئے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا سے نہ ملائے۔ حاصل یہ کہ ہر وہ مفہوم جو مابعد سے حکماً خارج ہو، اس کو وقف کے ذریعہ علیحدہ ہی رکھنا چاہیئے، ورنہ مفہوم میں خلط والتباس پیدا ہو کر مراد الٰہی کے خلاف ہو جانے کا ڈر ہے ؎۔

وقف جبرئیلؑ ووقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ سخاوی فرماتے ہیں مناسب ہے کہ قاری وقف جبرئیلؑ سے واقف ہو، سورہ آل عمران میں، جبرئیل علیہ السلام قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ پر وقف فرماتے اور آگے فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا سے شروع فرماتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل امین کی اتباع فرماتے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ بقرہ میں فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ پر وقف فرماتے تھے نیز سورہ مائدہ میں سُبْحٰنَكَ مايكون لى ان اقول ماليس بحق پر وقف فرمایا ہے۔

اور قل هذه سبيلى ادعوا الى الله پر وقف فرما کر على بصيرة انا ومن اتبعنى سے ابتدا فرماتے تھے۔ اسی طرح كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الامثال پر وقف فرما کر لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الحسنى سے ابتدا فرماتے تھے۔

؎ منار الہدی اتقان ونہایۃ القول المفید ؎ الدر المنثور للشعراوی ؎ منار الہدی ص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والانعام خلقها پر وقف اور لكم فيها دفء سے ابتداء۔ أفمن كان مومنا كمن كان فاسقا پر وقف فرماکر لا يستون کو علیحدہ پڑھتے تھے۔ اسی طرح ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ فَحَشَرَ پر وقف فرماکر فنادى فقال انا ربكم الاعلى کو علیحدہ پڑھتے تھے۔ ایسے ہی لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ پر وقف فرماکر تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ سے ابتدا فرماتے تھے۔

مندرجہ بالا وقف کے مواقع میں سے اکثر مواقع راس آیات نہیں۔ آیات کے درمیان میں وقف کے مذکورہ مواقع آیات کے مفہوم کو نہایت حسین بناتے ہیں۔

حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا

بعض اکابر جیسے علامہ بیہقی کی رائے میں فواصل یعنی رؤس آیات پر وقف کرنا سنت ہے۔ اس مسلک کی بناء اس روایت پر ہے جسکو ابوداؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ

كان إذا قرأ قطع قراءته آية آية يقول بسم الله الرحمن الرحيم ۝ ثم يقف الحمد لله رب العلمين ۝ ثم يقف الرحمن الرحيم ۝ ثم يقف[1]۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت میں ایک ایک آیت پر وقف کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور ٹھہر جاتے پھر فرماتے۔ الحمد للہ رب العالمین اور ٹھہر جاتے پھر فرماتے الرحمن الرحیم اور ٹھہر جاتے۔

مؤلف التبیان فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال پر جرح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ روایت غریب اور غیر متصل الاسناد ہے۔ اس کو یحییٰ بن سعید اموی وغیرہ نے عن ابن جريج عن ابن مليكة عن أم سلمة[2] روایت کیا ہے۔ اس اسناد کے مقابلہ میں زیادہ صحیح وہ ہے جس کو ليث عن ابن أبي مليكة عن يعلى بن مالك روایت کرتے ہیں کہ یعلیٰ بن مالک نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت اور نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

ما لكم وصلاته ؟ ثم نعتت قراءته مفسرة حرفا حرفا۔ (ترمذی)

آپ کی نماز کو تو خیر کیا پوچھتے ہو؟ پھر حضرت ام سلمہؓ نے آپ کی تلاوت سنائی جس میں ایک ایک حرف کو کھول کر پڑھتی تھیں۔

ہمارے خیال میں مذکورہ دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر راس الآیت پر وقف فرماتے اگرچہ وہاں معنی پورے نہ ہوئے ہوں۔ اور اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ رؤس آیات کی وضاحت و تعیین ہو جائے۔ اور کبھی رؤوس آیات پر وقف کا التزام نہیں فرماتے تھے، بلکہ مفہوم جہاں پورا ہوتا تھا وہاں وقف فرماتے تھے، تاکہ آپ کی تلاوت ایک ایک حرف کے ساتھ مفسر بن جائے۔

۱؎ منار الہدیٰ ص ۶۔ ۲؎ مناهل العرفان فی علوم القرآن ص ۳۳۸/ج ۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سے ایک اصول واضح ہوتا ہے کہ جہاں سامعین رؤوس آیات کی وضاحت کے محتاج ہوں، وہاں رؤوس آیات پر وقف بہتر ہے اگرچہ معنی پورے نہ ہوئے ہوں۔ اور جہاں سامعین کو رؤوس آیات کی معرفت ضروری نہ ہو وہاں وقف کا وہی مقام بہتر ہو گا جہاں معنی پورے ہوتے ہوں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث کے الفاظ مُفَسَّرَۃً حرفاً حرفاً کا مطلب یہ ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت ترتیل کے ساتھ ہوتی تھی یعنی تمام حروف اپنے مخارج سے ادا ہوتے تھے لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔[1]

(یہاں معرفتِ وقف وابتدا کی ضرورت پر بحث ختم ہوئی)

وقف کی تعریف

لغت میں اَلْکَفُّ عَنِ الْفِعْلِ وَالْقَوْلِ کسی کام کے کرنے یا کسی بات کے کہنے سے رُکنا اصطلاح میں:۔[2]

قَطْعُ الصَّوْتِ اٰخِرَ الْکَلِمَۃِ زَمَنًا مَّا	کلمہ کے آخر میں کچھ وقت کے لئے آواز کو قطع کرنا۔

یعنی کلمۂ غیر موصول کے آخر میں کچھ وقت کے لئے آواز کو منقطع کر لینا۔ اس تعریف میں آواز کے انقطاع کا ذکر ہونے سے، سانس کے انقطاع سے احتراز مقصود نہیں، گویا یہ تعریف قاری کے لحاظ سے نہیں کہ وہ سانس لے یا نہ لے، بلکہ سامع کے لحاظ سے ہے کہ اس کو کچھ وقت کے لئے آواز میں انقطاع محسوس ہو۔ اور زَمَنًا مَّا کہنے سے سکتہ سے احتراز ہو گیا، کیونکہ اس میں انقطاعِ صوت کا زمانہ نہیں بلکہ آن اور لمحہ ہوتا ہے، یعنی سکتہ میں وقف کے مقابلہ میں کم وقت ہوتا ہے۔

زیادہ واضح لفظوں میں وقف کی تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے۔

قطعُ الصوت علی الکلمۃ زمنا یتنفّس فیہ عادۃً بنیّۃِ استیناف القراءۃ لا بنیّۃ الاعراض۔[3]	کلمہ پر آواز کو اتنے وقت کے لئے قطع کرنا جس میں فطری طور پر آدمی سانس لیتا ہے، ساتھ ہی قطع قراءت کا ارادہ نہ ہو بلکہ آگے پڑھنے کی نیت ہو۔

آخری قید اس لئے لگائی گئی تاکہ قطع سے احتراز ہو جائے، گویا اس تعریف کے مطابق جہاں قراءت ختم کرنے کا ارادہ ہو وہاں ٹھہرنے کو وقف نہیں بلکہ قطع کہا جائے گا۔

بعض نے تعریف اس طرح بھی کی ہے:۔

قطع الصوت مع النّفَس واسکان المتحرک ان کان متحرکاً۔	آواز اور سانس کو منقطع کرنا اور موقوف علیہ کو۔ اگر وہ متحرک ہو۔ تو ساکن کرنا۔

اس تعریف پر اعتراض ہو سکتا ہے قطعِ نفَس کو قطعِ صوت لازم ہے، پھر قطعِ صوت کہنے کی کیا ضرورت؟ دوسرے یہ کہ یہ تعریف وقف بالرّوم کو شامل نہیں جس میں حرکت کو صوتِ خفی سے ادا کیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ موقوف علیہ کو ساکن کرنا وقف سے جزوِ حقیقت نہیں۔

---

[1] مناہل العرفان تالیف محمد عبد العظیم زرقانی [2] منار الہدیٰ ص ۶ [3] نشر ص ۲۴۰/۱ ونہایۃ القول المفید ص ۱۴۳ وجہد المقل ص ۱۸۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض نے تعریف اس طرح بھی کی ہے۔

قَطْعُ النَّفَسِ علی اٰخر الکلمۃ زمنًا یتنفس فیہ عادۃ بنیۃ استیناف القراءۃ۔ | آخر کلمہ پر استقدر وقت کے لئے سانس کو قطع کرنا کہ اس میں فطرۃً سانس لے سکے اور ساتھ ہی قراءت جاری رکھنے کی نیت بھی ہو۔

اس میں قطع النفس غالباً سہو ہے، کیونکہ آگے زمناً یتنفس فیہ موجود ہے۔ فوائد مکیہ کی تعریف:۔ اخیر کلمہ غیر موصول پر سانس کا توڑنا۔،، بڑی جامع معلوم ہوتی ہے، البتہ اس تعریف میں قطع، وقف کے حکم میں داخل ہے، اور ہونا بھی چاہیئے، کیونکہ وقف کے تمام احکام قطع قراءت کے محل میں بھی جاری ہوتے ہیں۔ وقف سکتہ اور قطع سے متعلق مزید بحث آگے آتی ہے۔

قولہ وَھِیَ تُقْسَمُ اِذَنْ ثَلَاثَۃٌ تَامٌّ وَّکَافٍ وَحَسَنٌ۔

باعتبارِ معنٰی وقف کے اقسام یعنی وقوف کی تین قسمیں ہیں تام، کافی، حسن۔ تینوں کی تشریح ناظم کے کلام میں آگے آتی ہے۔

سوال:۔ یہاں ناظم علیہ الرحمہ نے وقف کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔ آگے جاکر، وقف کی ایک چوتھی قسم وقف قبیح کا بھی اضافہ کرتے ہیں، تین قسمیں کہنا غلط ہوگیا، لہٰذا چار قسمیں کہنا چاہیئے تھا۔

جواب:۔ وقوف کی یہ تین قسمیں مطلقاً نہیں۔ چنانچہ آئندہ شعر میں ناظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ وَھِیَ لِمَا تَمَّ ضمیر ھِیَ کا مرجع یہی تین اقسام تام، کافی، حسن ہیں یعنی یہ تام، کافی حسن مَاتَمَّ مَعْنَاہُ کی قسمیں ہیں، گویا اُن اوقاف کی قسمیں ہیں جن میں معنی پورے ہوتے ہیں، پھر پانچویں شعر میں فرماتے ہیں وَغَیْرُ مَاتَمَّ قَبِیْحٌ یعنی جہاں معنی پورے نہیں ہوتے وہ وقف قبیح ہوتا ہے یعنی وہ چوتھی قسم ان قسموں سے ہی الگ ہے، کیونکہ پہلے مَاتَمَّ معناہ کی تین قسمیں بتلائی گئی ہیں پھر اس کے مقابلہ میں غیرِ مَاتَمَّ معناہٗ کی قسم وقف قبیح بیان کی گئی۔ گویا ناظم کے کلام کو اس طرح بیان کرنا چاہیئے کہ معنی کے اعتبار سے وقوف کی اولاً دو قسمیں ہیں مَاتَمَّ مَعْنَاہُ، غیرُ مَاتَمَّ مَعْنَاہُ اوّل کی تین قسمیں ہیں تام، کافی، حسن، اور غیرِ مَاتَمَّ مَعْنَاہُ کی ایک قسم ہے قبیح۔ وقف قبیح کو علیحدہ اور آخر میں بیان کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ وقف کی ایک اضطراری قسم کا نام ہے، نہ یہ کہ اُس کو اختیار کرے اور اپنی تلاوت کا معمول بنائے، معمول ہونے کے قابل تام کافی اور حسن ہی ہیں۔

ناظم رحمہ اللہ کی اس تقسیم کے علاوہ دوسرے مصنفین نے کچھ اور طرز بھی اختیار کئے ہیں، چنانچہ علامہ سخاوی اور شیخ ابن الانباری فرماتے ہیں۔

وقف کی کل تین قسمیں ہیں تام، حسن، قبیح۔ تام وہ ہے جس پر وقف کرنا اور اس کے مابعد سے ابتدا بہتر ہو یعنی وقف کے محل کا مابعد سے متعلق نہ ہو جیسے وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ یا اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ پر وقف تام ہے۔ حسن وہ ہے کہ وہاں وقف تو ٹھیک ہو لیکن مابعد سے ابتدا کرنا ٹھیک نہ ہو جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۝ یہاں مابعد یعنی ربّ العالمین سے ابتدا ٹھیک نہیں رب العٰلمین، لِلّٰہِ کی صفت ہے اور وقف قبیح یہ ہے کہ نہ تام ہو نہ حسن ہو جیسے بسم اللہ میں سے بِسْمِ پر وقف کرنا[1]۔ بعض نے تقسیم اس طرح کی ہے کہ وقف کی چار قسمیں ہیں تامّ مختار، کافی جائز، حسن مفہوم، قبیح متروک[2]۔ علامہ سجاوندی

---

[1] خلاصۃ البیان ص ۲۵ [2] الاتقان للسیوطی ومنار الہدیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا کہ پانچ قسمیں ہیں لازم مطلق[۲] جائز[۳] مجوّز نہ لوجہ[۴] اور مرخّص[۵] لضرورۃ ۔ چنانچہ اکثر مصاحف میں سجاوندی کی اصطلاحات ہی کے رموز درج ہوتے ہیں یعنی م وقف لازم کے لیے ط وقف مطلق کے لئے ج جائز ز مجوّز لوجہ اور ص مرخّص لضرورۃ کے لئے ۔ اور لا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہاں وقف کیا جائے تو مابعد سے ابتدانہ کی جائے بلکہ اعادہ کیا جائے ۔ بعض نے آٹھ[۸] قسمیں قرار دی ہیں تام[۱] و شبیہہ[۲] حسن[۳] و شبیہہ[۴] ناقص و شبیہہ، قبیح و شبیہہ[۸] ،

یہ اور اسی قسم کے تمام مراتب جو ذکر کئے گئے ہیں تقریباً غیر منضبط اور غیر منحصر ہیں ۔ کیونکہ مفسرین اور قراءات کا اختلاف ہے، ایک فعل ایک تفسیر پر تام ہوتا ہے دوسری پر غیر تام ایک قرات پر تام ہوتا ہے دوسری پر غیر تام ۔ لیکن مشترک طور پر ان تقسیموں سے اسقدر ضرور معلوم ہوا کہ وقف معانی کے تابع ہوتا ہے یعنی الفاظ کو معانی کے تابع رکھنا چاہیئے اگرچہ بعض علماء نے رؤوس آیات پر مطلقاً وقف کو زیادہ پسندیدہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہر راس آیت موضع وقف ہے ۔ لیکن یہ کلام غیر محققانہ ہے کیونکہ قرآن میں سجع بندی اور قافیہ پیمائی نہیں ۔ سجع بندی میں معانی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں، لیکن اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کاہنوں کی طرح سے سجع بندی نہیں کرنی چاہیئے ۔ لہذا زیادہ بہتر یہی ہے کہ اوقاف کو معانی کے تابع رکھا جائے ، اگر آیات کے لحاظ میں معنی کی تکمیل ہو رہی ہو تو وقف کرنا بہتر ہوگا ۔ مثلاً میراث کے متعدد احکام جن کا تعدّد باجماع اُمت ہے یُوصیکم اللہ دو آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں اور دو آیتوں میں تیرہ[۱۳] وقف ہیں ۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آیت پوری ہو جاتی ہے حالانکہ اس کا مفہوم دوسری آیت سے مربوط ہوتا ہے ایک آیت میں مستثنیٰ منہ دوسری میں مستثنیٰ کا ذکر ہوتا ہے ایک میں ذوالحال دوسری میں حال ایک میں مبدل منہ دوسری میں بدل وغیر ذلک[۱] ۔ اسی لئے علماء نے رؤس آیات کو بجائے سجع کے فواصل کہا ہے ۔ قرآن کو سجع یا شعر کہنا اس لئے بھی غلط ہے کہ قرآن خود ان دونوں وصفوں کی نفی کرتا ہے ، روایت میں ہے کہ ایک شخص آیا اور سجع بندی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی ، آپ نے فرمایا اَسجع کسجع الکہّان یعنی آپ نے اس طرز گفتگو کو مذموم قرار دیا[۲] ۔ حاصل یہ کہ اس نظریہ سے آیات پر وقف کرکے پڑھنا کہ آیات و فواصل کا وزن حسین معلوم ہو علماء نے غیر مستحسن قرار دیا ہے ۔

---

www.kitabosunnat.com

شـ۵۷: وَھِیَ لِمَا تَمَّ فَاِنْ لَّمْ یُوْجَدْ   تَعَلُّقٌ اَوْ کَانَ مَعْنًی فَابْتَدِیْ

شـ۵۸: فَالتَّامُ فَالْکَافِیْ وَلَفْظًا فَامْنَعَنْ   اِلَّا رُؤُسَ الْاٰیِ جَوِّزْ فَالْحَسَنْ

ت: اور یہ تینوں قسمیں (تام کافی حسن) ایسے معنی کی ہیں جو پورے ہو گئے ہوں ۔ پس اگر دو وقف کے ماقبل کا مابعد سے لفظی معنوی کوئی بھی تعلق نہ پایا جائے ، یا (صرف) معنی کے اعتبار سے تعلق ہو تو (ان دونوں صورتوں میں) مابعد سے ابتدا کرو ۔ پس یہ تام

---

[۱] منار الہدیٰ [۲] ماخوذ از منار الہدیٰ [۳] تفصیل کے لئے دیکھو اعجاز القرآن للباقلانی صـ۸۸ جـ۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور کافی ہیں۔ اور اگر تعلق لفظاً ہو تو (ابتدا کو) ممنوع قرار دو۔ لیکن آیات کے اواخر میں (ابتدا) کو جائز سمجھو، اور یہ وقف حسن ہے۔

ترکیب وَهِيَ مبتدا لِمَا لام حرف جر مَا موصولہ تَمَّ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول وصلہ، مجرور اور کائِنَةٌ کے متعلق ہو کر خبر۔ فَإِنْ فاء تفصیلیہ إِنْ حرف شرط لَمْ يُوجَدْ فعل مجہول تَعَلُّقٌ نائب فاعل۔ فعل مجہول اور نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ أَوْ حرف عطف كَانَ فعل ناقص ضمیر هُوَ مقدر راجع الی تَعَلُّقٌ کان کا اسم مَعنًى کان کی خبر۔ کان اسم وخبر سے مل کر جملہ ہو کر معطوف، معطوف و معطوف علیہ مل کر، شرط فَابْتَدِئْ صیغہ امر فعل با فاعل ہو کر جزا، شرط وجزا جملہ شرطیہ فَهُمَا مبتدا محذوف، اَلتَّامُّ معطوف علیہ فا حرف عطف الکافی معطوف، دونوں مل کر فَهُمَا کی خبر۔

قولہ: وَلَفْظًا یعنی وَإِنْ كَانَ التَّعَلُّقُ لفظاً واؤ عاطفہ إِنْ حرف شرط كَانَ فعل ناقص اَلتَّعَلُّقُ اسم، لفظاً خبر کان اسم وخبر سے مل کر شرط فَامْنَعَنْ فا جزائیہ اِمْنَعَنْ امر حاضر بانون تاکید خفیفہ، فعل با فاعل اَلْابْتِدَاءَ (محذوف) اِمْنَعَنْ کا مفعول بہ۔ اِمْنَعَنْ اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر مستثنیٰ منہ اِلَّا حرف استثناء رُؤُسِ مضاف اَلْآيِ مضاف الیہ، مضاف و مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ مقدم یعنی فی رُؤُسِ الْآيِ۔ جَوِّزْ فعل امر با فاعل اَلْابْتِدَاءَ مفعول بہ محذوف۔ جَوِّزْ اپنے فاعل مفعول فیہ اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ۔ مستثنیٰ منہ و مستثنیٰ مل کر وَلَفْظًا جملہ شرطیہ کی جزا۔ فَالْحَسَنُ ای فَهُوَ الْحَسَنُ۔ مبتدا وخبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔

حل الفاظ وَهِيَ یکون ھا۔ لَمْ يُوجَدْ اشباع کے ساتھ دال مکسورہ۔ لَمْ جازمہ کی وجہ سے دال ساکن تھی، صلہ کی یا بڑھانے کے لئے کسرہ دی گئی، کیونکہ الساکن اذا حُرِّكَ، حُرِّكَ بالکسر۔ فَابْتَدِئِ اِبْتِدَاءٌ سے صیغہ امر واحد مذکر حاضر، اصل میں اِبْتَدِئْ تھا، وقف میں جائز ہے کہ ہمزۂ ساکنہ متطرفہ کو ماقبل کی حرکت کے موافق حرف مد سے بدل لیا جائے، چنانچہ قرآن میں امام حمزہ وہشام کے ہاں اس قاعدہ پر عمل ہوتا ہے۔ فَالتَّامُّ میم مشدد تھی، بضرورت مخفف کی گئی۔ اَلْآيِ جمع آیت، جس کے معنی علامت، حکم، معجزہ تینوں آئے ہیں، مگر یہاں وہ علامات مراد ہیں، جو الفاظ و کلمات کے ختم پر قرآنی الفاظ کی طرح منزل من السماء ہیں، اسی کو راس الآیت یا فاصلہ کہا جاتا ہے۔ فالتام فالکافی پہلی فا تفصیل یا تفریع کے لئے ہے اور دوسری ترتیب وتنویع کے لئے ہے یعنی اَمَّا الوقفُ علی الاولِ فالتام، وَاَمَّا الوقفُ علی الثانی فالکافی۔ گویا لف ونشر مرتب ہے۔

ح:۔ ان دو شعروں میں وقف کی اقسام تام، کافی اور حسن کی تشریح کی گئی ہے۔ اور بتلایا گیا ہے کہ پہلی دو قسموں یعنی تام اور کافی میں اعادہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ مابعد سے ابتدا کریں گے اور وقف حسن میں تفصیل ہے، اگر وقف درمیان آیت ہو تو اعادہ کرنا چاہیے اور اگر راس الآیت پر وقف ہو تو مابعد سے ابتدا کرنا جائز ہے۔

وقف وابتدا کی دو حالتیں وقف وابتدا کے دو حال ہیں (۱) معرفۃ مایوقف علیہ ومایبتدأ بہ یعنی اس بات کو سمجھنا کہ کہاں وقف کرنا چاہیے اور کہاں سے ابتدا کرنی چاہیے؟ كيفَ يُوقَفُ وكيفَ يُبتدأُ یعنی وقف وابتدا کس طرح کئے جائیں؟ گویا پہلی بحث کا تعلق محل وقف وابتدا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ہے اور دوسرے کا تعلق کیفیتِ وقف وابتداسے ہے ۔
ناظم رحمہ اللہ اس باب میں پہلی حالت یعنی محل وقف وابتداء سے بحث کرتے ہیں ۔ اور آخر مقدمہ میں آنے والے دو بابوں میں دوسری حالت یعنی کیفیتِ وقف وابتدا سے بحث کریں گے ۔ یعنی باب همزة الوصل میں کیفیتِ ابتدا سے اور باب الاسکان والروم والاشمام میں کیفیتِ وقف سے بحث مقصود ہے ۔

قولہ وَهِيَ لِمَا تَمَّ یعنی مذکورہ تین قسمیں (تام کافی اور حسن) ایسے موقع پر وقف کرتے کے وقت بولی جاتی ہیں، جہاں کلام پورا ہو جائے ۔ اور ایسے ہی

وقف اختیاری واضطراری

موقع پہ وقف کو وقف اختیار کہتے ہیں اور اگر کلام پورا نہ ہوا ہو تو وقف اضطراری کہلاتا ہے، اسی کو ناظم علیہ الرحمہ آگے پانچویں شعر میں غیر ما تم سے تعبیر کر رہے ہیں
گویا اولاً وقف کی دو قسمیں ہیں اختیاری اضطراری، اختیاری کی تین قسمیں ہیں تام، کافی حسن اور وقف اضطراری کی ایک ہی قسم یعنی قبیح ہے جس کا بیان آئندہ انشاء اللہ ہوگا ۔

تام، کافی اور حسن کی تشریح مزید

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تینوں قسمیں اتنی بات میں تو مشترک ہیں کہ ان میں کلام پورا ہو جاتا ہے ۔ لیکن کلام کے پورا ہونے کے بھی تین درجات ہیں ۔ کبھی کلام اس طرح پورا ہوتا ہے کہ مابعد سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوتا، نہ لفظی نہ معنوی ۔ اسی قسم کے وقف کے لئے ائمہ نے وقفِ تام کی اصطلاح مقرر کی ہے، کیونکہ کلام مطلقاً (لفظاً ومعناً) پورا ہو جاتا ہے ۔ تام تمام سے ہے جس کے معنی پورا ہونے کے ہیں ۔ اس وقف کا حکم یہ ہے کہ اس کے مابعد سے ابتدا کی جائے ۔ اسی کو ناظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ۔

فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ تَعَلُّقٌ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فَابْتَدِئْ (فَائِدَهُ) التَّامُّ

اور اگر مابعد سے تعلق ہو، تو اس تعلق کی دو صورتیں ہیں یا صرف باعتبار معنی کے ہوگا، تو اصطلاح میں اس کو وقف کافی کہا جاتا ہے، گویا وقف میں اسی محل پر اکتفا کرتے ہوئے مابعد سے استغنا ہو گیا، وقف کے جائز ہونے اور مابعد سے ابتدا کرنے میں یہ وقفِ تام ہی کے حکم میں ہے، اسی کو ناظم کے الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے ۔

فَإِنْ كَانَ التَّعَلُّقُ مَعْنًى فَابْتَدِئْ ۔ فَانه الكافي

یا پھر مابعد سے تعلق لفظی ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ تعلق ہوگا تو معنوی بھی ضرور ہوگا کیونکہ تعلق لفظی، معنوی کو مستلزم ہے اور تعلق معنوی تعلق لفظی کو مستلزم نہیں ہے ۔
غرض اس قسم کو اصطلاح میں وقفِ حسن کہتے ہیں ۔ کیونکہ فی نفسہ یہ وقف بھی مُفید للکلام حَسَن ہوتا ہے، اور کسی درجہ میں مراد مفہوم ہوتی ہے وقفِ حسن میں کلام کسی نہ کسی درجہ میں پورا ہو جاتا ہے، پورا ہونا یہ ہے کہ اس پر سکوت صحیح ہو مثلاً جملہ کے دونوں رکن مسند ومسند الیہ پڑھے گئے ہوں اسی لئے علامہ دانی نے مضاف پر بغیر مضاف الیہ کے وقف

لے نشر ص ۲۲۵/۱ ؎ منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو قبیح کہا ہے اور علامہ جزری نے موصول پر بغیر صلہ کے وقف کو قبیح شمار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ وقف قبیح وہ ہے کہ اس سے مراد مفہوم نہ ہو مثلاً علامہ ابن حاجب نے فرمایا کہ فعل متعدی وہ ہے کہ اس کا فہم اس کے متعلق پر موقوف ہو مثلاً ضَرَبَ کا سمجھنا بغیر مضروب کے ممکن نہیں بخلاف زمان ومکان، غایت اور ذوالحال وحال کے، کہ ان پر ضَرَبَ کا تعلق موقوف نہیں مثلاً ضَرَبَ زیدٌ عمروًا یومَ الجمعۃ تادیبًا میں۔ ضرب زیدٌ پر وقف قبیح اور ضرب زیدٌ عمروًا پر حسن اور آخر جملہ پر تام[1] ہے۔

اس وقف میں چونکہ مابعد سے لفظی تعلق ہوتا ہے اس لئے مابعد سے ابتدا نہیں کی جاتی بلکہ ماقبل سے اعادہ کرنا ضروری ہے۔ مگر یہ اعادہ صرف اس صورت میں ضروری ہے جبکہ یہ وقف درمیانِ آیت میں کیا گیا ہو، لیکن اگر راس الایت پر کیا گیا ہو تو اکثر اہلِ ادا کے پسندیدہ[2] طرز واختیار میں مابعد سے ابتدا کرنا صحیح وجائز ہے۔ ناظمؒ کے الفاظ میں اس کی تعبیر اس طرح ہوگی۔

فان کان التعلق لفظاً فامتنع عن الابتداءِ الا جوّز الابتداء علی رُءُوسِ الآیِ فان هذا القسم هو الحسنُ۔

آیت پر وقف کیا جائے تو ابتدا بہتر ہے۔

راس الآیت پر وقف کیا جائے تو مابعد سے ابتدا کرنی چاہیئے جیسا کہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں وارد ہے کہ آپ جب پڑھتے تھے تو ایک ایک آیت پر قطع فرماتے تھے، فرماتے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور وقف فرماتے پھر پڑھتے الحمد للہ رب العلمین اور وقف فرماتے، پھر پڑھتے الرحمن الرحیم ٥ ملٰك یوم الدین (رواہ ابوداؤد وترمذی واحمد وابوعبیدہ وغیرھم۔ وھو حدیث حسنٌ وسندہٗ صحیحٌ)

اسی لئے بعض نے رؤس آیات پر وقف کرنا سنت کہا ہے۔ ابوعمرو دانیؒ فرماتے ہیں، مجھے یہی پسند ہے، امام بیہقی نے بھی شُعَبُ الایمان میں اسی کو مختار فرمایا ہے، اور بھی کچھ علما ہیں کہ وقف علی رؤس الایات کو افضل فرماتے ہیں اگرچہ مابعد سے لفظی تعلق ہو[3]۔

وقفِ تام کی مثالیں

یہ وقف اکثر رؤس آیات اور قصص وواقعات کے ختم پر ہوتا ہے جیسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر وقف اور الحمد للہ رب العلمین سے ابتدا۔ اور جیسے مالك یوم الدین پر وقف، اور اِیَّاكَ نعبد وایاك نستعین سے ابتدا۔ اور جیسے واولٰٓئِكَ ھُمُ المفلحون پر وقف، یا ان اللّٰہ علی کل شیءٍ قدیر پر، اسی طرح سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع کے ختم وَھُوَ بِکل شیءٍ علیم پر۔

اور کبھی آیت کے درمیان میں بھی یہ وقف ہوتا ہے جیسے وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَھْلِھَآ اَذِلَّةً ط پر وقف تام ہے، کیونکہ یہاں بلقیس کا کلام ختم ہوجاتا ہے، آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وکذلك یفعلون اسی طرح لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ، یہاں ظالم یعنی اُبی بن خلف کے قول کی حکایت ختم ہوگئی، آگے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے، وکان الشیطٰن لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلاً۔

---

[1] جہد المقل صـ۱۹۲ [2] نشر صـ۲۲۶ [3] نشر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور کبھی آیت ختم ہونے کے بعد اگلی آیت کے پہلے کلمہ پر ہی یہ وقف ہوتا ہے جیسے لَمْ نَجْعَل لَّهُم مِّن دُونِهَا سِتْرًا
یہاں آیت ختم ہوتی ہے مگر کلام اس کے مابعد کذلک پر پورا ہوتا ہے اسی طرح وسررًا علیہا یتکئون ۝ وزخرفا ط

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی جگہ آیت کی تفسیر میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایک تفسیر پر وقف تام ہوتا ہے، دوسری پر غیر تام۔
جیسے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ ایک جماعت کے نزدیک یہاں وقف تام ہے، اور مابعد والراسخون فی العلم
یقولون آمنا بہ جملہ مستانفہ ہے، چنانچہ ابن عباس، عائشہ صدیقہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے، اور امام ابوحنیفہ، اکثر
محدثین کا یہی مذہب ہے اور نافع، کسائی، یعقوب، فراء، اخفش ابوحاتم اور دیگر ائمہ عربی کی یہی رائے ہے۔

اور دوسرے گروہِ مفسرین کے نزدیک یہاں وقف غیر تام ہے ان حضرات کے نزدیک وقف تام والراسخون فی العلم ہ
پر ہے یعنی وَالراسخون فی العلم، لفظ الا اللہ پر معطوف ہے۔ علامہ ابن الحاجب وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

حروف مقطعات پر مثلاً الٓمٓ وغیرہ پر ان حضرات کے نزدیک وقف تام ہے جو ھذا الٓم یا الٓم ھذا مبتدا یا خبر محذوف
مان کر جملہ مستقلہ قرار دیتے ہیں لیکن ان حضرات کے نزدیک مقطعات پر وقف غیر تام ہوگا، جن کے خیال میں مقطعات مبتدا
اور باقی سورت الی آخرھا اُن کی خبر ہے۔

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک قراءت پر وقف تام ہے دوسری پر غیر تام، مثلاً الی صراط العزیز الحمید ہ پر اُس
قراءت پر وقف تام ہے جس میں اللہُ الذی اسم الجلالہ مرفوع ہے، اور جس قراءت میں مجرور ہے اس میں وقف غیر تام ہوگا۔
وقف تام کے مراتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ مالک یوم الدین، اور ایاک نعبدُ و ایاک نستعین،

فائدہ دونوں وقف تام ہیں مگر اول، ثانی سے زیادہ اتم اور مکمل ہے، کیونکہ ثانی اپنے مابعد سے خطاب کے معنی میں مشترک
ہے، بخلاف[1] اول کے۔

وقف کافی کی مثالیں وقف کافی آیات پر اور درمیان آیات میں بکثرت ہوتا ہے جیسے وممّا رزقنٰھم ینفقون
اور وما اُنزل من قبلک پر، اور ھدًی من ربھم پر اسی طرح یخادعون اللہ والذین
آمنوا۔ اور الا انفسہم اور انما نحن مصلحون۔

یہ تمام وقف کافی ہیں، کیونکہ سب فی نفسہ کلام مفہوم ہے، اور اس کے بعد جو کلام آرہا ہے وہ اپنے ماقبل سے لفظاً مستغنی
ہے، اگرچہ معنیً مربوط ہے۔

وقف تام کی طرح وقف کافی کے بھی کفایت میں مختلف مراتب ہیں مثلاً فی قلوبھم مرض پر وقف کافی ہے اور فزادھم
اللہ مرضا پر اس کے مقابلہ میں اکفیٰ ہے اور بما کانوا یکذبون پر دونوں کے مقابلہ میں زیادہ اکفیٰ ہے۔ مراتب
کا یہ تفاضل اکثر رؤس آیات پر ہوتا ہے جیسے الا انھم ھم السفھاء پر وقف کافی ہے اور ولکن لا یعلمون پر اکفی
ہے، اسی طرح ربنا تقبل منا پر کافی ہے انک انت السمیع العلیم پر اکفیٰ ہے۔

---

[1] نشر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تفسیر پر وقف کافی ہوتا ہے اور دوسری پر غیر کافی مثلاً، یُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ پر وقف کافی ہے، اُس تفسیر پر کہ اس کے بعد آنے والے وَمَا اُنْزِلَ میں مَا کو نافیہ قرار دیا جائے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق اگر یہ مَا موصولہ ہے تو وقف کافی نہیں بلکہ وقف حسن ہوگا، لہذا آگے سے ابتدا کرنا صحیح نہ ہوگا۔

اسی طرح وبالاخرۃ ھم یوقنون پر وقف کافی ہے، اُس تفسیر پر کہ اس کے مابعد اولئك علی ھُدًی من ربھم کو مبتدا و خبر سے مرکب جملہ مستانفہ قرار دیا جائے۔ لیکن اگر اولئك علی کو والذین یومنون بما انزل الیك کی خبر قرار دیا جائے تو ھُمْ یوقنون پر وقف حسن ہوگا۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وقف ایک قراءت پر وقف کافی ہوتا ہے اور دوسری پر غیر کافی، جیسے وَنَحْنُ لہ مخلصون پر اُس قراءت میں کہ جس میں ام تقولون کو خطاب کے ساتھ پڑھا گیا ہے وقف کافی ہے، لیکن غائب پڑھنے والوں کی قراءت پر وقف تام ہے۔

اسی طرح یُحَاسِبْکُم بہ اللہ پر اُن حضرات کی قراءت میں جو فیغفر اور یُعَذِّبُ کو مرفوع پڑھتے ہیں وقف کافی ہے، لیکن جزم پڑھنے والوں کی قراءت پر حسن ہے۔ اسی طرح یستبشرون بنعمۃ من اللہ و فضل پر اُس قراءت پر وقف کافی ہے، جس میں وان اللہ کو بکسر ھمزہ پڑھا گیا ہے۔ لیکن فتح ہمزہ پڑھنے والوں کے لئے وقف حسن ہوگا۔ آیات کے مفہوم اور عربی ترکیب میں واقفیت رکھنے والے حضرات ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

وقف حسن کی مثالیں

مثلاً وقف کیا جائے بسم اللہ[1] پر الحمد للہ پر رب العلمین پر الرحمن پر الرحیم پر الصراط المستقیم پر انعمت علیھم پر۔ یہ تمام اور ان کے مشابہ مواقع پر وقف حسن ہے، کیونکہ ان مواقع میں مراد مفہوم ہو جاتی ہے لیکن الرحمن الرحیم اور ربِّ العلمین اور مالك یوم الدین اور صراط الذین اور غیر المغضوب علیھم سے ابتدا کرنا اچھا نہیں، کیونکہ ماقبل سے لفظی تعلق ہے اور یہ تمام مواقع ماقبل کے توابع ہیں۔

البتہ ان میں سے جہاں راس الآیت ہو ابتدا کرنا صحیح ہوگا، جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ راس الایت سے ابتدا کرنا نہ صرف جائز بلکہ سنت ہے۔

اور کبھی ایک تقدیر پر وقف حسن ہوتا ہے، دوسری پر کافی اور تیسری پر تام، مثلاً ھُدًی للمتقین پر وقف حسن ہوگا، جبکہ اس کے مابعد یعنی الذین یُؤمنون بالغیب کو للمتقین کی صفت قرار دیا جائے۔ اور اگر تقدیر عبارت اس طرح ہو ھُمُ الذین یُؤمنون بالغیب اس صورت میں ھُمْ مبتدا اور الذین یومنون بالغیب خبر ہو جائے گی یا بتقدا اعنی۔ اَلَّذِیْنَ یومنون حالت نصبی میں ہو۔ ان دونوں صورتوں میں للمتقین پر وقف کافی ہوگا، اور اگر الذین یومنون بالغیب مبتدا اور اس کی خبر

---

[1] ابن الناظم اور شارح مصری نے بسم اللہ پر وقف کو قبیح کہا ہے، لیکن غلط ہے، خود ناظم علیہ الرحمہ نے اس کو وقف حسن قرار دیا ہے زرشی ملا علی قاری رح فرماتے ہیں کہ احادیث میں وارد ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے ابتداء طعام میں لفظ بسم اللہ پر اکتفا فرمایا ہے منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أولئك على هدى من ربهم ہو تو اس صورت میں للمتقين پر وقف تام ہوگا۔

ش: وَغَيْرُ مَا تَمَّ قَبِيحٌ وَلَهُ ۔ يُوقَفُ مُضْطَرًّا وَيُبْدَا قَبْلَهُ

ت: اور جو کلام پورا نہ ہوا ہو اس پر وقف قبیح ہے، اور اس پر وقف اضطرار کی حالت میں کیا جاتا ہے اور اس کے ماقبل سے ابتدا کی جاتی ہے۔

ترکیب وَغَيْرُ واؤ عاطفہ غیرُ مضاف مَا موصولہ تَمَّ فعل ماضی، ضمیر فاعل موصول کی طرف راجع ہے۔ فعل و فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول و صلہ مل کر مضاف الیہ، مضاف و مضاف الیہ مل کر مبتدا قَبِيحٌ خبر۔ واؤ استینافیہ لَهُ لام جار، ضمیر مجرور، جو قَبِيحٌ کی طرف راجع ہے، جار مجرور مل کر متعلق يُوقَفُ۔ يُوقَفُ مضارع مجہول ضمیر هُوَ مقدر نائب فاعل مُضْطَرًّا حال، ضمیر هُوَ نائب فاعل سے جو وقف کی طرف راجع ہے۔ یا مُضْطَرًّا بمعنی اِضْطِرَارًا يُوقَفُ کا مفعول لہ ہے[1] یعنی لِلْاِضْطِرَارِ يُوقَفُ نائب فاعل حال یا مفعول لہ اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ يُبْدَا فعل مضارع مجہول ضمیر هُوَ مقدر نائب فاعل جو الابتداء کی طرف راجع ہے اور یہ مرجع خود لفظ يوقف سے تقدیرًا مفہوم ہوتا ہے جیسے يوقفُ کے نائب فاعل کی ضمیر وقف کی طرف راجع ہے جو خود لفظ يوقف سے مفہوم ہوتا ہے۔ البتہ معنی تجرید پر مبنی ہوں گے یعنی يُوقَفُ الوقف کے معنی کیا جائے وقف اور يُبْدَأُ الابتداءُ، کی جائے ابتداء۔ قَبْلَهُ، يُبْدَا کا مفعول فیہ۔

الفاظ شیخ زکریا انصاری و رومی کے اختیار کردہ نسخوں میں بجائے يُوقَفُ، اَلْوَقْفُ ہے گویا وَلَهُ کی ضمیر قاری کی طرف راجع ہے اور مُضْطَرًّا اس ضمیر سے حال ہے۔ یعنی قاری کو اضطرار کی حالت میں یہ وقف جائز ہے۔

وَيُبْدَا صیغہ مجہول ہے اصل میں وَيُبْدَأُ تھا، ہمزہ کو ضرورةً ساکن کیا گیا اور پھر الف سے بدل لیا گیا ہمزہ کا اسکان خواہ کہا جائے کہ ضرورةً ہے[1] یا وصل بہ نیت وقف کے قاعدہ سے ہے[2]۔

رومی نے وَيَبْدَا صیغہ معروف اختیار ہے، مگر یہ اُن کے نسخہ کے لئے لائق تر ہے یعنی وَلَهُ اور يَبْدَا دونوں میں ضمیر فاعل قاری کی طرف راجع ہے۔

ح: یعنی ایسے کلام پر وقف کرنا کہ اس کی مراد مفہوم نہ ہوتی ہو، کیونکہ موقوف علیہ کے ماقبل کا مابعد سے ایسا شدید تعلق ہو کہ مابعد کو ملائے بغیر ماقبل کا کوئی مفہوم ہی نہ پیدا ہوتا ہو۔ مثلاً مضاف پر وقف کیا جائے اور مضاف الیہ کو نہ پڑھا جائے، مزید تفصیل آئندہ مثالوں سے واضح ہوگی۔ اصطلاح میں اسکو وقف قبیح کہا جاتا ہے۔

[1] منح الفکریہ [2] قاری [3] شارح یمنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناظم علیہ الرحمہ کے ظاہر کلام کو کہ جس کلام کے معنی پورے نہ ہوں وہ وقف قبیح ہے۔ ''اس قید کے ساتھ ضرور مقید کرنا چاہیئے کہ بات پُوری نہ ہو یا مرادِ خداوندی کے خلاف مفہوم پیدا ہو جائے گو یا وقف قبیح دو صورتوں میں ہوتا ہے۔

(۱) کلام کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے

(۲) سمجھ میں تو آجائے مگر مرادِ الٰہی کے خلاف مطلب پیدا ہو جائے۔

اسی لئے ناظم علیہ الرحمہ وقف قبیح کی دو وجوہ بتلاتے ہیں۔

وان لم یتم الکلام کان الوقف علیہ اضطراریا وھو المصطلح علیہ بالقبیح لا یجوز تعمد الوقف علیہ الا لضرورۃ نفس ونحوہ لعدم الفائدۃ او لفساد المعنی

اگر بات پوری نہ ہوئی ہو تو اس جگہ وقف اضطرار کی حالت میں ہی ہونا چاہیئے جس کو اصطلاح میں وقف قبیح کہتے ہیں۔ ایسی جگہ عمداً وقف کرنا جائز نہیں البتہ سانس کی تنگی وغیرہ میں بحالت مجبوری جائز ہے، کیونکہ اس طرح یا کلام مفید نہ رہے گا یا معنی بگڑ جائیں گے۔

آگے ہم آسانی کے لئے پہلی قسم کو وقف قبیح اور دوسری کو وقف اُقبح کہیں گے لیکن اس قسم کو ناظم کے کلام سے خارج نہ سمجھا جائے کیونکہ مرادِ ناظم دونوں کو عام ہے غَیْرُ مَا تَمَّ یہ بھی ہے کلام بالکل غیر مفہوم ہی ہو جائے مثلاً بِسْمِ پر وقف کیا، یا وقف کرنے کی وجہ سے مرادِ متکلم کے خلاف مفہوم پیدا ہو جائے مثلاً اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِیٓ پر (عیاذاً باللہ) وقف کیا، اس وقف کے معنی چونکہ مرادِ الٰہی کے بالکل منافی نکلتے ہیں تو مرادِ الٰہی کے مقابلہ میں اس مفہوم کو جو غلط جگہ وقف کرنے سے پیدا ہوا غیر تامُّ المعنی ہی کہا جائیگا۔ غرض غَیْرُ مَا تَمَّ کے الفاظ اس وقف کو بھی شامل ہیں جہاں سامع کے لئے وہ کلام غیر مفید للمعنی ہوا اور اس کو بھی شامل ہے جہاں فسادِ فی المعنی پیدا ہو۔

وقف قبیح کی مثالیں

ہر وہ کلمہ جو اپنے مابعد سے ایسا تعلق شدید رکھتا ہو کہ اُس مابعد کے بغیر اس کلمہ کے معنی مفہوم ہی نہ ہوتے ہوں وہ وقف قبیح ہے مثلاً مضاف پر بغیر مضاف الیہ کے وقف کیا جائے جیسے بسم اللہ میں سے بسم پر وقف کیا جائے یا مثلاً ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ میں لفظ ذِکْرُ یا رَحْمَتِ پر وقف کیا جائے۔ یا ایسے موصوف پر بغیر صفت کے وقف کیا جائے کہ صرف موصوف سے معنی کی افادیت نہ ہوتی ہو مثلاً اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں الصراط پر وقف کیا جائے ایسے ہی رافع پر بغیر مرفوع کے مثلاً وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں وَاُولٰٓئِکَ پر۔ یا ناصب پر بغیر منصوب کے جیسے اھدنا الصراط المستقیم میں اھدنا پر یا معطوف علیہ پر بغیر معطوف کے مثلاً الذین یؤمنون بالغیب پر، یا اِنَّ اور اس کے اخوات پر بغیر اُن کے اسماء اُخبار کے یا صرف اسماء پر، مثلاً اِنَّ پر یا اِنَّ اللّٰہَ پر، علی کل شیء قدیر کے بغیر یا ظَنَنْتُ وغیرہ پر اُن کے منصوبات کے بغیر مثلاً وظنّوا اَنْ لَّا ملجا میں وَظَنُّوْا پر، ایسے ہی ذوالحال پر بغیر حال کے مثلاً وما خلقنا السموٰت والارض وما بینھما لٰعبین میں وما بینھما پر، یا عدد پر بغیر معدود کے جیسے اِنَّ ھٰذَا اَخِیْ لَہٗ تسع وتسعون پر بغیر نعجۃ'' کے، یا موصول پر بغیر صلہ کے مثلاً وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا میں وَالَّتِیْ پر۔ یا شرط پر بغیر جزا کے مثلاً وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْہُ اللّٰہُ میں خَیْرٍ پر، غرض یہ اور ان کے مشابہ تمام وہ صورتیں کہ اُن پر وقف کرنے سے نہ کلام پورا ہوتا ہو اور نہ معنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفہوم ہوتے ہوں ایسی جگہ نہ وقف صحیح ہے اور نہ مابعد سے ابتدا[1] صحیح ہے۔

وقف اقبح کی مثالیں

ایسی جگہ وقف اقبح ہوتا ہے کہ وقف کی وجہ سے شانِ الٰہی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں یا مرادِ الٰہی کے خلاف مطلب بن جائے[2] اول کی مثال جیسے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِ پر یا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ پر یا فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ وَاللّٰہُ پر یا وَلِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلّٰہِ پر یا وَلَا یَبْعَثُ اللّٰہُ پر، وقف کیا جائے: اس قسم کا وقف کرنے والے کو واجب ہے کہ فوراً ماقبل سے اعادہ کرے اگر ایسا نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اگر جان بوجھ کر ایسا کرے گا تو اسکی وجہ سے دینِ اسلام سے خارج ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالےٰ پر افتراء[3] ہے۔

ثانی یعنی مرادِ الٰہی کے خلاف مطلب پیدا ہونے کی مثال جیسے وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَیْہِ پر وقف کیا جائے، اس وقف کی وجہ سے معنی فاسد ہو گئے مطلب یہ ہوا کہ بنت، والدین کے ساتھ نصف میں مشترک ہے، حالانکہ صحیح مفہوم یہ تھا کہ نصف ترکہ بغیر والدین کی شرکت کے صرف لڑکی کا ہے۔ اسی طرح اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰی پر وقف اقبح ہوگا، کیونکہ وقف کی وجہ سے مومنین اور کفار کو ایک حکم میں شریک کر کے گویا کہا گیا وہ ہمارے احکام وہی قبول کرتے ہیں جو ہماری سنتے ہیں اور مردے (کفار) حالانکہ وَالْمَوْتٰی کی خبر آگے ہے، اور وہ علیحدہ جملہ ہے۔

ایسے ہی فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا پر وقف یا مثلاً اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ الَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ پر یا مثلاً لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ، وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ پر۔ غرض اسی قسم کے اوقاف میں فسادِ معنی کی وجہ سے قباحت کا پیدا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس قسم کے معیوب اوقاف سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ قاری آیاتِ قرآنیہ کے معانی پر بصیرت کے ساتھ غور کر کے تلاوت کرے۔ اور عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُن اوقاف پر وقف کرنے کے عادی ہوں، جو علامہ سجاوندی نے قائم کئے ہیں، اور عام طور پہ وہ رموز قرآنوں میں لگے ہوئے ملتے ہیں۔

حرف لا کی رمز

علامہ سجاوندی نے اس رمز کو بہت استعمال کیا ہے اس رمز کا مطلب ہے لا یوقف لیکن اس رمز کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں وقف نہ کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو مابعد سے ابتداء نہ کی جائے بلکہ ماقبل سے اعادہ کیا جائے، سجاوندی کے اکثر مقلدین میں جن کو اس اصطلاح کا علم نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہاں وقف سے منع کیا گیا ہے اور یہاں وقف قبیح ہے، چنانچہ اضطرار کی حالت میں بھی اس جگہ وقف نہیں کرتے اور آگے یا پیچھے کسی کلمہ پر وقف کرتے ہیں حالانکہ جہاں یہ رمز ہوتی ہے وہاں عموماً وقف حسن کا مقام ہوتا ہے، اور آگے یا پیچھے کسی کلمہ پر وقف کرنے سے وقف قبیح ہو جاتا ہے، وقف حسن وجائز کو چھوڑ کر وقف قبیح کا عمداً ارتکاب کرنا بھونڈا پن ہے، اس قسم کے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ پڑھتے ہیں صراط الذین انعمت علیھم لا غیر پھر پڑھتے ہیں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ اسی طرح پڑھتے ہیں ھُدًی للمتقین لا الَّذِیْنَ پھر ابتدا کرتے ہیں الَّذِیْنَ یؤمنون پہلی صورت میں علیھم اور دوسری جگہ

---

[1] علامہ مرعشی۔ نہایۃ القول المفید [2] نشر ص ۲۲۹/ج ۱ [3] نہایۃ القول المفید [4] ضوابط بنلاء التجوید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

للمتقین پر وقف حسن ہے۔ اور غیر یا الّذِینَ پر وقف باجماع قبیح ہے[1]۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ رمز اگر آیت پر ہو تو بیشک آیت پر وقف کریں اور مابعد سے ابتدا کریں، اور اگر درمیان آیت ہو تو وہاں وقف حسن ہوگا اور ماقبل سے اعادہ کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ذوق صحیح نصیب فرمائے اور عربیت کا مذاق حاصل ہو تو وقف کے حُسن وقبح کو آدمی خود بھی سمجھ سکتا ہے لہٰذا حضرت ناظم رح نے اکثر مواقع میں سجاوندی کے اوقاف سے اختلاف کیا ہے جس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ مسئلہ کوئی قطعی[2] نہیں۔

وقف مراقبہ یا مُعانقہ ایسا کلمہ جس کا تعلق سیاق اور سباق دونوں سے محتمل ہو ایسے کلمہ کے اول اور آخر وقف کی علامت ہوتی ہے اور اس کو وقف معانقہ کہا جاتا ہے، معانقہ یعنی گلے ملنا، گویا دو محل وقف قریب قریب آجاتے ہیں مثلاً لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ میں فیہ کا تعلق لا ریب سے بھی ہو سکتا ہے کہ فیہ لا نفی الجنس کی خبر ہو، اور هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ سے بھی ہو سکتا ہے، یعنی لا کی خبر محذوف ہو جیسا کہ اکثر اسکی خبر محذوف ہو جاتی ہے اور فِیْهِ، هُدًى للمتقین کی خبر مقدم ہو[3]۔ اسی طرح من اجل ذلک وغیرہ کو سمجھنا چاہیئے۔

قاری علیہ الرحمہ فرماتے[4] ہیں کہ اس قسم کے موقعہ پر وصل اول فصل ثانی، یا فصل اول وصل ثانی کے ساتھ وقف کرنا چاہیئے اور وصل کل یا فصل کل کے ساتھ وقف نہ کرے ہمارے استاذ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ وصل کل بھی جائز ہے اور کوئی قباحت[5] نہیں، حاصل یہ کہ فصل کل ناجائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اُس کلمہ کا تعلق سیاق وسباق دونوں سے منقطع ہو کر وہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ وقف معانقہ تمام قرآن میں پینتیس ۳۵ جگہ ہے[6]۔

وقف تعسّف تین گروہ تاریخ میں ایسے بھی گذرے ہیں، جنہوں نے قرآنی آیات والفاظ کے سیدھے سادھے مفہوم کو بیجا وقف وابتدا کے ذریعہ توڑا موڑا ہے، اسی قسم کے اوقاف کو محققین نے وقف تعسّف یا تکلف کہا ہے یہ تین گروہ بعض نحات ہیں جو خواہ مخواہ بھی احتمال آفرینی کر کے مختلف نحوی ترکیبوں کے نکالنے کے شوقین تھے، یا بعض قراء یا وہ اہل اغراض واہوا رہوئے ہیں، جو اپنے مزعومات کو زبردستی قرآن سے ثابت کرنے کے خواہشمند تھے۔

ضروری ہے کہ اس قسم کے اوقاف سے بچ کر معنی اتم اور موزوں جگہ پر وقف کیا جائے، ذیل میں وقف تعسّف کی کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) وارحمنا انت پر وقف کرتے ہوئے مولانا فانصرنا سے ابتدا کرنا گویا مولانا کے شروع میں حرف ندا محذوف ہے (۲) ثم جاءُوكَ يَحْلِفُونَ پر وقف اور باللہ ان اردنا سے ابتدا، گویا باء قسمیہ ہے (۳) اذ قال لُقْمَانُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یا بُنَیَّ لا تشرك پر وقف، اور باللہ ان الشرك سے ابتدا، گویا باء قسمیہ ہے (۴) فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ پر وقف اور علیہ ان یطوّف بہما سے ابتدا، گویا علیٰ لزوم کے لئے ہے (۵) فانتقمنا من الذین اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا پر وقف، اور عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ سے ابتدا، گویا علیٰ لزوم کے لئے ہے، یعنی واجب یا لازم ہے۔ (۶) وَهُوَ اللّٰهُ پر وقف، اور فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ سے ابتدا۔

---

[1] نشر ومنح الفکریہ [2] تفصیل کے لئے الاهتداء فی الوقف والابتداء للناظم اور نشر کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ [3] و [4] منح الفکریہ [5] وقد یستقاوحسنا من کلام المحقق ابن الجزری رح فی النشر ص ۲۳۷/۱ [6] تفصیل کے لئے دیکھو نہایۃ القول المفید ص ۱۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متکلمین کے یہاں ذاتِ باری کے متعلق دو عقیدے ہیں ایک یہ کہ ذاتِ الٰہی آسمان و زمین میں ہر جگہ موجود ہے، جیسا کہ اس آیت میں وَهُوَ اللّٰهُ پر وقف نہ کرنے سے ظاہر ہے، دوم یہ کہ ذات الله عرش پر مستوی ہے، البتہ اس کا علم آسمان و زمین کی تمام کائنات کو محیط ہے۔ یہی لوگ ہیں جو وھو اللّٰہ پر وقف کرتے ہوئے فی السموات و فی الارض کو علیحدہ کرتے ہیں تاکہ ان کے عقیدے کے خلاف نہ ہو۔ اسی آیت میں اس گروہ ثانی نے وھو اللّٰہ فی السموات پر وقف کیا ہے اور وفی الارض یعلم سرکم وجہرکم کو علیحدہ کر دیا ہے، جس میں پہلی صورت سے بھی زیادہ شدید قباحت ہے۔

(۷) وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ پر وقف، اور وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سے ابتدا۔ حالانکہ صحیح وقف کا محل وَيَخْتَارُ پر ہے اور مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سے ابتدا ہونی چاہیئے۔

یہاں بھی اصل میں غلط جگہ وقف کرکے معتزلہ نے اپنے مزعومہ عقیدہ کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ط مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ	اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے نہیں ہے لوگوں کے لئے اختیار۔ (ما نافیہ)

اور دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوگا۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ط وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ	اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور وہ پسند کرتا ہے اس چیز کو کہ جس میں لوگوں کے لئے اختیار ہو۔ (ما موصولہ)

اس دوسری صورت میں بندہ کے مختارِ کل ہونے کا عقیدۂ اعتزال ثابت کرنا مقصود ہے۔

(۸) عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى پر وقف۔ یعنی جنت میں ایک چشمہ ہے جو مشہور ہے، آگے سَلْ سَبِيلًا کو مستقل سانس میں پڑھا گیا گویا سَلْ پوچھ سَبِيلًا راستہ۔ یعنی اس چشمہ تک پہنچنے کا اہل اللہ سے راستہ دریافت کر۔ یہ اختراع بعض متصوفین کی ہے۔ حالانکہ سَلْسَبِيلًا پورا ایک لفظ ہے، جو اس چشمہ کا نام ہے اور باجماع مصاحف موصول یعنی ایک کلمہ کی شکل میں لکھا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہ تفسیر قرآن میں تحریف ہے۔

(۹) وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ پر وقف، اور اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ سے ابتدا، گویا يَشَاءَ بغیر فاعل کے ہے اور مابعد میں مبتدا و خبر جملہ اسمیہ ہے۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ اللّٰہ ربّ العٰلمین موصوف و صفت ہو کر اَنْ يَشَاءَ کا فاعل ہے۔

(۱۰) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ پر وقف، اور فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ سے ابتدا، حالانکہ فِيهِ کا تعلق لَا رَيْبَ سے ہی ظاہر ہے، چنانچہ سورۂ سجدہ میں ہے لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ[1]۔

وقف اضطراری

قولہٗ وَلَهٗ يُوقَفُ مُضْطَرًّا

وقف کی دو قسمیں ہیں اختیاری، اضطراری۔ وقف اختیاری یہ ہے کہ پڑھنے میں ایسا انداز رکھے کہ جب

---

[1] کذا من النشر ص ۲۳۱ ج ۱ ومنجد المقرئین۔ للجزری رح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا وقف ہو تو تام یا کافی یا حسن پر ہی ہو یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ معانی میں غور و فکر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے اور اپنے سانس کو اعتماد کے ساتھ قابو میں رکھے تاکہ وقف قبیح کا ارتکاب لازم نہ آئے، وقف اضطراری یہ ہے کہ کسی مجبوری سے کسی ایسے کلمہ پر وقف کرے جہاں بات پوری نہ ہوئی ہو، جس کی وجہ سے وقف قبیح کا ارتکاب لازم آئے، چونکہ اس وقف کی بنیاد مجبوری پر ہے، لہذا اجازت ہے۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔

پھر اس مجبوری کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) سانس کی تنگی، بات کرنے کی ضرورت کا لاحق ہو جانا، کھانسی یا چھینک یا اور کسی عارض کا پیدا ہو جانا۔

(۲) استاذ یا ممتحن کا کسی کلمہ پر کیفیت وقف پوچھنا، یعنی افادہ یا استفادہ کے لئے کسی کلمہ پر وقف کرنا پڑے، گو وہ محل وقف نہ ہو۔ وقف اضطراری کی اس قسم کو وقف اختباری بھی کہہ دیتے ہیں، اختبار بمعنی آزمائش و امتحان۔

(۳) کسی کلمہ پر ٹھہر کر اس کے تمام اختلافات قراءت کو جاری کرنا۔ اسکو جمع حرفی کہتے ہیں، پرانے زمانہ میں قراءتوں کے اختلافات جمع کر کے پڑھنے کا یہ طریقہ تھا کہ قاری پڑھنا شروع کرتا اور جب وہ ایسے کلمہ پر پہنچتا جس میں اصولی یا فرشی اختلاف ہوتا تو وہ ایک ہی سانس میں تمام اختلافات پڑھنے کے لئے اس کلمہ کو بار بار پڑھتا یہاں تک اس کے تمام اختلافات کو پورا پڑھ لیتا جب یہ اختلافات پورے کر لیتا تو اس کلمہ پر وقف کر دیتا، اگر وہاں وقف حسن یا وقف قبیح ہوتا تو ما قبل سے اعادہ کر لیتا ورنہ آگے سے ابتدا کرتا تھا[1]۔ اس کو وقف انتظاری بھی کہتے ہیں۔

اس خاص مروجہ طریقہ کے مطابق وہ مجبور ہوتا تھا کہ اختلافی کلمہ پر ٹھیرے۔ مگر یہ طریقہ متقدمین میں تھا، متاخرین میں علامہ جزری کے دور سے جمع وقفی کا طریقہ رائج ہوا، جس میں وقف علی القبیح کے ارتکاب کی کوئی مجبوری نہیں رہی۔

وقف کی مذکورہ تقسیم سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ وقف کی یہ دو قسمیں یعنی اختیاری اور اضطراری بھی معنی و محل کے اعتبار سے ہی ہیں، بعض نے یہ تقسیم باعتبار تنفس کے کی ہے جو صحیح نہیں یعنی اگر کوئی شخص تام یا کافی یا حسن پر اضطراری حالت میں وقف کرے تو اس وقف کو اختیاری ہی کہا جائے گا اضطراری نہیں، اور اگر کوئی شخص اختیار یا انتظار کی مجبوری کی وجہ سے وقف قبیح کرے گو اس کے سانس میں مزید آگے تک پڑھنے کی قوت موجود ہو تو اس وقف کو اضطراری ہی کی قسم سمجھا جائے گا۔ اختیاری نہیں کہا جائے گا۔

ابتدا کی قسمیں

قولہ ویبتدا قبلہ

محقق جزری اور سیوطی وغیرہ علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ابتداء صرف اختیاری ہی ہو سکتی ہے، وقف کی طرح نہیں کہ کسی ضرورت سے مجبور ہو کر آدمی اضطراراً ابتدا کرے لہذا ایسی جگہ سے ابتدا کرنا جائز نہیں جو معنی کے اعتبار سے مقصود کو واضح کرنے میں ناکافی ہو۔

اس پر مرعشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس میں کلام ہے، کیونکہ جس طرح وقف میں آدمی مضطر ہو سکتا ہے، اسی طرح مضطر ہو کر

---

[1] غیث النفع صـ۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابتداءِ قبیح کے ارتکاب پر بھی مجبور ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی کافر کا قولِ طویل منقول ہو، اور اس کو ایک سانس میں پورا نہ پڑھ سکے بلکہ درمیان میں کہیں وقف کرنے پر مجبور ہو، اس صورت میں اگر اول ہی سے پھر ابتدا کریگا تو فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ پھر درمیان میں اسی وقف پر مجبور ہوگا اور مابعد سے ابتدا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا اور ماقبل کہیں سے اعادہ کرنے میں کوئی فائدہ ہوگا، کیونکہ تمام مقولہ کفار ہی کا ہے مثلاً سورۂ مومنون کے تیسرے رکوع کے شروع میں وقال الملأ من قومه الذين كفروا وكذبوا بلقاء الآخرة وأترفناهم في الحيوة الدنيا ما هذا الا بشر مثلكم سے وما نحن له بمؤمنين تک کفار کے قول کی حکایت ہے، شاید ہی کوئی قاری ہو جو ایک سانس میں کفار کا یہ مقولہ ختم تک پڑھ سکے، حالانکہ تمام مقولہ کفر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے موقعہ میں وصل یا وقف یا ابتدا کفر کے مقولہ کو عمداً پڑھنے کا موجب نہیں، البتہ مراد الٰہی کے خلاف ابتدا یا وصل یا وقف بلا کسی مجبوری کے ایسے انداز میں کرنا جو موھم ہو تو بیشک گناہ ہے، خصوصاً مقولۂ کفار سے تلاوت کی ابتدا کرنا خواہ شروع آیت ہی سے ہو تو یقیناً ناروا ہے[1]۔

اسی طرح افادہ یا استفادہ کے لئے ابتدا کی ایک قسم اختیاری بھی ہو سکتی ہے مثلاً امتحاناً پوچھا جائے یا بتلایا جائے۔ کہ وقالت النصارى المسيح ابن الله میں المسيح یا ابن الله سے ابتدا کا طریقہ یہ ہوگا۔ اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اختیار بھی اضطرار ہی کی ایک قسم ہے[2]۔

بہرحال وقف کی چار قسموں کی طرح ابتدا کی بھی چار قسمیں ہیں تام کافی، حسن اور قبیح۔

وقف تام کے مابعد سے ابتدا بھی تام ہوگی مثلاً وأولئك هم المفلحون پر وقف تام ہے، کیونکہ کلام یہاں لفظاً معنیً پورا ہوگیا۔ مومنین کے اوصاف کا بیان ختم ہوگیا، آگے ان الذين كفروا سے ابتدا تام ہے، جس کا ماقبل سے لفظاً معنیً تعلق نہیں۔

اسی طرح وقف کافی کے مابعد سے ابتدا، ابتداء کافی ہوگی، اور وقف کافی کی طرح ابتداء کافی کی تعریف یہ ہوگی کہ جس کا ماقبل سے معنیً تعلق ہو لفظاً نہ ہو، مثلاً ومما رزقناهم ينفقون پر وقف کافی ہے اور آگے والذين يؤمنون سے ابتداءِ کافی ہے۔

لیکن وقف حسن اور قبیح میں یہ ضروری نہیں کہ وہاں سے ابتدا بھی حسن یا قبیح ہی ہو، کبھی وقف حسن ہوتا ہے اور اس سے ابتدا قبیح ہوتی ہے مثلاً يخرجون الرسول وإياكم پر وقف حسن ہے، کیونکہ بات پوری ہوگئی لیکن وإياكم سے ابتدا قبیح ہے، کیونکہ معنی بگڑ جائیں گے۔ وإياكم ان تؤمنوا بالله (ترجمہ) خبردار، اللہ پر ایمان لانے سے بچو۔ (نعوذ باللہ)

اور کبھی وقف تو قبیح ہوتا ہے مگر اس سے ابتدا کرنا حسن ہوتا ہے جیسے من بعثنا من مرقدنا هذا پر وقف کرنا قبیح ہے، کیونکہ هذا کا تعلق مرقدنا سے نہیں بلکہ ما وعد الرحمن سے ہے کہ هذا مبتدا ہے، اور ما وعد الرحمن

---

[1] نہایۃ القول المفید [2] قال علی القاری علیہ رحمۃ الباری

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمبر؟ لیکن ھذا سے ابتدا تام یا کافی ہے۔ ھذا سے جملہ مستانفہ شروع ہے جس میں کفار کے قول کا ردّ ہے۔

رؤس آیات پر وقف

متقدمین و متاخرین کا ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو آیات پر وقف کو اَحب مستحسن اور بہتر قرار دیتا ہے۔ جن آیات پر وقف تام یا کافی ہو وقف کرنے کی اولویت مسلّم اور اجماعی ہے۔ محلِ اختلاف وہ آیات ہیں جن پر وقف حسن ہے کہ ان پر ٹھہرنا بہتر ہے یا وصل کرتے ہوئے اس مقام تک پڑھنا بہتر ہے جہاں وقف تام یا کافی ہو مثلاً الحمد للہ رب العلمین ٥ الرحمٰن الرحیم ٥ ملکِ یوم الدین ٥ تک تین آیات ہیں۔ لیکن ترکیب میں تمام ایک فقرہ ہے اور یوم الدین پر وقف تام یا کافی ہے، قول اول کی بنا پر اس فقرہ کو ہر آیت پر وقف کر کے پڑھنا بہتر ہے قول ثانی کی بنا پر ملاتے ہوئے ایک سانس میں تمام کو پڑھنا بہتر ہے۔ سجاوندی اور صاحب الخلاصہ وغیرہ کے نزدیک ان آیات میں وصل مختار ہے[1]۔ لیکن اسقدر وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر العلمین وغیرہ پر وقف کیا جائے تو ماقبل سے اعادہ نہیں بلکہ ابتدا ہی کرے۔ اسی لئے سجاوندی نے ان رؤس آیات پر "لا" کی رمز بناتی ہے

یہ بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور جانبین کے دلائل کو نقل کرنے کے لئے وسیع صفحات درکار ہیں، سب سے پہلے رؤس آیات پر وقف کا زور دینے والے قرآنی آیت کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن کہتا ہے یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات کو الگ الگ رکھا گیا ہے، لیکن لطف یہ ہے کہ دوسرا گروہ بھی اسی آیت سے اپنے مذہب پر استدلال کرتا ہے وہ کہتا ہے معنی یہ ہیں کہ مُیِّزَتْ باعتبار اللفظ والمعنی یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات کو لفظ و معنی کے اعتبار سے ممتاز کیا گیا ہے، مطلب یہ کہ نحوی اعتبار سے لفظ و معنی جہاں ختم ہوں وہیں وقف بھی کرو۔ رؤس آیات پر وقف کے حامی، دوسرا استدلال ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے کرتے ہیں جس کو ہم وقف وابتدا کی معرفت کے ضروری ہونے کے باب میں ذکر کر آئے ہیں۔ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں[2]، اور یہ اس باب میں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر اس حدیث کے الفاظ کا اختلاف جس کو ہم نقل کر چکے ہیں دوسرا گروہ اپنے حق میں یا کم از کم اپنے لئے غیر مخالف ہونے میں بطور توجیہہ پیش کر دیتا ہے نیز بہت سے وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہیں کہ آپ نے درمیان آیات پر وقف فرمایا ہے۔

رؤس آیات پر وصل کے جواز کے قائلین کی ایک نہایت مضبوط دلیل یہ ہے کہ قراءات صحیحہ متواترہ میں بعض موقوف علیہ کی حرکت میں اختلاف ہے مثلاً کُنْ فَیَکُوْنُ پر راس آیت ہے اور ایک قراءت میں فیکونُ مرفوع دوسری میں منصوب ہے۔ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آیات پر ہی وقف فرمایا کرتے تھے تو یہ رفع و نصب کا اختلاف کیوں ہوا اور کیسے معلوم ہوا؟ دوسرے یہ کہ محل وقف وابتدا کی علمی اہمیت و ضرورت متفق علیہ اور مسلّم ہے جیسا کہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں، جس کی تائید عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث سے ہوتی ہے کہ ہم دور نبوی ؐ میں جس طرح قرآن سیکھتے تھے اوقاف بھی سیکھتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا وہ ارشاد جو لفظ ترتیل کی تشریح میں مشہور ہے، جس میں معرفۃ الوقوف کو ضروری فرماتے ہیں۔ سوال

---

[1] نشر صفحہ ۲۲۳ ج ۱ [2] ص ۳۱ منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے کہ وقف کی تعلیم کا باب اگر اسی دائرہ تک محدود تھا کہ اوقافِ منزّلہ یاد کر لئے جائیں اور رؤس آیات جان لی جائیں تو آیات کی مشکل کام تھا، جہاں مصاحف کی کتابت ہوئی اور عبارت قرآنی کو سینوں میں جگہ دی گئی وہاں آیات کی حفاظت بھی چنداں مشکل نہ تھی کیونکہ رؤس آیات کی حفاظت کا کام غور و فکر کا محتاج نہیں بلکہ حفظ و یاد کا محتاج ہے۔ البتہ قرآن کے مضامین و تفسیر میں غور کر کے ان کی حدود متعین کرنا ان کے مبادی اور خواتیم کو مقرر کرنا یہ بہت بڑا علمی و فکری مسئلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ وقف کی تعلیم پر زور دیا گیا۔ آیت میراث والا رکوع یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ کل چار آیات پر مشتمل ہے، پہلی دو آیتوں میں میراث کے وہ بنیادی اصول ہیں جن کی تشریحات میں ضخیم جلدیں لکھی گئیں، علماء اوقاف کا یہ کمال تھا کہ مسائل میراث کو تعین کے رنگ میں تلاوت کرنے اور غلط وقف سے بچانے کے لئے تیرہ[1] وقف مقرر کئے۔ بھلا ان تیرہ اوقاف کو یاد رکھنا اور وقف وابتدا میں ان کا خیال رکھنا مشکل ہے یا دو راس الآیت کے فواصل کو یاد رکھنا مشکل ہے؟ حاصل یہ کہ قاری کو علوم قرآنیہ کا حامل ہونا چاہیئے وہ معانی میں ڈوب کر تلاوت کرے، اللہ کے کلام کو ایسی عظمت شان سے سامعین پر پیش کرے گویا وہ خدا کا سفیر ہے۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ لِهٰذِهِ الْكَرَامَةِ۔ آمین۔

شیخ الاسلام زکریا رح فرماتے ہیں۔

والناس مختلفون فی الوقف، فمنهم من جعله على مقاطع الانفاس ومنهم من جعله على رؤس الآی، والاعدل انه قد يكون فى اوساط الآى وان كان الاغلب فى اواخرها وليس آخر كل آية وقفا بل المعانى معتبرة والانفاس تابعة لها۔[2]

وقف میں لوگوں کا مذاق مختلف ہے، بعض قطع نفس کے مواقع پر وقف کرتے ہیں بعض رؤس آیات پر۔ معتدل قول یہ ہے کہ وقف کا بہترین محل کبھی درمیان آیات میں بھی ہوتا ہے، اگرچہ اکثر اواخر آیات پر ہی ہوتا ہے بہرحال ہر آیت کا آخر محلِ وقف نہیں، بلکہ معانی معتبر ہیں اور سانس کو معانی کے تابع رکھنا چاہیئے۔

وقف میں ائمہ قراءات کا معمول

وقف وابتدا کے باب میں ائمہ قراءت کے اصول مذاہب کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے تاکہ ہر قراءت میں اس قراءت کے امام کے مذہب پر اعتماد رکھا جائے۔

امام نافع مدنی، وقف وابتدا کے محاسن کی معانی کے مطابق رعایت کو بہتر قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ امام موصوف سے نص کے ساتھ وارد ہے۔

امام ابن کثیر مکی سے دو روایتیں ہیں ایک میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں دو میں قرآن میں تین جگہ وقف کا اہتمام کرتا ہوں وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ط پر وَمَا يُشْعِرُكُمْ ط پر اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ط پر۔ ان کے علاوہ مجھے اور کسی جگہ کا اہتمام نہیں ہوتا وقف کروں یا نہ کروں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر اس جگہ وقف کو جائز سمجھتے تھے جہاں سانس منقطع ہو۔

امام ابو عمرو بصری رح سے روایت ہے کہ وہ رؤس آیات پر ہی وقف کا اہتمام فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ مجھے رؤس آیات پر وقف سب سے زیادہ محبوب ہے۔ لیکن بصری ہی سے خزاعی کی روایت ہے کہ وہ حسنِ ابتدا کی رعایت فرماتے تھے اور ابو الفضل رازی کی

---

[1] منار الہدیٰ [2] المقصد لزکریا الانصاری رح ص۴

www.KitaboSunnat.com

روایت ہے کہ وہ حسن ابتدا کی رعایت کرتے تھے اور خُزاعی نے ذکر کیا ہے کہ امام عاصم و امام کسائی وقف اُس جگہ پسند کرتے تھے جہاں کلام پورا ہو۔

امام حمزہ کوفی سے تمام روایات متفق ہیں کہ وہ سانس کے انقطاع کی جگہ پر وقف پسند کرتے تھے۔ بعض حضرات نے اس کی یہ توجیہ کی، کہ ان کی قراءت میں تحقیق ہے اور مدِ طویل ہے جس کی وجہ سے پڑھنے والا شاید وقف تام یا کافی تک نہ پہنچ سکے، اسی امکان کے پیش نظر انقطاعِ نفس تک پڑھنے کی اجازت دی۔ علامہ جزری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اسکی وجہ یہ ہے کہ امام حمزہ کے نزدیک تمام قرآن مثل ایک سورت کے ہے، لہٰذا ان کے نزدیک وقف کی کوئی معیّن جگہ تھی ہی نہیں، اسی لئے ایک سورت کا دوسری سورت سے بغیر بسم اللہ کے وصل کرتے ہیں، اگر وقف مذکور کی وجہ تحقیق ہوتی تو وہ ہر سورت کے آخر پر وصل کے مقابلہ میں قطع کو ترجیح دیتے۔

باقی تمام قراء سے مروی ہے کہ وقف و ابتدا میں وہ حسن معنی ہی کی رعایت کرتے تھے۔ امام ابو الفضل رازی اور خُزاعی رحمہما اللہ نے یہی روایت[۱] بیان کی ہے۔

وقف، قطع، سکتہ

متقدمین کے یہاں اکثر یہ تینوں لفظ ہم معنی تھے، اور اکثر ان سے وقف مراد ہوتا تھا، وقف کے علاوہ اگر کچھ اور مراد بھی ہوتا تو کسی قید کے ساتھ مقیّد کر کے بولتے تھے۔

لیکن متاخرین اور محققین کے نزدیک قطع سے مراد قطع قراءت لیا گیا، یعنی قراءت ختم کرنے کی نیت سے ٹھہرنے کو قطع کہتے تھے، نتیجہ یہ کہ قطع کے بعد اگر پھر تلاوت شروع کرے تو از سرِ نو استعاذہ ضروری ہے، ضروری ہے کہ یہ قطع انتہاءِ آیت پر ہو اثناءِ آیت میں قطع قراءت جائز نہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی الہذیلؒ جو بہت بڑے تابعی ہوئے ہیں اُن سے بسند علامہ جزریؒ نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

اذا قرأ أحدكم الأية فلا يقطعها حتى يتمها، كانوا يكرهون ان يقرؤا بعض الأية وَيدَعُوا بعْضها۔	جب آیت شروع کرو تو پوری کئے بغیر اُسے قطع نہ کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ ناپسند تھا کہ کچھ آیت پڑھیں اور کچھ چھوڑ دیں۔

خُزاعی فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ نماز میں بھی آیت کے درمیان میں رکوع کر دینا جائز نہیں، اور پھر فرماتے ہیں کہ البتہ اثناءِ آیت پر غیر نمازی کو قطع قراءت باجماع جائز ہے۔ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ ابن ابی الہذیل کے کلام میں حکم عام ہے اور وہ عام ہی رہنا چاہیئے یعنی نمازی اور غیر نمازی دونوں کو درمیان آیت میں قطع قراءت جائز نہیں اور خزاعی کا غیر نمازی کے لئے درمیان آیت میں قطع کے جائز ہونے پر اجماع نقل کرنا محلِ نظر ہے، کیونکہ دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں[۲]۔

وقف کسی کلمہ پر اتنی دیر کے لئے آواز منقطع کرنا جس میں عادۃً آدمی سانس لے سکے اور وقف کے بعد قراءت جاری

---

[۱] کذا من النشر ص ۲۳۸ ج ۱ [۲] نشر ص ۲۳۹ ج ۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھنے کا ارادہ ہو۔ یہ وقف آیت کے ختم اور درمیان آیت دونوں جگہ صحیح ہے، البتہ وسط کلمہ پر صحیح نہیں ، خواہ حقیقتاً ایک کلمہ ہو جیسے اِیَّاکَ یا رسمًا موصول ہونے کی وجہ سے حکمًا ایک کلمہ ہو جیسے مِنْكُمْ کہ مِن پر وقف صحیح نہیں۔

تنبیہ :۔ وقف میں سانس لینا ضروری ہے ، علامہ جزریؒ نے اس کی تصریح کی ہے[1]، ورنہ وقف اور سکتہ میں فرق نہ رہے گا۔ لہٰذا جزریہ کی بعض اردو شروح میں جو یہ لکھا ہے کہ وقف میں اتنی دیر آواز کا قطع ضروری ہے جس میں سانس لے سکے خواہ سانس لے یا نہ لے۔ " غلط ہے۔

سکتہ :۔ بغیر سانس لئے آواز کو قلیل لمحہ کے لئے منقطع کرنا۔ کیونکہ سکتہ میں قطع صوت کا زمانہ وقف میں قطع صوت کے زمانہ سے قلیل ہوتا ہے۔ اسی لئے مشائخ کے کلام میں سَكْتَةٌ قَلِيلَةٌ یا سَكْتَةٌ يَسِيرَةٌ یا خَفِيفَةٌ وغیرہ کی قیود ملتی ہیں۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ سکتہ میں سانس لینے کا کوئی جواز نہیں ، حفص کے لئے عِوَجًا یا مَرْقَدِنَا وغیرہ پر سکتہ کرتے ہوئے اگر سانس لے کر فورًا پڑھنا شروع کیا تو اصطلاح میں نہ یہ وقف کہلائے گا اور نہ سکتہ۔ وقف تو اس لئے نہیں کہ قطع صوت کا زمانہ وقف سے کم ہوا ہے گو سانس لیا ہے ، اور سکتہ اس لئے نہیں کہ سانس لیا گیا ہے اور سانس کے ساتھ سکتہ کی اصطلاح مروج نہیں۔

سکتہ کی قسمیں

سکتہ کی دو قسمیں ہیں سکتہ لفظی و سکتہ معنوی۔ جن مواضع میں از روئے انفصال معنی بین الکلمتین سکتہ کیا جائے اس کو سکتہ معنوی کہتے ہیں جیسا کہ چار جگہوں میں حفص کے لئے سکتہ کیا جاتا ہے۔ یعنی عِوَجًا ہ سکتہ قَيِّمًا سورۂ کہف میں اور مِنْ مَرْقَدِنَا ہ سکتہ هٰذَا سورۂ یٰسین میں ، اور مَنْ سکتہ رَاقٍ سورۂ قیامہ میں اور بَلْ سکتہ رَانَ سورۂ مطففین میں۔ اور تمام قراءتوں میں بین الانفال والبراءۃ تین وجوہ جائز ہیں۔ (۱) وصل (۲) وقف (۳) سکتہ

یہ تیسری وجہ بھی سکتہ معنوی ہی ہے ، اسی طرح بعض قراءتوں میں ہر جگہ بین السورتین اور بعض میں چار سورتوں کے شروع میں بغیر بسم اللہ سکتہ کیا جاتا ہے جبکہ اوپر والی سورتوں کو ختم کر کے یہ مذکورہ چار سورتیں شروع کی جائیں وہ سورتیں یہ ہیں ، سورۂ قیامہ بلد مطففین ، ہمزہ۔ ان قراءتوں میں یہ سکتہ بھی سکتہ معنوی ہے۔

سکتہ معنوی کا حکم یہ ہے کہ جس کلمہ پر یہ سکتہ کیا جائے گا اس پر وقف کے احکام جاری ہونگے۔ یعنی عِوَجًا کی تنوین کو الف سے بدلا جائے گا۔ مَن ، رَاقٍ کے نون اور بَلْ رَانَ کے لام میں اظہار ہوگا اور مذکورہ سورتوں میں سکتہ کیا جائے تو وقف کی طرح کلمہ کے آخر کو ساکن کر کے سکتہ کیا جائے گا[2]۔

سکتہ معنوی کے مقابلہ میں دوسری قسم سکتہ لفظی ہے جو بعض طرق حفصؒ میں ہر اس ساکن پر کیا جاتا ہے جو ہمزہ سے پہلے ہو اسی طرح امام حمزہ کے یہاں ہمزہ سے پہلے صحیح ساکن پر سکتہ کیا جاتا ہے ، یہ سکتہ تقویۃً للہمزہ ہوتا ہے۔

---

[1] نشر ص ۲۴۰/۱ [2] تفصیل کے لئے دیکھو نشر جلد اول۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سکتہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں وقف کے احکام جاری نہ ہوں گے، کلمہ اسی طرح پڑھا جائے گا جس طرح وصل میں پڑھا جاتا ہے شَاءَ مَرِيجًا اَدْ میں تنوین پر سکتہ کیا جائے گا تو تنوین کو الف سے نہ بدلیں گے۔ حاصل یہ کہ سکتہ لفظی میں ہمزہ کو محقق ادا کرنے کے لئے حرف ساکن پر سکتہ کیا جاتا ہے، نتیجہ اختلاف اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ امام حمزہؒ کے لئے جو بین السورتین بغیر بسم اللہ وصل کرتے ہیں سورۃ القارعہ کے آخر میں نَارٌ حَامِيَةٌ کی تنوین پر سکتہ کرکے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ شروع کریں گے۔ اور اگر ان حضرات کے لئے پڑھا جا رہا ہو جو بین السورتین بسم اللہ پڑھتے ہیں تو حَامِيَةٌ پر وقف کا حکم جاری ہوگا یعنی تا کو ھاء ساکنہ سے بدل کر اور بغیر سانس لئے کچھ دیر آواز بند رکھ کر اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ شروع کی جائے گی۔

سکتہ کا حکم

حضرت جزریؒ فرماتے ہیں:۔

صحیح یہ ہے کہ سکتہ کا جواز سماع اور نقل کے ساتھ مقید ہے لہٰذا یہ صرف اسی جگہ جائز ہوگا، جہاں روایت سے ثابت ہو، کیونکہ سکتہ ایک مقصود بالذات طریق ادا ہے، جس کے لئے روایت سے ثبوت ضروری ہے۔
مگر ابن سعدان (ابوعمرو سے نقل کرتے ہوئے) اور ابوبکر بن مجاہد جیسا کہ ان سے ابوالفضل خزاعی نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ حالت وصل میں رؤس آیات پر مطلقاً سکتہ (معنوی) جائز ہے، اور بعض نے حدیث ام سلمہؓ کو بھی سکتہ پر ہی محمول کیا ہے۔ بہرحال اگر یہ حمل کرنا صحیح ہے تو آیات پر سکتہ صحیح قرار دیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اسی لئے ہمارے استاذ علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ بعض مصاحف میں اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سکتہ مَا بِصَاحِبِهِمْ، اور يُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سکتہ وَاسْتَغْفِرِيْ میں اور حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ سکتہ وَاَبُوْنَا وغیرہ میں جو سجاوندی نے سکتات لکھے ہیں یہ بمعنی وقف جوازی ہیں، سکتہ اصطلاحی نہیں ہیں۔ جیسا کہ متقدمین کے یہاں سکتہ بمعنی وقف بھی بولدیتے تھے۔

تنبیہ:۔ حفصؒ کے لئے مذکورہ چار مواضع میں بطریق شاطبی وصل میں سکتات ضروری ہیں اور بطریق جزری خلف ہے سکتہ اور ترک سکتہ دونوں صحیح ہیں۔

ش ۶۸ وَلَيْسَ فِي الْقُرْاٰنِ مِنْ وَقْفٍ وَّجَبْ   وَلَا حَرَامٍ غَيْرَ مَا لَهٗ سَبَبْ

ت۔ اور قرآن میں کوئی بھی وقف ایسا نہیں جو (شرعاً) واجب یا حرام ہو۔ بجز اس کے کہ اس کے لئے کوئی سبب ہو۔

ل۔ وَلَيْسَ واؤ ابتدائیہ لَيْسَ فعل ناقص فِي الْقُرْاٰنِ خبر مقدم مِنْ زائدہ وَقْفٍ موصوف وَجَبَ ضمیر فاعل راجع ہے موصوف کی طرف صفت واؤ عاطفہ لَا زائدہ برائے تاکید نفی سابق۔ حَرَامٍ۔ وَجَبَ پر عطف ہے۔ لہٰذا معطوف علیہ کی طرح وَقْفٍ کی صفت ہوا۔

لہ شرح شاطبیہ ملا علی قاریؒ ص ۳۵ ۲ے نشر ص ۲۴۳/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَلَا حَرَامٍ مجرور اور مرفوع دونوں طرح صحیح ہے، کیونکہ اس کا موصوف یعنی مِنْ وَقْفٍ میں مِنْ زائد ہے اور وہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ لَیْسَ کا اسم ہے۔ اور جر وَقْفٍ مجرور کے لفظ کی صفت قرار دیتے ہوئے[1] ہوگا۔

غَيْرُ مَالَهٗ سَبَبٌ لفظ غَيْرُ، حَرَامٍ کے اعراب کے تابع ہے، اور نصب بھی جائز ہے۔ نصب کی وجہ، غَيْرُ کا حال ہوتا ہے اور استثناء کی بنا پر بھی نصب[2] ہوسکتا ہے۔

غَيْرُ مضاف مَالَهٗ سبب میں مَا موصولہ لَهٗ خبر مقدم، ضمیر اسم موصول کی طرف راجع ہے سَبَبٌ مبتدا مؤخر ہے جملہ صلہ ہو کر غَيْرُ کا مضاف الیہ[3] ہے۔

نوٹ:۔ بعض نسخوں میں وَجَبَ کی بجائے یَجِبُ ہے۔

ح:۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں نہ تو کوئی وقف واجب ہے کہ قاری اس جگہ وصل کرنے کی وجہ سے گنہگار ہو جائے۔ اور نہ کسی جگہ وقف حرام ہے کہ قاری وہاں وقف کرنے کی وجہ سے حرمت کا مرتکب ہو کر گنہگار قرار دیا جائے۔ کیونکہ نامناسب جگہ وقف یا وصل کرنے سے قرآنی عبارت کے معنی میں خلل یا فساد نہیں آتا بلکہ غیر مرادی معنی کا صرف ایہام ہوتا ہے، کیونکہ وقف یا وصل بذاتِ خود کسی معنی پر دال نہیں، معانی سیاق و سباق سے متعین ہوتے ہیں۔

البتہ کہیں وقف کے واجب یا حرام ہونے کا اگر کوئی سبب پیدا ہو جائے گا تو بیشک وقف واجب یا حرام ہو جائے گا۔ مثلاً مَا مِنْ اِلٰہٍ (کوئی معبود نہیں)، پر تغیر فاحش کی نیت سے قصداً وقف کرے یا اِنِّیْ کَفَرْتُ (میں کافر ہوا) پر بطور استہزاء وقف کرے۔ یا مثلاً

وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ پر وقف کر کے اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰہِ سے ابتدا کرنی چاہیئے یہاں وصل نامناسب ہے کیونکہ غلط مطلب نکلنے کا وہم ہوسکتا ہے کہ وہ کہ آپ کو کفار کی یہ بات غم میں نہ ڈالے کہ عزت تو تمام اللہ ہی کے لئے ہے "، لیکن وصل کے نامناسب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ وصل حرام ہے کہ آدمی وصل کر کے پڑھنے سے گنہگار یا کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وصلاً پڑھنے کے باوجود بھی واقفین سیاق و سباق سے صحیح مطلب تک پہنچ سکتے ہیں۔

اسی طرح وقف کرنے کے بعد ابتدا یا اعادہ کا محل بھی مناسب ہونا چاہیئے بعض مرتبہ نامناسب جگہ سے ابتدا کرنے میں معنی میں تغیر فاحش کا وہم ہوتا ہے مثلاً وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَةٌ (یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے)، میں یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَةٌ سے اعادہ یا ابتدا قبیح ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وَقَالَتْ سے پڑھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ مقولہ یہود کا ہے۔ لیکن اگر کوئی لاپرواہی یا معنی سے ناواقفیت کی وجہ سے یَدُ اللّٰہِ سے پڑھے گا تو اس کو حرام یا کفر کا مرتکب ہرگز نہیں کہا جائے گا۔ ایسے ہی یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّكُمْ (اور وہ کفار رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے ہو شہر بدر کرتے ہیں)، میں وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّكُمْ سے اعادہ نہایت

---

[1] رومی و قاری [2] قاری [3] رومی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلبیح ہے کیونکہ معنی ہو جائیں گے " اپنے کو اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لانے سے بچاؤ ۔ "

لیکن اس اعادۂ تلبیح کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی غفلت و تساہل کی بنا پر یہ اعادہ کرے گا تو وہ حرمت یا کفر کا مرتکب کہلائے گا۔

ہاں اگر کوئی معنی سے واقف ہوتے ہوئے بطور استہزا و قصدًا تغیر فاحش کا ارتکاب کرے تو یہ مذکورہ اوقاف اور اعادے نہ صرف حرام بلکہ موجب کفر ہوں گے، ناظم رحمہ اللہ کے قول غَیْرَ مَا لَہٗ سَبَبٌ کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ شارحین فرماتے ہیں،

ائمۂ ادا کا یہ فرمانا کہ وقف و ابتدا فلاں جگہ جائز ہے اور فلاں جگہ ناجائز ہے، اس سے ان کی مراد فن ادا سے متعلق جواز ہوتا ہے کہ قراءت میں یہ بہتر ہے: ور تلاوت میں باعث رونق ہے اور یہ مطلب نہیں کہ اس جگہ وقف یا ابتدا حرام ہے یا مکروہ جس سے یا مرتکب ہونے والا گنہگار ہے، بلکہ اس سے ان کی مراد وہ وقف اختیاری ہے کہ جس کے مابعد سے ابتدا کی جاتی ہے۔ نیز ان کا یہ بھی مطلب نہیں ہوتا کہ فلاں مقام پر ہرگز اور کسی حالت میں بھی وقف نہ کیا جائے۔ کیونکہ پڑھنے والا اگر کسی ایسی نامناسب جگہ سانس کی تنگی یا اور کسی وجہ مثلاً تعلیم یا امتحان کی وجہ سے وقف کرنے پر مجبور ہو جائے تو بغیر کسی اختلاف کے سب کے نزدیک یہ وقف جائز ہو گا۔ البتہ پھر کسی مناسب جگہ سے اس کو اعادہ کرنا چاہیئے۔

کسی وقف کے (شاذ و نادر طریقہ پر) حرام ہونے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص قصدًا تحریف معنی کا یا مراد الٰہی کے خلاف مطلب نکالنے کا ارادہ کرے۔ ایسا کرنا (نعوذ باللہ) اس کے حق میں یقیناً حرام ہوگا، ایسے شخص کو شریعت مطہرہ کے تقاضے کے مطابق سرزنش کرنا ضروری ہے[1] واللہ اعلم

ظاہر ہے کہ کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ جان بوجھ کر قرآن کے معانی میں تحریف کا مرتکب ہو۔ ورنہ غلط وقف کرنے کی نوبت تو بعد میں آئے گی، اس کے نعوذ باللہ اس غلط وقف کے قصد و ارادہ کے ساتھ ہی دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا ڈر ہے۔

بہرحال یہ بحث اس لئے چھیڑی کہ بعض نا واقفوں نے وقف لازم یا تلبیح کی اصطلاحات کو فنی اصطلاحات کے دائرہ سے نکال کر ان کو شرعی احکام تصور کیا، اور اس قدر شدت اختیار کر گئے کہ حرمت و کفر تک نوبت پہنچا دی۔ ہمارے زمانہ میں بعض جاہلوں نے قرآن کے اول یا آخر میں کچھ مضامین چھاپے، کہ فلاں کلمہ پر فلاں حرکت پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے۔ یا فلاں جگہ وقف کرنے یا وصل کرنے سے کفر لازم آتا ہے ظاہر ہے کہ یہ لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ کیونکہ کفر و معصیت، قصد و ارادہ کرنے سے لازم آتے ہیں۔ بے خیالی یا ناواقفیت میں پڑھنے سے ہرگز نہیں۔

بَابُ مَعْرِفَةِ الْمَقْطُوْعِ وَالْمَوْصُوْلِ

مقطوع اور موصول کی پہچان

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ ختم کتاب تک آنے والے تمام ابواب "باب معرفۃ الوقوف" ہی کا ایک حصہ ہیں۔ جیسا کہ تفصیلاً معلوم ہوگا۔

[1] نشر ص ٢٣١ / ج ١

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وقف کا اجماعی اصول ہے کہ قرآنی رسم الخط میں اگر دو یا زیادہ کلمات موصول لکھے ہوں تو وہ رسم کی وجہ سے حکماً ایک کلمہ سمجھے جاتے ہیں اور وقف موصول پر نہیں بلکہ موصول بہ کے آخر میں کرنا ضروری ہوتا ہے۔ البتہ جو کلمات مقطوع یعنی جدا جدا کر کے لکھے گئے ہوں اُن میں ہر ایک کلمے کے آخر میں وقف صحیح ہوگا[1] مثلاً اَیْنَ مَا دو کلمے ہیں اگر مقطوع مرسوم ہوں گے تو ہر ایک پر وقف صحیح ورنہ اَیْنَما موصول ہونے کی صورت میں اَیْنَ پر وقف غلط ہوگا مَا پر ہونا چاہیئے۔

اس اصول پر بہرحال عمل ضروری ہے گو وقف اضطراری یا اختیاری ہی کی قسم سے کیوں نہ ہو۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اسم میں اصل کے موافق تو کلمات کا قطع ہی ہے، اور وصل یعنی ایک کلمہ کو دوسرے سے ملا کر لکھنا دونوں میں قوی درجہ کے لفظی اور معنوی اتصال پر متفرع ہوتا ہے حاصل یہ کہ قطع اصل ہے اور وصل کسی قسم کے قوی انصال کی وجہ سے ہوتا ہے[2]۔

مگر یہ جو کہا گیا ہے کہ دو کلموں میں انفصال کا اصل ہونا اس وقت ہے جبکہ کلمہ کی بنا کم از کم دو حرفوں پر ہوں لیکن جس کلمہ کی بنا ایک حرف ہو مثلاً حروف معانی میں سے کوئی حرف ہو جیسے باللہ اور بسم اللہ کی باجارہ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ میں لام جارہ کَمِثْلِہٖ میں کاف لَاَنْتُمْ میں لام وغیرہ تو رسم کے اصول کے مطابق ایسے حرف میں اصل انصال ہے خواہ یہ حرف ایک ہو جیسا کہ مثالیں گذریں یا دو ہوں جیسے فَلَقٰتَلُوْکُمْ میں فا اور لام تاکید، اور خواہ ایسا حرف ملا کر ایک قلم سے لکھا گیا ہو جیسا کہ مثالیں گذریں یا علیحدہ لکھا گیا ہو جیسے اَبِاللّٰہِ اور اَءَنْتُمْ میں ہمزۂ استفہام وَاِیَّاکَ میں واوٗ۔ ایسے حروف اگرچہ لکھنے میں علیحدہ ہوں مگر حکماً موصول ہی ہیں ان پر وقف کرنا یا بغیر ان کے مابعد سے ابتدا کرنا درست نہیں، البتہ جن خاص مواقع میں اس قسم کے حروف کو رسماً کاٹ کر لکھا گیا ہے اور بتواتر اُن پر وقف کرنے کا جواز ہے وہ اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً لفظ مَالِ ھٰذَا میں مَا استفہامیہ کے بعد لام جارہ کو مجرور سے مقطوع لکھا ہے، اور لام کی بنا ایک حرف پر ہے قیاساً تو لام پر وقف کا جواز نہ ہونا چاہیئے مگر روایت سے چونکہ ثابت ہے اس لئے جائز ہے۔ چنانچہ آئندہ اشعار میں اس پر بحث انشاء اللہ آنے والی ہے۔

اسی طرح لام تعریف یا حرف ندا ھا حرف تنبیہ اور ضمائر متصلہ خواہ اُن کی بنا ایک حرف پر ہو یا دو پر ہمیشہ کلمات کے ساتھ موصول ہی لکھے جاتے ہیں جیسے یٰاٰدَمُ، یٰبَنُوْمَّ، ھٰذَا، ھٰٓؤُلَاۗءِ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ، رُسُلَہٗ، رُسُلُنَا، رُسُلُکُمْ مِیْثَاقَہٗ، فَاَحْیٰکُمْ وغیرہ۔

اسی طرح فواتح سُوَر میں مقطعات میں باہم اتصال ہے جیسے الٓمٓ الٓمٓصٓ وغیرہ، سوائے حٰمٓ عٓسٓقٓ کے، کہ میم اور عین کے درمیان فصل ہوا ہے[3]۔

ایجاز واختصار کے لئے ناظمؒ نے آنے والے اشعار میں اُنہیں کلمات کا شمار کرایا ہے جو قلیلُ الورود ہوں یعنی مقطوع اگر قلیل الورود ہیں اور موصول کثیر تو مقطوع کا شمار کرایا گیا ہے ورنہ موصول کا۔

---

[1] شرح طیبۃ النشر لاحمد بن الجزریؒ صـ۱۷۳۔ منار الہدیٰ، صـ۱۲ المقصد للشیخ زکریا الانصاری صـ۱۹ [2] قصیدۂ رائیہ للعلامۃ الشاطبیؒ۔
[3] ارشاد المرید وفتح صـ$\frac{۱۵۲}{۲۴}$

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

٩٦۔ وَاعْرِفْ لِمَقْطُوعٍ وَمَوْصُولٍ وَتَا فِي مُصْحَفِ الْإِمَامِ فِيمَا قَدْ أَتَى

ت۔ اور پہچان تو مقطوع، موصول اور تاء تانیث کو اُس رسم میں جو یقیناً مصاحفِ عثمانؓ میں آیا ہے۔

ل۔ اِعْرِفْ صیغۂ امر فعل با فاعل لِمَقْطُوعٍ وَمَوْصُولٍ وَتَا جار مجرور متعلق اِعْرِفْ قولہ فِي مُصْحَفِ الْإِمَامِ الخ عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی فِيمَا قَدْ أَتَى فِي مُصْحَفِ الْإِمَامِ، فِيمَا میں ما موصولہ ہے جس سے رسم مراد ہے۔ اور قَدْ أَتَى میں ضمیر فاعل موصول کی طرف راجع ہے۔ فِي مُصْحَفِ الْإِمَامِ جار مجرور قَدْ أَتَى کے متعلق ہے۔ اور فِيمَا قَدْ أَتَى موصول صلہ مل کر مجرور ہے اور جار مجرور وَاعْرِفْ کے متعلق ہے۔

وَتَا اصل میں وَتَاءٍ تھا، آخر سے حالتِ وقف میں ہمزہ حذف ہوگیا، چنانچہ اس کی نظائر پہلے بھی آچکے ہیں۔ یہ وقف کا ایک جوازی قاعدہ ہے۔

غور کرنے سے واضح ہوگا کہ اوپر جو ترکیب لکھی گئی ہے وہ بالکل بے غبار اور تکلف سے خالی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے فِي مُصْحَفِ الْإِمَامِ کو كَائِنَةً کے متعلق قرار دے کر لِمَقْطُوعٍ وَمَوْصُولٍ وَتَا سے حال ٹھیرایا ہے اور فِيمَا قَدْ أَتَى کے معنی کئیں فِي مَا قَدْ وَصَلَ إِلَيْنَا مِنْ طَرِيقِ عُلَمَائِنَا الْأَعْلَامِ۔ جو تکلف سے خالی نہیں۔

ح۔ ناظم رحمہ اللہ وقف کے ذیل میں مقطوع، موصول اور تاءِ تانیث کا رسم بیان فرماتے ہیں، جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں مقطوع وہ لفظ کہلاتا ہے جس کو مابعد سے قطع کرکے لکھا گیا ہو۔ اس قسم کے کلمات پر وقف اضطراری یا اختیاری یا بطور تعلیم کے وقف صحیح ہوتا ہے گو معنی کے اعتبار سے وہاں وقفِ اختیاری صحیح نہ ہو۔ اور موصول وہ لفظ کہلاتا ہے جس کو مابعد سے ملا کر لکھا گیا ہو، رسماً موصول ہونے کی وجہ سے اس قسم کا لفظ اصطلاح میں ایک ہی شمار ہوتا ہے گو عربیت کے اعتبار سے وہ ایک نہ ہو، اور خواہ موصول دو لفظ ہوں یا زیادہ ہوں۔

تاءِ تانیث سے مراد وہ تاء ہے جو اسمِ مفرد کے آخر میں تانیث پر دلالت کرنے کے لئے زائد لاحق ہو جیسے الصلوٰۃ وغیرہ۔ لہٰذا فعل کی تاءِ تانیث جیسے أَنْبَتَتْ اور جمع مونث سالم کی تا جیسے وَالْمُسْلِمٰتِ نکل گئی جو ہمیشہ لمبی مرسوم ہوگی۔ اسمِ مفرد کی تاءِ تانیث کا قیاسی رسم تو یہ ہے کہ بشکل ۃ گول لکھی جائے مگر کہیں کہیں قرآن میں لمبی بشکل ت مرسوم ہے، اس کو رسمِ اصطلاحی کہا جاتا ہے تاء کا بیان اگلے باب میں عنقریب آرہا ہے، وقف کی تعلیم میں اس تاء کا حکم یہ ہے کہ اکثر قراؤں میں وقف رسم الخط کے مطابق ہوتا ہے اگر بشکل ۃ ہو تو وقف میں وہ تاء ھاءِ ساکنہ پڑھی جاتی ہے ورنہ تا پڑھتے ہیں۔

ہ شارح روحی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قولہ فِیْ مُصْحَفِ الْاِمَامِ اس سے مراد مصحفِ عثمانی ہے، یعنی وہ مصاحف جو امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حکم سے جمع کیے اور لکھے گئے۔ لہذا سمجھنا چاہیئے کہ مُصْحَفُ الْاِمَام مصحف عثمانی کے ہم معنی ہے۔ اس نام کی وجہ بعض روایات میں آئی ہے کہ حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کو بعض کلمات قرآنیہ میں مسلمانوں کے اختلاف کی خبر پہنچی، چونکہ قرآن کی تعلیم میں اعتماد زبانی حفظ و یادداشت پر تھا، قرآن مرسوم اگر تھا بھی تو وہ مدینہ میں تھا۔ ضرورت تھی کہ قرآن کی نقلیں کرا کر مرکزی شہروں میں بھیجی جائیں چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

يَا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم اِجْتَمِعُوْا فَاكْتُبُوْا لِلنَّاسِ اِمَامًا۔[1]

اے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جمع ہو جاؤ اور لوگوں کی راہنمائی کے لئے قرآن لکھو۔

چنانچہ قرآن کی یہ نقلیں نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ تیار ہوئیں جو ہر قسم کے لحن، سہو اور نسیان سے پاک تھیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ان کا نام "مصحف" تجویز ہوا جس کی جمع مصاحف آتی ہے۔

اکثر علماء متفق ہیں کہ یہ نقلیں کم از کم چار ہوئی تھیں ایک مدینہ میں رکھی گئی دوسرے شام کے دارالسلطنت دمشق بھیجی گئی تیسری کوفہ اور چوتھی بصرہ روانہ کی گئی۔

بعض کے نزدیک پانچ نقلیں کرائی گئیں چار وہ جن کا اوپر ذکر ہوا اور پانچویں نقل مکہ بھیجی گئی۔ بعض کی رائے میں چھ تھیں، پانچ وہ جن کا ذکر ہو چکا ہے اور چھٹی میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے خاص فرمائی تھی اور بعض کے نزدیک وہ نقل بحرین روانہ کی گئی تھی۔

جن حضرات نے مصاحف کی تعداد سات بتلائی ہے ان کے نزدیک چھ کی تفصیل تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور ساتواں مصحف یمن بھیجا گیا تھا۔ اور بعض کے نزدیک مصاحف کی تعداد آٹھ تھی، سات مذکورہ، اور آٹھواں مصحف خاص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تھا جس میں تلاوت کرتے ہوئے وہ شہید ہوئے۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ مدینہ میں دو مصحف تھے ایک عامۃ المسلمین کے جو مسجد نبوی ﷺ میں تھا اور ایک دوسرا جو امیرالمومنین نے اپنے لئے مخصوص فرمایا تھا۔

بعض روایات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر شریف میں اصول رسم سے خوب اچھی طرح واقف ہو گئے تھے، چنانچہ علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے[2]، اور ثابت کیا ہے کہ حکمت الٰہی کے مطابق آغاز نبوت میں بیشک آپ اُمّی تھے، لیکن اسلام کا چرچا ہوا، اور شکوک کے بادل چھٹ گئے تو آپ اُمّی نہ رہے بلکہ لکھائی کے اصول سے خوب واقف ہو گئے تھے،

اِن روایات سے اس نتیجہ پر پہنچ جانا آسان ہو جاتا ہے کہ قرآن کے رسم کا توقیفی و سماعی ہونا بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے یعنی قرآن کی تمام کتابت عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے مشورہ اور تعلیم سے مکمل ہو چکی تھی۔ لیکن اگر ان روایات پر کلام

---

[1] تاریخ القرآن لمحمد طاہر بن عبدالقادر کردی [2] دیکھو تفسیر آیت، وما کنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا جائے تو قرآن کے رسم کا توقیفی وسماعی ہونے کا مطلب صرف اسقدر ہوگا کہ یہ رسم صحابہ رضی اللہ عنہم کی اصطلاح ہے اور چونکہ اسکی داغ بیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں ہی پڑ چکی تھی لہذا ما بعد کے ہر دور میں یہی رسم قرآنی مقرر ہوگیا حتی کہ زمانہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں بھی اسی رسم کی اتباع برابر جاری رہی۔

تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں لیکن اجمالی تصور یہ رکھئے کہ قرآن مجید میں بہت سے کلمات کا رسم عام قواعد رسم کے خلاف ہے۔ مگر باجماعِ امت اُسی رسم میں قرآن لکھنا فرض وضروری ہے۔

رسم کے اس اضطراب کی وجہ یہ ہرگز نہیں سمجھنی چاہیئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو کاتب وحی رہے وہ اصول کتابت سے پوری طرح واقف نہ تھے اس لئے بہت سے کلمات قواعد عرفیہ کے خلاف لکھ گئے حاشا وکلا۔ یہ سراسر وھم باطل ہے، اس کے لئے مستقل تصانیف دیکھنی چاہئیں[1] جن سے بڑے مضبوط دلائل سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ وہ حضرات رضی اللہ عنہم اپنی عام رسم وکتابت میں اصول عرفیہ کے مطابق بہترین لکھتے تھے۔

دیگر یہ کہ کتابت کا تمام باب دلالت وضعیہ کی حیثیت رکھتا ہے، وضع وایجاد کا ہر قوم کو حق ہے جو قواعد عرفی طور پر رائج ہوگئے کوئی ضروری نہیں کہ صحابۂ کرام رسم قرآنی میں ان پر ضرور ہی کاربند ہوں اس لئے یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ قواعد عرفیہ کے خلاف رسم کو تو "رسم اصطلاحی" کہا جائے، یعنی یہ رسم اصطلاح صحابہ تھی جس کو انہوں نے کچھ مصالح کے پیش نظر اپنے لئے بطور اصطلاح مقرر کرلیا تھا ولا مناقشة فى الاصطلاح۔

فائدہ:۔ اکثر شراح نے مصحف الامام سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا وہ ذاتی مصحف مراد لیا ہے جو انہوں نے اپنے لئے مخصوص فرمایا تھا، لیکن اس لفظ کو خاص اُسی مصحف کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں کیونکہ آنے والے اشعار میں ناظم علیہ الرحمہ کئی جگہ خلف ذکر کر رہے ہیں ظاہر ہے کہ خلف ایک مصحف کے رسم میں نہیں ہوسکتا تو ضرور ہے کہ ایک سے زائد مصاحف کا رسم ناظم رح کے پیش نظر ہے دوسرے یہ کہ رسم کے باب میں قابل اعتماد جس طرح مصحف امام کا رسم تھا اس طرح باقی تمام مصاحف کا رسم بھی قابل اعتماد تھا لہذا حضرت عثمان کے مصحف کے ساتھ ناظم رح کے کلام کی تخصیص بے معنی ہے، زیادہ صحیح یہ ہے "مصحف الامام" کو بطور جنس تمام مصاحف عثمانیہ کے لئے سمجھا جائے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ پہلے تو مصحف الامام کی تشریح عام رُجحان کے مطابق مصحف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

والمراد بمصحف الامام هو مصحف امير المومنين عثمان بن عفان رضى الله عنه الذى اتخذه لنفسه يقرأ فيه،

لیکن چند سطروں کے بعد اس سے رجوع فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والاظهر ان المراد بمصحف الامام جنسه، الشامل لما اتخذه لنفسه فى المدينة ولما ارسله الى مكة والشام والكوفة والبصرة وغيرها۔

یعنی زیادہ ظاہر یہ ہے کہ مصحف امام سے جنس مصحف مراد ہے جو حضرت عثمان رضؓ کے ذاتی مصحف کو اور ان دیگر تمام مصاحف کو شامل ہے جو بلاد مکہ شام کوفہ اور بصرہ وغیرہ بھیجے گئے تھے۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو تاریخ القرآن وغرائب رسمہ لمحمد طاہر بن عبدالقادر کردی، مطبوعہ مصر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ش۵ فَاقْطَعْ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ اَنْ لَّا مَعَ مَلْجَاً وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا

ت۔ دس کلمات میں اَنْ لَا کو مقطوع لکھو (ان میں سے ایک) مُلْجَأً کے ساتھ، اور (دوسرا) لَا اِلٰهَ اِلَّا کے ساتھ ہے۔

ل فَاقْطَعْ صیغہ امر حاضر فعل بافاعل، اَنْ لَّا مفعول بہٖ، ذوالحال مع مضاف ملجا و لَآ اِلٰهَ اِلَّا دونوں معطوف علیہ و معطوف ہوکر مضاف الیہ اور مَعَ اپنے مضاف الیہ سے مل کر ظرف ہونے کی وجہ سے کائِنًا کے متعلق ہوکر حال ہے۔ مَلْجَا پر فتحہ، حکایۃً ہے۔

بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ اس طرح ہے۔ مَلْجَا. اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا۔ جو لفظ و معنی کے اعتبار سے زیادہ عمدہ ہے۔ کیونکہ اس طرح بغیر کسی تغیر کے قرآنی الفاظ اَنْ لَا مَلْجَاَ اور اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا موزوں ہوجاتے ہیں۔ جس سے اَنْ لَّا کے محل وقوع کی زیادہ وضاحت ہوجاتی ہے۔

ح۔ ناظمؒ اس باب میں وصل و قطع کے اعتبار سے کلمات کی پچیس ۲۵ انواع کا ذکر کریں گے، جن کو ہم تعین و شمار کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) اَنْ لَّا یعنی باجماع اہل رسم تمام قرآن میں دس جگہ لفظ اَنْ لَّا مقطوع آیا ہے۔ ان دس مواقع میں سے ناظمؒ نے دو کو اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔ ایک اَنْ لَا مَلْجَا مِنَ اللّٰہِ توبہ میں ہے اور دوسرا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (ھود) میں ہے۔

ملا علی قاری اور بعض اردو شارحوں نے اَنْ لَا اِلٰهَ کو اطلاق و تعمیم کے ساتھ لیتے ہوئے سورۃ الانبیاء کے اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ کو بھی شامل کیا ہے۔ مگر یہ تعمیم کرنا صحیح نہیں، کیونکہ اول تو ناظم نے بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ فرما کر اَنْ لَّا مقطوع کا شمار کرا دیا ہے، پھر ان دس کی تعیین فرمائی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سورۃ الانبیاء والا موقع ناظمؒ کی مراد نہیں ہے، ورنہ تعداد دس نہ رہے گی، بلکہ گیارہ ہوجائے گی دوسرے یہ کہ سورۃ الانبیاء والے اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا میں قطع اجماعی نہیں ہے بلکہ اہل رسم کے یہاں اس میں اختلاف ہے اکثر مصاحف میں قطع ہی ہے اور بعض میں موصول ہے چنانچہ نشر میں فرماتے ہیں۔ ففی اکثرھا مقطوع وفی بعضھا موصول[۳] لہٰذا یہ کہنا غلط ہے تو ممکن ہے کہ انبیاء والے کو اس لئے بیان نہ کیا ہو کہ ان کی (یعنی ناظم کی) رائے میں اس کا موصول ہونا ادنیٰ ہو" کیونکہ ناظمؒ کی رائے جو کچھ ہے وہ ہم اوپر بحوالہ نشر لکھ آئے ہیں اس صاف تصریح کے ہوتے ہوئے مذکورہ احتمال کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ا۔ رومی ۲۔ ملا علی قاری ۳۔ نشر ص ۱۴۸/ج ۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسرے علامہ دانی نے مقنع میں انہیں دس مقطوعات کا ذکر فرمانے پر اکتفا کیا ہے جن کو ناظم نے بیان فرمایا ہے۔ ... ہے۔
ناظمؒ نے اس تمام پر علامہ دانی کا اتباع کیا ہو چنانچہ علامہ دانی نے ابن الانباری، حمزہ اور ابوحفص خزاز تینوں کی روایت سے ان
لا مقطوع کے صرف دس کلمات ہی کا ذکر کیا ہے۔ البتہ علامہ شاطبیؒ نے سورۃ الانبیاء والے میں مختلف ذکر کیا ہے بلا اختلاف ... کی
صورت میں بہتر یہ ہے کہ ان لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ میں تعمیم کرتے ہوئے انبیاء والے کو شامل نہ سمجھا جائے ورنہ قطع بجائے مختلف فیہ
کے اجماعی سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ناظمؒ اجماعی قطع کا ذکر کر رہے ہیں

ش۸۱ وَتَعبُدُوا لیٰسین ثانی ھُودَ لَا یُشرِکن تُشرِک یَدخُلن تَعلُوا علیٰ

ت۔ (اور قطع کرو اَن لَّا کو) مع تَعبُدُوا کے سورۂ یٰسین میں، اور مع دوسرے اَن لَّا تَعبُدُوا کے سورۂ ہود
میں، مع اَن لَّا یُشرِکنَ (اور) اَن لَّا تُشرِک (اور) اَن لَّا یَدخُلَنَّھَا (اور) اَن لَّا تَعلُوا علیٰ کے

ل۔ وَتَعبُدُوا گزشتہ شعر کے لفظ مَلجَأً پر عطف ہے یعنی اِقطَع اَن لَّا مع تَعبُدُوا اور یٰسِینَ، اَن لَّا تَعبُدُوا
کا ظرف ہے یعنی فِی یٰسِینَ اور ظرفیت ہی کی بنا پر یٰسِینَ کا نون منصوب ہے۔
ثَانِیَ ھُودَ، واوِ عاطفہ یہاں اور آگے آنے والے تمام الفاظ میں محذوف ہے یعنی وَثَانِیَ ھُودَ۔ ثَانِیَ ھُودَ ترکیب
اضافی تَعبُدُوا پر عطف ہے، اور مضاف الیہ یعنی ھُودَ اپنے مضاف یعنی ثَانِیَ کے لئے ظرف ہے۔ آگے لَا یُشرِکنَ، تُشرِک الخ
بحذفِ واوِ عطف تمام الفاظ تَعبُدُوا پر عطف ہیں۔

یعنی مذکورہ دس کلمات میں سے تیسرا کلمہ اَن لَّا تَعبُدُوا الشَّیطٰنَ سورۂ یٰسین میں ہے اور چوتھا اَن لَّا تَعبُدُوا اِلَّا
اللہَ اِنِّیٓ اَخَافُ عَلَیکُم سورۂ ہود میں دوسرا کلمہ ہے جو تیسرے رکوع میں قصۂ نوح علیہ السلام میں ہے۔ ثانی کی قید سے
سورۂ ہود کے پہلے اَلَّا تَعبُدُوا سے احتراز مقصود ہے جو پہلے رکوع میں ہے اور باتفاق مصاحف موصول ہے۔
پانچواں کلمہ علیٰ اَن لَّا یُشرِکنَ بِاللہِ سورۂ ممتحنہ میں ہے۔ چھٹا اَن لَّا تُشرِک بِی شَیئًا سورۂ حج میں، ساتواں
اَن لَّا یَدخُلَنَّھَا الیَومَ سورۂ نون میں آٹھواں اَن لَّا تَعلُوا عَلَی اللہِ سورۂ دخان میں۔
ناظمؒ کے الفاظ میں تَعلُوا کے بعد عَلیٰ کلمۂ قرانی ہے جس کے ذریعہ اَلَّا تَعلُوا عَلَیَّ
(نمل) سے احتراز مقصود ہے، جو باتفاق موصول ہے۔

لے مقنع ص ۶۸ ۲ے العقیلہ ص ۸۰

www.KitaboSunnat.com

ش۸۲ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا لَا اَقُوْلَ - اِنْ مَّا بِالرَّعْدِ وَالْمَفْتُوْحَ صِلْ وَعَنْ مَّا

ت - مع اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (اور) اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ کے - اور قطع کرو
اِنْ مَّا کو سورۂ رعد میں - اور مفتوح الهمزہ (یعنی اَمَّا) کو موصول لکھو - اور عَنْ مَّا کو . . . .

ل - اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا شعر بالا کے الفاظ پر معطوف ہے - اَنْ لَّا کو یہاں مکرر ذکر کیا ہے کیونکہ بصراحت اس کا ذکر شعر بالا میں نہیں آیا تھا جس کی وجہ سے مکرر اسکے ذکر کی تجدید مناسب سمجھی گئی قولہ لَا اَقُوْلَ لَا يَقُوْلُوْا پر عطف ہے اور لَا اَقُوْلَ میں حرف لَا کو تو ذکر کیا ہے اور اَنْ کو ذکر نہیں کیا اس کی وجہ وزن شعری ہے - قولہ اِنْ مَّا - اِقْطَعْ کے مفعول پر عطف ہے یعنی اِقْطَعْ اِنِ الْمَكْسُوْرَةَ عَنْ مَا الْمُؤَكِّدَةِ قولہ بِالرَّعْدِ - اِنْ مَّا کے لئے ظرف ہے قولہ وَالْمَفْتُوْحَ مفعول مقدم ہے فعل امر یعنی صِلْ کا - قولہ وَعَنْ مَّا اس کا تعلق آئندہ شعر سے ہے، عَنْ مَّا منصوب ہے کیونکہ آنے والے فعل اِقْطَعُوْا کا مفعول ہے -

---

ح : یعنی نواں موقع کہ جس میں اَنْ لَّا مقطوع آیا ہے اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ سورۂ اعراف میں ہے اور دسواں موقع حَقِيْقٌ عَلٰى اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ نیز سورۂ اعراف میں ہے یہاں تک اَنْ لَا مقطوع کے دس کلمات کا بیان ختم ہوگیا - گیارھواں موقعہ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سورۂ الانبیاء والے کا ذکر اوپر آچکا ہے - جس میں قطع راجح ہے - گو وصل بھی صحیح ہے - بہرحال ان گیارہ کے علاوہ باقی تمام قرآن میں باتفاق اَلَّا موصول ہے جیسے اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ - اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ ، اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ وغیرہ -

اس لفظ میں قطع کی وجہ تو یہ ہوگی کہ اَنْ اور لَا دو کلمے ہیں، لہٰذا اصل کی بنا پر قطع اختیار کیا گیا - اور وصل اسلئے ہے کہ چونکہ ادغام کی وجہ سے نون تلفظ سے حذف ہوگیا تو رسم میں بھی ادغام کی موافقت کرتے ہوئے حذف کر دیا گیا - حاصل یہ کہ قطع میں تو اصل کی رعایت مقصود ہوتی ہے اور وصل میں ملا کر پڑھتے ہوئے جو تلفظ ہو رہا ہے اس کی مطابقت مقصود ہوتی ہے گویا اول میں وقف کی اور دوسرے میں وصل کی رعایت کی جاتی ہے - آئندہ آنے والے کلمات میں بھی یہی سمجھیں -

فائدہ :- اَنْ لَّا میں کہیں اَنْ ناصبہ مصدریہ ہے اور کہیں مخففہ من المثقلہ اور کہیں تفسیریہ جبکہ لَا کہیں نافیہ آیا ہے اور کہیں ناھیہ -

(۲) اِنْ مَّا قولہ اِنْ مَّا بِالرَّعْدِ یعنی اِنْ مَّا جو سورۂ رعد میں ہے وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ - باتفاق مصاحف مقطوع ہے ، ناظمؒ نے چونکہ اِنْ مَّا کو اَنْ لَّا پر عطف کرتے ہوئے بیان کیا ہے اس عطف سے اِنْ مَّا کا مقطوع الرسم ہونا سمجھا جائے گا - اس لفظ میں اِنْ شرطیہ ہے اور مَا برائے تاکید زائدہ ہے - باقی تمام قرآن میں اِمَّا موصول ہے جیسے اِمَّا تَخَافَنَّ (انفال) وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ (یونس) فَاِمَّا تَرَيِنَّ (مریم) وغیرہ -

---

۱؎ منح الفکریہ التذکرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ (غافر) فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ (بقرہ) فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ (انفال) فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ (طٰہٰ) فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ (زخرف) يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ (اعراف) وغیرہ۔

یاد رہے کہ اِمَّا یا حرف شرط اِنْ اور مَا زائدہ کا مجموعہ ہوتا ہے یعنی اگر یا حرف عطف بمعنی یا قرآن میں ان دونوں کا وقوع ہے۔ وصل وقطع کی بحث اول میں ہے دوسرے میں نہیں۔ کیونکہ اول ہی میں مقطوع اور موصول دو طرح مرسوم ہونے کی گنجائش ہے۔ ثانی میں مقطوع ہونے کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ وہ دو حرفوں کا مجموعہ نہیں بلکہ مستقل ایک حرف یعنی حرف عطف ہے، لہذا سمجھنا چاہیئے کہ علماءِ رسم جس اِمَّا کے وصل وقطع سے بحث کرتے ہیں وہ شرطیہ ہے عاطفہ نہیں، چنانچہ ہم نے اوپر جو مثالیں لکھی ہیں وہ تمام شرطیہ کی ہیں، کیونکہ مقصود بحث وہی ہے ان دونوں میں امتیاز کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اِمَّا کے بعد فا آئے تو شرطیہ سمجھنا چاہیئے جیسے فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ (مریم) اور اگر اِمَّا یا اَوْ آئے تو حرف عطف ہوگا جیسے فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً (محمد) يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ (اعراف)، اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ (توبہ) اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا (بنی اسرائیل) وغیرہ۔

قولہ وَالْمَفْتُوْحُ صِلْ

(۳) اَمَّا اور اَمَّا جس کا ہمزہ مفتوح ہے ہمیشہ موصول لکھو، تمام قرآن میں یہ لفظ موصول ہی ہے مقطوع کہیں نہیں۔

لفظ اَمَّا سے ناظم رحمہ اللہ کی مراد وہ اَمَّا ہے جو اَمْ حرف عطف جو ہمزۂ استفہام کے بعد آتا ہے، اور مَا بمعنی اَلَّذِيْ سے مرکب ہے، جس کے معنی اَمِ الَّذِيْ (کیا وہ جو کہ) ہوتے ہیں جیسے اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ (انعام) آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (نمل)، اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (نمل)۔ اور غالباً یہ اَمَّا کہ جس کی اصل اَمْ مَا ہے قرآن میں صرف تین ہی جگہ ہے۔ اور علامہ دانی نے ابن الانباری کے حوالہ سے جو فرمایا ہے وقولہ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ هو في المصحف حرف واحد معناه اَمِ الَّذِيْ اشْتَمَلَتْ یعنی وہ اَمَّا کہ جس کے معنی اَمِ الَّذِيْ ہیں قرآن میں صرف ایک جگہ ہے اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ۔ یہ غالباً ابن الانباری کا وہم ہے۔[1]

لیکن وہ اَمَّا مراد نہیں جو حرف شرط ہے، اور اجمال کی تفصیل کے لیئے آتا ہے جیسے فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ الی آخر الآیۃ (ہود) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ (بقرہ) فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ (آل عمران) یہ اَمَّا جو حرف شرط وتفصیل ہے، لفظ مفرد ہے، مرکب نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب لفظ مفرد ہو تو اس میں موصول یا مقطوع کی اس بحث کا کوئی تعلق نہیں جس کیلئے ناظم علیہ الرحمہ نے یہ باب منعقد کیا ہے۔ لہذا اس کو موصول نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس کی تحلیل دو حکموں کی طرف نہیں ہے اور نہ مقطوع ہی ہے کیونکہ کلمۂ واحدہ میں قطع ممکن نہیں۔

ان دونوں لفظوں کی پہچان آسان ہے پہلا اَمَّا ہمیشہ حرف استفہام کے بعد ہوگا اور جواب میں فا نہ ہوگی، اور دوسرا چونکہ شرطیہ ہے لہذا جواب میں فا کا ہونا لازم ہے۔

---

[1] حوالہ کے لیے دیکھئے مقنع ص۷۱ ونشر ص۱۵۲ ج ۲ اور منح الفکریہ میں شارح مصری کی رائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یاد ہوگا کہ اَمَّا سے پہلے ناظم علیہ الرحمہ نے اِنْ مَّا بکسر ہمزہ کا ذکر فرمایا تھا جو اِنْ حرف شرط اور مَا زائدہ سے مرکب تھا، اُسی پر عطف کرتے ہوئے ناظم رحمہ اللہ نے وَالْمَفْتُوْح صِلْ فرمایا، جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اَمَّا جس کا ذکر فرمانا چاہتے ہیں اَنْ مَّا ہوگا یعنی لفظ وہی ہے صرف فتحہ کے ساتھ ہونے کا فرق ہے۔ لیکن ایسا سمجھنا سخت غلطی ہے، کیونکہ اَنْ بفتح ہمزہ کے بعد مَا زائدہ کا وقوع قرآن میں تو کیا تمام عربی زبان میں نہیں[1]۔

یہ مغالطہ جس کی ہم نے نشان دہی کی ایسا عام تھا اور وہ ہے کہ بعض بڑے بڑے شُرّاح مثلاً ابن الناظم رحمہما اللہ اور شارح رومی جیسے حضرات مبتلا ہو گئے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ ناظم اسکو بجائے یہاں بیان کرنے کے اَمْ مَّنْ کے ساتھ بیان فرماتے، جس کا ذکر قریب آرہا ہے۔ بہرحال یہاں استطراداً اس کو بیان فرمادیا ہے کیونکہ اِمَّا اور اَمَّا میں لفظی تشابہ پایا جاتا ہے صرف ہمزہ کے فتحہ و کسرہ کا فرق ہے بہرحال اَمَّا بفتح ہمزہ کے وصل کی بحث اس رسالہ کے مختصات میں سے ہے جو اپنی جگہ نہایت ضروری تھی رسم کی دیگر کتب میں ہم نے اس پر بحث نہیں دیکھی۔

(۴) عَنْ مَّا	قولہ وَعَنْ مَّا اس کا تعلق اگلے شعر سے ہے تشریح بھی وہیں ملاحظہ فرمائیے۔

ش ۸۳۔ نُهُوا اقْطَعُوا مِنْ مَّا بِرُومٍ وَّالنِّسَا خُلْفُ الْمُنَافِقِيْنَ اَمْ مَّنْ اَسَّسَا

ت۔ عَنْ مَّا نُهُوا میں (عن کو ما سے، قطع کرکے لکھو نیز مِنْ مَّا کو جو سورۂ روم اور نساء میں ہے اور منافقین والے میں خُلف ہے، اسی طرح قطع کرکے لکھو اَمْ مَّنْ اَسَّسَ کو

ل۔ لفظ نُهُوا گذشتہ سے پیوستہ ہے یعنی عَنْ مَّا نُهُوا اور یہ پورا لفظ قرآنی اِقْطَعُوا صیغہ امر کا مفعول فیہ مقدم ہے، آگے کَذَا مقدر ہے یعنی کذا اقْطَعُوا مِنْ مَّا بِرُوْمٍ وَّالنِّسَا (اسی طرح لفظ مِنْ مَّا کو جو سورۂ روم اور سورۂ نساء میں ہے قطع کرکے لکھو)، یا واؤ حرف عطف مقدر ہے۔ اور عَنْ مَّا نُهُوا پر عطف ہے

قولہ خُلْفُ الْمُنَافِقِيْن. مضاف و مضاف الیہ ہیں اور اضافت بمعنی فِیْ ہے۔ یہ مبتدا ہے اور ثَبَتَ فعل محذوف خبر ہے یا خُلْفَ منصوب پڑھا جائے، یعنی منصوب بنزع الخافض ہے اصل میں مَعَ خُلْفِ الْمُنَافِقِيْنَ تھا، اور مَعَ، اِقْطَعُوا کا ظرف ہوجائے گا۔

قولہ اَمْ مَنْ اَسَّسَا بتقدیر حرف عطف عَنْ مَّا پر عطف ہے یعنی اِقْطَعُوا اَمْ مَّنْ اَسَّسَا (قطع کرکے لکھو اَمْ مَّنْ اَسَّسَا کو)

اَسَّسَا کے آخر میں الف اطلاقی ہے اور اَسَّسَ یا اُسِّسَ بصیغہ ماضی معروف و مجہول دونوں قرائتیں ہیں

---

[1] تفصیل کے لئے کتب نحو میں حروف زوائد کا بیان دیکھئے [2] منح الفکریہ [3] رومی [4] شیخ زکریا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَالنِّسَآ کے آخر سے ہمزہ کی تخفیف ہوگئی، جیساکہ امام حمزہ وہشام کے یہاں وقف میں ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ بعض نسخوں میں ہے مِنْ مَّا مَلَكَتْ رُوْمُ النِّسَآ اور لفظ روم مرفوع ومنصوب دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔

ح ؛ مطلب یہ ہے کہ باتفاقِ مصاحف فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا (اعراف) میں عَنْ جارہ مَا موصولہ وغیرہ سے قطع کرکے لکھا گیا ہے، اور یہ قطع صرف سورۂ اعراف ہی میں ہے باقی ہر جگہ یہ لفظ موصول لکھا گیا ہے جیسے عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ عَمَّا قَلِيْلٍ۔ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ۔ پہلی تین مثالوں میں مَا موصولہ ہے چوتھی میں زائدہ اور پانچویں میں استفہامیہ ہے جس کے آخر سے تخفیفاً الف حذف ہوگیا ہے۔

(۵) مِنْ مَّا

قولہ مِنْ مَّا بِرُوْمِ وَالنِّسَا یعنی باتفاق مصاحف دو جگہ مِنْ مَّا میں مِنْ جارہ مَا موصولہ سے مقطوع ہے ایک مِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ سورۂ روم میں دوسرا فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ سورۂ نسآء میں۔

ناظم کے کلام میں قطع کا یہ حکم عَنْ مَّا پر عطف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، اور عَنْ مَّا کے متعلق بصراحت اِقْطَعُوْا فرمایا گیا ہے۔

قولہ وَخُلْفُ الْمُنٰفِقِيْنَ یعنی وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ جو سورۂ منافقین میں ہے اس مِنْ مَّا کے وصل وقطع میں خلف ہے، حاصل یہ کہ دونوں طرح صحیح ہے۔

ان تین کے بیان سے ثابت ہوا کہ باقی تمام قرآن میں مِمَّا موصول ہی ہے جیسے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ، مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا، مِمَّ خُلِقَ وغیرہ۔ خواہ مَا موصولہ ہو، جیساکہ پہلی دو مثالوں میں، خواہ استفہامیہ ہو، جیساکہ تیسری مثال میں، کہ آخر سے تخفیفاً الف حذف ہوگیا ہے۔

فائدہ:۔ علامہ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مقنع میں امام رسم محمد بن عیسیٰ سے بسند نقل کیا ہے کہ مِنْ مَّا تین جگہ مقطوع ہے روم، نسآء اور منافقون میں[۲]۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقون میں قطع ہی ہے پھر ذِكْرُ مَا اخْتَلَفَتْ فِيْهِ مَصَاحِفُ اَهْلِ الْاَمْصَارِ بِالْاِثْبَاتِ وَالْحَذْفِ کے عنوان کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ سورۂ منافقوں میں وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ میں بعض مصاحف میں مِنْ مَّا مقطوع اور بعض میں مِمَّا موصول ہے[۳]۔

ان دونوں روایتوں سے منافقون میں قطع راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ محمد بن عیسیٰ کی روایت مصاحف عثمانیہ سے ہوتی ہے اور خلف والی روایت مابعد کے دور میں شائع ہونے والے غیر مصاحف عثمانی سے دانی نے اپنے مشاہدہ کے بعد لکھی ہے۔ لیکن دانی کے بعد والے مصنفین مثلاً شاطبی[۴] وجزری وغیرہ نے منافقین میں خلف والی روایت ہی کو ترجیح دی ہے اور کسی ایک کی ترجیح بیان نہیں کی۔

فائدہ:۔ مِنْ کے بعد اسم ظاہر ہوگا تو مِنْ مقطوع لکھا جائے گا جیسے مِنْ مَّارِجٍ، مِنْ مَّالٍ وغیرہ اور ضمیر ہو جیسے مِنْهُمْ مِنْكُمْ، مِنْهُ یا مَنْ موصولہ ہو جیسے مِمَّنْ مَّنَعَ، مِمَّنِ افْتَرٰى تو موصول ہوگا۔ فرق اتنا ہے کہ ضمیر کے ساتھ نون لکھا جائے

---

[۱] منح الفکریہ [۲] مقنع ص ۶۹ [۳] مقنع ص ۹۸ [۴] انفس الدرر شرح عقیلہ ص ۸۲ [۵] نشر ص ۱۴۹/۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گا اور مَنْ کے ساتھ بوجہ ادغام مِنْ کا نون نہیں لکھا جائے گا۔

قولہ اَمْ مَنْ اَسَّسَا یعنی اَمْ کے بعد مَنْ کو باتفاقِ مصاحف چار جگہ قطع کر کے دو میم کے ساتھ لکھو، ایک اَمْ مَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ سورۂ توبہ میں، باقی تین کا بیان آئندہ شعر میں آرہا ہے۔

(۶) اَمْ مَنْ

ش۸۴ فُصِّلَتْ اِلنِّسَا وَذِبْحِ حَیْثُ مَا ‏ وَاَنْ لَّمِ الْمَفْتُوْحَ کَسْرَ اِنَّ مَا

ت۔ اور سورۂ فُصِّلَتْ، اور سورۂ نساء اور سورۂ ذبح میں۔ اور قطع کر کے لکھو حَیْثُ مَا اور اَنْ لَّمْ مفتوح الہمزہ کو، اور اِنْ لَّمْ مکسور الہمزہ کو۔

ل۔ فُصِّلَتْ اِلنِّسَا دونوں معطوف و معطوف علیہ ہیں حرفِ عطف محذوف ہے اور فُصِّلَتْ معطوف ہے شعر گذشتہ میں اَمْ مَنْ اَسَّسَا پر، جو کہ اِقْطَعُوْا فعل محذوف کا مفعول تھا، البتہ اتنا فرق ہے کہ اَمْ مَنْ اَسَّسَا تو مفعول بہ تھا اور فُصِّلَتْ اِلنِّسَا وَذِبْحِ تینوں معطوفات سے پہلے فِیْ حرفِ جر مقدر ہے وَفِیْ فُصِّلَتْ الخ کیونکہ ان تینوں معطوفات میں سورتوں کے نام مراد ہیں۔ فُصِّلَتْ سے حم سجدہ اور ذِبْح سے سورۂ والصّٰفّٰت مراد ہے، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورت میں وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ آتا ہے۔ اَلنِّسَا کے آخر سے ہمزہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے حذف ہوگیا۔

حَیْثُ مَا سے پہلے واؤ حرفِ عطف مقدر ہے اور اَمْ مَنْ اَسَّسَا پر عطف ہے یعنی اِقْطَعُوْا حَیْثُ مَا۔ وَاَنْ لَّمِ الْمَفْتُوْحَ یہ بھی اِقْطَعُوْا کے مفعول پر معطوف ہے یعنی وَاِقْطَعُوْا اَنْ لَّمِ الْمَفْتُوْحَ بتاویل لفظ موصوف اور اَلْمَفْتُوْح صفت ہے۔

کَسْرَ اِنَّ مَا۔ لفظِ کَسْرَ بتاویل مکسور، معنیً صفت ہے اور لفظاً مضاف ہے اس طرح اِنْ لَّمْ معنیً موصوف اور لفظاً مضاف الیہ ہے، جیسا کہ جامِعُ الْمَسْجِدِ میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے۔

ح۔ یعنی اَمْ کو مَنْ استفہامیہ سے باتفاقِ مصاحف چار جگہ مقطوع لکھا گیا ہے، ایک کا بیان گذشتہ شعر میں بحوالہ سورۂ توبہ آچکا ہے دوسرا اَمْ مَنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا سورۂ فصّلت میں، تیسرا اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْہِمْ وَکِیْلًا نساء میں۔ چوتھا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا سورۂ ذبح یعنی والصّٰفّٰت میں۔

ان چار مواقع کے علاوہ ہر جگہ موصول ہے جیسے اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ، اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ وغیرہ۔ اَمْ کو مَنْ

ا۔ مقنع ص۶۹ دعقیلہ ص۸۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

سے قطع کرتے ہیں فائدہ یہ ہے کہ اَمْ کے معنی بَلْ اسی صورت میں ہوتے ہیں۔ وصل کی صورت میں نہیں[1]۔

(۷) حَیْثُ مَا یعنی باتفاق مصاحف لفظ حَیْثُ مَا بھی مقطوع ہی ہے، مطلب یہ کہ یہ لفظ جہاں بھی ... ہوگا۔ قرآن میں لفظ حَیْثُ مَا صرف دو جگہ ہے وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ سورۂ بقرہ رکوع ...

(۸) اَنْ لَّمْ یعنی اَنْ لَّمْ جس کا ہمزہ مفتوح ہے جہاں بھی واقع ہو، مقطوع ہوگا اور تعمیم اطلاق سے ... ہے، اَنْ مخففہ من المثقلہ، اور لَمْ جازمہ ہے، جیسے اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ (انعام) اور اَنْ لَّمْ یَرَهٗ اَحَدٌ (بلد)

نوٹ:- اِنْ لَّمْ یعنی اِنْ شرطیہ مع لَمْ جازمہ کا بیان آگے چند اشعار بعد آ رہا ہے۔

(۹) اِنَّ مَا یعنی اِنَّ (بکسر ہمزہ، جو کہ حرف مشبہ بفعل ہے) کو مَا موصولہ کے ساتھ باتفاقِ مصاحف قرآن میں صرف ایک جگہ قطع کرکے لکھو، اور وہ جگہ ہے اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ، جو سورۂ انعام میں واقع ہے، چنانچہ سورت کے نام کی تصریح آئندہ شعر کے شروع میں آتی ہے۔

نشر میں ہے کہ سورۂ انعام والا موقع تو باتفاق مقطوع ہے البتہ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ (نحل) میں قطع اور وصل مختلف فیہ ہے اکثر مصاحف میں مفصول لکھا ہے[2]۔ اور علامہ شاطبی کے قصیدۂ رائیہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے البتہ وصل کے قوی اور اثبت ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے[3]۔ نحل والے موقع کے خلف کا ذکر آئندہ شعر میں آ رہا ہے۔

باقی تمام جگہ اِنَّمَا موصول ہے خواہ تعددت کے ساتھ ہو جیسے ذاریات اور مرسلات کے پہلے رکوعوں میں ہے یا اس کے بغیر ہو جیسے اِنَّمَا نَحْنُ (بقرہ ع) اور اِنَّمَا اَنَا (کہف ع) وغیرہ[4]۔

فائدہ:- علامہ دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِنَّ مَا صرف ایک جگہ مقطوع ہے اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ۔ علامہ موصوف اس روایت کی توثیق میں سند کا حوالہ دیتے ہوئے ابن الانباری، محمد بن عیسٰی، ابو حماد، حمزہ اور ابو حفص رحمہم اللہ جیسے اکابر اہل رسم کا حوالہ دیتے ہیں، اور نحل والے موقع کے ذکر سے خاموش ہیں[5]۔ جس سے نحل والے اِنَّمَا کے قطع والی روایت کی تضعیف واضح ہوتی ہے۔

نوٹ:- سورۂ انعام میں لفظ اِنَّمَا چھ جگہ آیا ہے اور ناظم رحمہ اللہ نے کوئی تعیین نہیں کی۔ اس اشکال کا حل آئندہ شعر کی تشریح میں ملاحظہ ہو۔

شـ۸۵ الانْعَامَ وَالْمَفْتُوْحَ یَدْعُوْنَ مَعًا ۔۔۔ وَخُلْفُ الْاَنْفَالِ وَنَحْلٍ وَقَعَا

ت، سورہ انعام میں۔ اور قطع کرو اَنَّمَا مفتوح الہمزہ کو یَدْعُوْنَ کے ساتھ دونوں جگہ۔ اور انفال اور نحل میں خلف واقع ہوا ہے۔

---

[1] شیخ علی محمد ضباع مرحوم شیخ المقاری المصریہ۔ [2] نشر ۱۲۸/۲ج [3] افضل الدرر ص ۸۴ [4] اسہل الموارد ص ۱۱۱ [5] مقنع ص ۷۳

www.KitaboSunnat.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ل ۔ لَاَنْعَامَ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی فِی الْاَنْعَامِ ۔ اَلَانْعَامَ اصل میں اَلْاَنْعَامَ تھا اَنْعَامَ کے ہمزہ کا فتحہ لام تعریف کو نقل ہوا، لام کے مفتوح ہوجانے کی وجہ سے ہمزۂ وصل کے حذف پر اکتفا کیا گیا، چنانچہ اَلْاَضْرَاسِ میں مفصّل تحقیق بیان کی جاچکی ہے ۔ اَلْمَفْتُوْحُ، اَنَّ مَا محذوف کی صفت ہے اور اِقْطَعُوْا مقدر کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ۔ یَدْعُوْنَ محلاً منصوب بنزع الخافض ہے، یعنی مِنْ اِنَّ مَا یَدْعُوْنَ ۔ مَعًا ظرف ہے اور یَدْعُوْنَ سے حال ہے یعنی کَائِنًا مَعًا ۔ جمہور کے نزدیک یہ معرب ہے منصوب ہے اور ظرفیت کی بنا پر لازم النصب ہے ۔ وَخُلْفُ مضاف، مبتدا، اَلْاَنْفَالِ بنقلِ حرکتِ ہمزہ وَنَحْلٍ ہر دو مضاف الیہ، وَقَعَا، یا تو صیغۂ واحد مذکر ہے اور ضمیر فاعل حَذْف کی طرف عائد ہے، اور الف اطلاقی ہے، یا صیغۂ تثنیہ ہے کہ سورتین میں خُلف واقع ہونے پر نظر کرتے ہوئے صیغۂ تثنیہ لائے ہیں[1] ۔

ح ۔ لَاَنْعَامَ شعر سابق سے متعلق ہے، یعنی اِنَّ مَا بکسرِ ہمزہ جو تمام قرآن میں صرف ایک جگہ مقطوع ہے وہ سورۂ انعام میں واقع ہے ۔ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ اس سے مراد اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ہے لیکن اشکال یہ ہے کہ ناظم کے کلام سے اس کی تعیین ظاہر نہیں ہوتی ہے، حالانکہ تعیین ضروری تھی، کیونکہ سورۂ انعام میں اِنَّمَا چھ جگہ واقع ہے، آیت ۱۹ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ، آیت ۳۶ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ آیت ۱۰۹ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ آیت ۱۳۴ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ، آیت ۱۵۶ اَنْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اُنْزِلَ الْكِتٰبُ آیت ۱۵۹ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ۔
ان چھ میں سے پانچ میں مَا کافہ عن العمل ہے، جو حصر کے معنی دیتا ہے اور اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ میں مَا موصولہ ہے اور ناظمؒ کی مراد بھی یہی ہے، اور اس مراد پر قرینہ یہ ہے کہ اوپر عَمَّا نُهُوْا، مِنْ مَّا بِرُوْمٍ اور حَیْثُ مَا میں مَا موصولہ ہی آیا ہے ۔ دوسرے یہ کہ عام رسم کا قاعدہ بھی یہی ہے مَا کافہ موصول لکھا جاتا ہے، اور مَا موصولہ چونکہ کلام کا اہم جزء یعنی مسند الیہ ہے اس لئے مقطوع مرسوم ہے ۔

البتہ سورۂ ذاریات و مرسلات والے اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ کو کہا جاسکتا ہے کہ وہاں موصول ہونا خلافِ قیاس ہے، کیونکہ وہاں بھی مَا موصولہ ہی ہے ۔

(۱۰) **اَنَّ مَا** یعنی اَنَّ بفتح ہمزہ کے دو جگہ مقطوع ہونے پر تمام مصاحف متفق ہیں، ایک وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ سورۂ حج میں، اور دوسرا وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ سورۂ لقمان میں ۔ ناظم رحمہ اللہ نے مَعًا سے انہیں دونوں کو مراد لیا ہے ۔ آگے خُلف بیان فرماتے ہیں ۔
قولہ وَخُلْفُ الْاَنْفَالِ وَنَحْلٍ وَقَعَا یعنی انفال اور نحل میں خلف واقع ہوا ہے، یعنی مقطوع اور موصول دونوں طرح رسم پائی گئی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ لفظ اَنَّ مَا بفتح ہمزہ انفال اور نحل میں بالخلف واقع ہوا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ

---

[1] روحی و منح الفکریہ ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَنَّ مَا بفتح ہمزہ انفال میں یعنی وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ میں بالخلف ہے اور اِنَّ مَا بکسر ہمزہ سورۂ نحل میں یعنی اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰہِ میں بالاتفاق ہے۔ گویا پہلے بترتیب اِنَّ مَا بکسر ہمزہ اور اَنَّ مَا بفتح ہمزہ کے وہ مواقع بیان فرمائے جن میں باتفاق مصاحف قطع ہے پھر ان دونوں کے مختلف فیہ مواقع کا ذکر کرتے ہوئے انفال اور نحل دو سورتوں کا نام لیا، مگر ترتیب بدل گئی اگرچہ لف و نشر مرتب ہوا۔

بہرحال اَنَّمَا غَنِمْتُمْ میں بھی اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰہِ کی طرح وصل ہی زیادہ مشہور و اثبت ہے جیسا کہ بحوالۂ رائیہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ باقی تمام قرآن میں اِنَّمَا باتفاق مصاحف موصول ہے جیسے یُوحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور اِنْ یُّوْحٰٓی اِلَیَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ وغیرہ۔

جس طرح حرف لَا اَنَّمَا کہنے اور موقع و مراد کو متعین نہ کرنے سے اشکال پیدا ہوا تھا جس کو ہم مع حل کے اوپر لکھ چکے ہیں۔ تقریباً وہی اشکال یہاں وَخُلْفُ الْاَنْفَالِ وَنَحْلٍ میں بھی پیدا ہو رہا ہے کہ انفال و نحل میں ناظم کو اپنی مراد تعیین کے ساتھ بیان کرنی چاہیے تھی۔ کیونکہ دونوں سورتوں میں اَنَّمَا اور اِنَّمَا کے الفاظ متعدد آئے ہیں۔

چنانچہ ملا علی قاری رحؒ فرماتے ہیں اِنَّمَا مکسورہ کو ناظم نے مبہم رکھا ہے، حالانکہ سورۂ نحل میں خلف والے اِنَّمَا کے علاوہ آٹھ اِنَّمَا اور بھی آتے ہیں۔[۱]

مگر میں کہتا ہوں کہ قاری رحمہ اللہ کے الفاظ میں اعتراض مکمل نہیں، اعتراض کی پوری تقریر اس طرح ہونی چاہیے کہ انفال اور نحل صرف سورتوں کے نام بولنا کافی نہ تھا بلکہ حضرت ناظم رحؒ کو سورتوں کے ناموں کے ساتھ خلف والے الفاظ کے محلِ وقوع کی تعیین کرنی بھی ضروری تھی۔ صرف سورتوں کا نام بول دینا اس وقت کافی تھا جب کہ مذکورہ سورتوں میں خلف والے الفاظ کے علاوہ اور الفاظ نہ ہوتے، حالانکہ انفال میں اَنَّمَا بفتح ہمزہ خلف والے موقع کے علاوہ ایک اور بھی ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۲۸ میں ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ، اسی طرح نحل میں خلف والے اِنَّمَا (بکسر ہمزہ) کے علاوہ نو (۹) نہ آٹھ نہیں، جیسا کہ قاری نے فرمایا ہے، اِنَّمَا مزید پائے جاتے ہیں۔ تفصیل یہ ہے۔

(۱) ۴۰ - اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ (۲) آیت ۵۱ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۳) آیت ۹۲ اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ (۴) آیت ۱۰۰ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ (۵) آیت ۱۰۱ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ (۶) آیت ۱۰۳ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ (۷) آیت ۱۰۵ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ (۸) آیت ۱۱۴ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ (۹) آیت ۱۲۴ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ۔

نحل میں بحرق نے اشکال کا جواب یہ دیا کہ تعیین اس طرح ہو سکتی ہے کہ خلف والے سے ناظم کی مراد وہ اِنَّمَا ہے جو اسمیہ ہوئے۔ غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ جس اِنَّمَا کے بعد جملۂ اسمیہ واقع ہو رہا ہو، چنانچہ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰہِ میں جملہ اسمیہ ہے، مگر بحرق کا یہ جواب غیر مستقیم ہے کیونکہ انہوں نے غور نہیں فرمایا بہت سے غیر مراد اِنَّمَا کے بعد بھی سورت نحل میں جملۂ اسمیہ آئے ہیں اسی لئے ملا علی قاری رحؒ نے بحرق کے مذکورہ جواب کو غلط قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ اگر یہ کہا جاتا تو شاید کچھ بات بن جاتی کہ عرف و شہرت

[۱] منح الفکریہ ص ۶۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے تعیین نہیں کی۔

مگر ہمارے خیال میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ خواہ اِنَّمَا بفتح ہمزہ ہو یا بکسر ہمزہ، ناظمؒ کی مراد میں زیر بحث وہی اِنَّمَا ہے جس میں اَنَّ (بفتح ہمزہ بکسر ہمزہ) کے بعد مَا موصولہ ہو چنانچہ انفال کے دو مواقع میں سے صرف اَنَّمَا غَنِمْتُمْ میں مَا موصولہ ہے، اسی طرح غور سے کام لیا جائے تو باسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ نحل کے دس مواقع میں سے صرف ایک موقع میں اِنَّمَا (بکسر ہمزہ) میں مَا موصولہ ہے، باقی تمام مواقع میں مَا کافہ مفید للحصر ہے۔ ہم اوپر یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ اِنَّ کے بعد مَا کافہ کا قیاسی رسم وصل ہے اور موصولہ میں قیاس یہی چاہتا ہے کہ انفصال ہو مگر قرآن میں وصل و فصل میں خلف واقع ہوا ہے۔

فائدہ: علامہ دانی فرماتے ہیں کہ محمد بن عیسی نے فرمایا کہ اَنَّ مَا (بفتح ہمزہ) دو جگہ، حج اور لقمان میں مقطوع ہے یعنی اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ۔ اس کے علاوہ اور کہیں مقطوع نہیں۔

دانی فرماتے ہیں کہ انفال میں اَنَّمَا غَنِمْتُمْ اور نحل میں اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰہِ یہ دونوں مواقع مصاحف اہل عراق میں موصول ہیں، اور ہمارے قدیم مصاحف میں مقطوع ہیں، مگر پہلا رسم ہی زیادہ اثبت واکثر ہے۔ چنانچہ غازی بن قیس نے بھی اپنی کتاب میں ان دونوں کو موصول ہی لکھا ہے۔

نیز علامہ فرماتے ہیں کہ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ۔ کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ۔ اور فَکَاَنَّمَا خَرَّ وغیرہ تمام مصاحف میں باتفاق موصول ہیں[1]۔

ش[۸۶] وَكُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاخْتُلِفْ رُدُّوْا كَذَا قُلْ بِئْسَ مَا وَالْوَصْلَ صِفْ

ت۔ اور قطع کر کے لکھو کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ کو، اور اختلاف کیا گیا ہے کُلَّمَا رُدُّوْا میں، اسی طرح (یعنی اختلاف کیا گیا ہے) قُلْ بِئْسَمَا میں۔ اور وصل بیان کرو۔

ل۔ وَكُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ لفظ كُلِّ بکسر لام علی الحکایہ ہے، ورنہ محلاً منصوب ہے کیونکہ اِقْطَعُوْا کے مفعول پر معطوف ہے۔ وَاخْتُلِفَ فعل ماضی مجہول رُدُّوْا نائب فاعل، محلاً مرفوع۔ كَذَا کاف، حرف جر ذَا اسم اشارہ، (اشارہ ہے اختلاف کی طرف) جار مجرور اُخْتُلِفَ فعل محذوف کے متعلق ہے، اور قُلْ بِئْسَمَا، اُخْتُلِفَ فعل محذوف کا نائب فاعل ہے، یعنی كَذَا اُخْتُلِفَ قُلْ بِئْسَمَا۔

وَالْوَصْلَ مفعول بہ مقدم صیغہ امر صِفْ کے لئے۔ اگلے شعر میں مفعول فیہ آرہا ہے، یہاں تک جملہ ابھی نا تمام ہے۔

---

[1] مقنع ص۷۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ح-(۱۱) **كُلِّ مَا** قولہ وَكُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ یعنی سورۂ ابراہیم میں وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ میں لفظ کُلِّ کو مَا موصولہ سے قطع کرکے لکھو، کیونکہ مَا موصولہ جدا ہے تو اس کا جدا رکھنا ہی مناسب ہے۔ حاصل یہ کہ باتفاق اہل رسم كُلِّ مَا مقطوع الرسم ہے۔

قولہ وَاخْتُلِفَ رُدُّوا یعنی كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ (نساء ع۱۲) بعض مصاحف میں موصول اور بعض میں مقطوع پایا گیا ہے۔

ناظمؒ نے لفظ كُلِّ مَا مختلف فیہ صرف ایک بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ مختلف صرف یہی ایک نہیں بلکہ اس کے علاوہ تین اور بھی ہیں۔ (۱) كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ (اعراف ع۴) (۲) كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا (مومنون ع۳) (۳) كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ (ملک ع۱)۔ گویا كُلَّمَا میں ایک جگہ یعنی ابراہیم میں باتفاق قطع ہے اور مذکورہ چار مواقع میں خلف ہے۔ باقی تمام قرآن میں باتفاق وصل ہے جیسے كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم (بقرہ) أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ (البقرہ) وغیرہ وغیرہ۔

ملا علی قاریؒ نے ناظم کی عبارت کو قاصر فرمایا ہے، کیونکہ مختلف فیہ مقامات تمام بیان نہیں کئے گئے ہیں، شارح رومیؒ نے یہ توجیہ کی ہے کہ شاید ایک کے بیان پر اکتفا کرنے کی وجہ یہ ہو کہ یہ پانچ مقامات جن میں قطع یا خلف ہے شہرت رکھتے ہیں۔ لہذا دو کا ذکر کردیا اور باقی تین کو چھوڑ دیا۔

قاریؒ نے اس توجیہ کو عذر بارد قرار دیا ہے اور ناظم کے شعر کی اصلاح میں فرمایا۔

وَجَاءَ أُمَّةٌ وَّالْقِيَ دَخَلَتْ فِي وَصْلِهَا وَقَطْعِهَا اخْتُلِفَتْ

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشکال وارد نہیں ہوتا، کیونکہ رسم کے اعتبار سے مسئلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ سورۂ ابراہیم والا كُلِّ مَا تو باتفاق مقطوع ہے اور سورۂ نساء والا كُلَّمَا مختلف فیہ ہے، جس میں وصل وقطع کی دونوں جانبیں مساوی ہیں اور وصل یا قطع کسی ایک جانب کو ترجیح حاصل نہیں، اور اعراف، مومنون اور ملک میں خلف تو ہے مگر برائے نام، یعنی دونوں جانبیں مساوی نہیں بلکہ ان میں وصل ہی راجح ہے۔ ان پانچ مواقع کے علاوہ باقی كُلَّمَا باتفاق موصول ہے۔ چونکہ اعراف، مومنون اور ملک والے میں ترجیح وصل ہی کو تھی، ناظمؒ نے اس کے خلف کو بیان کرنا غیر ضروری خیال فرمایا، البتہ چونکہ نساء والے كُلَّمَا میں خلف قوی تھا اس لئے اس کے بیان کو ضروری سمجھا، چنانچہ نشر[1] میں فرماتے ہیں۔

لفظ كُلِّ مَا صرف ایک جگہ یعنی مِن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ سورۂ ابراہیم میں مفصول ہے اور كُلَّمَا رُدُّوا سورۂ نساء میں اختلاف ہوا ہے، بعض مصاحف میں مفصول ہے اور بعض میں موصول۔

پھر فرماتے ہیں۔

نیز بعض مصاحف میں كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ (اعراف) كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً (مومنون) اور كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا (ملک) مفصول آئے ہیں مگر ان میں مشہور وصل ہی ہے۔

---

[1] نشر ص ۱۴۹ ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں ۔

وَقُلْ وَاٰتٰكُمْ مِنْ كُلِّ مَا قَطَعُوْا وَالْخُلْفُ فِيْ كُلِّ مَا رُدُّوْا فَشَا خَبَرًا

ترجمہ۔ اور کہو کہ وَاٰتٰكُمْ مِنْ كُلِّ مَا میں اہل رسم نے قطع اختیار کیا ہے اور كُلَّمَا رُدُّوْا میں خبر کے اعتبار سے خلف مشہور ہوا ہے۔

پھر شاطبی فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اعراف مومنون اور ملک میں جو خلف ہے، وہ بھی با وقار لوگوں کے بیان سے ملتا ہے۔ مطلب یہ کہ ان تین مواقع کا خلف گوئی نفسہ تو نا قابل التفات نہیں بلکہ خاصا وقیع ہے مگر یہ خلف نساء والے خلف سے کم درجہ کا ہے۔ اسی لئے نساء والے کے متعلق فَشَا خَبَرًا فرمایا ہے۔

علامہ دانی فرماتے ہیں۔

محمد بن عیسی نے فرمایا ہے کہ كُلَّ مَا کے دو کلمے مقطوع ہیں، سورہ نساء میں كُلَّ مَا رُدُّوْا اِلَى الْفِتْنَةِ اور سورہ ابراہیم میں مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ اور محمد بن عیسی نے یہ بھی فرمایا کہ بعض اہل رسم نساء والے میں وصل بیان کرتے ہیں۔

اس مقام پر علامہ دانی اعراف، مومنون اور ملک کے كُلَّمَا کے متعلق ایک حرف بھی نہیں فرماتے، جس کا مطلب ہوا کہ وہ موصول ہیں۔ مذکورہ حوالوں کو پڑھ لینے کے بعد سمجھا جا سکتا ہے کہ ناظم رحمہ نے لفظ كُلِّ مَا کے متعلق جو طرز بیان اختیار فرمایا ہے وہ ہرگز قاصر و نا مکمل نہیں، اور نہ اس میں کسی توجیہ یا اصلاح کی ضرورت ہے۔

فائدہ:۔ لفظ كُلَّمَا مختلف شکلوں میں قرآن مجید میں کل سترہ جگہ ہے، کہیں اَفَكُلَّمَا (بقرہ) ہے کہیں وَكُلَّمَا (ہود) ہے کہیں مِنْ كُلِّ مَا (ابراہیم) ہے، ان سترہ میں سے سورہ ابراہیم کے علاوہ باقی سولہ مواقع میں ظرفیہ متضمن لمعنی الشرط ہے بمعنی "جب" یا "جس وقت" لفظ كُلّ پر جو مَا داخل ہوا ہے یہ حرف ہے عموم زمان و مکان پر دلالت کرنے کے لئے لایا جاتا ہے جیسے حَيْثُمَا، اَيْنَمَا، مَتَى مَا، عِنْدَ مَا وغیرہ۔

صاحب فصول اکبری فرماتے ہیں کہ "کلمہ مَا کو جو کہ حرف ہے بجز مَتَى کے باقی اسماء ظروف کے ساتھ متصل لکھا جاتا ہے جیسے اَيْنَمَا اور كُلَّمَا۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسم الخط قیاسی کا تقاضا یہ ہے کہ سورہ ابراہیم والے كُلِّ مَا کے علاوہ باقی تمام قرآن میں یہ لفظ موصول ہی ہونا چاہیئے۔ مگر جن چار مختلف فیہ مقامات کا اوپر ذکر آ چکا ہے اُن میں كُلَّ مَا کے فصل کو توقیفی و سماعی یا بالفاظ دیگر اصطلاحی کہا جائے گا، یعنی مذکورہ خاص مواقع میں فصل، قرآن کی اپنی اصطلاح ہے۔

البتہ سورہ ابراہیم والے لفظ كُلِّ مَا میں رسم الخط قیاسی فصل ہی ہے مِنْ كُلِّ مَا کی قراءات متواترہ میں كل مجرور مضاف اور مَا مضاف الیہ ہے، اور حسب تشریح قاضی بیضاوی یہ مَا موصولہ یا مصدریہ ہے، مَا موصولہ ہونے کی صورت میں قطع ضروری ہے، ا

۱ے اسہل الموارد ص۱۵۱ ۲ے مقنع ص۳۷ باب ذکر المقطوع والموصول۔ ۳ے نجوم الفرقان تصنیف قلوگل فاضل حرمی ۴ے فصول اکبری ص۱۲۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ مَا اپنے صلہ والے جملے سے مل کر ماقبل کے ساتھ مربوط ہوتا ہے، اسی طرح مصدریہ ہونے کی صورت میں فصل ہی ضروری ہے … مصدری مابعد کا جزء ہوتا ہے۔

نیز بعض قرارتِ شاذہ میں مِن کُلٍّ مَّاسَاَلْتُمُوْهُ لام تنوین کے ساتھ آیا ہے۔[1]

اس وقت گذشتہ دو احتمالوں کے علاوہ دو مزید احتمال یہ ہوں گے کہ مَا موصوفہ ہے یا نافیہ ہے۔ قیاسی طور پر ان دونوں میں بھی فصل ضروری ہے۔ کیونکہ مِن کُلٍّ مَا میں اگر مَا موصولہ ہے تو یہ اٰتَاکُمْ کا دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول کُمْ ضمیر ہے اور مِن کُلٍّ دوسرے مفعول یعنی مَا موصولہ سے حال ہو جائے گا۔ اور مَا نافیہ ہے تو مِن کُلٍّ مفعول ثانی ہے اور جملہ منفیہ آتا اول سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا۔ یعنی مِّن کُلٍّ حَالَ کَوْنِکُمْ غَیْرَ سَائِلِیْہِ شَیْئًا۔

ش۸۵. خَلَفْتُمُوْنِيْ وَاشْتَرَوْا، فِيْ مَا اقْطَعَا ۔۔۔ اُوْحِيْ اَفَضْتُمْ وَاشْتَهَتْ يَبْلُوْا مَعًا

ت۔ (اور وصل بیان کرو) بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ اور بِئْسَمَا اشْتَرَوْا میں (اور) فِيْ کو مَا سے قطع کر کے لکھو فِيْ مَا اُوْحِيَ، فِيْ مَا اَفَضْتُمْ اور فِيْ مَا اشْتَهَتْ میں اور دونوں يَبْلُوْا کے ساتھ۔

ل۔ خَلَفْتُمُوْنِيْ وَاشْتَرَوْا گذشتہ شعر میں لفظ صِفْ کے لئے بتقدیر فِيْ مفعول فیہ ہے۔ فِيْ مَا بتاویل لفظ مفعول بہ مقدم اِقْطَعَا کے لئے، اِقْطَعَا اصل میں اِقْطَعَنْ صیغہ امر بانون خفیفہ ہے حالتِ وقف میں، نون خفیفہ الف سے بدل گیا۔ قولہ اُوْحِيْ وزنِ بیت کے لئے یاء کو ساکن کر دیا گیا۔ اُوْحِيْ سے، آنے والے شعر میں لفظ شعرا تک تمام الفاظ معطوفات ہیں اور درمیان سے حروفِ عطف محذوف ہیں تمام معطوفات بتقدیر فِيْ محلاً مجرور اِقْطَعَا کا ظرف ہیں۔ مَعًا، يَبْلُوْا سے حال ہے۔

ح۔ قولہ:۔ خَلَفْتُمُوْنِيْ وَاشْتَرَوْا یعنی قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ (اعراف) اور بِئْسَمَا اشْتَرَوْا (بقرہ) میں لفظ بِئْسَ کو مَا کے ساتھ ملا کر لکھو۔

اس سے مفہوم یہ پیدا ہوا کہ باقی تمام قرآن میں لفظ بِئْسَ مَا جہاں بھی آئے قطع کر کے لکھو۔ واضح ہو کہ لفظ بِئْسَ مَا تمام قرآن میں نو جگہ آیا ہے، اِن میں سے تین کا حال اوپر معلوم ہو گیا کہ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ (بقرہ) میں وصل وقطع میں خُلف ہے، مگر اس میں اسقدر یاد رہے کہ وصل قوی تر اور اکثر ہے[2]، اور بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ (اعراف) اور بِئْسَمَا اشْتَرَوْا میں وصل ہے یہاں تک دو حال ہوئے تیسرا حال مفہوم مخالف سے سمجھ میں آتا ہے یعنی باقی میں قطع ہے اور باقی کل چھ ہیں، پانچ لام تاکید کے ساتھ ہیں لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِہٖ (بقرہ)، لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ،

---

[1] چنانچہ حسن اور اعمش نے یہی پڑھا ہے۔ القراءات الشاذہ ص۶۰ [2] القراءات الشاذہ [3] اسہل الموارد ص۱۵۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ، لَبِئْسَ مَاقَدَّمَتْ لَهُمْ (چاروں مائدہ میں) اور چھٹا فا کے ساتھ ہے یعنی فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (آل عمران میں)

نوٹ :- جیساکہ لکھا جا چکا ہے آل عمران میں فَبِئْسَ مَا صرف ایک ہے نہ کہ دو جگہ، شارح رومی اور اُن کی اتباع میں ملاعلی قاری رحمہما اللہ نے آل عمران میں فَبِئْسَ مَا دو شمار کرلئے ہیں، جو غلط ہے۔

فائدہ :- صاحب اسہل الموارد فرماتے ہیں کہ خُلف والے بِئْسَمَا دو ہیں ایک قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ (بقرہ) دوسرا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ (اعراف) ... پھر فرماتے ہیں کہ ناظم (مراد علامہ شاطبیؒ) نے صرف قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ میں اختلاف بتلایا ہے۔ پس اُن کی رائے پر بِئْسَمَا اشْتَرَوْا (بقرہ) کی طرح بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ میں بھی وصل ہی ہے۔

معلوم نہیں کہ صاحب اسہل نے کس بنیاد پر اعراف والے بِئْسَمَا میں خُلف فرمایا ہے اور علامہ شاطبی کے موصول فرمانے پر کیوں اس بات کو شاطبی کی رائے ہونا قرار دیدیا ہے، بہتر ہوتا کہ صاحب اسہل اپنے مذکورہ دعوی پر رسم کی کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعراف والے موقع کو نہ صرف شاطبی نے بلکہ تمام علماء رسم نے موصول ہی لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ دانی فرماتے ہیں۔ "بِئْسَمَا تین جگہ موصول ہے بِئْسَمَا اشْتَرَوْا (بقرہ) قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ (بقرہ) بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ (اعراف) اور بعض مصاحف میں قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ مقطوع ہے۔"[۱]

غرض صاحب نشر ابن القاصح صاحب افضل الدرر، صاحب نہایۃ القول المفید اور تمام شراح مقدمۃ الجزریہ اس پر متفق ہیں کہ اعراف میں صرف وصل ہے۔

(۱۳) فِيْ مَا قولہ فِيْ مَا قَطَعَا اُوْحِيَ اَفَضْتُمْ وَاشْتَهَتْ يَبْلُوْا مَعًا یعنی حرف جر فِيْ جب مَا موصولہ یا استفہامیہ پر داخل ہو تو وصل وقطع کے اعتبار سے اُس کے تین احوال ہیں، ایک وہ کہ جن میں وصل وفصل میں خلف ہے اور ایک وہ جن میں باجماع صرف وصل ہے اور ایک وہ موقع جس میں باجماع فصل ہے۔

فرماتے ہیں فِيْ مَا کو گیارہ مواقع میں قطع کرکے لکھو (۱) قُلْ لَا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ (انعام) (۲) فِيْ مَا اَفَضْتُمْ فِيْهِ (نور) (۳) فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ (انبیاء) (۴) لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ (مائدہ) (۵) لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ (آخر انعام)، انہیں دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے مَعًا۔ باقی مواقع کا بیان آئندہ شعر میں ملاحظہ ہو۔

ش۸۸ ثَانِيْ فَعَلْنَ وَقَعَتْ، رُوْمٍ كِلَا تَنْزِيْلِ شُعَرَا وَغَيْرُهَا صِلَا

ت۔ دوسرے فَعَلْنَ کے ساتھ واقعہ میں، روم میں، سورۂ تنزیل (زمر) کے دونوں مواقع میں، شعراء میں۔ اور شعراء کے علاوہ میں ملا کر لکھو۔

---

[۱] اسہل الموارد ص۱۵۰ [۲] مقنع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ل ۔ ثَانِي فَصْلُنَ مضاف ومضاف الیہ، گذشتہ شعر میں أُوحِيَ وغیرہ الفاظ پر معطوف ہے اسی طرح وَقَعَتْ دُنُوّ بحذفِ عاطف لفظ ثَانِي پر عطف ہیں ۔ كِلَا مضاف تَنْزِيلِ مضاف الیہ ۔ بضرورت تنوین حذف کی گئی ۔ مضاف ومضاف الیہ مل کر دُوْمِ پر معطوف، اسی طرح شُعَرا جس کے آخر سے ہمزہ بضرورت حذف کر دیا گیا كِلَا پر معطوف ہے یہ تمام معطوفات یعنی أُوحِيَ سے شُعَرا تک بتقدیرِ فِي محل جر میں ہے ۔ اسی لئے دُوْمِ کسرہ کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے ۔

وَغَيْرُهَا مفعول بہ مقدم صِلَا اصل میں صِلَنْ امر حاضر بانون خفیفہ تھا بحالت وقف نون الف سے بدل گیا ۔

قولہ كِلَا تَنْزِيلِ لفظ كِلَا باوجودیکہ حالت جرّی میں ہے الف کے ساتھ آیا ہے ۔ كِلَي یا کِلَین کے ساتھ نہیں آیا کیونکہ جب یہ لفظ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو جیسا کہ یہاں بھی لفظ تنزیل کی طرف مضاف ہے تو اس پر تثنیہ کا اعراب بالحرف جاری نہیں ہوتا، بلکہ لفظاً مفرد ہونے کی وجہ سے مُوسىٰ کی طرح اس کو تینوں حالتوں میں بتقدیر اعراب الف کے ساتھ بولا جاتا ہے ۔

نوٹ :۔ بعض نسخوں میں ہے وَغَيْرُ ذِي صِلَا اور بعض میں وَغَيْرُهُ ہے ۔ بہر حال مشارٌ الیہ، یا مرجع شعراء ہی ہے ۔

ح (۶) فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ (بقرہ) ناظمؒ نے ثانی فرما کر اول یعنی فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ کو نکال دیا کیونکہ اُس میں صرف وصل ہے (۷) وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ (واقعہ) (۸) هَلْ لَكُمْ مِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ (روم) (۹) يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ (۱۰) أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا (دونوں زمر میں) انہیں دونوں کے لئے كِلَا تَنْزِيلِ فرمایا ہے (۱۱) أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ (شعراء)

قولہ : وَغَيْرُهَا صِلَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع شُعَرا ہے، جو ضمیر سے قریب ترین واقع ہے مطلب یہ کہ شعراء کے علاوہ قرآن میں جسقدر بھی فِيمَا ہیں ان کو موصول ہی لکھو البتہ سورۂ شعراء میں أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا کا فِي مَا باتفاق مصاحف مقطوع ہی ہے۔ ضمیر هَا کا مرجع سورۂ شعراء کو بنانے سے مطلب یہ نکلا کہ شعراء سے اوپر جن دسؔ مواقع کا ناظم رحؒ نے ذکر فرمایا، ان کا حکم مقطوع بھی ہے جیسا کہ شروع میں فرمایا تھا ۔ فِي مَا اقْطَعَا اور موصول بھی ہے جیسا کہ وَغَيْرُهَا صِلَا سے نکلتا ہے کہ شعراء کے علاوہ جہاں بھی فِيمَا ہو وہ وصول لکھو، شعراء کے علاوہ میں وہ دسؔ بھی آگئے جن کو اوپر قطع کے ذیل میں لا چکے ہیں لہذا اُن دس کے متعلق قطع و وصل دونوں حکم نکل آئے جس کا مطلب ہوا کہ ان دس میں مختلف ہے، اور اُن دس کے علاوہ (شعراء کو چھوڑ کر کہ اس میں قطع ہی ہے) ہر جگہ بلا اختلاف فِيمَا موصول ہی ہے خواہ مَا خبریہ ہو یا استفہامیہ جیسے فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (بقرہ کا پہلا موقع) اور فِيمَ كُنْتُمْ فِيمَ أَنْتَ، لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ فِيمَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ،

حاصل یہ کہ لفظ کا رسم الخط تین طرح واقع ہے ایک باتفاق مقطوع ہے جو شعراء میں ہے دوسرے دسؔ جگہ وصل و فصل میں مختلف ہے، اِن دس مواقع سے مراد وہ ہیں جن کو ناظم رحؒ نے اشعار میں بیان فرمایا ہے ۔ تیسرے باتفاق موصول، اور وہ مذکورہ گیارہ مواقع کے علاوہ میں ہے ۔

لہ شرح جامی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقریر بالا سے واضح ہو گیا کہ وَ غَیْرَهَا کا مرجع، مذکورۂ بالا گیارہ مواقع نہیں ہیں بلکہ بقول ملا علی قاری ؒ اس کا مرجع شعرا ہے یہ ہے کہ قاری ؒ نے اس مقام پر یہ صحیح مرجع متعین فرما کر ناظم ؒ کی مراد کو پانے میں نہایت صحیح راہنمائی فرمائی ہے، جزاہ اللہ خیرا ورنہ تمام شراح نے مذکورہ گیارہ مواقع کو ہی مرجع قرار دیا، جس سے ناظم ؒ کے کلام پر اعتراض ہوا کہ سورۂ شعرا میں تو بیشک مقطوع ہے باقی دس مواقع میں صرف ایک وجہ قطع ہی نہیں بلکہ اُن میں وصل وفصل میں خُلف ہے حالانکہ ناظم ؒ اُن دس کو بھی شعرا والے فِيمَا کے ساتھ ہی بیان کر کے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح باتفاق شعرا میں قطع ہے اسی طرح باتفاق باقی دس مواقع میں بھی قطع ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، شراح نے ناظم پر یہ اعتراض اٹھایا ہے اور پھر کسی نے ناظم کے کلام کی نہایت رکیک تاویلیں اور توجیہیں کی ہیں، اور بعض نے ناظم کا وہم قرار دیا ہے۔ مگر الحمد للہ قاری کی نہایت جاندار توجیہ کے بعد اشعار سے مسئلہ کی صحیح صورت واضح ہو گئی اور کوئی اشکال باقی نہیں گیا۔ قاری نے جو توجیہ وتشریح کی، حقیقت یہ ہے کہ ناظم ؒ کی مراد بھی یہی ہے چنانچہ نشر میں فرماتے ہیں۔

فِيمَا گیارہ[1] جگہ مفصول ہے۔ اِن گیارہ میں سے ایک جگہ فِي مَا هٰهُنَا (شعرا) باتفاق مفصول ہے، اور باقی دس میں اختلاف ہوا، تاہم ان دس میں بھی اکثر قطع ہی[2] ہے۔

آگے اِن دس مواقع کی تشریح کی گئی ہے، جس کو آپ ناظم کے اشعار میں پڑھ چکے ہیں۔ پھر چند صفحات کے بعد فرماتے ہیں۔

فِيمَا شعرا کے علاوہ مواقع میں موصول مرسوم ہے جیسے فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور یہ بقرہ میں پہلا فِيمَا ہے اور جیسے فِيمَا إِنْ مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ اور دس مواقع میں خُلف ہے، تفصیل اوپر بیان ہو چکی[3] ہے۔

مذکورہ دونوں حوالوں سے ناظم کی مراد واضح ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ناظم کے اشعار کی تشریح بھی وہی صحیح ہو جو اُن کی اُس مراد سے مختلف نہ ہو جو وہ دوسری جگہ بیان فرما رہے ہیں۔ اور منح ورائیہ میں بھی یہی تفصیل ملتی ہے۔

نوٹ:۔ آگے وصل کا بیان شروع ہے جس کا مفہوم مخالف قطع ہے۔

ش۸۹۔ فَأَيْنَمَا كَالنَّحْلِ صِلْ وَمُخْتَلِفْ فِي الشُّعَرَا الْأَحْزَابِ وَالنِّسَا وُصِفْ

ت، فَأَيْنَمَا کو مانند نحل (والے أَيْنَمَا) کے ملا کر لکھو، اور (یہی لفظ أَيْنَمَا) شعراء، احزاب اور نساء میں مختلف بیان کیا گیا ہے۔

ل، فَأَيْنَمَا كَالنَّحْلِ صِلْ۔ فَأَيْنَمَا محلاً منصوب ہے کیونکہ صِلْ کا مفعول بہ مقدم ہے۔ كَالنَّحْلِ، كَائِنًا کے متعلق ہو کر فَأَيْنَمَا سے حال ہے۔ وَمُخْتَلِفْ معنی کے اعتبار سے صِلْ پر عطف ہے۔ بصیغۂ اسم فاعل ہے۔ یعنی وَالرَّسْمُ مُخْتَلِفٌ، فِي الشُّعَرَا الْأَحْزَابِ (بحذف عاطف)، وَالنِّسَا اور وُصِفْ صیغۂ ماضی مجہول، جملۂ استینافیہ ہے یعنی كَذَا وُصِفَ اصول رسم میں أَيْنَمَا کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] تفصیل کے لئے منح الفکریہ ملاحظہ ہو۔ [2] نشر ص ۱۴۹ ج ۲ [3] نشر ص ۱۵۵ ج ۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَالنِّسَا کے آخر سے تخفیفاً ہمزہ حذف کر دیا گیا۔ بعض نسخوں میں فِی الشعرا کی بجائے فِی الظُّلَّۃِ ہے، مراد دونوں کی ایک ہی ہے، کیوں کہ ظُلَّہ بھی شعراء کا ہی دوسرا نام ہے عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّۃِ کی مناسبت سے۔

قولہ فَاَیْنَمَا کَالنَّحْلِ صِلْ

ح۔ (۱۴) **اَیْنَمَا** یعنی سورۂ بقرہ میں فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کے لفظ فَاَیْنَمَا کو یعنی اَیْنَ اور مَا کو باتفاق مصاحف موصول لکھو، جیسا کہ نحل میں اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ کا لفظ اَیْنَمَا باتفاق موصول ہے، اور شعراء میں اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اور احزاب میں اَیْنَ مَا ثُقِفُوْا اور نساء میں اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ تین مواقع میں وصل و قطع میں خلف ہے بعض مصاحف میں یہ تینوں موصول اور بعض میں مفصول آئے ہیں۔ یہاں تک یہ پانچ ہوئے، ان کے علاوہ ہر کہیں بھی اَیْنَمَا باجماع مفصول ہے جیسے اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ، اور اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تُشْرِکُوْنَ، اور اَیْنَ مَا کَانُوْا وغیرہ
حاصل یہ کہ اَیْنَ مَا کے تین حال ہیں (۱) بقرہ میں پہلا اور نحل میں موصول ہے (۲) شعراء، احزاب اور نساء میں مختلف فیہ ہے (۳) باقی ہر جگہ مقطوع ہے۔

فائدہ: فَاَیْنَمَا میں فا لفظِ قرآنی ہے الفاظِ ناظم میں سے نہیں، فاء کی وجہ سے سورۂ بقرہ کا پہلا لفظ اَیْنَمَا متعین ہو گیا، کیونکہ فاء کے ساتھ تمام قرآن میں بس یہی ایک ہے، لہٰذا بقرہ کے دوسرے لفظ اَیْنَ مَا یعنی اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰهُ وغیرہ سے التباس نہیں ہو سکے گا۔ اسی طرح کَالنَّحْلِ کہنے سے اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ متعین ہے کیونکہ نحل میں بھی صرف ایک ہی اَیْنَمَا ہے، اسی طرح شعرا، احزاب اور نساء کہنے سے اَیْنَمَا کے وقوعی مقامات متعین ہیں، کیونکہ ان سورتوں میں بھی اَیْنَمَا صرف ایک ہی آتا ہے۔

ش ۹۰ وَصِلْ فَاِلَّمْ هُوْدَ اَلَّنْ نَّجْعَلَا ۔ نَجْمَعَ کَیْلَا تَحْزَنُوْا تَاْسَوْا عَلٰی

ت۔ اور ملا کر لکھو فَاِلَّمْ کو سورۂ ہود میں اور اَلَّنْ نَّجْعَلَ کو اور اَلَّنْ نَّجْمَعَ کو اور لِکَیْلَا تَحْزَنُوْا اور لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی کو۔

ل۔ وَصِلْ واؤ عطف کے لئے ہے، کیونکہ گذشتہ شعر والے صِلْ پر عطف ہے۔ فَاِلَّمْ، وَصِلْ کا مفعول بہ، محلاً منصوب۔ هُوْدَ غیر منصرف ہے تانیث اور علمیت کی وجہ سے، کیونکہ سورت مراد ہونے کی وجہ سے تانیث معنوی ہے۔ بہرحال هُوْدَ یا تو مضاف الیہ ہے یعنی فَاِلَّمْ بادیل لفظ مضاف ہے۔ اور یا منصوب بنزع الخافض ہے یعنی فِیْ هُوْدَ۔ اَلَّنْ نَّجْعَلَا واؤ حرف عطف محذوف ہے، عطف ہے۔ فَاِلَّمْ پر، آخر میں الف اطلاقی ہے۔ نَجْمَعَ بحذفِ واؤ عاطفہ، معطوف ہے نَّجْعَلَا پر۔ کَیْلَا بحذفِ عاطف، معطوف ہے فَاِلَّمْ پر، تَاْسَوْا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بحذف عاطف، معطوف ہے تحزنوا پر ۔ علی لفظ قرآنی ہے جو فاسوا کے متعلق ہے ۔

نوٹ :- شعر کا ربط آئندہ شعر سے جاری ہے ۔

ح، (۱۵) اِلَّمْ قولہ وصل فالم ھود یعنی فالم یستجیبوا لکم سورہ ہود میں اِنْ شرطیہ کو لَمْ جازمہ کے ساتھ ملا کر لکھو، کیونکہ یہاں باتفاق مصاحف فالّم موصول ہے، اور ہود کی قید اشارہ ہے کہ اس کے ماسوا اِنْ لَمْ ہر جگہ مقطوع ہے جیسے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا (بقرہ) لَئِنْ لَّمْ تَنْتَہِ (یٰسین) وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا (مائدہ) لَئِنْ لَّمْ یَھْدِنِیْ رَبِّیْ (انعام) وغیرہ ۔

اسی لئے ناظم علیہ الرحمہ نے بعض لوگوں کے اس خیال کو وھم قرار دیا ہے کہ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکَ (قصص) میں بھی وصل ہے یعنی صحیح یہی ہے کہ قصص میں بھی قطع ہی ہے غالباً فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا کے لفظوں سے دھوکا ہوا، کیونکہ ہود اور قصص دونوں جگہ ایک ہی لفظ ہے علامہ دانی رحؒ فرماتے ہیں کہ قصص میں فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکَ نون مقطوع کے ساتھ ہے ابن الانباری سے ہمیں یہی روایت پہنچی ہے اور نصیر سے مروی ہے کہ قصص میں بھی باتفاق مصاحف مقطوع ہی ہے ۔

فائدہ :- مقطوع ہونا اصل کی بناء پر، اور موصول ہونا بہ نیت ادغام ہے ۔

(۱۶) اَلَّنْ قولہ اَلَّنْ نَّجْعَلَ ، نَّجْمَعَ یعنی سورہ کہف میں اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَکُمْ مَّوْعِدًا اور سورہ قیامہ میں اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ باتفاق مصاحف اَنْ مصدریہ لَنْ ناصبہ کے ساتھ وصل کے ساتھ مرسوم ہے ۔

تخصیص کے ساتھ انہیں دو لفظوں کے ذکر سے اشارہ ہے کہ باقی ہر جگہ باتفاق اَنْ لَّنْ مقطوع مرسوم ہے جیسے اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ (فتح)، اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ (جن)، اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْہِ (بلد)،

علامہ دانی بحوالہ محمد بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ بعض نے سورہ مزمل میں اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ کو بھی موصول کہا ہے[۱]، لیکن علماء رسم میں یہ قول ناقابل عمل ہی رہا ہے، اسی لئے ناظم رحؒ نے نشر میں بھی اس قول کو نقل نہیں[۲] فرمایا ۔

(۱۷) کَیْلَا قولہ کیلا تحزنوا ، فاسوا علی یعنی قرآن شریف میں چار جگہ باتفاق مصاحف حرف کَیْ کو لَا کے ساتھ موصول لکھا گیا ہے، لِکَیْلَا تَحْزَنُوْا (آل عمران) لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ حدید ۔ باقی دو کا ذکر آئندہ شعر میں ہے ۔

www.kitabosunnat.com

ش۹۱ ۔ حج علیک حرج وقطعہم عن من یشاء من تولی یوم ھم

ف ۔ اور تیسرا مقام سورہ حج ہے اور چوتھا لکیلا یکون علیک حرج ہے ۔ اور علماء رسم سے قطع ثابت ہے

[۱] نشرج ۲ ص ۱۴۹ [۲] مقنع ص[۳] نشرج ۲ ص ۱۴۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ اور عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی اور یَوْمَ هُمْ ہیں۔

ل۔ حَرَجٌ خبر اور اس سے پہلے مبتدا وَالْمَوْضِعُ الثَّالِثُ محذوف ہے۔ اسی طرح وَالْمَوْضِعُ الرَّابِعُ مبتدا محذوف ہے ... حَرَجٌ خبر ہے۔ وَقَطْعُهُمْ مبتدا۔ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ، مَنْ تَوَلّٰی، یَوْمَ هُمْ تین الفاظ معطوف و معطوف علیہ ہیں اور عاطف یعنی واؤ مقدر ہے، تینوں بتقدیر فِیْ منصوب بنزع الخافض ہیں جو ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے۔

ح۔ یعنی لفظ لِکَیْلَا جن چار مواقع میں موصول واقع ہوا ہے، ان میں دو کا بیان گذشتہ شعر میں ہو چکا ہے اور تیسرا موقع سورۂ حج میں لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا ہے، اور چوتھا لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ سورۂ احزاب میں ہے۔ ان مذکورہ چار مواقع کے علاوہ ہر جگہ لفظ کَیْ لَا کو مقطوع لکھا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ احزاب میں ہی پہلا موقع لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ اور سورۂ حشر میں کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً اور سورۂ نحل میں لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا میں قطع ہی ہے۔

نوٹ:۔ مذکورہ سات مواقع کے علاوہ قرآن میں کَیْلَا اور کہیں نہیں۔

علامہ شیخ محمد عاقب شنقیطی اپنی نظم کشف العمی میں فرماتے ہیں ؎

وسورة الاحزاب کی لا الاول فیها وفی نحل وحشر یفصل

ترجمہ:۔ سورۃ الاحزاب میں پہلا کَیْ لَا، اور سورۂ نحل اور حشر میں مقطوع ہے۔

قولہ وَقَطْعُهُمْ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ مَنْ تَوَلّٰی یعنی باتفاق اہل رسم حرف جر عَنْ کو مَنْ موصولہ سے دو جگہ مقطوع لکھا گیا ہے، ایک عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ سورۂ نور میں دوسرے عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی سورۂ نجم میں۔

(۱۸) عَنْ مَّنْ

واضح ہو کہ عَنْ مَّنْ قرآن میں دو ہی جگہ ہے، چنانچہ مقنع میں ہے کہ قرآن میں ان دو کے سوا اور کوئی نہیں[۱] اور علامہ جعبری نے دانی کے کلام کی تشریح میں فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ ان دو کے ماسوا قرآن میں عَنْ مَّنْ نہیں ہے۔ نہ مقطوعاً نہ موصولاً۔ لہذا شیخ زکریا اور رومی کا یہ فرمانا وہم ہے کہ مذکورہ کے علاوہ باقی جگہ عَمَّنْ موصول ہے[۲] علامہ جزری فرماتے ہیں اور عَمَّنْ نور اور نجم کے علاوہ میں موصول ہے، مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے قرآن میں ان دو مواقع کے سوا یہ لفظ کہیں نہیں ہے[۳]۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ مِنْ جارہ مَنْ کے ساتھ تمام قرآن میں موصول ہی ہے۔ جیسا کہ مِنْ مَّا کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں۔

(۱۹) یَوْمَ هُمْ

یعنی یَوْمَ هُمْ بھی مقطوع ہے۔ چنانچہ تمام قرآن میں یہ صرف دو جگہ ہے یَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ (مؤمن) اور یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ (ذاریات ع ۱) ان دونوں مواقع میں لفظ یَوْمَ صرف ...

۱۔ مقنع صـ۸۱ ۲۔ منح الفکریہ ۳۔ نشر صـ۱۵۵ ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مضاف نہیں بلکہ پورے جملۂ اسمیہ کی طرف مضاف ہے اور بَارِزُوْنَ یا عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ، مبتدا کی خبریں ہیں، اور مبتدا وخبر سے جو جملۂ اسمیہ بنا لفظ یَوْمَ اِس پورے جملہ کی طرف مضاف ہے۔ لہٰذا ضمیر هُمْ چونکہ جملہ اسمیہ کا جزء ہے نہ کہ لفظ یَوْمَ کا، اصولاً لفظ یَوْمَ کو مقطوع ہی مرسوم ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ اور يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ میں لفظ یَوْمَ جملۂ فعلیہ کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ کذا فی تفسیر روح المعانی)

علاوہ ازیں قرآن میں يَوْمَهُمْ چار جگہ اور بھی ہے۔ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ (زخرف ع ۷) مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ (ذاریات ع ۳)، حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ (طور ع ۲)، حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ (معارج ع ۲)۔ ان چاروں مواقع میں باتفاق مصاحف يَوْمِهِمْ موصول ہے، اور اصولاً ہونا بھی چاہیئے، کیونکہ لفظ یَوْمَ ضمیر هُمْ کی طرف مضاف ہے، گویا ضمیر هُمْ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور متصل ہے جن میں اضافت کی وجہ سے اتصال اصل ہے۔ اسی لئے لِقَاءَ يَوْمِكُمْ (انعام) هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ (انبیاء) وغیرہ میں وصل ہی ہے۔ چنانچہ علامہ ابو عمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ،،يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ اور يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ میں ضمیر هُمْ ابتدا کی وجہ سے موضع رفع میں ہے اور مابعد اس کی خبر ہے لہٰذا یَوْمَ کو ضمیر سے علیحدہ لکھا گیا اور باقی مواقع میں ضمیر هُمْ اضافت کی وجہ سے موضع جر میں ہے لہٰذا یَوْمَ اس کے ساتھ ملا کر لکھا گیا[1]،،

لیکن محض جملہ کی طرف اضافت کا ہونا قطع کو مستلزم نہیں، چنانچہ يَوْمَئِذٍ ہر جگہ قرآن میں موصول ہے حالانکہ جملہ کی طرف ہی مضاف ہے کیونکہ يَوْمَئِذٍ اصل میں یَوْمَ اِذْ كَانَ كَذَا ہے كَانَ كَذَا کو حذف کرتے ہوئے اس کے عوض میں تنوین لگائی گئی۔ لہٰذا اصول اس طرح بنتا ہے کہ جب لفظ یَوْمَ ایسے جملہ کی طرف مضاف ہو کہ جس میں ایک سے زیادہ الفاظ ہوں تو یَوْمَ مقطوع ہوتا ہے، اور حذف کی وجہ سے جملہ کی بنا ایک ہی لفظ پر باقی رہ گئی ہو تو یَوْمَ موصول ہی لکھا جاتا ہے، جیسے يَوْمَئِذٍ۔

فائدہ :۔ معلوم ہو چکا ہے کہ یَوْمَ هُمْ قرآن میں چھ جگہ ہے، دو مقطوع اور چار جگہ موصول ہے لیکن ناظمؒ کے الفاظ میں، اُن کی مراد یعنی یَوْمَ هم مقطوع کی تعبیر پر کوئی دلالت موجود نہیں۔ جس سے وصل و قطع کے مقامات کا تعین نہیں ہوتا۔ شراح میں سے صرف شارحِ مینی نے اِس اشکال کو زائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور لطیف جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ لفظ یَوْمَ سے ضمیر هُمْ کا قطع اس وقت مراد ہے جبکہ ضمیر هُمْ کی میم کا سکون وقفاً و وصلاً ہر حال میں پایا جاتا ہو۔

یعنی ناظمؒ کے الفاظ یَوْمَ هُمْ میں هُمْ کی میم کا سکون وقف کی وجہ سے عارضی نہیں ہے بلکہ یہ کلمۂ قرآنی کی حکایت کے لئے ہے گویا یَوْمَ هُمْ سے صرف وہ یَوْمَ هُمْ مراد ہے، جس میں هُمْ ضمیر کی میم قرآن میں سکون کے ساتھ آئی ہے، اس تقریر و تقیید سے باقی وہ چار مواقع مقطوع ہونے سے خارج ہو گئے جن میں لفظ یَوْمَ ضمیر هُمْ کی طرف مضاف ہے، کیونکہ ان چاروں مواقع میں ضمیر هُمْ کے بعد لام تعریف کے واقع ہونے کی وجہ سے میم بجائے ساکن ہونے کے مضموم ہے۔

---

[1] مقنع ص ۷۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قاری رحمہ اللہ نے شارح یمنی کی مذکورہ تقریر کو انوکھی اور غریب ٹھیرایا ہے، کیونکہ قاری رحمہ اللہ کے خیال میں یمنی نے اس تقریر میں یَوْمَ هُمْ کے چھ مواقع میں قطع و وصل کی توجیہ کی ہے، لہذا قاری نے یمنی کی تمام تشریح کو انوکھی کہہ دیا ہے۔ مگر لَیْتَ شِعْرِیْ یمنی نے قطع وصل کی توجیہ نہیں کی، بلکہ ناظم کے کلام کو اطلاق سے نکال کر اس میں ناظم رحمہ اللہ کی مراد کو ناظم کے الفاظ سے ہی متعین کرنے کی توجیہ کی ہے۔ جس سے بہتر توجیہ ہو نہیں سکتی۔

ش ۹۲۔ وَمَالِ هٰذَا وَالَّذِيْنَ هٰؤُلاَ تَحِيْنَ فِي الْإِمَامِ صِلْ وَوُهِّلاَ

ت۔ اور (قطع ثابت ہے) مَالِ هٰذا میں اور فَمَالِ الَّذِيْنَ میں اور فَمَالِ هٰؤُلَاءِ میں۔ اور تَحِيْنَ کو مصحف امام (کی اتباع) میں موصول لکھو اور یہ وصل ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

ل۔ قولہ وَمَالِ هٰذا وَالَّذِيْنَ هٰؤُلاَ یعنی وَهٰؤُلاَ ضرورۃً واو عاطفہ حذف کر دیا گیا، اور آخر سے وقفاً ہمزہ حذف کر دیا گیا۔ بہرحال ان کلمات کا عطف گذشتہ شعر میں یَوْمَ هُمْ پر ہے۔

قولہ تَحِيْنَ الی آخرہ تَحِيْنَ موصوف فِي الْإِمَامِ ۔ کَائِنٌ کے متعلق ہو کر صفت، اور موصوف صفت صِلْ کا مفعول ہوا اور وُهِّلاَ میں ضمیر نائب فاعل، وصل کی طرف راجع ہے اور الف اطلاقی ہے۔ فعل اور نائب فاعل جملہ مستانفہ ہے۔ توہیل سے ہے جس کے دو معنی ہیں ضعیف قرار دینا۔ اور وہم کی طرف نسبت کرنا اور بعض نسخوں میں اس کی بجائے وَقِيْلَ لاَ ہے یعنی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام میں وصل نہیں ہے۔

ح۔ (۲۰) مَالِ قولہ وَمَالِ هٰذا وَالَّذِيْنَ هٰؤُلاَ یعنی باتفاق مصاحف چار جگہ مَا استفہامیہ کے بعد لام جر کو مقطوع لکھا گیا ہے۔ ایک مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ (کہف) دوسرا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ (فرقان) تیسرا فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (معارج) چوتھا فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ (نساء)

ان چار مواقع کے علاوہ لام جارہ ہر جگہ اپنے مجرور کے ساتھ موصول لکھا گیا ہے جیسے مَالَكَ لَا تَأْمَنَّا (یوسف) وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ (واللیل) وغیرہ

نوٹ:۔ یاد رہے کہ ناظم رحمہ اللہ کے الفاظ مَالِ هٰذا میں عموم ہے۔ کہف اور فرقان والے دونوں مراد ہیں۔

فائدہ:۔ علم کتابت کا اصول یہ ہے کہ ہر حرف بسیط مثلاً واؤ، فاء یا لام، ہمزۂ استفہام وغیرہ اپنے مابعد کے ساتھ رسم اور تلفظ میں موصول ہونا چاہیئے۔ لہذا حرف بسیط کو مابعد سے قطع کر کے لکھنا، یا اسی پر وقف کرنا جائز نہیں۔[1] لیکن اس اصول

---

[1] افضل الدرر شرح رائیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے برخلاف مذکورہ چار جگہ میں لام جارّہ کو حرف بسیط ہونے کے باوجود اپنے مجرور ھٰذَا ، اَلَّذِیْنَ ، اور ھٰؤُلَآءِ سے قطع کرکے لکھا گیا ہے ، اس میں کیا نکتہ ہے ؟

ملا علی قاری رحؒ فرماتے ہیں کہ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ لام جارّہ حرف بسیط یعنی اکیلا حرف ہے مذکورہ چار مواقع کے علاوہ میں موصول ہی لکھا گیا ، اور اس اعتبار سے کہ گو حرف بسیط ہے مگر پھر بھی کلمہ ہے اِن چار مواقع میں مقطوع لکھا گیا ہے[1] ، اسی لئے علامہ دانی اور ابو شامہ نے فرمایا کہ لام جارہ کا اپنے مجرور سے انفصال معنوی اعتبار سے ہے ۔

قاضی بیضاوی رحؒ کے کلام سے اشارۃً اس قطع کی جو وجہ مفہوم ہوتی ہے وہ اپنی جگہ کافی معنی خیز ہے ، حاصل یہ کہ ان مواقع میں مَا استفہامیہ سے اظہار تعجب مقصود ہے ، اور محل تعجب لام کے مدخول ہیں ، لام کے قطع سے اشارہ ہے کہ اگر لام نہ بھی داخل کیا جائے پھر بھی مدخول لام کی حالت سراپا تعجب ہے مثلاً کہف میں اگر یوں کہا جائے کَیْفَ ھٰذَا الْکِتٰبُ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً یعنی اعمال نامہ کی یہ کیسی کتاب ہے جو نہ ہمارے صغیرہ گناہ کو چھوڑتی ہے نہ کبیرہ کو ، ہر چیز کی تفصیل ہی بیان کر رہی ہے ، اسی طرح باقی تین مواقع میں سمجھئے خلاصہ یہ ہوا کہ لام کے قطع سے اس کے زائد ہونے اور مَا کے برائے تعجب ہونے کی طرف اشارہ ہے ، اسی توجیہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے غالباً صاحب اسہل الموارد نے فرمایا ہے[2] کہ ان چاروں مواقع میں مَا تعجبیہ ہے ۔

مَالِ پر وقف عام کتب قرارت میں قراء سبعہ کے مذاہب کی یہ تفصیل کی گئی ہے کہ مَا پر ابو عمرو بصری بلا خُلف اور کسائی بالخلف وقف کرتے ہیں ، اور باقی قراء لام جارّہ پر کرتے ہیں نہ کیونکہ رسماً لام مقطوع لکھا ہوا ہے ۔

لیکن درست بات یہ ہے کہ تمام قراء کے لئے مَا اور لام دونوں پر چاروں مواقع میں وقف جائز اور صحیح ہے ، چنانچہ نشر میں حضرت ناظم رحؒ نے اس مسئلہ کو بدلائل ثابت کیا ہے[3] ، اس تحقیق کی تائید ہی میں علامہ متولی مرحوم اتحاف میں فرماتے ہیں سے

وَمَالِ وَاَیًّا اَوْ بِمَا فِیْہِمَا فَقِفْ ۔ لِکُلٍّ عَلَی التَّحْقِیْقِ فِیْ وَقْفِ الِابْتِلَا

ترجمہ :- وَمَالِ اور اَیًّا مَّا کے دو دو لفظوں میں سے جس لفظ پر چاہے وقف کرو ، وقف اختیاری یا اضطراری میں تمام قراء کے لئے علی التحقیق یہی صحیح ہے ۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ توضیح ہے کہ بلا استثناء تمام قراء کے لئے مَا پر وقف صحیح ہے جیسا کہ علامہ جعبری کی تحقیق بھی یہی ہے لیکن شاطبی کی نظم سے متبادر یہ ہے کہ ابو عمرو بصری صرف مَا پر وقف کی اجازت دیتے ہیں ، لام پر نہیں ، اور جمہور کے یہاں رسم کے اتباع کی بنا پر مَا اور لام دونوں میں سے ہر ایک پر صحیح ہے ۔ بصری کے لئے لام پر وقف کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ لام حرف واحد ہے لہٰذا اس کو مجرور سے جدا کرنا وقفاً صحیح نہیں گو رسماً مفصول ہے[4] ۔

تاہم ابتدا کرنا لام جارّہ سے یا مجرور سے کسی کے یہاں بھی صحیح نہیں بلکہ مَا سے یا اس سے اوپر سے ہونی چاہیئے[5] ۔

(۲۱) لَاتَ حِیْنَ قولہ تَحِیْنَ فِی الْاِمَامِ صِلْ وَوُھِّلَا ۔

اَلْاِمَام سے مراد خاص وہ مصحف ہے ، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے مخصوص فرمایا

---

[1] شرح مقدمہ وشرح شاطبیہ [2] اسہل الموارد شرح رائیہ ص۱۵۳ [3] تفصیل کے لئے نشر ص۱۴۶ ج۲ دیکھئے ۔ [4] شرح شاطبیہ لقاری ص۱۴۷ [5] قاری وضیاع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تَ، مطلب یہ ہے کہ مصحف امام میں وَلَاتَ حِیۡنَ (سورۃ ص) کی تا کو لفظ حِیۡنَ سے موصول لکھا گیا ہے۔ مگر یہ رسم ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

تضعیف کی وجہ یہ ہے کہ باقی تمام مصاحف یعنی مکی، مدنی، بصری، کوفی اور شامی وغیرہ مصاحف عثمانیہ میں اور ان کے بعد تمام بلاد اسلامیہ میں شرقاً غرباً جس قدر قرآن لکھے گئے، تمام میں تَ کو حِیۡنَ سے قطع کرکے ہی لکھا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تَ، حِیۡنَ کا جزء نہیں بلکہ لَا حرف نفی کا جزء ہے۔ لہٰذا زیادہ صحیح اور رائج یہ ہے کہ رسم میں بھی اور وقف میں بھی تَ کو حِیۡنَ سے نہیں بلکہ لَا کے ساتھ لکھا اور پڑھا جائے۔ کیونکہ رسم و قراءت کے باب میں یہی رسم مشہور و متواتر رہا ہے، اور مصحف امام والی روایت کو باب قراءت اور باب رسم دونوں میں شہرت حاصل نہیں ہوئی، چنانچہ رسم کی شہرت تو اس سے ظاہر ہے کہ علامہ دانی فرماتے ہیں

ہم نے بلادِ اسلامیہ کے شہروں میں رائج الوقت تمام قرآنوں میں تَ کو حِیۡنَ سے مقطوع ہی پایا ہے، نیز ہمارے بہت سے علماء نے تَ کے حِیۡنَ سے وصل والی روایت کا رد کیا ہے۔ کیونکہ ان کو مصاحفِ قدیمہ وغیرہ میں کہیں اس کا وجود نہیں ملا۔ اور ابن الانباری فرماتے ہیں کہ نئے پرانے تمام مصاحف میں تَ کو حِیۡنَ سے قطع کرکے لکھا گیا ہے، نصیر فرماتے ہیں کہ تَ کے قطع پر تمام مصاحف کا اتفاق ہے۔[1]

قراءت کے باب میں بھی ائمۂ قراءات کے یہاں وقف علی التاء یا علی الہاء کے مختلف فیہ ہونے سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ تَ، حِیۡنَ سے مقطوع ہے۔ چنانچہ کسائیؒ تاکہ کو ھاء ساکنہ سے بدل کر وقف کرتے ہیں اور باقی اتباعِ رسم میں تَ پر وقف کرتے ہیں۔ بہر حال وقف تاء پر ہو یا ھاء سے بدل کر ہو اس سے بحث نہیں البتہ اس سے قدرِ مشترک کے طور پر تمام قراء کا اس پر اجماع ضرور لازم آتا ہے کہ محلِ وقف تَ ہو سکتی ہے۔ جس سے لازم آیا کہ تاء حِیۡنَ سے مقطوع الرسم ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ دانی کی مذکورہ بالا تصریحات ہی کو سامنے رکھ کر حضرت ناظم نے یہ شعر فرمایا ہے جیسا کہ علامہ شاطبیؒ نے بھی دانیؒ کی اتباع میں مصحف امام والی روایت کی تضعیف ہی کی ہے، فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ ابو عبید نے وَلَاتَحِیۡنَ کے وصل کو مصحفِ امام کی طرف منسوب کیا ہے، اور تمام اہل رسم ابو عبید کے اس مذہب پر شدید انکار کرتے ہیں۔"

ناظمؒ کے شعر کا مفہوم اسی کی حمایت کی روشنی میں پیش کیا جا چکا ہے۔ مگر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اشکال کیا جاتا ہے کہ ناظم نے وُهِّلَا کیوں فرمایا؟ جب کہ

(۱) مصحفِ امام میں تَحِیۡنَ تاء کے ساتھ موجود ہے

(۲) مصحفِ امام کے راوی امام ابو عبید قاسم بن سلّام (متوفی ۲۲۴ھ) ہیں، مصحفِ امام کے رسم کی روایات کا مدار اکثر و بیشتر انہیں پر ہے۔ اور نہایت معتبر راوی سمجھے گئے ہیں۔ چنانچہ علامہ سخاویؒ وسیلہ میں فرماتے ہیں۔ اِنَّ اَبَا عُبَیۡدٍ هُوَ الۡاِمَامُ

[1] مقنع ص۷۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَا مَطْعَنَ فِی نَقْلِہٖ[1]۔ یعنی ابو عبید امام ہیں، اُن کی روایت پر جرح نہیں کی جا سکتی۔ خود ناظمؒ ان کو اِمَامٌ کَبِیْرٌ وَ ثِقَۃٌ ثَبْتٌ فِی الدِّیْنِ وَاَحَدُ الْاَئِمَّۃِ الْمُجْتَہِدِیْنَ (بڑے امام اور دین میں سند اور ائمہ مجتہدین میں سے ہیں)، فرماتے ہیں[1]۔

(۳) ناظمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خود بھی قاہرہ کے مدرسہ فاضلیہ کے کتب خانہ میں مصحف امام کی زیارت کی، اور ت کو حِیْنَ سے حسب روایت ابو عبید موصول ہی پایا ہے[2]۔

(۴) نشر میں ناظمؒ نے لَاتَ حِیْنَ پر کلام کرتے ہوئے ابو عبید کی روایت اور وصل پر اُن کے دیگر دلائل کو بلا کسی جرح و تضعیف بتفصیل نقل کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناظم کی نظر میں ابو عبید والی روایت ضعیف نہیں بلکہ علمی اعتبار سے باوقعت اور مُسَلَّم ہے۔

اِس اشکال کا ایک جواب تشریح کے ذیل میں ہم دے چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وُھِّلَا بمعنی ضُعِّفَ ہے بمعنی غُلِّطَ (غلط قرار دیا گیا) نہیں ہے جیسا کہ شیخ زکریا اور قاری فرماتے ہیں۔ اور تضعیف اس لئے کی گئی کہ قراءت و رسم کے دونوں بابوں میں حِیْنَ سے ت کا قطع ہی ثابت ہے جو حدِ تواتر تک پہنچتا ہے، اور مصحفِ امام کی روایت فی نفسہ دُرست سہی، مگر متواتر کے مقابلہ میں خبر آحاد کی حیثیت ہے۔ جس کو علماء احادیث شاذ کہتے ہیں، وُھِّلَا سے اسی شذوذ کی طرف اشارہ ہے، قاریؒ نے بھی یہی توجیہ کی ہے۔ مگر ہماری تقریر سے ذرا مختلف ہے۔

دوسرا جواب یہ کہ ناظمؒ نے وُھِّلَا فرما کر اپنے پیشتر و مصنفین کی رائے کو نقل کیا ہے، نہ یہ کہ ناظمؒ خود اپنی رائے کا اظہار فرما رہے ہیں، چنانچہ ہم دانی اور شاطبی کے اقوال نقل کر چکے ہیں، نیز علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل رسم، ابو عبید والی روایت کے برخلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ ابو عبید کی روایت مصاحف کے رسم الخط قیاسی سے خارج ہے[3]۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود ناظمؒ کی بھی یہی رائے ہے، بلکہ سمجھنا چاہیئے کہ ناظمؒ نے عام رجحان کو نقل کر دینے پر اکتفا کیا ہے، اور اپنا ذاتی فیصلہ محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ بہر پہلو بجائے خود معنی خیز ہے کہ ناظمؒ نے لَاتَ حِیْنَ کے رسم کو بیان کرنے میں مصحفِ امام کی روایت کو کیوں اختیار فرمایا؟ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ دیگر مصاحف عثمانیہ کے حوالہ سے ت کو حِیْنَ سے مقطوع کہہ کر خاموشی سے آگے بڑھ جاتے۔

تیسرا جواب حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ آبادیؒ شارح رائیہ کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وُھِّلَا کی ضمیر ابو عبید کی روایت کی طرف راجع نہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ وہ ابو عبید کی روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔" روایت اپنی جگہ صحیح ہے، بلاشبہ مصحفِ امام میں تَحِیْنَ موصول لکھا ہوا ہے، مگر ابو عبید کا یہ مذہب ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے تا، کو لَا کا جزء نہیں حِیْنَ ظرفیہ کا جزء قرار دیا ہے اور اس پر دلائل نقل کئے ہیں، جمہور یہ کہتے ہیں کہ اگر ت کو حِیْنَ کے ساتھ ملا کر بھی لکھا گیا ہو، تب بھی یہی کہا جائے گا کہ تا معنی کے اعتبار سے لَا کا جزء تھی مگر خلافِ قیاس اس کو حِیْنَ سے ملا کر لکھ دیا گیا ہے۔

دوسرا نسخہ

مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ نسخہ اکثریہ کی بنا پر مصرعہ اس طرح ہے۔ ع

تَحِیْنَ فِی الْاِمَامِ صِلْ وَقِیْلَ لَا

چنانچہ شارح روحی نے اس نسخہ کے اکثریہ ہونے کی تصریح کی ہے اور خالد ازہری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے قاری

---

[1] افضل الدرر ص ۸۶ [2] و [3] نشر ص ۱۵۰ ج ۲ [4] منح الفکریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ وَقِیلَ لَا کی بجائے وَوُصِّلَا صحیح ترمانا جائے، کیونکہ وَقِیلَ لَا سے مفہوم یہ نکلتا ہے کہ تا کا ...
وصل قوی اور فصل ضعیف ہو، حالانکہ جمہور اس کے برخلاف ہیں۔

لیکن مولانا قاری نصیر الدین نعمانی اعظم گڑھی حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک وَقِیلَ لَا والا نسخہ زیادہ صحیح اور قوی ہے اور وجہ یہ کہ لفظی اعتبار سے تو خود قاری فرماتے ہیں کہ یہ نسخہ اکثریہ ہے اور معنی کے اعتبار سے اس لئے کہ اگر یہی معنی لئے جائیں تو قاری نے قِیلَ لَا کے بیان فرمائے تو بھی صحیح ہے، کیونکہ مصحف امام کو دیگر مصاحف پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے، اور ناظم نے ... کے مدرسہ فاضلیہ میں تَحِینَ کو خود بھی مصحف امام میں موصول ہی دیکھا، لہذا ان کے نزدیک اس مشاہدہ کی وجہ سے یا مصحف امام کو فضیلت حاصل ہونے کی وجہ سے اگر وصل ہی زیادہ قوی ہو تو عجب نہیں۔ اور فصل اگرچہ بکثرت ہو لیکن ناظم کے نزدیک ضعیف ہے جیسا کہ ابن الناظم کی شرح سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس نسخہ کا وہی مفہوم لازم نہیں آتا جو قاری سمجھے ہیں، بلکہ اس کے علاوہ تین مفہوم اور پیدا ہو سکتے ہیں، جن کے مطابق اس نسخہ کا مضمون بھی جمہور کے موافق ہو جاتا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ مصرعہ کے الفاظ میں وزن بیت کی وجہ سے تقدیم وتاخیر ہے، اصل میں اس طرح ہے۔

وَقِیلَ لَاتَحِینَ فِی الْإِمَامِ صِلْ ۔

گویا تمام مصرعہ ایک مکمل فقرہ ہے۔ مطلب یہ کہ مصحف امام کی اتباع میں کہا گیا ہے کہ لَاتَحِینَ کو ملا کر لکھو، مگر قِیلَ کہا گیا ہے، تو ... کے لفظ سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ ناظم نے جب خود مصحف امام میں موصول دیکھا تو کہا گیا ہے کہنے کا کیا مطلب؟ جواب یہ کہ بچشم خود ضرور دیکھا تھا کہ موصول ہے۔ مگر یہ رسم جمہور کے برخلاف ہونے کی وجہ سے وَقِیلَ صیغۂ تمریض کے ساتھ فرما رہے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ وَقِیلَ لَا جملۂ مستانفہ ہے اور قول سے تلفظ کی حکایت مقصود ہے یعنی قِیلَ بمعنی قُرِیَٔ ہے مطلب یہ کہ وہ تَحِینَ کو مصحف امام کے مطابق موصول لکھو، اور اس وقت وقف میں لَا پڑھا جائے گا نہ کہ لَاتْ، مگر یہ وقف جمہور کے برخلاف ہونے کی وجہ سے اس کو صیغۂ تمریض سے بیان کرتے ہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ قِیلَ لَا جملۂ مستانفہ ہے اور اس سے مراد وہی ہے جو ملا علی وغیرہ شراح نے لکھی ہے، لیکن عموم کے ساتھ نہیں بلکہ خصوص کے ساتھ، مطلب یہ کہ تَحِینَ امام میں موصول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام میں موصول نہیں ہے۔"

اس صورت میں دوسرے قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہوگا، یعنی عدم وصل کا دعویٰ ضعیف ہے کیونکہ ناظم نے بچشم خود ... دیکھا تھا۔ گویا مصنف قِیلَ لَا سے حقیقتہً تو تضعیف نہیں کرنا چاہتے، البتہ لوگوں کے وصل کے انکار پر رد کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ رسم الخط کے اعتبار سے تو وصل وفصل دونوں صحیح، لیکن قراءت کے فن میں قراء سے صرف فصل منقول ہے، لہٰذا اس لحاظ سے کہ رسم قراءت کے موافق ہونا چاہیئے فصل اولیٰ ہے، اور معمول ومتواتر بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم

لَاتَ حِینَ کی لفظی تحقیق

گزشتہ امتوں کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ جب ان پر عذاب نازل ...

۱؎ عین الفکریہ حاشیہ فارسی بر مقدمۃ الجزریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَنَادَوْا پس انہوں نے آوازیں دیں وَ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ حالانکہ نہیں رہا تھا وقت فرار کا ۔ لَاتَ اصل میں لَا نافیہ بمعنی لَیْسَ ہے، لفظ کی تانیث کے لئے تاء زیادہ کی گئی ہے، جیساکہ رُبَّ اور ثُمَّ میں رُبَّتَ اور ثُمَّتَ بھی لکھتے ہیں، یہ تاء اصل میں فعل کی تاءِ تانیث ساکنہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ساکنہ ہے مگر لَاتَ میں اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے فتحہ کی حرکت[1] دی گئی ۔ خلیل، سیبویہ، کسائی، نحو وعربیت اور قراءت کے ائمہ کا یہی مذہب ہے لہذا وقفاً تا یا ھا پر[2] ہوگا ۔

چنانچہ شاعر کہتا ہے ع

تَذَکَّرَ حُبَّ لَیْلٰی لَاتَ حِیْنًا[3]

یعنی تو اب لیلیٰ کی محبت کو یاد کرتا ہے حالانکہ اب وقت نہیں رہا ۔

اور ابو عبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ چونکہ مصحف امام کے مطابق تا ۔ لَا سے مفصول اور حِیْنَ سے موصول ہے، لہذا میرے نزدیک وقف لَا پر ہونا چاہیئے اور تَحِیْنَ سے ابتدا ہوگی ۔ میں نے مصحف امام میں تَحِیْنَ ہی دیکھا ہے، دوسرے یہ کہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معلوم ہوتا ہے کہ لَا اُخْتِ لَیْسَ ہے اور مشہور لغت لَا ہی ہے نہ کہ لَاتَ ،

امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ اہل عرب اسماءِ زمانیہ پر تاءِ زائدہ لاحق کرتے ہیں چنانچہ حِیْنَ سے تَحِیْنَ ، اَلْآنَ سے تَالْآنَ اور اَوَانَ سے تَاوَانَ بولتے ہیں ۔ کَانَ ھٰذَا تَحِیْنَ کَانَ لَکَ یعنی کَانَ ھٰذَا حِیْنَ کَانَ لَکَ اسی طرح بولا جاتا ہے اِذْھَبْ تَالْآنَ فَاصْنَعْ کَذَا یعنی اب جاؤ اور ایسا کرو ۔ شاعر کہتا ہے ؎

اَلْعَاطِفُوْنَ تَحِیْنَ لَا مِنْ عَاطِفٍ ۔ وَالْمُطْعِمُوْنَ زَمَانَ اَیْنَ الْمُطْعِمُ یعنی میرے ممدوح اس وقت مہربان ہوتے ہیں جب کوئی مہربان نہیں ہوتا اور اس وقت کھانا کھلاتے ہیں جب کہ کہا جاتا ہے کہ کھلانے والے کہاں ہیں ؟

نیز ابو عبید نے فرمایا کہ اسی سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے ۔ جس وقت کہ ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے ان کے فضائل و مناقب بیان کئے اور سائل سے فرمایا اِذْھَبْ بِھٰذِہٖ تَالْآنَ اِلٰی اَصْحَابِکَ یعنی ان مناقب کے ساتھ اب تم اپنے رفقا کے پاس جاؤ ۔ غرض یہ اور اسی قسم کے متعدد دلائل سے ابو عبید نے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ ابو عبید زبردست امام ہیں دین میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے[4] ہیں ۔ آجکل بھی ہمارے زمانہ کے اہل عرب اپنی روزمرہ بول چال میں اگر مثلاً کہا جائے کب تک آؤ گے ؟ جواب میں کہتے ہیں دَحِیْنَ یعنی ابھی آیا دَحِیْنَ اصل میں یہی تَحِیْنَ ہے تا کو دال سے بدل لیا گیا ۔

ش۹۳۔ کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ صِلْ ۔۔۔ کَذَا مِنْ اَلْ وَھَا وَیَا لَا تَفْصِلْ

ت۔ کَالُوْھُمْ اور اَوْ وَّزَنُوْھُمْ کو ملا کر لکھو، اسی طرح اَلْ اور ھَا اور یا سے (ان کے مابعد کو) مت جدا کرو ۔

---

[1] ابو شامہ [2] نشر ص ۱۵۰ ج۲ [3] ابن کثیر [4] نشر ص ۱۵۰ ج۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ل- كَالُوْهُمْ اور اَوْ وَّزَنُوْهُمْ دونوں فعلوں میں میم جمع اشباع کے ساتھ ہے، اور دونوں میں عطف ... صیغۂ امر کا مفعول بہ ہے۔ کذا اور مِنْ الْ وَهَا وَ يَا دونوں جار مجرور لَاتَفْصِلِ کے متعلق ہیں، اور لَاتَفْصِلْ کا مفعول بہ محذوف ہے یعنی لَا تَفْصِلِ مَا يُحْذُهَا۔

صِلْ صیغۂ امر اور لَاتَفْصِلِ صیغۂ نہی ہے، دونوں کے آخر میں حرف اطلاق لاحق کرنے کی ضرورت سے کسرہ کی حرکت دی گئی اور کسرہ کی مناسبت سے یاء اطلاقی لاحق کی گئی۔

اختلاف نسخ پہلے مصرعہ میں مختلف نسخے ہیں۔ ہم نے جو نسخہ اختیار کیا ہے یہ شارح رومی کی شرح کے مطابق ہے، بعض اردو شارحوں نے اس نسخہ کو وزن سے ساقط لکھا ہے، مگر یہ اُن کا وہم ہے البتہ اگر میم جمع میں صلہ دکیا جائے تو بیشک صحیح ہے۔ لیکن صلہ کیوں نہ کیا جائے ہم نے اس نسخہ کو اس لئے اختیار کیا کہ یہ سورۂ تطفیف میں وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ کی قرآنی ترتیب کے عین مطابق ہے۔

شیخ زکریا اور قاری کے یہاں ع وَ وَزَنُوْهُمْ، وَكَالُوْهُمْ صِلْ ہے۔ یعنی پہلی میم جمع صلہ کے ساتھ اور دوسری ساکن ہے۔ بہر حال اس میں بھی کوئی قباحت نہیں، حیرت ہے کہ بعض اردو شارحوں نے اس کو وَ وَّزَنُوْهُمْ دوسری واؤ کے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور پھر اس پر معترض ہوگئے ہیں کہ واؤ پر تشدید کا کوئی جواز نہیں۔

تیسرا نسخہ جو ہمارے ہاں رائج ہے، اس طرح ہے ع اَوْ وَّزَنُوْهُمْ وَكَالُوْهُمْ صِلْ پہلی میم صلہ کے ساتھ اور دوسری ساکن ہے۔ نسخہ یہ بھی اچھا ہے، مگر کسی عربی شرح سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ شاید رومی اور قاری والے دونوں نسخوں کو کسی نے سامنے رکھ کر یہ شکل اختیار کی ہو۔

ح- قولہ كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ صِلْ یعنی كَالُوْا اور وَزَنُوْا

كَالُوْهُمْ، وَزَنُوْهُمْ

جو ماضی جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں، ان کو بعد کی ضمیر هُمْ کے ساتھ ملا کر لکھو، قطع کر کے لکھنا درست نہیں۔ لہذا نہ كَالُوْا ، وَزَنُوْا پر وقف صحیح، اور نہ مابعد کی ضمیر هُمْ سے ابتداء درست کیونکہ فعل اور ضمیر میں رسمًا اتصال ہے، اور کلمۂ موصول پر وقف جائز نہیں ہوتا۔

رسمًا اتصال کو سمجھنے سے پہلے یہ اصول ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ کلمہ کے آخر میں واؤ ہونے کی صورت میں، الف لکھا جاتا ہے، خواہ یہ واو جمع ہو جیسے وَكَذَّبُوْا ، لَنْ تَنَالُوْا ، اِتَّقُوْا ، لَاتَحْتَدُوْا ، مُلٰقُوا اللّٰهِ خواہ صیغۂ واحد وغیرہ میں لام کلمہ کی جگہ ہو جیسے فَلَا يَرْبُوْا ، اِنَّمَا اَشْكُوْا لَنْ نَدْعُوَا ، تَرْجُوْا خواہ لام کلمہ میں ہمزہ متطرفہ بصورت واؤ مرسوم ہو جیسے تَفْتَؤُا ، يَتَفَيَّؤُا۔ اور خواہ یہ واؤ علامت رفع ہو جیسے اُولُوا الْحِلْمِ ، اُولُوا الْعَزْمِ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ۔ غرض کلمہ کے آخر میں واؤ متطرفہ کے بعد الف لکھا جاتا ہے، اور یہ الف فاصل کہلاتا ہے یعنی کلمہ کے ختم ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے تاکہ اس کو آئندہ کلمہ کے ساتھ مربوط سمجھ کر واؤ عاطفہ نہ کہا جائے لیکن اگر کلمہ کے بعد کوئی ضمیر متصل لاحق ہو جائے تو یہ الف فاصل نہیں لکھتے، اشارہ ہو جاتا ہے کہ ضمیر فعل کا جزء ہے، لہذا واؤ متطرفہ نہیں، جیساکہ يَضْرِبُوْنَ میں واوِ جمع کے بعد الف

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہیں لکھا جاتا، کیونکہ واو متطرفہ نہیں بلکہ متوسط ہے۔

یہ اصول سمجھ میں آجانے کے بعد اب ناظمؒ کا مطلب سمجھ میں آجانا چاہیئے کہ کَالُوهُمْ اور وَزَنُوهُمْ کو موصول لکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ واو جمع کے بعد الف مت لکھو تاکہ ضمیر کا اتصال قائم رہے اور یہ ضمیر پڑھنے میں بھی رسم کے مطابق موصول سمجھی جائے۔

نوٹ :۔ قرآن سے باہر کتابت کا اصول یہ ہے کہ واو جمع کے بعد الفِ فاصل لکھنا ضروری ہے اور صیغۂ واحد وغیرہ میں واو متطرفہ کے بعد الف کا لکھنا وجوبی نہیں صرف جوازی ہے۔ لیکن قرآنی رسم میں واو متطرفہ اور واو جمع کے بعد ہر جگہ الف فاصل لکھا گیا ہے مگر اس سے حسب ذیل کلمات مستثنیٰ ہیں۔

(الف) واو جمع کے بعد ذیل کے الفاظ میں الف نہیں لکھا گیا۔

جَاءُو، بَاءُو (جہاں بھی ہوں) فَإِنْ فَاءُو (بقرہ) عَتَوْ عُتُوًّا (فرقان) وَالَّذِينَ سَعَوْ فِي آيَاتِنَا (سبا) وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ (حشر)

(ب) واوِ اصلیہ متطرفہ کے بعد صرف ایک جگہ الف مرسوم نہیں،

فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ (النسا)

(ج) باتفاق مصاحف جو واو اسم مفرد میں علامت رفع ہو، بغیر الف لکھی جائے گی جیسے لَذُو مَغْفِرَةٍ، ذُو عِقَابٍ، ذُو الْجَلَالِ وغیرہ[1]۔

فائدہ :۔ ناظمؒ نے كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ، جو دو فعل ذکر کئے ہیں، یہ بطور مثال اور نظیر کے ہیں یعنی باقی باب کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔ لہٰذا سمجھنا چاہیئے کہ ناظمؒ اس مصرعہ میں رسم کا ایک جامع اصول بتلانا چاہتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ضمائر متصلہ خواہ مرفوع ہوں یا منصوب یا مجرور ہمیشہ اپنے موصول بہ (خواہ وہ فعل ہو یا اسم یا حرف) کے ساتھ ملا کر ہی لکھی جائیں گی۔ منصوب متصل مثلاً قَاتِلُوهُمْ۔ وَاقْتُلُوهُمْ۔ أَعْطَيْنَاكَ۔ جَعَلْنَاهُ۔ سَيَهْدِيهِمْ۔ إِنَّكُمْ لَعَلَّهُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا۔ أُورِثْتُمُوهَا۔ مرفوع متصل مثلاً أَنْشَأْتُمْ۔ قَرَأْتُمْ۔ اور مجرور متصل مثلاً مَا سَلَكَكُمْ۔ آتَاكُمْ۔ أَمْثَالُهَا۔ فِيكُمْ۔ عَنْهُمْ وغیرہ۔

اسی لئے وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (شوریٰ) میں غَضِبُوا کی واو جمع کے بعد الفِ فاصل لکھا گیا ہے کیونکہ هُمْ ضمیر (منصوب) متصل نہیں، بلکہ مرفوع منفصل ہے یعنی هُمْ مبتدا اور يَغْفِرُونَ خبر سے مرکب ہو کر جملۂ اسمیہ ہے۔ اور شرط کی جزا ہے۔

اسی طرح كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ (مومن) میں، اور إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ (نجم) میں الفِ فاصل کے ساتھ ہے۔

فائدہ :۔ بعض شراح کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ناظمؒ صرف مذکورہ دو فعلوں پر ہی کلام کرنا چاہتے ہیں، گو اصولی طور پر رسم کا مسئلہ انہیں دو فعلوں میں منحصر نہیں، بلکہ تمام قرآن میں عام ہے۔ مگر خاص طور سے انہیں دو فعلوں پر اس لئے تنبیہ

---

[1] رشی لے کثرۃ من المقنع ص۲۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمائی کہ عبداللہ بن صالح عجلی نے بطریق شاذ امام حمزہؒ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ کَالُوْهُمْ ، وَزَنُوْهُمْ کو دو دو لفظ پڑھا کرتے تھے۔ شارح رومی اور ان کی اتباع میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن عمر ثقفی بھی واو و کو منفصل لکھتے قرار دیتے تھے اور کَالُوْا اور وَزَنُوْا پر وقف کرکے هُمْ سے ابتداء کر لیتے تھے۔ مقدسی فرماتے ہیں کہ ان دو فعلوں میں اختلاف ہوا ہے کہ ضمیر مرفوع منفصل یا منصوب متصل ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ یہ منصوب ہے، کیونکہ رسماً موصول ہے کیونکہ الف فاصل محذوف ہے۔ اگر ضمیر مرفوع منفصل ہوتی تو واو جمع کے بعد الف فاصل ضرور مرسوم ہوتا۔ ناظمؒ فرماتے ہیں امام حمزہ سے جو روایت دانیؒ نے نقل فرمائی یہ محض حکایت ہے ورنہ اہل ادا اور تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ الف فاصل مرسوم نہ ہونے کی وجہ سے هُمْ متصل ہے۔ سید علی فرماتے ہیں کَالُوْهُمْ یعنی کَالُوْا لَهُمْ اور وَزَنُوْهُمْ یعنی وَزَنُوْا لَهُمْ اس سے اشارہ ہے کہ ضمیر هُمْ محل نصب میں کَالُوْا کا مفعول ہے۔ لام حذف ہو کر فعل بنفسہٖ متعدی ہوا ہے ضمیر مرفوع واو جمع کی تاکید نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ بعض نے نحات کوفیین کے مذہب پر هُمْ کو کَالُوْا اور وَزَنُوْا کا فاعل قرار دیا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ فعل کی اسناد جب اسم ظاہر فاعل کی طرف ہو تو نحات بصرہ کے نزدیک ہمیشہ فعل واحد آئے گا، مگر کوفیین نے فعل واحد اور فاعل کے مطابق فعل تثنیہ یا جمع بھی جائز کہا ہے جیسے حدیث میں آتا ہے یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْكُمْ مَلَائِكَةٌ اور محاورۂ عرب ہے اَكَلُوْنِی الْبَرَاغِیْثُ اسی طرح هُمْ کو مرفوع ماننے والے بھی اُسے فاعل قرار دیتے ہیں۔ بہرحال یہ نحوی بحث ہے۔

شاید ناظمؒ نے اسی اختلاف کی وجہ سے یہ دو فعل قابل بحث سمجھتے ہوئے یہاں نقل کئے ہیں۔

(۲۳) اَلْ (۲۴) هَا (۲۵) یَا | قولہ كَذَا مِنَ الْ وَهَا وَيَا لَا تَفْصِلِ۔

یعنی الف لام خواہ حرف تعریف ہو جو اسماء کے شروع میں تعریف کے لئے داخل ہوتا ہے، خواہ بمعنی الذی ہو جو اسم فاعل و اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے باتفاق مصاحف اپنے مدخول کے ساتھ موصول ہی لکھا اور پڑھا جائے گا۔ اور خواہ یہ لام شمسی ہو یا قمری، جیسے اَلْحَمْدُ، اَلْحَقُّ، اَلرَّحْمٰنُ، اَلْخَالِقُ، اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ۔

اسی طرح حرف تنبیہ هَا ہمیشہ اپنے مدخول کے ساتھ اختصاراً موصول لکھا اور پڑھا جائے گا یعنی هَا کا الف محذوف ہوگا۔ جیسے هٰاَنْتُمْ، هٰؤُلَاءِ، هٰذَا، هٰذِهٖ، هٰذَانِ، هٰتَیْنِ، هٰهُنَا، هٰكَذَا۔

تنبیہ: هٰاَنْتُمْ میں هَا حرف تنبیہ کا الف محذوف الشکل ہے اور الف کی جو شکل ہے، یہ اَنْتُمْ کا ہمزہ مبتدأ ہے۔

اسی طرح یَا حرف ندا جو هَا کی طرح اگرچہ دو حرفی حرف ہے مگر اپنے مدخول کے ساتھ ہمیشہ اختصاراً بحذف الف موصول ہی لکھا جائے گا۔ اور رسم کے اتباع میں یَا اور اس کے مدخول کو وقف وابتدا میں قطع کرکے پڑھنا درست نہیں ہوگا۔ جیسے یٰاَیُّهَا النَّاسُ، یٰاَرْضُ، یٰاُولِی الْاَلْبَابِ، یٰاُخْتَ هٰرُوْنَ، یٰاٰدَمُ، یٰنُوْحُ، یٰلُوْطُ، یٰشُعَیْبُ،

۱ے مقنع ونشر ۲ے نہایۃ القول المفید ص۱۸۷ دقائق ص۱۰۴ ج۱ ۳ے نشر ص۱۵۶ ج۲ ۴ے صاوی علی الجلالین۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یٰمَرْیَمُ ، یٰھٰمٰنُ ، یٰمٰلِکُ ، یٰاَسَفٰی ، یٰوَیْلَتٰی ، یٰحَسْرَتٰی ، یٰرَبِّ ، یٰبُنَیَّ ، یٰقَوْمِ وغیرہ ۔

تنبیہ :۔

یہاں بھی سمجھنا چاہیئے کہ یٰاٰدَمُ اور یٰاٰدَمُ وغیرہ میں الف کی صورت یا کے الف کی نہیں، بلکہ اٰدَمُ ، اٰدَمُ کے ہمزہ مبتدئہ کی ہے ۔

چند کلمات موصول یا مقطوع کلمات کے ذیل میں مزید چند الفاظ کی بحث ، جن کو ناظمؒ نے اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا ۔

(۱) اِلَّا یعنی اِنْ مکسورہ مخففہ اور لَا حرف نفی کا مجموعہ ۔ یہ تمام قرآن میں باتفاق مصاحف موصول ہی ہے جیسے اِلَّا تَفْعَلُوْہُ ۔ اِلَّا تَنْصُرُوْہُ ۔

(۲) ذَا اسم اشارہ جب کہ کاف کے ساتھ ہو تو موصول ہی لکھنا چاہیئے جیسے ذٰلِکَ ۔ ذٰلِکُمَا ۔ ذٰلِکُمْ ۔ کَذٰلِکَ فَذٰلِکَ ۔ فَذٰلِکُنَّ ۔

یعنی ذَا کا الف نہیں لکھا جائے گا ۔ البتہ ھُنَالِکَ میں الف لکھا تو گیا ہے مگر حکماً یہ لفظ بھی موصول ہی ہے ۔

(۳) اَیًّامَّا حمزہ ، کسائی اور رُویس نے اَیًّا پر وقف کیا ہے نہ کہ مَا پر ۔ اور باقین نے مَا پر کیا ہے ۔ مگر اتحاف میں ہے کہ ارجح اور زیادہ صحیح یہ ہے جیسا کہ نشر میں ہے کہ اَیًّا اور مَا دونوں پر وقف تمام قراء کے لئے صحیح ہے ، کیونکہ رسماً دونوں لفظ مفصول ہیں ، جیسا کہ طیبہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔[۱]

(۴) اِبْنَ اُمَّ باتفاق تمام مصاحف سورۂ اعراف میں قَالَ ابْنَ اُمَّ مقطوع ہے اور یَبْنَؤُمَّ سورۂ طٰہٰ میں موصول ہے لہٰذا پہلے میں اِبْنَ پر وقف صحیح ہے دوسرے میں نہیں ۔

(۵) مَنْ ذَا الَّذِیْ جو سورۂ بقرہ اور حدید میں ہے ۔ مَنْ کو علیحدہ اور ذَا کو دوسرا کلمہ سمجھنا چاہیئے ، لہٰذا ہر ایک پر وقف صحیح ہے ۔

(۶) اَوَ ۔ اَوَ اَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰی اور اَوَ اٰبَآؤُنَا میں دو دو قراءتیں ہیں ایک میں ہمزۂ استفہام اور واو عاطفہ دوسری میں اَوْ حرف عطف ہے ، دوسری قراءت میں چونکہ اَوْ کلمہ مستقلہ ہے لہٰذا اس پر وقف صحیح ہوگا ۔ لیکن پہلی قراءت میں صحیح نہیں ، کیونکہ واو عاطفہ کلمۂ غیر مستقل ہونے کی وجہ سے مابعد کا جزء ہے ۔ اسی طرح اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا ۔ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ ۔ اَوَکُلَّمَا عٰھَدُوْا وغیرہ میں باجماع واو عاطفہ پر وقف صحیح نہیں ۔

(۷) وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ (یٰسٓ) اور مَالِیَ لَآ اَرَی الْھُدْھُدَ (نمل) میں کلمۂ مَا اور لِیَ جدا کلمہ ہے ۔ لہٰذا ہر دو پر وقف صحیح ہے۔[۲]

(۸) اِلْ یَاسِیْنَ دو قراءتیں ہیں سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ (بکسر ہمزہ و سکون لام) اور عَلٰٓی اٰلِ یَاسِیْنَ پہلی قراءت

---

۱ نشر ص ۱۵۴/۲ج ۲ نہایۃ القول المفید ص ۲۰۴ ۳ مزید تفصیل کے لئے دیکھو نشر ص ۱۶۱/۲ج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر اَل موصول کے حکم میں ہے۔ لام پر وقف صحیح نہیں، دوسری قراءت پر صحیح ہے۔ جیسا کہ اَل لُوْطٍ وغیرہ میں اَل پر سب کے نزدیک بالاتفاق وقف صحیح ہے۔

(۹) مَاذَا معنوی اعتبار سے کبھی ایک کلمہ ہوتا ہے، اور کبھی دو۔ اگر مَا استفہامیہ ہو اور ذَا بمعنی اَلَّذِیْ اسم موصول ہو تو دو کلمے سمجھے جائیں گے اور دونوں میں سے ہر ایک پر وقف صحیح ہوگا۔ جیسے وَ اَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَا۔ اسی طرح وَیَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوُ۔ ابو عمرو بصری کی قراءت پر کہ اَلْعَفْوُ مرفوع ہے مَاذَا استفہام و موصول دو کلموں کا مرکب ہے اور ہر ایک دوسرے سے جدا ہے لہذا ہر ایک پر وقف صحیح ہے اور باقین کی قراءت پر، کہ اَلْعَفْوَ منصوب ہے، مَاذَا کے دونوں لفظ ایک کلمۂ مرکبہ استفہامیہ ہے، لہذا صرف ذَا پر وقف صحیح ہوگا۔

سورۂ نحل میں مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ میں مَاذَا استفہام اور موصول دو لفظوں کا مرکب ہے لہذا دونوں پر وقف کرنا صحیح ہے۔ اسی لئے اَسَاطِیْرُ مرفوع ہے کہ ھُوَ محذوف کی خبر ہے۔ اور مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْا خَیْرًا میں مَاذَا ایک کلمۂ استفہامیہ ہے، لہذا وقف صرف ذَا پر ہی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے خَیْرًا منصوب ہے کیونکہ اَنْزَلَ فعل محذوف کا مفعول [1] ہے۔

ضروری فوائد

جس کلمہ کی بناء ایک حرف ہو موصول ہوتا ہے

جس کلمہ پر کوئی ایسا حرف داخل ہو، جو حروف معانی میں سے ہو اور اس کی بناء ایک حرف ہو، وہ مابعد سے موصول ہوگا، خواہ ملا کر لکھا گیا ہو جیسے بِسْمِ اللّٰہِ، بِاللّٰہِ۔ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ، کَمِثْلِہٖ۔ لَاَنْتُمْ۔ سَیَذَّکَّرُ۔ فَسْـَٔلْہُ یا علیحدہ، جیسے ہمزہ اور واو عاطفہ، مثلاً ءَاَنْتَ، ءَاَنْذَرْتَھُمْ۔ وَاسْـَٔلْ، وَاْمُرْ، وَاٰیٰتِہٖ، وَرَسُوْلِہٖ۔ اور خواہ اس قسم کے حروف میں سے کلمہ کے شروع میں ایک حرف ہو جیسا کہ مثالیں گذریں۔ یا ایک سے زائد ہوں جیسے اَبِاللّٰہِ، فَلِقَتْلُوْکُمْ۔ وَلَقَدْ۔ وَلَسَوْفَ۔ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ۔ اَفَنَتَّخِذُ اِبْنًا۔

اس قسم کے حروف کو یک حرفی کہتے ہیں، چونکہ یہ لفظ میں مستقل نہیں لہذا مابعد کا جزء سمجھے جاتے ہیں۔ نہ ان پر وقف صحیح ہے اور نہ ان کے بغیر مابعد سے ابتدا درست ہے۔

ضمیر متصل موصول ہوتی ہے

ہر وہ کلمہ جس کے ساتھ ضمیر متصل لاحق ہو، وہ ضمیر اس کلمہ کا جزء سمجھی جائے گی خواہ وہ ضمیر یک

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو نشر ص ۱۶۰ ج ۲ اور کشاف للزمخشری میں ہے۔ اگر تم پوچھو کہ منکرین کا جواب اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ مرفوع کیوں ہے، اور متقین کا جواب خَیْرًا منصوب کیوں ہے حالانکہ دونوں جگہ سوال یکساں ہے تو جواب یہ ہے کہ متقی اور منکر کے جواب میں فرق ظاہر کرنا مقصود ہے، یعنی متقین سے سوال ہوتا ہے، کہ مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ تو وہ سوال کے مطابق واضح طور پر خَیْرًا کہتے ہیں یعنی اَنْزَلَ خَیْرًا۔ لیکن منکرین اپنے جواب کو سوال کے طرز سے بدل کر اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ رفع کے ساتھ بولتے ہیں یعنی ھُوَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ، کہ انزال تو ہمیں تسلیم نہیں، بس اسقدر کہتے ہیں کہ ھُوَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حرفی ہو یا زیادہ، اور خواہ مرفوع ہو یا منصوب یا مجرور، جیسے قُلْتُ - قُلْنَا - رَبِّیْ - رَبُّکُمْ، رُسُلُهٗ - وُرُسُلُنَا - رُسُلُکُمْ مِیْثَاقَنَا - فَاَحْیَاکُمْ - وَلِیُوَقِّرُوْهُ - اَنُلْزِمُکُمُوْهَا - وغیرہ۔

حروفِ مقطعات بعض سورتوں کے شروع میں ایک سے زیادہ جو مقطعات ہیں وہ آپس میں موصول لکھے جاتے ہیں، خواہ وہ دو حرفی ہوں یا تین حرفی یا زیادہ جیسے یٰسٓ، حٰمٓ، طٰسٓ، الٓمّٓصٓ، کٓھٰیٰعٓصٓ وغیرہ، مگر حٰمٓ ۔ عٓسٓقٓ (شوریٰ) میں میم اور عین کو مفصول لکھا گیا ہے - لہٰذا میم پر وقف صحیح ہے۔

جامع البیان بابُ الوقف علی مرسوم الخط میں علامہ دانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو ان مقامات پر وقف کا ذکر کیا ہے، اس کا مقصد ائمہ کے مذاہب کا تعارف کرانا ہے - یا انقطاعِ نفس کے وقت کسی کلمہ کے متعلق کسی روایت کی روشنی میں وقف کے جواز و عدمِ جواز سے بحث مقصود ہوتی ہے، یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس جگہ وقف لازم یا پسندیدہ ہے کیونکہ یہ وقف تام یا کافی نہیں ہوتے بلکہ وقفِ ضرورت (اضطرار) اور وقفِ امتحان (اختبار) اور وقفِ تعریف (یعنی وقفِ تعلیم) کے سوا ان کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔

تنبیہ:- دو کلموں میں سے پہلے کا دوسرے میں ادغام ہوا اور پھر وہ بہ نیت ادغام موصول لکھے ہوئے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مدغم محذوف ہوگا، اور صرف مدغم فیہ پر اکتفا کیا گیا ہوگا، خواہ ادغام مع الغنہ ہوا ہو یا بغیر غنہ۔ مثلاً اَمَّا اشْتَمَلَتْ، اِمَّا تَخَافَنَّ، عَمَّا تَعْمَلُوْنَ - اَمَّنْ یَّمْلِکُ، مِمَّا اَمْسَکْنَ - یہ کلمات صرف ایک میم کے ساتھ لکھے گئے اور مدغم نون یا میم کو رسم سے حذف کر دیا گیا - اسی طرح اِلَّا تَفْعَلُوْهُ - فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا - اَلَّا تَتْلُوْا - اَلَّنْ نَّجْمَعَ کو بغیر نون کے ایک لام کے ساتھ لکھا گیا ہے - اس موصول رسم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ادغام سے پیدا شدہ اتصال کی تحقیق ہو سکے۔

اسی لئے جن حضرات کے یہاں نون کا لام و را میں ادغام بالغنہ بھی صحیح ہوا ہے اس قسم کے موصول میں ان کے یہاں ادغام بالغنہ صحیح نہیں، تاکہ اتباعِ رسم کی حقیقت پر پوری طرح عمل ہو جائے جیسا کہ ہم اوپر ادغام نون کے بیان میں بھی لکھ چکے ہیں۔

فائدہ:- علماءِ تجوید اور علماءِ تفسیر میں اختلاف ہے کہ مَا عَنِتُّمْ آلِ عمران اور توبہ میں اور لَعَنِتُّمْ سورۂ حجرات میں اس کی اصل کیا ہے؟ علماءِ تجوید کے یہاں اس کی اصل عَنِدْتُّمْ عَنِدَ سے ہے اور بہ نیت ادغام لکھنے اور پڑھنے میں دال حذف ہو گئی ہے۔ علماءِ تفسیر کے نزدیک یہ لفظ براصل ہے عَنِتَ سے ماضی جمع حاضر ہے[1]۔

عَنِتُّمْ بِرَسْمٍ قَدْ اَتَتْ فِیْ ثَلَاثَۃٍ   بِتَاءٍ فَلَا تَرْسِمْ بِدَالٍ اَخَا الْعُلٰی
فَفِیْ اٰلِ عِمْرَانٍ اَتَتْ وَبِتَوْبَۃٍ   وَبِالْحُجُرَاتِ اخْتِمْ کَذَا نَقَلَ الْمَلَا

ترجمہ:- عَنِتُّمْ تا کے رسم کے ساتھ تین جگہ آتا ہے لہٰذا اے سربلند اسے دال کے ساتھ مت لکھو۔
آلِ عمران اور توبہ میں آیا ہے اور سورۂ حجرات میں آخری سمجھو، چنانچہ معزز لوگوں نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

نوٹ:- علماءِ تجوید میں یہ قول ہمیشہ مشہور رہا ہے کہ وقف رسم الخط کے تابع ہوتا ہے یعنی کلمہ جس طرح لکھا ہوا ہو وقف میں بھی اس کو اسی طرح پڑھو - اس پر مفصل کلام "بابُ رسم التاء" کے ختم ہونے پر ان شاء اللہ کیا جائے گا۔

---

[1] جلالین وغیرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بَابُ رَسْمِ التَّاءَاتِ

تاءِ تانیث کے رسم کا بیان

قرآن مجید میں تاءِ تانیث کا رسم الخط دو طرح ہے، ایک بصورت ھا جس کو تاءِ مربوطہ یا مُدوّرہ بھی کہتے ہیں دوسرے بصورت تا جس کو تاءِ مجرورہ یا مطوّلہ کہتے ہیں۔ تاءِ مربوطہ پر بالاتفاق قراء، ھاءِ ساکنہ سے بدل کر وقف ہوگا اور روم و اشمام اس میں ناجائز ہوگا۔ عرب کی یہی فصیح لغت ہے۔ لیکن قبیلۂ طَی اور حمیر کی لغت میں تاءِ تانیث پر وقف بالتاء ہوتا ہے۔ قرآن میں تیرہ ۱۳ کلمات ہیں جو اکتالیس ۴۱ جگہ واقع ہیں کہ ان میں تاءِ تانیث بصورت تاءِ مطوّلہ لکھی ہے۔ ایسی تاءات چونکہ تعداد میں قلیل ہیں ناظمؒ اس باب میں اُنہیں کو شمار کراتے ہیں۔ اور قراء میں محل اختلاف بھی یہی تاءات ہیں چنانچہ مکی بصری اور کسائی ان پر وقف بالہا کرتے ہیں تاکہ لغت فصیحہ کے مطابق وقف ہو اور باقی حضرات اتباع رسم کی وجہ سے وقف بالتاء کرتے ہیں جو حضرات تاء کے ساتھ وقف کرتے ہیں، ان کے یہاں روم و اشمام بھی جائز ہے لیکن جو ھاء سے بدل کر ہی وقف کرتے ہیں ان کے یہاں روم و اشمام نہیں ہوتا۔

تاءِ تانیث کو بصورت ھا لکھنے کی وجہ تو یہ ہے کہ عرب کی فصیح لغت میں اس کو وقف میں ھا سے بدلا جاتا ہے اس لئے ھا کی صورت میں لکھتے ہیں۔ گویا رسم بصورت ھا بہ نیت وقف ہے اور بعض کلمات میں جو بصورت تاءِ مطوّلہ لکھی گئی ہے۔ جیسا کہ تفصیل آتی ہے اس کی توجیہ اُن قراء کے مذہب پر جو وقف میں ھا سے بدلتے ہیں یہ ہوگی کہ یہ رسم بہ نیت وصل ہے، نہ بہ نیت وقف۔ لہٰذا وصل میں تو تاء پڑھی گئی اور وقف میں بدستور ھا سے بدل جائے گی۔ اور جو حضرات وقف بالتاء کرتے ہیں ان کے نزدیک اس رسم کی توجیہ یہ ہے کہ قرآن میں ان کلمات کا تلفظ طَی اور حمیر کی لغت پر مقصود ہے۔ جو وقف میں بھی تاءِ تانیث کو تاء ہی بولتے ہیں، لہٰذا رسم کی اتباع میں تاء پر ہی وقف کیا گیا۔

یاد رہے کہ فعل ماضی میں تاءِ تانیث ساکن اور مطوّل ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح جمع مؤنث سالم میں ہمیشہ تاءِ مطول ہی لکھی جاتی ہے۔ اور اسم مفرد کی تاءِ تانیث متحرک ہوئی ہے اور اصول طور پر اس کا رسم ھا ہے اسی طرح ماضی میں تاءِ مخاطب یا تاءِ متکلم مطوّل ہی لکھی جاتی ہے جیسے کُنْتَ ، اَمْلَیْتُ وغیرہ۔

اور جو تا اصلی ہو یا مثل اصلی کے ہو یا تاکید و مبالغہ کی ہو وہ بھی اصولی طور پر لمبی ہی لکھی گئی ہے جیسے مَلَکُوْتٌ ، عِفْرِیْتٌ اَلسَّبْتُ ، بِنْتٌ ، اُخْتٌ ، تَابُوْت وغیرہ اس قسم کی تاءات بالاتفاق وصلاً و وقفاً تاء ہی پڑھی جاتی ہیں۔

البتہ لَاتَ ، هَیْهَاتَ ، مَرْضَاتَ ، ذَاتَ اور اَللّٰتَ میں تا جو کہ لمبی لکھی ہوئی ہے وقف میں تا یا ھا پڑھی گئی ہے۔ جس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ آخر میں آئے گی۔

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ تاءِ تانیث جو وصل میں تا اور وقف میں ھا پڑھی جاتی ہے کلمہ کے اصلی حروف پر تو بیشک زائد ہوتی ہے، مگر نحات کا اس میں اختلاف ہے ان دونوں میں سے کون اصل ہے۔ سیبویہ اور جمہور کی رائے میں تاء اصل ہے، کیونکہ اعرابی حالت اسی پر جاری ہوتی ہے۔ اور ھا صرف حالت سکون یعنی وقف میں ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وصل اصل اور وقف عارضی حالت ہے، اور ھا عارضی ہوگی۔ اور حالت وقف میں ھا سے اس لئے بدلتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عِفْرِيتٌ اور مَلَكُوتٌ جیسی تاء ہیں اور تاء تانیث میں فرق ہو جائے ۔ یا بقول ابن کیسان نحوی یہ وجہ ہے کہ اس تاء تانیث متحرکہ اور فعل ماضی میں لاحق ہونے والی تاء تانیث ساکنہ میں فرق ہو جائے ۔ اور ایک جماعت نحویین کی رائے ہیں، ھا اصل اور تاء فرع ہے، لہٰذا اس کو ھاء تانیث کہنا چاہیئے اور اس ھا کو وصل میں تاء سے اس لئے بدل لیا گیا کہ ھا حرف ضعیف ہے جو ضعف وجہ سے حروف علت کے مشابہ ہے، لہٰذا وصل میں اس کو ایسے مناسب حرف سے بدل لیا گیا جو ھا سے قوی ہو اور اعرابی حالت کے مطابق اس پر تمام حرکات داخل ہو سکیں، بخلاف ھا کے، کہ وہ تمام حرکات کا محل اعراب ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی تھی ۔

تنبیہ :۔ اسم مفرد مؤنث جب کہ مضاف نہ ہو، تمام قرآن میں اس کی تاء مرسوم بالہاء ہے ۔ اور جب ضمیر کی طرف مضاف ہو تو تاء تانیث ہمیشہ بصورتِ تا ہی لکھی جاتی ہے البتہ جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو جیسے رَحْمَتُ اللّٰہِ تو اکثر احوال میں تاءِ طویلہ لکھی گئی ہے ۔

ش۹۴ وَرَحْمَتُ الزُّخْرُفِ بِالتَّا زَبَرُهُ ‏ ‏ الَاعْرَافِ رُومٍ هُودُ كَافُ الْبَقَرَهْ

ت۔ اور سورۂ زخرف اور اعراف، اور روم اور ہود اور کٓھٰیٰعٓصٓ اور بقرہ میں لفظ رَحْمَتُ کو اہل رسم نے تاء کے ساتھ لکھا ہے ۔

ل ۔ وَرَحْمَتُ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یا منصوب علی شریطۃ التفسیر ہے ۔ اس قسم کے موقع میں نصب و رفع دونوں صحیح ہوتے ہیں سیبویہ نے کہا ہے کہ نصب عربی لغت ہے اور بکثرت ہے ۔ اور رفع اَجْوَد (عمدہ) ہے، چنانچہ قول باری تعالیٰ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ اسی باب سے ہے ۔ مگر لفظ ثَمُوْدُ کو منصوب قراءتِ شاذہ میں پڑھا گیا ہے[۲]

اَلزُّخْرُفِ، معطوف علیہ ہے اور اَلَاعْرَافِ الخ بحذفِ عاطف معطوفات ہیں اور تمام معطوفات لفظ رَحْمَتُ کے مضاف الیہ ہیں، یہ اضافت ظرفیت پر مبنی ہے، یعنی وہ لفظِ رَحْمَتُ جو زخرف، اعراف اور روم وغیرہ میں ہے ۔ زَبَرَهُ یعنی كَتَبَهُ، ضمیر فاعل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا اَهْلُ الرَّسْمِ کی طرف راجع ہے ۔ اَلَاعْرَافِ اَعْرَافِ کے ہمزہ کا فتحہ نقل کر کے لام تعریف کو دیا گیا ہے، اور استغناءً ہمزۂ وصل حذف کر دیا گیا جیسا کہ الاضراس میں آچکا ہے ۔ هُوْدَ اور كَافَ غیر منصرف ہونے کی وجہ سے مفتوح ہیں ۔ سورتوں کا عَلَم اور تانیث معنوی کی وجہ سے غیر منصرف کے دو سبب مانے گئے ہیں ۔

---

[۱] افضل الدُّرَر شرح رائیہ صہ ۸۷ [۲] القراءات الشاذہ صہ ۸۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اَلْاَعْرَافِ شارح رومی اور متداول نسخوں میں اسی طرح ہے اور شیخ زکریا انصاری اور قاریؒ کے یہاں فِی الْاُعْرَافِ بنقل حرکت ہے۔

ح۔ رَحْمَتٌ

اس باب کے شروع میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں تاءِ تانیث خلافِ رسمِ قیاسی تیرہ۱۳ کلمات میں لمبی لکھی گئی ہے اور یہ تیرہ کلمات اکتالیس۴۱ جگہ آئے ہیں۔ ناظمؒ بالتفصیل ان تیرہ۱۳ کلمات کو اُن کے وقوعی مقامات کے ساتھ شمار کراتے ہیں یہ تیرہ کلمات حسب ذیل ہیں۔

(۱) رَحْمَتٌ سات جگہ (۲) نِعْمَتٌ گیارہ جگہ (۳) لَعْنَتٌ دو جگہ (۴) اِمْرَاَتٌ سات جگہ (۵) مَعْصِيَتٌ تین جگہ (۶) شَجَرَتٌ ایک جگہ (۷) سُنَّتٌ پانچ جگہ (۸) قُرَّتٌ ایک جگہ (۹) جَنَّتٌ ایک جگہ (۱۰) فِطْرَتٌ ایک جگہ (۱۱) بَقِيَّتٌ ایک جگہ (۱۲) اِبْنَتٌ ایک جگہ (۱۳) كَلِمَتٌ ایک جگہ۔

مذکورۂ تاءات کی تفصیل سے فارغ ہو کر ناظمؒ اُن کلمات کی تاءات بیان فرمائیں گے کہ اُن کلمات کے واحد یا جمع پڑھے جانے میں قراء کا اختلاف ہے۔ بہرحال یہ تیرہ کلمات تمام قراءتوں میں مفرد ہی پڑھے گئے ہیں۔

قولہ:۔ وَرَحْمَتُ الزُّخْرُفِ الخ مطلب یہ ہے کہ لفظ رحمت قرآن میں سات جگہ تاءِ مطوّلہ کے ساتھ مرسوم ہے۔ سورۂ زخرف میں دو جگہ، ایک أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ دوسری وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔ ناظمؒ نے زخرف کے کسی خاص لفظِ رَحْمَتٌ کی تعین نہیں کی، لہٰذا اطلاقِ بیانی سے زخرف کے دونوں لفظ رَحْمَتٌ عموم میں شامل ہیں۔

قولہ الْاَعْرَافِ یعنی سورۂ اعراف میں بھی ایک جگہ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ کی تاء مطوّل ہے۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ مذکورہ تیرہ کلمات جن میں تاءات کو طویل لکھا گیا ہے۔ تمام غیر مُنوّن ہیں اور غیر منوّن اس لئے ہیں کہ کسی اسم ظاہر کی طرف مضاف ہیں جیسا کہ مثالوں سے وضاحت ہو جائے گی۔ اس تنبیہ کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ ناظم رحمہ اللہ نے صرف سورتوں کے نام لیے ہیں اور کلمات کے محل وقوع کی تعیین نہیں فرمائی۔ حالانکہ اعراف میں لفظ رَحْمَت کئی جگہ ہے مثلاً وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ۔ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ۔ جواب یہ ہے کہ وہ لفظ رَحْمَت مراد ہے جو دوسرے اسم کی طرف مضاف ہو۔ اور مضاف صرف یہی ایک ہے۔

قولہ رُومٍ یعنی سورۂ روم میں فَانظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ کی تاء بھی مطوّلہ ہے۔ لفظ رحمت اسم ظاہر یعنی اسم الجلالہ کی طرف مضاف بس یہی ہے، لہٰذا وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اور غیر مضاف لفظ رَحْمَةٌ متعدد ہیں، جو مراد نہیں مثلاً وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً۔ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُم مِّنْهُ رَحْمَةً۔ اور وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قولہ ھُوْدَ پانچواں لفظ رَحْمَتَ جو تاء مطوّلہ کے ساتھ مرسوم ہے سورۃ ہود میں ہے یعنی رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اس سورت میں بھی اسم ظاہر کی طرف مضاف بس یہی لفظ رَحْمَتْ ہے۔ لہٰذا وَاٰتَانِیْ مِنْہُ رَحْمَۃً وغیرہ خارج ہوگئے۔

قولہ کاف چھٹا لفظ رَحْمَتُ جس کا رسم تاء مطوّلہ کے ساتھ ہے سورہ کاف یعنی سورۂ مریم میں ہے یعنی ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا۔

قولہ اَلْبَقَرَۃ ساتواں لفظ رَحْمَتْ مرسوم بالتاء سورۂ بقرہ میں ایک جگہ ہے یعنی یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ۔ لہٰذا غیر مضاف مثلاً صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ (بقرہ) خارج ہوگیا۔

مذکورہ سات مواقع کے علاوہ لفظ رَحْمَۃ خواہ مفرد ہو یا مضاف ہو ہر جگہ مرسوم بالہا ہے جیسے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ وغیرہ۔

ش۹۵ نِعْمَتُھَا ثَلٰثُ نَحْلٍ اِبْرَھَمْ مَعًا اَخِیْرَاتٍ عُقُوْدُ الثَّانِ ھَمْ

ت۔ سورۂ بقرہ کا لفظ نِعْمَتْ (اور) سورۂ نحل کے تین الفاظ نِعْمَتْ اور ابراہیم کے دونوں، اس حال میں کہ (یہ چھ الفاظ نعمت) آخر میں آنے والے ہیں (اور) سورۂ عقود کا دوسرا لفظ نِعْمَتْ جو کہ ھَمّ کے ساتھ ہے۔

ل۔ نِعْمَتُھَا، رفع کیساتھ رَحْمَتُ الزُّخْرُفِ پر معطوف ہے۔ ضمیر واحد مؤنث اَلْبَقَرَۃ کی طرف راجع ہے جس کا ذکر گذشتہ شعر کے آخر میں آیا ہے۔ اضافت بمعنی فی ہے۔ ثَلٰثُ نَحْلٍ مضاف و مضاف الیہ یا تو نِعْمَتُھَا پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے یا منصوب بنزع الخافض ہے، یعنی فِیْ ثَلٰثِ نَحْلٍ۔ اِبْرَھَمْ، ثَلٰثُ پر معطوف ہے، اور مَعًا، اِبْرَھَمْ سے حال ہے یعنی کَائِنًا بِمَعْنَی اِبْرَھَمْ۔ مَعًا اَخِیْرَاتٍ اپنے پورے سیاق یعنی نِعْمَتُھَا ثَلٰثُ نَحْلِ ابرھم معًا سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا ھُنَّ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ عُقُوْدُ الثَّانِ اضافت میں قلب مکانی ہے یعنی ثَانِی الْعُقُوْدِ۔ ھَمّ کلمۂ قرآنی ہے یعنی ثَانِی الْعُقُوْدِ الَّذِیْ فِیْہِ ھَمَّ (سورۂ عقود کا وہ دوسرا لفظ نِعْمَتْ جس میں ھَمَّ آیا ہے۔

تنبیہ۔ اِبْرَھَمْ سے سورۂ ابراہیم مراد ہے۔ لفظ ابراہیم میں کئی لغتیں ہیں، ایک لغت اِبْرَھَمْ بھی ہے جیسا کہ قاموس میں اس کی صراحت کی گئی ہے (قاری وروحی)

بعض نسخوں میں بجائے ھَمّ کے ثَمّ ہے جو ظرف ہے بمعنی ھُنَاکَ یعنی وہاں پر، گویا مائدہ میں دوسرا۔ شارح مصری نے اس کو ثُمَّ حرف عطف پڑھا ہے، جو آنے والے شعر میں لفظ لقمان پر عطف کے لئے لایا گیا ہے۔ قاری رحمہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اگرچہ اس کو غریب قرار دیا ہے۔ لیکن کوئی غرابت نہیں، ظرف کے مقابلہ میں حرف عطف کا مفہوم زیادہ بہتر ہے۔ اخیرات کا تعلق تمام شراح نے نحل اور ابراہیم سے قرار دیا ہے مگر ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں بلکہ بقرہ نحل اور ابراہیم تینوں سے ہے۔ توضیح کے لئے شرح دیکھئے۔

ح۔ **نِعْمَتُ** یعنی لفظ نِعمتُ تمام قرآن میں گیارہ جگہ مرسوم بالتاء ہے، اس کے علاوہ تمام جگہ مرسوم بالہاء ہے۔ اس شعر میں ناظم رح نے سات کا ذکر کیا ہے باقی چار آئندہ شعر میں مذکور ہوں گے۔

(۱) **قولہ** :- نِعمتُہا یعنی اُن گیارہ میں سے پہلا لفظ نِعمتُ مرسوم بالتاء سورۂ بقرہ میں ہے وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ۔

واضح ہو کہ سورۂ بقرہ میں لفظ نِعمَتَ اللّٰهِ دو جگہ ہے، ایک وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ (بقرہ ع ۲۶) دوسرا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (بقرہ ع ۲۹) پہلا لفظ باتفاق تاءِ مدوّرہ سے اور دوسرا تاء طویلہ سے مرسوم ہے، ناظم رح کی مراد مؤخر الذکر ہی ہے، اور پہلا اس طرح خارج ہے کہ اَخِيْرَاتٍ کو اس لفظ نِعمتُ کے لئے بھی قید قرار دیا جائے۔

حیرت ہے کہ تمام شراح نے اَخِيْرَاتٍ کو صرف نحل اور ابراہیم والے الفاظ نِعمت کے لئے قید قرار دیا ہے حالانکہ ضروری ہے کہ اس کو بقرہ والے نِعمت کے لئے بھی قید قرار دیا جائے، تاکہ مقدم الذکر لفظ نِعمت خارج ہو جائے۔

(۲و۳و۴) **قولہ** ثَلٰثُ نَحْلٍ یعنی سورۂ نحل میں تین جگہ لفظ نِعمت مرسوم بالتاء ہے۔ (۱) وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ آیت ۷۲ (۲) يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ آیت ۸۳ (۳) وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ آیت ۱۱۴

ناظم رح نے اَخِيْرَاتٍ کی قید لگائی تاکہ اس سورہ میں وہ الفاظ نعمت خارج ہو جائیں۔ جو مرسوم بالہاء ہیں چنانچہ نحل کی اٹھارویں آیت وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ میں اور آیت نمبر ۷۱ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ میں لفظ نعمت مرسوم بالہاء ہے۔

(۵و۶) **قولہ** اِبْرٰهَمَ مَعًا یعنی سورہ ابراہیم میں دو جگہ لفظ نِعمت مرسوم بالتاء ہے ایک بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا آیت ۲۸ دوسرا وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا آیت ۳۴۔

اَخِيْرَاتٍ کی قید سے اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ آیت ۶ میں لفظ نِعمَةَ خارج ہو گیا، جو باتفاق مرسوم بالہاء ہے۔

(۷) **قولہ** عُقُوْدُ الثَّانِ هَمَّ ساتواں لفظ نِعمتُ مرسوم بالتاء عقود یعنی مائدہ میں ہے جو دوسرا ہے اور ھَمَّ کے ساتھ آیا ہے یعنی اُذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ آیت ۱۱۔

واضح ہو کہ مائدہ میں یہ لفظ تین بار آیا ہے، پہلا اور تیسرا باتفاق مرسوم بالہاء ہے یعنی وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ آیت ۷ اور يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ آیت ۲۰۔

ناظم رح نے الثَّانِي کی قید لگا کر ان دونوں کو خارج کر دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

ش۹۶ لُقْمٰنُ ثُمَّ فَاطِرُ كَالطُّوْرِ عِمْرَانُ لَعْنَتَ بِهَا وَالنُّوْرِ

ت ۔ اور نِعْمَتُ مرسوم بالتاء والی سورت ، سورۂ لقمان ہے ۔ پھر سورۂ فاطر مانند سورۂ طور کے ہے ۔ (اور نعمت والی سورت ، سورۂ آلِ عمران بھی ہے ۔ (اور) لَعْنَتُ (مرسوم بالتاء) سورۂ آلِ عمران اور سورۂ نور میں ہے ۔

ل : لُقْمٰنُ خبر مرفوع ہے ، یعنی وَذُوْ نِعْمَتٍ بِالتَّاءِ لُقْمٰنُ یا لُقْمَانُ مبتدا ہے اور مذکورہ الفاظ خبر محذوف ہیں ثُمَّ حرف عطف برائے تراخی فَاطِرُ مبتدا مرفوع کَالطُّوْرِ خبر ۔ عِمْرَانُ مثل لُقْمٰنُ خبر یا مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے ۔
اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لُقْمٰنَ اور فَاطِرِ اور عِمْرَانَ مجرور ہوں ، یعنی گذشتہ شعر میں مذکورہ سورتوں پر عطف ہے ۔ لُقْمٰنَ اور عِمْرَانَ غیر منصرف ہونے کی وجہ سے مفتوح اور کَالطُّوْرِ ، فَاطِرِ کی صفت ہوگی ۔
لَعْنَتَ تاء پر فتحہ علی الحکایۃ ہے اور محلاً مبتدا ہے بِھَا اُس کی صفت ہے وَالنُّوْرِ ، بِھَا کی ضمیر مجرور متصل پر معطوف ہے ۔ اصولاً حرف جار کا اعادہ ہونا چاہیے تھا ، کیونکہ ضمیر مجرور متصل پر جب اسم ظاہر کا عطف ہو تو جار کا اعادہ ہونا چاہیے لیکن شعر میں توسعاً بلا اعادہ جار عطف جائز ہے ۔ اور بعض نحات نے شعر اور نثر دونوں میں جائز کہا ہے چنانچہ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ امام حمزہ کی قرات پر اَلْاَرْحَامِ ضمیر مجرور پر بلا اعادۂ جار معطوف ہے

ح (۸) قولہ لُقْمٰنُ یعنی سورۂ لقمان میں اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ کا لفظ نعمت تاء طویلہ کے ساتھ مرسوم ہے ۔
(۹) قولہ ثُمَّ فَاطِرُ یعنی یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ سورۂ فاطر میں بھی لفظ نعمت مرسوم بالتاء ہے ۔
(۱۰) قولہ کَالطُّوْرِ یعنی فَمَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ سورۂ طور میں بھی لفظ نِعْمَتُ مرسوم بالتاء ہے ۔
(۱۱) قولہ عِمْرَانَ یعنی وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ سورۂ آلِ عمران میں بھی لفظ نعمت تاء طویلہ کے ساتھ مرسوم ہے ۔ یاد رہے کہ لفظ نعمت کے گیارہ مواقع کا شمار یہاں تک ختم ہوگیا ۔
مذکورہ گیارہ مواقع کے علاوہ باقی تمام قرآن میں نِعْمَةٌ بصورت ۃ ہے جیسے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ وغیرہ ۔

لَعْنَتٌ ورد ۲ — قولہ لَعْنَتَ بِهَا وَالنُّوْرِ یعنی تمام قرآن میں لفظ لَعْنَتَ دو جگہ تاء طویلہ کے ساتھ مرسوم ہے ایک فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ آلِ عمران ع ۶ میں دوسرا وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ سورۂ نور ع ۱ میں ۔

ان دو کے ماسوا ہر جگہ لفظ لَعْنَةٌ "تاءِ مربوطہ کے ساتھ مرسوم ہے جیسے اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ (بقرہ ع ۱۹) اور اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ (ہود ع ۲) وغیرہ ۔
تنبیہ :۔ معلوم ہوچکا ہے کہ بِھَا کی ضمیر آلِ عمران کی راجع ہے ، ناظمؒ نے آلِ عمران والے لفظ لعنت کی کوئی قید نہیں

www.KitaboSunnat.com

ثانی کہ رکوع ۱۲ والا فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللّٰهِ مراد ہے یا رکوع ۹ والا اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ مراد ہے حالانکہ اول صرف پہلا موقعہ ہے کیونکہ دوسرا باتفاق تاءِ مربوطہ کے ساتھ ہے۔ بعض اردو شارحوں نے کہا ہے کہ قید نہ لانا دو وجہ کی بنا پر ہے (۱) اس بارے میں شہرت کو کافی سمجھ لیا۔ (۲) وزن میں اوّل کی قید لگانے کی گنجائش نہ تھی۔

لیکن یہ دونوں جواب بے جان اور رکیک ہیں۔ بہتر توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ لفظ لَعْنَتَ سے ناظمؒ کی مراد وہ لفظ ہے جس کا مضاف الیہ صرف لفظ اللّٰه ہو، جیسا کہ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ میں ہے اور رکوع ۹ میں ہے لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ یعنی مضاف الیہ لفظ اللّٰه، ملائکہ اور النّاس تین ہیں۔ چنانچہ اس توجیہہ پر لَعْنَتَ اللّٰهِ سورۂ نور والا ہے جس میں مضاف الیہ صرف لفظ اللّٰه ہے۔ نیز لفظ رَحْمَتَ اور نِعْمَتَ جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے ہر جگہ صرف ایک ایک مضاف الیہ کی طرف مضاف ہیں۔ بہر حال یہ بھی ایک توجیہہ ہی کی جا سکتی ہے ور حقیقت یہ ہے کہ وضاحت ضروری تھی۔ جیسا کہ علامہ شولی فرماتے ہیں ؎

لَعْنَتَ فِي عِمْرَانَ وَهُوَ الْاَوَّلُ

ش۹۷ وَامْرَاَتُ يُوْسُفَ عِمْرَانَ الْقَصَصْ تَحْرِيْمَ مَعْصِيَتُ بِقَدْ سَمِعْ يُخَصّ

ت۔ اور لفظ اِمْرَأَتُ سورۂ یوسف، آل عمران، قصص اور سورۂ تحریم میں (تار طویلہ کے ساتھ مرسوم) ہے (اور) لفظ مَعْصِيَتُ قَدْ سَمِعَ کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے۔

ل۔ وَامْرَاَتُ، مبتدا مَرْسُوْمٌ بِالتَّاءِ خبر محذوف۔ یا وَمِنْهَا خبر مقدم محذوف ہے، یعنی وَمِنَ الْكَلِمَاتِ الْمَرْسُوْمَةِ بِالتَّاءِ اور اِمْرَاَتُ مبتدا ہے۔ يُوْسُفَ عِمْرَانَ الْقَصَصْ تَحْرِيْمَ واو عاطفہ محذوف ہے اور ظرفیہ کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی فِيْ يُوْسُفَ الی آخرہ۔

مَعْصِيَتُ وصل بہ نیتِ وقف کے اصول سے ساکن ہے، ورنہ اصل میں مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ يُخَصّ خبر اور بِقَدْ سَمِعْ اس کے متعلق ہے۔

نوٹ:۔ تحریم علمیت و تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تَحْرِيْمَ مَعْصِيَتُ میں ادغام کیا جائے تاکہ وزن شعر جیسا رہے، اسی طرح معصیت کو رفع یا خبر کی تنوین پڑھنا بھی صحیح ہے جیسا کہ قاریؒ نے فرمایا۔ سکون (وصل بہ نیت وقف) کے ساتھ وزن زیادہ مستقیم رہتا ہے۔

یعنی لفظ اِمْرَاَتُ سات جگہ تار طویلہ کے ساتھ مرسوم ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

ح۔ **اِمْرَاَتُ** (۱و۲) قولہ يُوْسُفَ، یعنی اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ اور قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں سورۂ یوسف میں ہیں اور دونوں ہی مرسوم بالتاء ہیں، لفظ یوسف سے ان دونوں کو مراد لیا گیا ہے۔

(۳) قولہ عِمْرٰنَ - اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ آل عمران میں مرسوم بالتاء ہے۔

(۴) قولہ قَصَصٍ یعنی وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ،

(۵ و ۶ و ۷) قولہ تَحْرِيمٍ سورۂ تحریم میں لفظ اِمْرَاَتُ تین جگہ ہے اور تینوں جگہ مرسوم بالتاء ہے یعنی آیت لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ میں دونوں اِمْرَاَتُ اور لِلَّذِيْنَ آمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ میں تیسرا اِمْرَاَت ۔

نوٹ: قرآن میں لفظ اِمْرَاَتُ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو کر مذکورہ سات مواقع ہی میں آیا ہے۔ ان کے علاوہ جہاں بھی ہے یا غیر مضاف ہے جیسے وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ وغیرہ جو ہر جگہ مرسوم بالہاء ہے یا ضمیر کی طرف مضاف ہے، جیسے وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ جو اصول کے مطابق مرسوم بالہاء ہے۔

اسی لئے علماء رسم نے بطور اصول فرمایا کہ لفظ امْرَاَتُ جب خاوند کے ساتھ آئے تو مرسوم بالتاء ہوگا۔ علامہ متولی فرماتے ہیں ؎

وَامْرَاَتٌ مَعْ زَوْجِهَا قَدْ ذُكِرَتْ فَهَاؤُهٗ بِالتَّاءِ رَسْمًا وَرَدَتْ ؎	اور لفظ اِمْرَاَتُ جب زوج کے ساتھ مذکور ہو تو رسم میں اس کی ھاء تاء کی شکل میں وارد ہوئی ہے۔

اَزْواج کے نام عِمْرَان، اَلْعَزِيْز، فِرْعَوْن، نُوح، لُوط۔ ان میں سے فِرْعَوْن اور اَلْعَزِيْز دو دو جگہ آئے ہیں اور باقی ایک ایک جگہ۔ جیسا کہ تفصیل گذری۔

مَعْصِيَتُ ۵ قولہ مَعْصِيَتُ بِقَدْ سَمِعَ يُخَصُّ یعنی لفظ مَعْصِيَتُ تاء طویلہ کے ساتھ سورۂ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ (مجادلہ) کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور کسی سورت میں لمبی تاء کے ساتھ مرسوم نہیں۔

یاد رہے کہ سورۂ مجادلہ کے دوسرے رکوع میں دو جگہ لفظ معصیت ہے اور دونوں مرسوم بالتاء ہیں، ناظمؒ کے بیان میں اطلاق ہر دو کو شامل ہے۔

(۱) وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ - آیت ۸

(۲) فَلَا تَتَنٰجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ - آیت ۹

فائدہ: لفظ مَعْصِيَتُ تمام قرآن میں بس انہیں دو جگہ پر ہے، اس سورت کے علاوہ یہ لفظ نہیں آیا نہ تاء طویلہ کے ساتھ اور نہ مربوطہ کے ساتھ۔ اسی لئے علامہ شاطبیؒ نے عقیلہ میں وَمَعْصِيَتُ ذُكِرَا مَعًا فرمانے پر اکتفا کیا، سورت کا نام لینے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔

؎ اللؤلؤ المنظوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۱۱؎ شَجَرَتَ الدُّخَانِ سُنَّتُ فَاطِرٍ كُلًّا وَالْاَنْفَالِ وَاُخْرٰى غَافِرٍ

ت ، (۱ ورمرسوم کلمات میں سے) سورۂ دخان کا لفظ شَجَرَتُ اور (۲) سورۂ فاطر میں سُنَّتُ کے تمام الفاظ اور لفظ سُنَّتُ سورۂ انفال میں اور سورۂ غافر میں آخری لفظ سُنَّتُ ہے۔

ل ، شَجَرَتَ الدُّخَانِ مضاف ومضاف الیہ لفظ شَجَرَتَ پر فتحہ اور ضمہ دونوں صحیح ہیں۔ شَجَرَتَ الدُّخَانِ مبتدا مؤخر ہے اور مِنْهَا یعنی من الکلمات المرسومۃ بالتاء خبر مقدم محذوف ہے لفظ شَجَرَت پر فتحہ علی الحکایۃ ہوگا یعنی اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ کلمۂ قرآنی کی نقل مقصود ہے، یا لفظی اعراب کا اعتبار کرتے ہوئے شَجَرَتُ مرفوع پڑھا جائے۔

سُنَّتُ فَاطِرٍ مضاف ومضاف الیہ، شَجَرَت پر عطف ہے لفظ سُنَّتْ اجراء الوصل مجری الوقف کے قاعدہ سے ساکن ہے۔ وَالْاَنْفَالِ نقلِ حرکتِ ہمزہ کے ساتھ ۔ فَاطِرٍ پر عطف ہے ۔ وَاُخْرٰى موصوف مقدر کی صفت ہے یعنی وَسُنَّتٌ اُخْرٰى عطف ہے پہلے لفظ سُنَّتُ پر، اور غَافِرٍ کی طرف مضاف ہے۔

نوٹ :۔ ہماری ترکیب یعنی وَمِنْهَا کی مبتدا مؤخر ہونے کی بنا پر لفظ شَجَرَتُ، سُنَّتُ اور اُخْرٰى تینوں محلاً مرفوع ہے اور كُلًّا لفظ سُنَّتُ سے حال ہے ، اور رومی وشیخ زکریا کی رائے پر یہ الفاظ منصوب ہیں کیونکہ زَبَرَ فعل محذوف کے مفاعیل ہیں، اس صورت میں لفظ كُلًّا تاکید ہوگا۔

ح ، (۶) **شَجَرَتُ** قولہ شَجَرَتَ الدُّخَانِ یعنی باتفاقِ مصاحف سورۂ دخان میں لفظ شَجَرَتُ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ کی تا رطویل مرسوم ہے دُخَان کی قید سے اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ سورۂ والصّٰفّٰت والا لفظ اور دیگر الفاظ شجرۃ خارج ہو گئے جو مرسوم بالتاء ہیں۔

(۷) **سُنَّتَ** قولہ سُنَّتَ فَاطِرٍ كُلًّا سورۂ فاطر میں تین جگہ سُنَّتُ ہے اور تینوں جگہ مرسوم بالتاء ہے۔ یعنی فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ، فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (آیت ۴۳)

قَوْلُهٗ وَالْاَنْفَالِ یعنی انفال میں لفظ سُنَّتْ ایک جگہ ہے فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ جو مرسوم بالتاء ہے۔

قولہ وَاُخْرٰى غَافِرٍ یعنی سورۂ غافر (مومن) میں بھی ایک جگہ لفظ سُنَّتُ مرسوم بالتاء ہے جو اس سورت کے بالکل آخر میں واقع ہے، سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ۔

فائدہ :۔ غافر کے آخر کے علاوہ لفظِ سُنَّتُ اس سورت میں اور کہیں نہیں آیا ، لہٰذا اُخْرٰى کی قید محض محلِ وقوع کی وضاحت کے لئے سمجھنا چاہیئے نہ کہ قیدِ احترازی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ پانچ مواقع کے علاوہ لفظ سُنَّتَ ہر جگہ مرسوم بالہا ہے مثلاً وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ (حجر) اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ (کہف)، سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا (اسراء)، سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ (احزاب)، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (احزاب آیت ۶۲)، سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ (فتح) ۔

ش ۹۹ قُرَّتُ عَيْنٍ جَنَّتُ فِيْ وَقَعَتْ ۔ فِطْرَتْ بَقِيَّتْ وَابْنَتُ وَّكَلِمَتْ

ت ۔ (اور کلمات مرسوم بالتاء ہیں سے) قُرَّتُ عَيْنٍ ہے (اور) جَنَّتُ جو سورۂ واقعہ میں ہے (اور) فِطْرَتُ بَقِيَّتُ اور اِبْنَتُ اور كَلِمَتُ ہیں

ل ۔ قُرَّتُ عَيْنٍ الخ تمام کلمات کہیں بحذفِ عاطف اور کہیں بذکر عاطف، معطوفات ہیں اور مِنْهَا خبر محذوف کے مبتدا ہیں ۔

ح ۔ (۸) **قُرَّتُ** قولہ قُرَّتُ عَيْنٍ یعنی آٹھواں لفظ جو مرسوم بالتاء ہے قُرَّتُ ہے جو عَيْنٍ کے ساتھ سورۂ قصص میں ہے یعنی قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۔

لفظ عَيْنٍ کو ساتھ بولنے سے معلوم ہو جانا چاہیئے کہ باقی قرآن میں ہر جگہ یہ لفظ مرسوم بالہا ہے ۔ مثلاً مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (الم سجدہ) اور ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (فرقان) واضح ہو کہ مذکورہ مواقع کے سوا قرآن میں لفظ قُرَّةَ اور کہیں نہیں ۔

(۹) **جَنَّتُ** قولہ جَنَّتُ فِيْ وَقَعَتْ یعنی سورۂ واقعہ میں وَرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ میں جَنَّتَ کی تاء بشکل تاء مرسوم ہے فِيْ وَقَعَتْ کی قید سے یہ مفہوم ہوا کہ سورہ واقعہ کے علاوہ ہر جگہ بشکل ھاء ہے جیسے اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ وغیرہ ۔

(۱۰) **فِطْرَتُ** قولہ فِطْرَتُ یعنی سورۂ روم میں فِطْرَتَ اللّٰهِ کے لفظ فطرت کی تاء بھی لمبی لکھی گئی ہے چونکہ قرآن مجید میں لفظ فطرت بس یہی ایک جگہ ہے ناظم رحؒ نے کوئی قید نہیں لگائی ۔

(۱۱) **بَقِيَّتُ** قولہ بَقِيَّتُ یعنی سورۂ ہود میں بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ میں لفظ بَقِيَّتُ مرسوم بالتاء ہے ۔

فائدہ :۔ قرآن مجید میں بَقِيَّةٌ دو جگہ اور بھی ہے، ایک سورۂ بقرہ میں وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ دوسرا سورۂ ہود ہی میں اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ ۔ یہ دونوں مرسوم بالہا ہیں ۔ ناظم رحؒ کے کلام میں بعض شارحوں نے اشکال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے کہ ناظم رحؒ کے کلام میں تعیینِ مقصود پر کوئی اشارہ نہیں ہے جس کی وجہ سے کلام میں التباس ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشکال وارد نہیں ہے۔ شروع باب میں عرض کیا جا چکا ہے کہ غیر مضاف کلمات کی تاء تانیث ہمیشہ مرسوم بالہاء ہوتی ہے۔ بجائے تاء مربوطہ کے تاء مجرورہ کے ساتھ رسم انہیں کلمات میں ہوا ہے جو کسی اسم ظاہر کی طرف مضاف ہیں لہذا بَقِیَّتُ جو منّون اور غیر مضاف ہیں ناظم رحؒ کے کلام کو ان سے کوئی تعرض نہیں۔ اور تعرض نہیں تو التباس بھی نہیں ہے۔

(۱۲) اِبْنَتُ قولہ وَابْنَتُ یعنی سورۂ تحریم میں وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ کی تاء لمبی مرسوم ہے۔ یاد رہے کہ تمام قرآن میں لفظ اِبْنَت بس اسی ایک جگہ ہے۔

(۱۳) کَلِمَتُ قولہ وَكَلِمَتُ اَوْسَطَ الْاَعْرَافِ یعنی وسطِ اعراف میں وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى کے لفظ کَلِمَتُ کی تاء طویل لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر جگہ لفظ کَلِمَة مرسوم بالہاء ہے دبشرطیکہ باب قراءت میں اس کے واحد اور جمع پڑھے جانے میں اختلاف نہ ہو، جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے) جیسے وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا (توبہ ع ۶) وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ (ہود ع ۱۰) وغیرہ وغیرہ

لوٹ:۔ کَلِمَتُ کے بعد اَوْسَطَ الْاَعْرَافِ کی قید آئندہ شعر کے شروع میں آ رہی ہے۔

فائدہ:۔ مقنع میں علامہ دانی فرماتے ہیں کہ مصاحف اہل عراق اعراف والے کَلِمَتُ کے مرسوم بالتاء ہونے پر متفق ہیں۔ البتہ غازی بن قیس نے اپنی کتاب میں بالہاء لکھا ہے۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ مُعلّیٰ وراق سے روایت ہے کہ انہوں نے عاصم سے کَلِمَتُ رَبِّكَ کی تاء کے متعلق پوچھا تو عاصم نے فرمایا کہ سورۂ انعام میں تاء ہے اور اعراف میں ھاء ہے۔ آخر میں علامہ دانی فرماتے ہیں کہ میرا تتبع اور تحقیق یہی ہے کہ اعراف والے کا مرسوم بالتاء ہونا ہی زیادہ صحیح ہے[1]۔

تنبیہ:۔ یاد رہے کہ اعراف میں لفظ کَلِمَتُ جس کا اوپر ذکر آیا ہے قراءت میں باتفاق مفرد ہے۔

شا۔ اَوْسَطَ الْاَعْرَافِ وَكُلُّ مَا اخْتُلِفْ جَمْعًا وَّفَرْدًا فِيهِ بِالتَّآءِ عُرِفْ

ت۔ وسطِ اعراف میں۔ اور تمام وہ الفاظ کہ جن میں جمع اور مفرد کا اختلاف (قراءت) ہوا ہو وہ الفاظ تاء کے (رسم کے) ساتھ ہی پہچانے گئے ہیں۔

ل۔ اَوْسَطَ الْاَعْرَافِ، اَوْسَطَ منصوب علی الظرفیۃ ہے الْاَعْرَافِ نقل حرکت کے ساتھ پڑھنا چاہیے وَكُلُّ واو استینافیہ ہے۔ جَمْعًا وَّفَرْدًا، مَا اخْتُلِفْ سے تمیز ہے، فِيهِ، اُخْتُلِفْ سے متعلق ہے۔ وَكُلُّ سے فِيهِ تک

---

[1] مقنع ص۷۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی عبارت مبتدا ہے اور یاتی ترعرف جملۂ فعلیہ خبر ہے۔

ح۔ اَوْسَطَ الْاَعْرَافِ گذشتہ شعر کے، آخر میں لفظ کَلِمَتُ کے لئے ظرف ہے، یعنی وہ کَلِمَتُ جو وسطِ اعراف میں واقع ہے وہ مرسوم بالتاء ہے۔

نوٹ:۔ واضح ہو کر سورۂ اعراف میں لفظ کَلِمَتُ صرف ایک ہی جگہ ہے، ناظمؒ نے اَوْسَطَ محض محلِ وقوع کی وضاحت کے لئے فرمایا ہے، قیدِ احترازی کے طور پر نہیں۔ جیسے وَاُخْرٰى غَافِرٍ میں لفظ اُخْرٰى لایا گیا تھا۔

یہاں تک وہ تیرہ کلمات ختم ہوگئے جو قراءۃً تو مفرد ہی ہیں مگر بہ نیتِ وصل یا بہ نیتِ اصل مرسوم بالتاء ہیں، ان تیرہ کلمات میں سے چھ۶ مکرر ہیں اور سات غیر مکرر ہیں اور کل اکتالیس۴۱ جگہ آئے ہیں، قراء عشرہ میں سے ابن کثیر مکی۔ ابو عمرو بصری کسائی اور یعقوب ان تیرہ۱۳ کلمات پر وقف بالہاء کرتے ہیں اور باقی چھ۶ قراء تاء کے ساتھ وقف کرتے ہیں[۱]۔

مُخْتَلَفٌ فیہ کلمات

قولہ وَكُلُّ مَا اخْتُلِفْ الخ ناظمؒ ایک کلی قاعدہ بیان فرماتے ہیں کہ جس لفظ کے افراد اور جمع میں فن قراءت میں اختلاف ہو تو وہ لفظ قرآنی رسم الخط میں تاء طویلہ کے ساتھ مرسوم ہوگا، یہ اصول شمولِ قراءت کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ جمع تو ہمیشہ "تاء طویلہ کے ساتھ ہی مرسوم ہوتی ہے اور وقفاً وصلاً تاء ہی پڑھی جاتی ہے، بخلاف مفرد کے، کہ اس کو تاء طویلہ اور تاءِ مربوطہ دونوں کے ساتھ لکھنا صحیح ہے لہٰذا اس قسم کے کلمات کو لمبی تاء کے ساتھ لکھا گیا" تاکہ مفرد و جمع کی دونوں قراءتوں کو شامل ہو سکے، اس کے برخلاف اگر مفرد کی قراءت کی رعایت کرتے ہوئے ایسے کلمات "تاءِ مربوطہ کے ساتھ لکھے جاتے تو جمع والی قراءت ان پر منطبق نہ ہو سکتی۔

یہ آٹھ۸ کلمات ہیں، جو بارہ۱۲ جگہ واقع ہوئے ہیں۔ تفصیل نقشۂ ذیل سے سمجھیے۔

شمارِ کلمات	کلمات	آیات	سورت در رکوع	مفرد پڑھنے والے حضرات
۱	کَلِمَتُ	وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا	انعام ع ۱۵	عاصم حمزہ کسائی مفرد باقی جمع پڑھتے ہیں
		وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا	یونس ع ۴	غیر نافع و شامی مفرد پڑھتے ہیں
		اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ	یونس ع ۱۰	〃
		وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	مومن ع ۱	〃
۲	اٰيٰتٌ	اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ	یوسف ع ۲	ابن کثیر مکی مفرد پڑھتے ہیں
۳	غَيٰبَتِ	وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ	〃 〃	علاوہ نافع کے مفرد پڑھتے ہیں
		وَاَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ	〃 〃	〃
۴	اٰيٰتٌ	لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ	عنکبوت ع ۵	مکی شعبہ حمزہ کسائی مفرد پڑھتے ہیں

---

[۱] نشر ص ۱۳۰ ج ۲

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵	غُرُفٰتٌ	وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ	سبا ع ۵	حمزہ مفرد پڑھتے ہیں
۶	بَيِّنٰتٌ	فَهُمْ عَلٰى بَيِّنٰتٍ مِّنْهُ	فاطر ع ۵	مکی البصری حفص حمزہ مفرد پڑھتے ہیں
۷	ثَمَرٰتٌ	وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا	فصلت ع ۶	مکی البصری شعبہ حمزہ کسائی مفرد پڑھتے ہیں
۸	جِمٰلَتٌ	كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ	مرسلات ع ۱	حفص حمزہ کسائی مفرد پڑھتے ہیں

نوٹ :- قراء سبعہ میں سے ہم نے ہر کلمہ کے مفرد پڑھنے والوں کا اسم گرامی لکھا ہے۔ اس کے مفہوم مخالف سے غیر مذکورہ کے لئے جمع سمجھا جائے۔

فائدہ :- علامہ دانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ یونس میں پہلے لفظ كَلِمَتُ کے مرسوم بالتاء ہونے پر تمام مصاحف متفق ہیں، البتہ یونس کے دوسرے كَلِمَتُ اور مؤمن والے كَلِمَتُ کے رسم میں مصاحف مختلف ہوئے ہیں، چنانچہ مصحفِ مدنی و شامی میں یہ دونوں مرسوم بالتاء ہیں، اور مصحفِ عراق میں مرسوم بالہاء ہیں[۱]۔ لیکن علامہ جزری نے ان کو قطعیت سے مرسوم بالتاء ہی کہا ہے[۲]۔

بہرحال ان دو کلمات میں سے کوئی کلمہ اگر کسی کے مصحف میں مرسوم بالہاء ہو اور جس بروایت یا قراءت میں وہ تلاوت کرنا چاہے اس قراءت یا روایت میں وہ مفرد پڑھا جاتا ہو تو وقف میں اس کو ہاء پڑھنا صحیح ہوگا[۳]۔

فائدہ :- واضح ہو کہ باب المقطوع والموصول اور باب رسم التاءات یہ دونوں باب وقف کے ایک اہم اصول کے ماتحت لائے گئے ہیں، وہ اصول یہ ہے کہ وقف تابع رسم الخط کے ہوتا ہے۔ یعنی کلمہ جس طرح مرسوم ہو وقف میں اس کو اسی طرح پڑھنا چاہیئے، قدر مشترک کے طور پر یہ اصول تمام قراءتوں میں مُسَلَّم ہے۔ لیکن کچھ قراءتیں کہیں کہیں اس اصول سے مختلف العمل ہیں۔ کتبِ قراءت میں بابِ مرسوم الخط ایک مستقل باب قائم کیا گیا تاکہ اُن کلمات کی توضیح و تحدید کی جائے، جن میں کہیں کہیں رسم الخط کے خلاف وقف کیا گیا ہے۔

اسی قسم کے کلمات میں سے چھ کلمے اور ہیں یَا اَبَتِ، هَيْهَاتَ، مَرْضَاتَ، لَاتَ، اللّٰتَ، ذَاتَ بَهْجَةٍ۔ ان کی مختصر تشریح یہ ہے کہ یَا اَبَتِ پر جہاں بھی ہو قراء سبعہ میں سے مکی، شامی خلاف رسم الخط وقف بالہاء کرتے ہیں اور باقی رسم کے موافق وقف بالتاء کرتے ہیں۔

هَيْهَاتَ (مومنون) کسائی، بزی وقف بالہاء، اور باقی موافقِ رسم وقف بالتاء کرتے ہیں۔ مَرْضَاتِ (البقرہ وغیرہ)

لَاتَ یعنی وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ (ص)

اللّٰتَ (نجم)

ذَاتَ بَهْجَةٍ (نمل)

۱ے مقنع ورائیہ ۲ے نشر ص ۱۳۰ ج ۲ ۳ے نہایۃ القول المفید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان چاروں پر کسائی نے وقف بالہا کیا ہے، اور باقی نے رسم کے مطابق وقف بالتا ر۔

نوٹ:۔ لفظ ذات جو نمل میں بہجۃ کے ساتھ ہے وقف میں صرف وُہی مختلف فیہ ہے اس کے علاوہ جیسے ذَاتَ الشَّوْكَةِ، ذَاتِ العِمَادِ، ذاتَ لَهَبٍ وغیرہ میں باتفاق قرا، لفظ ذات پر تمام قرآن میں رسم الخط کے مطابق وقف بالتا ہوگا۔ ملا علی قاری رح نے مطلقاً لفظ ذات میں جو قرا کا وقفی اختلاف ذکر کیا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔

وقف علی مرسوم الخط

باجماع امت مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کا دو باتوں میں اتباع ضروری ہے ایک قرآن کی کتابت میں، دوسرے وقف میں۔ بنیادی طور پر یہ مسئلہ تمام قراء میں متفق علیہ ہے کہ کلمہ کو وقف میں اسی طرح پڑھا جائے جس طرح اس کا رسم الخط ہو، البتہ رسم الخط کی مطابقت عام ہے خواہ حقیقۃً ہو یا تقدیراً۔ بعض قراءتوں میں جو بظاہر رسم الخط کے خلاف وقف کا کسی کسی کلمہ میں جواز ملتا ہے، وہ مطابقت تقدیری ہوتی ہے، جیسا کہ قراءت کی کتابوں میں اُن کلمات کی تفصیل مذکور ہے۔

رسم الخط کی دو قسمیں ہیں قیاسی، اصطلاحی۔ قیاسی یہ ہے کہ لفظ کا رسم تلفظ کے مطابق ہو۔ یعنی حروف پڑھنے جانے والے اور لکھے جانے والے تعداد میں برابر ہوں۔ اور اصطلاحی یہ ہے کہ رسم، تلفظ کے مطابق نہ ہو بلکہ لکھے ہوئے حروف تلفظ کے مقابلہ میں کم یا زیادہ ہوں۔

کتابت ایک فن ہے۔ جس کے اصول و قواعد مرتب ہیں مصاحف عثمانیہ کا رسم الخط اکثر حالات میں تو ان قوانین کے موافق ہی ہے، لیکن کہیں کہیں کچھ الفاظ ان قوانین کتابت کے خلاف مرسوم ہیں، لیکن اتباع بہرحال اُن کے رسم کا بھی لازم ہے۔ چنانچہ تمام قراء و ائمہ سے یہی مروی[1] ہے۔ متقدمین میں سے ابو مزاحم خاقانی فرماتے ہیں ؎

وَقِفْ عِنْدَ اِتْمَامِ الْكَلَامِ مُوَافِقًا لِمُصْحَفِنَا الْمَتْلُوِّ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

ترجمہ:۔ کلام جہاں پورا ہو، مصحف کے رسم الخط کے مطابق وقف کرو، یہ وہ مصحف ہے جو بحر و بر میں ہر جگہ پڑھا جا رہا ہے۔

اتباع رسم کی انواع

رسم کے موافق وقف کی دو قسمیں ہیں، متفق علیہا اور مختلف فیہ۔ ثانی الذکر کی تفصیل کتب قراءات میں مذکور ہے، ہم یہاں متفق علیہ بیان کرتے ہیں۔ یا کہیں کہیں جمہور کے مذہب کے مطابق بیان کریں گے۔

ابدال

یعنی رسم الخط کے مطابق ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنا۔ اس کی دو[2] صورتیں ہیں ایک یہ کہ منصوب منوّن کو (بشرطیکہ وہ تانیث نہ ہو) وقف میں الف سے بدلنا جیسے اَنْ تَضْرِبَ مثلاً۔ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا۔ وَكَانَ حَقًّا۔ وَلِلنَّاسِ اِمَامًا وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ اسم مفرد مؤنث کی تا، جو بشکل ھا مرسوم ہو وہ ہمیشہ وقف میں ھا، ساکنہ سے بدلے گی خواہ منوّن ہو یا غیر منوّن، جیسے وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ۔ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ مثلاً صَا

---

[1] تفصیل کے لیے نشر ص ۱۳۳/ج ۲ دیکھی جائے [2] منح الفکریہ [3] تفصیل کے لئے دیکھو نشر ص ۱۲۸/ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بُجُوْمَنَةً ۔ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ وغیرہ ۔

حروفِ علّت کا اثبات وحذف

جو حروفِ علّت اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے وصلاً حذف ہوتا ہو، وقف میں باتفاق ثابت رہے گا۔ بشرطیکہ مرسوم ہو، جیسے يُؤْتِي الْحِكْمَةَ. يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ ۔ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور يَمْحُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ۔ قَالُوا الْآنَ ۔ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ اور وَاسْتَبَقَا الْبَابَ ۔ وَقَالَا الْحَمْدُ ۔

لیکن اگر حروفِ علّت محذوف الرّسم ہوں خواہ حذف التقاءِ ساکنین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور التقاءِ ساکنین تنوین کی وجہ سے ہو یا کسی اور ساکن حرف کی وجہ سے۔ مثلاً بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ، مِنْ مُّؤْمِنٍ ۔ عَنْ تَرَاضٍ ۔ غَوَاشٍ ۔ اَيْدٍ وغیرہ تو وقف میں یہ حروفِ علت بھی محذوف ہوں گے ۔

نوٹ :۔ اس قسم کے الفاظ تیس ۳۰ ہیں اور چونتیس ۳۴ جگہ آئے ہیں[1] ۔

اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے یاء کا حذف

مثلاً يُؤْتِ الْحِكْمَةَ ۔ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ ۔ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا ۔ (زمر) نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ ۔ لَهَادِ الَّذِيْنَ ۔ بِهَادِ الْعُمْيِ ۔ يُرِدْنِ الرَّحْمٰنُ ۔ صَالِ الْجَحِيْمِ ۔ يُنَادِ الْمُنَادِ ۔ تُغْنِ النُّذُرُ ۔ وغیرہ

نوٹ :۔ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ (نمل) میں یاء باوجودیکہ غیر مرسوم ہے مگر وقف میں حفص کے لئے یاء کا اثبات اور حذف دونوں جائز ہیں، اثبات اس لئے کہ یہ وصل میں مثل اٰتَانِيَ الْكِتَابَ (کہف) کی یاء کے مفتوح ہے اور یاء کا رسماً حذف ہونا اُن قراء کی قراءت کی رعایت سے ہے جو یاء کو ساکن پڑھتے ہیں اور اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے یاء پڑھنے اور لکھنے دونوں میں حذف ہوگئی لیکن حفصؒ کی روایت میں ساکن نہیں، مفتوح ہے، لہذا روایت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اثبات جائز ہوا، اور غیر مرسوم ہونے کی وجہ سے حذف بھی جائز ہے ۔ حاصل یہ کہ اول صورت میں اتباعِ رسم تقدیری ہے ثانی میں حقیقی ہے اتباعِ رسم کی ان دونوں قسموں کی مزید وضاحت آگے آتی ہے ۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ تمام قرآن میں حفص کے لئے غیر مرسوم یاء کا اثبات بس یہی ایک جگہ ہے[2] ۔

اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے واؤ کا حذف

یہ چار جگہ ہے وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ (اسراء) يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ (شوریٰ)، يَوْمَ يَدْعُ (قمر) سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (علق)،

باتفاق ان چاروں میں وقفاً واؤ حذف ہوگی[3] ۔

نوٹ :۔ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ (تحریم) میں واؤ کا حذف نہیں ہے ۔ جیسا کہ قاریؒ نے اس کا بھی احتمال لکھا ہے کہ شاید لفظ صَالِحُ کی واوِ جمع رسماً حذف ہوگئی ہو کیونکہ یہ غیر ظاہر ہے[4] ۔ ایسے ہی اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ ۔ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ

---

[1] نشر ص ۱۳۷ ج ۲ [2] غیث النفع [3] منح الفکریہ [4] نشر ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَمَنْ يَّهْدِ الْعُمْىَ وغیرہ میں الف اور واؤ کا حذف اجتماع ساکنین کی وجہ سے نہیں بلکہ حالت جزمی کی وجہ سے ہے، اور اس باب سے ان کلمات کو نہیں سمجھنا چاہیئے۔ لہٰذا ان میں رسم کے مطابق الف اور یا رکے حذف کے ساتھ ہی وقف ہوگا۔

اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے الف کا حذف

اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ (نور) اَيُّهَ السَّاحِرُ (زخرف) اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (رحمٰن) میں لفظ اَيُّهَ کی ھاء کے بعد والا الف اجتماع ساکنین کی وجہ سے رسماً بھی محذوف ہے

بہرحال رسم میں الف کا حذف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے صرف لفظ اَيُّهَ میں ہوا ہے۔[1]

مختلف الفاظ

جمہور کے نزدیک لٰكِنَّا کہف میں اور اَلظُّنُوْنَا۔ اَلرَّسُوْلَا۔ اَلسَّبِيْلَا احزاب میں۔ پہلا قواریرا (دہر) سب موقوف بالالف ہیں۔ اسی طرح اِهْبِطُوْا مِصْرًا بقرہ میں بالالف وقف ہوگا۔ اور حفص کے لئے سَلٰسِلَا۔ سَلٰسِلَا دہر میں مختلف فیہ ہے آخری الف کا اثبات اور حذف وقف میں دونوں صحیح ہیں۔ اور دہر میں دوسرے قَوَارِيْرَا پر حفص کے لئے وقف بحذف الالف ہے یعنی راءِ ساکنہ پر وقف ہوگا۔

لفظ اَنَا ضمیر واحد متکلم جہاں بھی آئے وقف میں باتفاق الف کے اثبات کے ساتھ وقف ہوگا۔ ثَمُوْدَا ہود، فرقان، عنکبوت نجم چاروں سورتوں میں بالالف لکھا ہے۔ یہ الف شمولِ قرات کے لئے ہے یعنی یہ لفظ جس قرات میں منصوب منون پڑھا جائے وقفاً تنوین الف سے بدلے گی۔ اور جو حضرات غیر منون پڑھتے ہیں جیسے حفصؒ ان کے لئے وقف میں الف نہیں پڑھا جائے گا بلکہ دال پر وقف ہوگا۔ كَاَيِّنْ میں نونِ تنوین ہے جو مرسوم ہے جمہور کے نزدیک اتباعِ رسم میں وقف نون ساکنہ پر ہوگا۔ اور وَلَيَكُوْنًا (یوسف) اور لَنَسْفَعًا میں نون ساکنہ خفیفہ بصورت تنوین مرسوم ہے۔ رسم کے مطابق باجماع وقف میں تنوین الف سے بدل جائے گی۔

اِبْنَ اُمَّ سورۂ اعراف میں مفصول ہے، لہٰذا اِبْنَ پر وقف صحیح ہے۔ اور سورہ طٰہٰ میں يَبْنَؤُمَّ موصول ہے۔ لہٰذا آخر کلمہ یعنی میم پر ہی وقف ہوسکتا ہے۔

وَاخْشَوْنِ مائدہ میں دو جگہ ہے، اور دونوں جگہ نونِ وقایہ کے بعد یاءِ متکلم محذوف ہے۔ لہٰذا جمہور کے نزدیک یا وقف میں بھی محذوف رہے گی، اور بقرہ میں وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ میں یاء مرسوم ہے لہٰذا وقف میں باجماع ثابت رہے گی۔

فَرَشْنٰهَا بِاَيْىدٍ اور ذَا الْاَيْدِ میں وقف دال پر، اور اُولِي الْاَيْدِيْ میں رسم کے مطابق یاء پر ہوگا۔ اَلْمُهْتَدِيْ اعراف میں لام کلمہ کی یاء مرسوم ہے وقف میں پڑھی جائے گی اور باقی جگہ محذوف ہوگی وقف میں نہیں پڑھی جائے گی۔

---

[1] نشر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

هَادٍ ، وَالٍ ، بَاقٍ ، وَاقٍ میں آخر سے لام کلمہ کی یاء تنوین کی وجہ سے اجتماع ساکنین کے سبب محذوف ہے لہٰذا جمہور کے نزدیک وقف میں بھی محذوف رہے گی۔

وَيْكَأَنَّ اور وَيْكَأَنَّهُ میں اگرچہ عربیت کے لحاظ سے کئی کلمات ہیں مگر رسمًا موصول ہونے کی وجہ سے جمہور کے نزدیک مرسوم کے آخر میں ہی وقف ہوگا۔

حِينَئِذٍ ۔ يَوْمَئِذٍ ۔ رُبَمَا تمام قرآن میں موصول مرسوم ہیں۔ لہٰذا وقف میں بھی اُن کا اتصال قائم رہے گا۔

نِعِمَّا ۔ مَهْمَا ، رُبَمَا عربیت کے لحاظ سے اگرچہ دو دو کلمات ہیں، مگر رسم کا اتباع کرتے ہوئے پہلے کلمات پر وقف صحیح نہیں۔

يٰعِبَادِىَ یاصرف عِبَادِىَ قرآن میں ہر جگہ یاء متکلم کے اثبات کے ساتھ ہے، لہٰذا وقف میں باجماع یاء ثابت رہے گی۔ مگر سورہ زمر میں يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا میں یاء محذوف ہے، چنانچہ رسم کے مطابق جمہور قراء کے یہاں وقف میں یاء نہیں پڑھی جائے گی۔ البتہ زخرف میں يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ کی یاء کا رسم مختلف فیہ ہے مصحف مدنی وشامی میں مرسوم ہے باقی میں محذوف ہے۔[1]

چند اصول

(۱) بہت سی جگہ نونِ وقایہ کے بعد یاءِ متکلم محذوف الرسم ہے جیسے فَارْهَبُوْنِ ۔ فَكِيْدُوْنِ (مرسلات) ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا (اعراف) نہ کہ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا (ہود) اور فَلَا تَسْئَلْنِ (ہود) نہ کہ فَلَا تَسْئَلْنِيْ (کہف) اور وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۔ اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ ۔ جمہور کے نزدیک رسم کے مطابق وقف نونِ وقایہ پر ہے اور بہت سی جگہ یاءِ متکلم محذوف ہے، اور وہاں نونِ وقایہ نہیں ہے جیسے مَتَابِ عِقَابِ ۔ وَلِيَ دِيْنِ ، نَذِيْرِ جمہور کے نزدیک یہاں بھی وقف میں یاءِ متکلم محذوف رہے گی۔

(۲) شروع کلمات میں یک حرفی کلمات خواہ ایک ہوں یا زائد مابعد سے ملا کر لکھے گئے ہوں یا جُدا موصول کے حکم میں ہوتے ہیں ان کو وقف یا ابتداء میں مابعد سے کاٹ کر کلمہ پڑھنا صحیح نہیں جیسے وَاِيَّاكَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اسی طرح مابعد میں ضمیر متصل ایک ہو یا زائد وہ حکم میں مرسوم اور موصول ہی کے شمار ہوگی جیسے اَنُلْزِمُكُمُوْهَا ۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں۔

(۳) وصلاً اگر ھاءِ کنایہ میں صلہ پڑھا جا رہا ہو تو باجماع وقفاً حذف ہوگا، کیونکہ صلہ کے حروف یعنی واؤ اور یاء مدہ مرسوم نہیں ہوتے ہیں جیسے لَهٗ ۔ اِنَّهٗ ۔ بِهٖ ۔ اٰيٰتِهٖ ۔

(۴) جو الف فصل کے لئے لکھا ہوا ہو جیسے واؤ جمع کے بعد یا لام کلمہ کی واؤ وغیرہ کے بعد، وہ الف وقف میں نہیں پڑھا جائے گا، کیونکہ یہ کوئی حرف نہیں، بلکہ کلمات کے ختم ہونے کی علامت ہے جیسے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ ۔ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ ۔ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۔ نَسُوا اللّٰهَ ۔ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ يَرْجُوا اللّٰهَ ۔ يَمْحُوا اللّٰهُ ۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ

---

[1] منح الفکریہ وعقیلہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَغْفِرُوْنَ ۔ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ لِتَتْلُوَا ۔ وَنَبْلُوَا ۔ لِيَبْلُوَا ۔ لِيَرْبُوْا ۔ لَنْ نَّدْعُوَا ۔ اَوْ يَعْفُوَا ۔

رسم کا اتباع تقدیراً

ہمزۂ متطرفہ جب کہ حروفِ مدّہ کی صورت میں لکھا گیا ہو جیسے يَتَفَيَّؤُا ۔ تَفْتَؤُا ۔ اَتَوَكَّؤُا يَعْبَؤُا ۔ اَلضُّعَفٰؤُا ۔ نَشٰؤُا کہ ہمزہ اپنی حرکت کے موافق بصورت واؤ مرسوم ہے۔ تِلْقَآئِ اٰبَآئِ ۔ يَسْتَهْزِئُ ۔ کہ ہمزہ بصورت یا مرسوم ہے۔ اِقْرَاْ ۔ تَبَرَّئْنَا ۔ لَتَنُوْأُ ۔ اَنْ تَبُوْأَ ۔ کہ ہمزہ بصورت الف مرسوم ہے۔ سَآءَ ۔ جَآءَ ۔ سُوْٓءُ ۔ اَلْخَبْءَ ۔ دِفْءٌ کہ ہمزہ محذوف الرسم ہے۔ اس قسم کے الفاظ میں اتباعِ رسم تقدیراً ہے، یعنی وصل کی طرح وقف میں بھی حرف ملفوظ یعنی ہمزہ ہی پڑھا جائے گا۔ البتہ امام حمزہ وہشام کے یہاں اتباعِ رسم حقیقتہً ہے۔

نوٹ:۔ ہمزہ عین کے سر کی شکل میں مصاحفِ عثمانیہ کا رسم نہیں، بلکہ ہمزہ بصورت حروفِ مدّہ ہوتا ہے یا محذوف الشکل ہوتا ہے۔ نقطوں اور حرکات کی طرح ہمزہ کی موجودہ شکل بھی بعد میں وجود میں آئی ہے۔

قاعدہ:۔ رسمِ قرآنی کا قاعدہ ہے کہ دو یا تین حرفِ مد کی شکلیں جب کہیں جمع ہو جائیں تو اُن میں سے صرف ایک ہی تخفیفاً لکھتے ہیں، اور باقی نہیں لکھتے، خواہ وہ دونوں حروفِ علت ہوں جیسے وَاِنْ تَلْوٗا ۔ لِتَسْتَوٗا ۔ دَاوٗدُ ۔ فَاْوٗا ۔ يُحْيِيْ ۔ يَسْتَحْيِيْ ۔ اِنَّ وَلِیِّ اللّٰهُ ۔ یا ایک حرفِ علت اور دوسرا اس کا ہم شکل حرفِ ہمزہ ہو جیسے دُعَآءً ۔ نِدَآءً ۔ يَشَآءُ ۔ جِیْٓءَ ۔ تَرَآءَ ۔ وغیرہ۔

یہاں بھی اتباعِ رسم تقدیراً ہوگا یعنی وقف میں وہ حرف جو تماثل کی وجہ سے حذف ہوا ثابت رہے گا۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ لفظ لِنُحْيِۦَ وغیرہ میں جو چھوٹی سی یا لکھی ہوئی ہے، یہ رسم عثمانی سے خارج ہے۔ آسانی کے لئے بعد میں لکھی گئی ہے، جیسا کہ دوسری واؤ کی جگہ اُلٹا پیش بنایا گیا ہے۔

اتباعِ رسم تخفیفاً وتقدیراً

ائمۂ قراءت کا قول ہے کہ وقف، رسم الخط کے تابع ہوتا ہے۔ مگر اس قول کو سمجھنے کے لئے دو باتیں ملحوظ رہنی چاہئیں ورنہ غلطی میں مبتلا ہونے کا امکان ہے۔

(۱) وقف میں رسم الخط کے اتباع کا مطلب یہ ہے کہ موقوف علیہ کلمات کے اواخر کے رسم کا اتباع کیا جانا ضروری ہے۔ اگر کوئی حرف آخرِ کلمہ میں رسم میں محذوف ہوگا تو وہ وقف میں بھی محذوف ہوگا، اور اگر آخر کلمہ میں کسی حرف کا رسم اثبات کے ساتھ ہو تو اس کو وقف میں بھی ثابت رکھنا ہوگا۔ مثالیں اوپر گذر چکی ہیں۔

(۲) لیکن یہ یاد رہے کہ حذف سے حذفِ محقق اسی طرح اثبات سے اثباتِ محقق مراد ہے، لیکن اگر حذف یا اثبات تقدیری ہوں تو وہ حذف مقدر یا اثباتِ مقدر کہلاتا ہے۔ تقدیری حذف و اثبات میں رسم کا اتباع نہیں ہوتا ہے۔ تقدیری سے یہ مراد ہے کہ حرف کا اثبات یا حذف کسی قسم کے رسمی اصول مثلاً تماثل فی الرسم کے اصول پر مبنی ہو، اور حقیقت میں اس حرف کا اثبات یا حذف اہل رسم کا مقصود وغایت نہ ہو، یا مثلاً حذف و اثبات شمول قراءت کیلئے اختیار کیا گیا ہو، جس قراءت میں وہ حذف یا اثبات پایا جاتا ہوگا۔ رسم کے ساتھ اس قراءت کی مطابقت علی الحقیقت ہوگی۔ اور جس میں نہیں پایا جاتا ہوگا۔ اس قراءت کی مطابقت اس رسم کے ساتھ تقدیری ہوگی، مثلاً ثَمُوْدَا کو منون منصوب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھنے والے رسم کا اتباع علی الحقیقت کرنے والے شمار ہوں گے اور غیر منوّن پڑھنے والوں کے لئے الف کا اثبات تقدیری کہلائے گا جس کا اتباع اُن کے لئے ضروری نہ ہوگا۔ اسی طرح وَلِیَ دِیْنِ میں لفظ دِیْنِ سے یاء متکلم رسماً محذوف ہے، اس یاء کو محذوف پڑھنے والوں کے لئے یہ رسم حقیقی ہے اور یاء کے اثبات کے ساتھ پڑھنے والوں کے لئے یہ رسم یعنی حذفِ یاء تقدیری ہے لہٰذا رسم میں اُن کا اتباع تقدیراً کہلائے گا۔

اسی طرح مَآءً، دُعَآءً، مُلْجَاً میں ہمزہ کے بعد باجماع الف پڑھا جائے گا، کیونکہ الف کا حذف حقیقۃً نہیں بلکہ تماثل فی الرسم کی وجہ سے ہے۔ نیز دُعَآءً اور مَآءً میں ہمزہ بھی محذوف الشکل ہے کیونکہ بعد ساکن ہمزہ محذوف الشکل ہوتا ہے، ہمزہ کا یہ حذف، رسم کے ایک خاص اصول کی وجہ سے ہے، نہ اس مقصد کے ساتھ کہ ہمزہ پڑھا نہ جائے، لہٰذا ہمزہ کا حذف تقدیری کہلائے گا، اور حکم میں مرسوم کے ہوگا، ایسے ہی لفظ رَاٰ جبکہ الف کے بعد الف بشکل یاء مرسوم نہ ہو جیسے رَاٰ کَوْکَبًا میں، راء کے بعد جو الف لکھا ہوا ہے یہ ہمزہ ہے اور ہمزہ کے بعد والا الف جو لام کلمہ ہے وہ تماثل فی الرسم کی وجہ سے محذوف الشکل ہے۔ اور حذفِ تقدیری میں داخل ہے، لہٰذا وقف میں الف پڑھا جائے گا۔

اسی طرح ہم نے اوپر کئی مثالیں لکھی ہیں جن میں ہمزہ بصورت حروفِ مدّہ لکھا ہوا ہے مگر وقف میں جمہور کے یہاں حروفِ مدہ نہیں بلکہ ہمزہ ہی پڑھا جائے گا جیسے یَتَفَیَّؤُا، یَسْتَهْزِئُ اور اِقْرَاْ وغیرہ میں ہمزہ پر وقف ہوگا نہ کہ حروفِ مدّہ پر۔ اور یہ رسم تقدیری کہلائے گا۔[1]

دو اصولوں کا تصادم، اور قول فیصل

وقف اور رسم کے ذیل میں ہم نے صفحاتِ گذشتہ میں جن اصولوں کا ذکر کیا ہے اُن میں ایک اصول یہ تھا کہ:

اجتماعِ ساکنین فی کلمتین میں پہلے کلمہ کے آخر سے پڑھنے میں حرفِ مد حذف ہو جاتا ہے یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو حرفِ مد مرسوم ہوگا چنانچہ اکثر مرسوم ہی ہوتا ہے جیسے یُؤْتِی الْحِكْمَةَ یا محذوف فی الرسم ہوگا جیسے نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ[2] میں نُنْجِ کے آخر سے یاء مدّہ محذوف فی الرسم ہے، دونوں صورتوں میں وقف رسم کے تابع ہوگا یعنی اوّل میں یُؤْتِی یاء مدّہ پر وقف کریں گے اور ثانی میں نُنْجِ پڑھیں گے یاء مدّہ نہیں پڑھیں گے۔

دوسرا اصول یہ گذرا ہے کہ

تماثل فی الرسم کی صورت میں دو حروفِ مدّہ کی صورتوں میں سے ایک حرف لکھا جاتا ہے اور دوسرا رسماً حذف ہوتا ہے جیسے لَا یَسْتَحْیِ کے آخر سے ایک یاء تماثل کی وجہ سے محذوف ہے۔ اس وقت حکم یہ ہے کہ وقف میں دونوں یاء باقی رہیں گی۔

لیکن اگر کسی جگہ یہ دونوں اصول جمع ہو جائیں یعنی وہاں تماثل فی الرسم بھی ہو اور اجتماع ساکنین بھی ہو جیسے یُحْیِ الْاَرْضَ۔ تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ۔ پہلی مثال۔ یُحْیِ کے آخر میں صرف ایک یاء مرسوم ہے، اسی طرح تَرَآءَ میں راء کے بعد

---

[1] نشر صفحہ ۱۵۸ جلد ثانی [2] نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ، سورۂ یونس۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفاعل کا الف ہے اس کے بعد ہمزہ جو عین کلمہ ہے ، بعد ساکن واقع ہونے کی وجہ سے محذوف الرّسم ہے، ہمزہ کے بعد لام کا الف بصورت یا مرسوم ہونا چاہیئے ، لیکن وہ مثل مَرٰی کے مرسوم باالالف تھا اور پھر چونکہ را کے بعد والے الف کے بعد واقع ہوا جس کے وجہ سے الفین میں تماثل ہوا ، اور تماثل کی وجہ سے حذف ہوگیا ، ساتھ ہی یہ بھی کہا جاسکتا ہے اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے آخری الف حذف ہوگیا۔

دونوں لفظوں میں تماثل کے اصول کا تو تقاضا ہے کہ دونوں یا ، اور دونوں الف پڑھے جائیں یعنی یُحْیِیْ اور تَرَآءَا پڑھا جائے لیکن اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے حذف کا تقاضا ہے کہ رسم کے مطابق ایک یا ، اور ایک الف پڑھا جائے یعنی یُحْیِیْ اور تَرَآءَ ۔

قول فیصل یہ ہے کہ تماثل فی الرّسم کی وجہ سے حذف مانا جائے لہذا آخر میں محذوف حروفِ مد کو وقف میں پڑھا جائے۔ چنانچہ علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اَجْمَعُوْا عَلَی الْوَقْفِ عَلٰی نَحْوِ مَآءً وَدُعَآءً وَمَلْجَأً بِالْاَلِفِ بَعْدَ الْهَمْزَةِ وَكَذٰلِكَ الْوَقْفُ عَلٰی تَرَآءَ وَرَاٰى ونحوه مِمَّا حُذِفَتْ مِنْهُ الْيَاءُ[1]

مَآءً ۔ دُعَآءً اور مَلْجَأً جیسے لفظوں پر باجماع ہمزہ کے بعد والے الف پر وقف ہوگا ۔ اسی طرح تَرَآءَ اور رَاٰى جیسے الفاظ ہیں کہ جن میں آخر سے یا ، حذف ہوئی ہے ، ہمزہ کے بعد الف پر وقف ہوگا۔

معلوم ہوا کہ حذف التقاءِ ساکنین کی وجہ سے نہیں بلکہ تماثل کی وجہ سے ہے[2] ۔ نیز نہایۃ القول المفید میں ہے ۔

وَاَمَّا قوله فَلَمَّا تَرَآءَ بِالشُّعَرَآءِ فباثبات الالف بعد الهمزة المفتوحة فِي الوقفِ دُوْنَ الرَّسمِ لانه رُسِمَ بالف واحدة بعد الرَّاءِ في جميع المصاحف وقياسه ان يرسم بالفٍ ويَآءٍ[3] ۔

اور فَلَمَّا تَرَآءَ جو شعراء میں ہے ، وقف میں ہمزۂ مفتوحہ کے بعد الف کو ثابت رکھا جائے گا ۔ البتہ یہ الف رسم میں ثابت نہیں ۔ کیونکہ تمام مصاحف میں راء کے بعد ایک ہی الف لکھا ہے ۔ اور قیاس یہ چاہتا ہے کہ راء کے بعد الف اور یا ، لکھی ہوئی ہو۔

محقق فن حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ الہ بادی فرماتے ہیں ۔

” البتہ اگر تماثل فی الرّسم کی وجہ سے غیر مرسوم ہوگا ، تو اس قسم کا محذوف وقف میں ثابت ہوگا اس کی مثال یُحْیِیْ ، یَسْتَحْیِیْ . . . . تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ[4] “

معلوم ہوا کہ حذف تماثل کی وجہ سے ہے التقاءِ ساکنین کی وجہ سے نہیں ۔ اس سے بھی زیادہ واضح غیث النفع میں ہے[5] ۔

فَاَمَّا اِنْ وقفت عليها وَلَيْسَتْ مَوْضِعَ وقفٍ فَاقْرَا لِقالون وَالابنين والبصري وعاصم بالفين بينهما همزةٌ مُحَقَّقَةٌ

اگر تَرَآءَ پر وقف کرو ، اگرچہ یہ وقف کی جگہ نہیں تو اس وقت قالون مکی ، شامی بصری اور عاصم دو الف کے ساتھ وقف کریں گے جنکے درمیان ہمزہ محققہ ہے ۔

---

۱ نشر ص ۱۵۸ ۲ کما صُرِّحَ فی النشر المجلد الاول ص ۴۵۱ ۔ ۳ نہایۃ القول ص ۱۸۹ ۴ فوائد مکیہ ص ۶۲ ۔ ۵ غیث النفع ص ۲۳۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ تصریحات کے بعد مسئلہ بے غبار ہو جاتا ہے، لہٰذا قاری ضیاؤ الدین صاحب الہ بادیؒ کا یہ فرمانا۔

المحذوف للتماثل فی الرسم ثابت وصلا ووقفا نحو مَاءٍ، الّا ان یحذف فی الوصل لاجتماع الساکنین علیٰ غیر حدّہ نحو ترآء الجمعٰن و یحیی اللہ

تماثل فی الرسم کی وجہ سے محذوف ہونے والا حرف وصلاً اور وقفاً ثابت رہتا ہے جیسے مَاءٍ۔ مگر یہ کہ وصل میں اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدّہ کی وجہ سے محذوف ہو۔ تو وہ وقف میں حذف ہوگا جیسے ترآء الجمعٰن اور یُحْیِ اللہ۔

اور پھر اس کی مثال میں ترآءٰ اور یُحْیِ کو لانا ہرگز صحیح نہیں، کیونکہ دونوں مثالوں میں حذف اجتماع ساکنین کی وجہ سے نہیں بلکہ تماثل کی بنا پر ہے۔ اس موقع پر صحیح مثال وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ وغیرہ تھی۔

اس سے بھی زیادہ حیرت ملا علی قاریؒ پر ہے۔ شارح مصری نے یُحْیِ الْاَرْضَ میں یُحْیِ پر وقف کرنے کا طریقہ بتلایا کہ کلمہ کے آخر میں یاء محذوفہ کو لوٹا کر یُحْیِیْ وقف کریں گے لیکن قاریؒ شارح مصری کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

قلت یرد علیہ انّ ھذا خلاف ما اجمع علیہ القراء

میں کہتا ہوں کہ مصری کی رائے پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اجماع قراء کے خلاف ہے۔

مصری نے جو کچھ فرمایا وہ بالکل صحیح ہے، قاری کے سامنے صرف یہ اصول ہے کہ وقف رسم کے تابع ہوتا ہے اسی لئے شارح مصری پر اجماع کے خلاف بات کہنے کا اعتراض کر رہے ہیں، حالانکہ مشہور اصول ہے کہ جو حرف تماثل کی وجہ سے حذف ہو وہ حکماً مرسوم ہوتا ہے اور وقف میں پڑھا جاتا ہے۔

قاریؒ کے کلام کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ تماثل کی وجہ سے محذوف ہونے والے حرف کو وقف میں پڑھنے کو بھی خلاف اجماع فرما رہے ہیں دوسری طرف یَقْضِ الْحَقَّ (یاد رہے کہ یَقُصُّ الْحَقَّ میں یہ بھی ایک قرات ہے) میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے یَقْضِیْ کی یاء محذوفہ کو وقف میں اعادہ کرکے پڑھنے پر اسقدر زور دے رہے ہیں کہ علامہ دانیؒ نے اُن کلمات پر کہ جن کے آخر سے اجتماع ساکنین کی وجہ سے حرف مدّ رسماً محذوف ہو، یہ فرمایا کہ اس قسم کے کلمات پر وقف، حرف مدّ کے حذف کے ساتھ ہی کرنا چاہیئے کیونکہ یہ "سُنّتِ مُتّبعہ" ہے، قاریؒ نے اس موقعہ پر دانی کا رد کرتے ہوئے فرمایا، کہ سنّتِ مُتّبعہ کہنا بحث سے خالی نہیں، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کلمہ پر وقف کی کیفیت مروی نہیں بلکہ صرف اس کلمہ کا رسم مروی ہے لہٰذا کیا ضرورت ہے کہ عربیت کے خلاف یَقْضِ پر یاء مدّہ کے اثبات کے ساتھ وقف کرکے قیاس کو چھوڑا جائے اس لئے حق بات یہی ہے جیسا کہ مکّیؒ نے بھی فرمائی ہے کہ بغیر ثبوت روایت کے درایت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔" حالانکہ مکی کی یہ رائے ہرگز نہیں جیسا کہ ہم آگے وضاحت کریں گے۔

قاریؒ کا فکری تضاد ملاحظہ ہو کہ ایک طرف مصریؒ کو یُحْیِ پر یاء مدّہ کے اعادہ کے ساتھ وقف قرار دینے پر

---

[1] خلاصۃ البیان ص ۳۱ [2] منح الفکریہ ص ۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلافِ اجماع کہکر جھڑک دیا، دوسری طرف مکی کی ہم نوائی میں یَقُضِ اور یَدْعُ وغیرہ کلمات میں یاء واؤ محذوف کے اعادہ کے ساتھ وقف کرنے پر زور دے رہے ہیں[1] ۔

مکی کی رائے پر علامہ جزری کا اعتراض

یَدْعُ الْاِنْسَانُ، یَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ وغیرہ کے متعلق اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ آخر کلمات سے واؤ کا حذف، قراءۃً اور رسماً اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے۔ علامہ جزری رحؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کلمات پر تمام قراء کے لئے وقف رسم کے مطابق ہی ہوگا۔

لیکن مکی وغیرہ نے فرمایا کہ اس قسم کے کلمات پر وقف کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ اگر رسم کے مطابق وقف کرے گا تو اصل کے خلاف ہوگا، اور اگر اصل کے مطابق کرے گا تو رسم کے خلاف ہوگا۔

علامہ جزری فرماتے ہیں کہ مکی کی رائے پر کھلا ہوا اعتراض یہ ہے کہ اس قسم کے کلمات پر علی وجہ الاختیار وقف میں کلام نہیں ہو رہا ہے، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان کلمات پر وقف کرنے میں مضطر ہو جائے تو کیسے وقف کرے؟ اس قسم کے مواقع میں یہ اشکال کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ کلمہ اصل یا رسم کے خلاف ہو جائے گا، کیونکہ قرآن میں کتنے ہی مواقع ہیں جن میں رسم کے یا اصل کے خلاف پڑھا گیا ہے لہذا رسم یا اصل کے خلاف ہونا کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ اصل میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جو کچھ ہمیں پڑھنا ہے وہ روایت کے خلاف تو نہیں۔ روایت کا جہاں تک تعلق ہے وہ یہی ہے کہ تمام طرق میں وقفاً یہ حروفِ مدہ حذف ہوں گے جب کہ رسماً اجتماع ساکنین کی وجہ سے محذوف ہوں۔ اس کے خلاف روایت منفرد[2] اور شاذ ہے۔

توضیح:۔ اجتماع ساکنین کی وجہ سے حروف مدہ کے رسماً محذوف ہونے کے وقت جو رسم کے مطابق وقف ہوتا ہے، اس میں عربیت کی خلاف ورزی یہ ہوتی ہے کہ آخرِ مضارع سے حرفِ مدہ کا حذف بغیر کسی وجہ کے لازم آتا ہے۔ مثلاً نُنْجِ میں جیم پر وقف کرنا اور یاء کو حذف کرنا، حالت رفعی میں لازم آیا حالانکہ حالتِ جزمی میں ہی حرفِ مد کا حذف صحیح ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ اشکال چنداں قابل وقعت نہیں۔ کیونکہ یہ وقف بہ نیتِ وصل کہلاتا ہے یعنی کلمہ کو وصل کے مطابق تلفظ کرنا کسی عارض کی وجہ سے قطعاً معیوب نہیں، اور عارض، رسم الخط کا اتباع ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہی ایسا ہوا ہے کہ کسی امرِ عارض مثلاً رعایتِ فواصل کی وجہ سے حذف جیسے وَاللَّیْلِ اِذَا یَسْرِ اور اثبات جیسے الظُّنُوْنَا، الرَّسُوْلَا اور السَّبِیْلَا میں ہوا ہے۔ ورنہ عربیت کے لحاظ سے نہ یَسْرِ کے آخر سے یاء مدہ کا حذف صحیح، اور نہ اَلظُّنُوْنَا وغیرہ میں الف کا اثبات صحیح،

تنبیہ:۔ قراءتِ قرآن کے باب میں وقف و وصل وغیرہ کا ہر پہلو اِس اصول سے ہرگز باہر نہیں کہ ہر باب میں سُنّتِ مُتّبعہ کو علماء اور مشائخ اُمّت نے اِساس قرار دیا ہے۔ اس سے آزاد ہو کر وجوہِ عربیہ کے مطابق قرآن کو جس طرح بھی صحیح ہو جائے پڑھ لینا، اجماع کے خلاف ہے اور حرام ہے۔ کوئی قراءت جب تک نقل متواتر کی حامل نہ ہو خواہ وہ عربیت و رسم کے مطابق ہی ہو قطعاً مردود ہے، اور اُس پر جسقدر بھی رد کیا جائے جائز ہے اس قسم کا ارتکاب کرنے والا کبائر

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے منح الفکریہ ص۷۳ [2] تفصیل کے لئے دیکھو نشر ص ۱۴۱/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ں سے گناہ عظیم کا مرتکب ہے۔ تیسری صدی کے بعد ایک شخص ابوبکر محمد بن حسن بن مقسم بغدادی مقری نحوی بغدادی نے اپنا شروع کیا کہ قرآن کو جس طرح چاہو پڑھو، بس عربیت اور رسم کے خلاف نہ ہو۔ ابو طاہر بن ابی ہاشم کتاب البیان میں فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں ایک نابغہ پیدا ہوئے ہیں جن کا زعم یہ ہے کہ قرآن کو عربیت و رسم کے مطابق نماز وغیرہ میں پڑھنا جائز ہے،، لیکن یہ رائے بدعت شنیعہ اور راہ ہدایت سے گمراہی ہے۔

انھیں محمد بن طاہر بغدادی کے متعلق خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ ان کی سرکوبی کے لئے حکومت نے علماء اور قراء کا ایک کمیشن مقرر کیا، جس نے باتفاق انکی سرزنش ضروری سمجھتے ہوئے ان کو سزا دینے کے لئے سامنے کھڑا کیا اور فوراً انھوں نے اپنی رائے سے رجوع کیا، اور اپنا اقرار محضر نامہ کی شکل میں لکھ کر پیش کیا۔[1]

بَابُ هَمْزِ الْوَصْلِ

ہمزۂ وصل کا بیان

ش۔ وَابْدَأْ بِهَمْزِ الْوَصْلِ مِنْ فِعْلٍ بِضَمْ ۔ اِنْ كَانَ ثَالِثٌ مِّنَ الْفِعْلِ يُضَمْ

ت۔ اور فعل کو ہمزۂ وصلیہ مضمومہ کے ساتھ شروع کرو ۔ اگر فعل کا تیسرا حرف مضموم ہو۔

ل۔ وَابْدَأْ صیغۂ امر حاضر اپنے متعلقات سے مل کر جملۂ فعلیہ، دال بر جزا۔ اور دوسرا مصرعہ جملہ ہوکر شرطِ مؤخر ہے۔ بِهَمْزِ الْوَصْلِ جار مجرور متعلق اِبْدَأْ۔ مِنْ فِعْلٍ جار مجرور متعلق کائناً ہوکر هَمْزِ الْوَصْلِ سے حال۔ بِضَمْ جار مجرور متعلق ثانی اِبْدَأْ۔ اِنْ حرفِ شرط كَانَ فعل ناقص ثَالِثٌ اسم مرفوع، موصوف مقدر ہے یعنی حَرْفٌ ثَالِثٌ۔ مِنَ الْفِعْلِ ثَالِثٌ کی صفت یا حَرْفٌ موصوف مقدر کی دوسری صفت۔ يُضَمْ فعل مضارع مجہول، خبر، نائب فاعل کی ضمیر ثَالِثٌ کی طرف راجع ہے۔

ح۔ ناظمؒ اس باب میں ہمزۂ وصل کی حرکات بیان کرتے ہیں کیونکہ قاری کو ہر کلمۂ قرآنی کی ابتدا کرنے اور اس پر وقف کرنے کا طریقہ معلوم ہونا چاہیئے چنانچہ اس باب میں کسی کلمہ سے ابتدا کرنے کو اور آئندہ باب میں کلمہ کے آخر پر حالتِ وقف کو بیان کرتے ہیں۔ اسی لئے وقف میں اصل سکون ہے حتیٰ کہ حرکت پر وقف کرنا غلط ہے اور ابتدا میں حرکت اصل ہے، کیونکہ وقف و ابتدا ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ نیز ابتدا بالسکون متعذر بھی ہے۔

---

[1] نشر ص ۱۷ ج ۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمزہ کی دو قسمیں ہیں وصلی، قطعی[1]، ہمزہ قطعی وہ ہے کہ ابتدا اور وصل دونوں حالتوں میں باقی رہتا ہے وصلی یہ ہے کہ ابتدا میں تو پڑھا جائے اور درج کلام میں ساقط ہو جائے، عربی میں ہمزۂ وصل ہی کا وقوع زیادہ ہے۔ اس لئے اختصار کے پیش نظر ہمزۂ قطعی کا بیان ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ہمزۂ وصلی کے ضوابط ہمزۂ قطعی کے مقابلہ میں مختصر ہیں اس لئے اُسی کا بیان اختیار فرمایا۔ لہٰذا ابن الناظم اور شارح رومی کا یہ فرمانا محلِ نظر ہے کہ ہمزۂ وصل چونکہ قلیل الوقوع ہے ناظم نے اختصار کے پیش نظر اُسی کو بیان فرمایا۔

قَوْلُہ وَابْدَأْ بِهَمْزِ الْوَصْلِ الخ یعنی ہمزۂ وصل کلمہ کی تینوں قسموں میں آتا ہے، فعل میں ہمزۂ وصل کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر تیسرا حرف مضموم ہو تو ہمزۂ وصل بھی مضموم ہوتا ہے جیسے اُنْظُرْ، اُخْرُجْ، اُدْعُ، اُضْطُرِدْتُمْ، اُجْتُثَّتْ، اُسْتُمْسِكُوْا۔ یہاں دو باتیں یاد رہیں ایک یہ کہ ضمّہ سے مراد ضمّہ اصلی ہے، اگر تیسرے حرف پر ضمّہ اصلی نہ ہو بلکہ عارضی ہو تو اصل کے مطابق ہمزۂ وصلی مکسور ہی ہوتا ہے جیسے اِمْشُوْا۔ اِیْتُوْا۔ اِقْضُوْا، (یعنی ثُمَّ اقْضُوْا اِلَیَّ) اِبْنُوْا رمثلاً فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ۔

ان تمام کلمات میں جو معتلِ لام ہیں تیسرے حرف پر ضمّہ عارضی ہے، کیونکہ مثلاً اِمْشُوْا اصل میں اِمْشِيُوْا تھا یا پر ضمّہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ماقبل یعنی شین کو دیا گیا اور پھر یا اور واؤ میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے یا، حذف کر دی گئی، یہی تعلیل باقی کلمات میں بھی ہے۔

تیسرے حرف کے ضمّہ سے چونکہ ضمّہ اصلی مراد ہے، اُخْتِيْرَ (ماضی مجہول) اور اُغْزِیْ صیغہ امر، واحد مؤنث حاضر قاعدہ میں داخل رہے۔ شیخ زکریا انصاری اور ملا علی قاری رحؒ نے اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ لیکن یہ الفاظ یا اُن کے مثل قرآن میں واقع نہیں ہوئے البتہ اس سلسلہ میں بہتر مثال اُضْطُرَّ کی ہو سکتی کہ قراءِ عشرہ میں ابوجعفر مدنی نے طار کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، قاعدہ کی توجیہ میں ابوجعفر کی قراءت میں طار کے کسرہ کو عارضی سمجھنا چاہیئے یعنی بالاصل تو تیسرے حرف یعنی طاء پر ضمّہ ہی تھا کیونکہ اصل میں اُضْطُرِرَ تھا، پھر راءِ اول کا کسرہ نقل کر کے طار کو دیا گیا اور اس کا دوسری راء میں ادغام کیا گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمزۂ وصل میں اصل کسرہ ہے جیسا کہ ہم آئندہ اسکی وضاحت کریں گے۔ اور اس صورت میں کہ فعل کا تیسرا حرف مضموم ہو ہمزۂ وصل کو بجائے کسرہ کے ضمّہ اس لئے دیا گیا تاکہ خروج کسرہ سے ضمّہ کی طرف لازم نہ آئے جو عربی زبان میں ثقالت کا موجب ہوتا ہے۔ اگرچہ ہمزۂ وصل پہلا حرف ہے اور اس کے بعد حرف ساکن اور تیسرے حرف پر ضمّہ ہوتا ہے، لیکن ہمزۂ وصل اور حرف مضموم کے درمیان ساکن حرف کے فاصل آجانے سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ساکن کا وجود قوی مانع نہیں[2]۔

شر۲۱۔ وَاكْسِرْهُ حَالَ الْكَسْرِ وَالْفَتْحِ وَفِي ‏ الْاَسْمَاءِ غَيْرَ اللَّامِ كَسْرُهَا وَفِي

ف، اور ہمزۂ وصل کو مکسور پڑھو (تیسرے حرف پر) کسرہ اور فتحہ کی حالت میں۔ اور سوائے لام تعریف کے اسماء (مصادر) میں ہمزۂ وصل پر کسرہ ہی ہوتا ہے۔

---

[1] نشر ص ۲۲۶/۲۲۷ [2] کذا فی الوضی و جاربردی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ل۔ وَاكْسِرْهُ حَالَ الْكَسْرِ وَالْفَتْحِ نحوی ترکیب واضح ہے۔ وَفِي الْأَسْمَاءِ خبر مقدم ہے۔ لام تعریف نقل کرتے اور ہمزۂ وصل کے حذف کی وجہ سے مفتوح ہے چنانچہ الْاَمْرُ اَسٌ وغیرہ میں اسکی نظائر آچکی ہیں۔ غَيْرَ اللَّامِ میں لفظ غَيْرَ یا تو استثناء کی بناء پر منصوب ہے یا الْاَسْمَاءِ کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ كَسْرُهَا مبتدا مؤخر ہے ضمیر مؤنث، اَلْهَمْزَة کی طرف راجع ہے جو هَمْزُ الْوَصْلِ سے مفہوم ہوتا ہے۔ وَفِي میں ظاہر یہ ہے کہ یہ حرف جر ہے، جو آمنہ شعر ابْنٍ مَعَ ابْنَتٍ الخ میں آنے والے الفاظ پر داخل ہے۔ جیسا کہ شارح رومی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ تاہم شیخ زکریا انصاری اور قاری نے فرمایا ہے کہ یہ صیغۂ صفت وَفِيٌّ بروزن فَعِيْلٌ ہے، جو قافیتین میں توازن رکھنے کے لئے ساکن الیاء مخفف پڑھا گیا ہے۔ وَفِيٌّ بمعنی تَامٌّ وَكَامِلٌ۔ یعنی اسماء میں ہمزہ وصل کا کسرہ کامل ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر یہ حرف جر ہے اور اس کے مدخول آنے والے کلمات ہیں اس صورت میں وَفِي الْاَسْمَاءِ پر عطف ہوگا۔ کیونکہ کسرہ کے کامل کہنے کی تخصیص سے کوئی افادیت پیدا نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ ابْنٍ مَعَ ابْنَةٍ الخ میں الفاظ کا جر وفی الاسماء سے بدل ہونے کی بناء پر ہوگا اور بدل بنانے کی صورت میں اسماء میں کسرہ کا بیان صرف آنے والے سات اسموں میں منحصر ہوجائے گا حالانکہ اسماء مصادر میں بھی ہمزۂ وصل مکسور ہوتا ہے جیسا کہ تشریح سے واضح ہوگا۔

تنبیہ:۔ غَيْرَ پر نصب کا جو احتمال لکھا گیا ہے، اس کا مستثنیٰ منہ اَلْاَسْمَاءِ کو سمجھنا چاہیئے۔ اور استثناء بھی استثناء منقطع ہوگا، کیونکہ لام تعریف اسم نہیں بلکہ حرف ہے (زکریا و قاری) میں کہتا ہوں کہ اکثر حالات میں تو واقعی اَلْ حرف ہی ہوتا ہے، مگر کبھی کبھی اَلْ بمعنی اَلَّذِیْ اسم بھی ہوتا ہے جیسے اَلضَّارِبُ زَيْدًا اَنَا

بہرحال لام سے چونکہ دونوں قسمیں مراد ہیں اس لئے استثناء منقطع ہی ہوگا۔ اور ابن الناظم اور ان کی اتباع میں سمی نے وَاكْسِرْهُ کی ضمیر مفعول سے جو غَيْرَ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے نہایت بعید ہے۔

ح۔ یعنی فعل کا تیسرا حرف مکسور یا مفتوح ہو تو ہمزۂ وصل مکسور ہی آئے گا، کیونکہ ہمزۂ وصل میں کسرہ ہی اصل ہے اور وجہ یہ کہ حرف ہے اور حروف مبنی ہوتے ہیں اور بناء میں اصل سکون ہے اور ساکن کو حرکت کسرہ کی دی جاتی ہے، تیسرے حرف پر فتح کی حالت میں ہمزہ وصل کو فتح نہ دیئے جانے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بہت سے مواقع میں دوسرے صیغوں کے ساتھ التباس ہوجائے گا مثلاً وقف میں اِذْهَبْ صیغۂ امر از فتح کو اگر ہمزہ وصلیہ مفتوحہ کے ساتھ شروع کیا جائے تو اَذْهَبَ صیغہ ماضی از افعال کے ساتھ التباس ہوگا۔

بہرحال یہ قاعدہ بھی گذشتہ قاعدہ کی طرح عام ہے کہ خواہ فعل ماضی ہو یا امر جیسے اِضْرِبْ، اِذْهَبْ، اِعْلَمُوْا، فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ، اِنِ ارْتَبْتُمْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ، قَالُوا اطَّيَّرْنَا، وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ، وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا، اِنْطَلِقُوْا۔

لے الفیۃ ابن مالک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوائد

(۱) ناظم کے اور صرفیوں کے بیان میں فرق ہے۔ صرفی حضرات ثلاثی مجرد کے شروع میں ہمزۂ وصل کی حرکت بیان کرتے ہوئے قاعدہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اگر عین کلمہ مضموم ہو تو ہمزۂ وصل مضموم ہوتا ہے اور اگر مکسور یا مفتوح ہو تو مکسور، مگر ناظم کے سامنے صرف ثلاثی مجرد کے امر کا قاعدہ ہی نہیں بلکہ مطلقاً فعل کے شروع میں ہمزۂ وصل کو بیان کرنا تھا اس لئے تیسرا حرف فرمایا۔

وجہ یہ ہے کہ ثلاثی مجرد میں ہمزۂ وصل صرف امر حاضر کے صیغوں میں اور مزید کے اُن ابواب میں کہ جن میں ہمزہ کے بعد چار یا چار سے زیادہ حروف ہوں ماضی معروف و مجہول اور امر حاضر کے صیغوں میں یہ ہمزۂ وصل ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مثالیں گذریں۔ باب افعال کے سوا مزید کے تمام اُن ابواب میں کہ جن کے شروع میں ہمزہ ہو، وہ ہمزۂ وصلیہ ہی ہوگا۔

(۲) ہمزہ ھائے وصل باقی رکھ کر پڑھنا عربیت سے خروج اور لحن فاحش ہے۔ البتہ شعر میں ضرورۃً جائز ہے، قیس ابن حطیم کہتا ہے ع إِذَا جَاوَزَ الِاثْنَيْنِ سِرٌّ فَإِنَّهُ۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں۔ ع وَنَادَيْتُ اَللّٰهُمَّ يَا خَيْرَ سَامِعِ۔

(۳) ہمزہ وصل کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں ایک یہ کہ یہ ہمزہ حرف ساکن کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ درج کلام میں یہ ہمزہ خود تو ساقط ہو جاتا ہے اور اپنے ماقبل و مابعد کو باہم ملا دیتا ہے تیسرے یہ کہ ابتدا بالساکن متعذر ہونے کی وجہ سے متکلم اپنی ضرورت تکلم کے لئے یہ ہمزہ زائد کرتے ہوئے اپنے مطلب کو پہنچتا ہے اسی لئے خلیل بن احمد نے اس کو سُلَّمُ اللِّسَان یعنی زبان کی سیڑھی کہا ہے[1]۔

(۴) معلوم ہو چکا ہے کہ ماضی میں ہمزۂ وصل اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کے حروف (قطع نظر اصلی یا زائد سے) پانچ یا چھ ہوں جیسے اِنْطَلَقَ اور اِسْتَخْرَجَ اور اسی ماضی کے امر میں بھی اور ثلاثی مجرد امر حاضر کے صیغوں میں بھی۔ لہذا تین حرفی ماضی میں نہ ہوگا جیسے أَكَلَ، أَذِنَ اور نہ چار حرفی ماضی میں جیسے أَحْسَنَ، أَنْفَقَ، آمَنَ اور نہ چار حرفی ماضی کے امر میں جیسے أَكْرِمْ، أَحْسِنْ یہ سب ہمزۂ قطعی ہے

(۵) قاعدہ ہے کہ جب دو ہمزہ جمع ہوں، پہلا متحرک دوسرا ساکن تو دوسرے کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرف مد سے بدلنا واجب ہے جیسے أَأْمَنَ سے آمَنَ، اسی قاعدہ کے مطابق اگر ہمزۂ وصل کے بعد ہمزہ ساکنہ آئے گا تو حرف مد سے بدل جائے گا جیسے اِيتُونِي اور درج کلام میں ہمزۂ وصل کے ساقط ہونے کی صورت میں دوسرا ہمزہ پڑھا جائے گا جیسے:۔ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي۔ الَّذِي اؤْتُمِنَ۔

نوٹ یہاں تک فعل کے ہمزۂ وصلیہ کا بیان ختم ہو گیا۔ آگے اسم اور حرف کے ہمزۂ وصلیہ کا بیان شروع ہوتا ہے جو ختم باب تک چلا گیا ہے۔

---

[1] مفصل [2] نوادر الاصول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قولہ وَفِي الْأَسْمَآءِ غَيْرِ اللَّامِ كَسْرُهَا۔ ظاہر یہ ہے کہ اسماء سے مراد اسماءِ مصادر ہیں یعنی جس ماضی میں پانچ یا چھ حروف ہوں، اس کے مصدر میں ہمزۂ وصل مکسور ہوگا، جیسے ذُوْ انْتِقَامٍ، لَا انْفِصَامَ لَهَا۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ افْتِرَاءً عَلَيْهِ، وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔

اور جس ماضی میں چار ہوں اس کے مصدر میں ہمزۂ قطعی ہوگا جیسے وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا۔ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ

اور اگر ماضی میں تین حروف ہوں تو مصدر میں ہمزۂ اصلی ہوگا جیسے يُدَبِّرُ الْأَمْرَ۔ لَهُمُ الْأَمْنُ، هٰذَا إِفْكٌ، وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ، عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔

مطلب یہ ہوا کہ اسم کی دو قسمیں ہیں اسم مصدر اور اسم جامد، اسم مصدر کا حال یہاں معلوم ہوگیا اور اسم جامد کا حال آئندہ شعر میں معلوم ہوگا۔

نوٹ:۔ ناظمؒ نے شہرت کی وجہ سے ہمزۂ وصل والے افعال اور اسماءِ مصادر کی تعیین نہیں فرمائی بلکہ صرف ہمزہائے وصل کی حرکات کا اصول بیان فرمایا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمزۂ وصلی انہیں بابوں کے مصادر میں ہوتا ہے جن کے ماضی کے افعال میں ہمزہ وصلی ہوتا ہے۔

تنبیہ:۔ ملا علی قاریؒ نے شارح رومی و یمنی کی اس رائے سے سخت اختلاف کیا ہے کہ وَفِي الْأَسْمَآءِ سے وہ اسماء مصادر مراد ہیں جن کی ماضی میں ہمزہ وصل ہوتا ہے، لیکن کافی غور و تدبر کے باوجود ہمیں قاریؒ کی رائے سے اتفاق نہیں۔ قاریؒ کے نزدیک اَلْاَسْمَآءِ سے آئندہ شعر میں آنے والے سات اسماء مراد ہیں وہ سات اسماء یا تو اَلْاَسْمَآءِ سے بدل ہیں یا عطف بیان ہیں۔ اور رہے اسماءِ مصادر، سو یا تو ناظمؒ نے ان کا ذکر کیا ہی نہیں، یا لفظ فعل کے عموم میں داخل ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ناظم نے ان مصادر کا ذکر کیوں ترک کر دیا علامہ زمخشری اسماء میں ہمزہ وصل کی دو قسمیں کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے۔ وذلک من الاسماء فی نوعین احدهما اسماء غیر مصادر وھی ابن وابنۃ الخ والثانی مصادر الافعال التی بعد الفاتها اذا ابتُدِئَ بها اربعۃ احرف فصاعداً نحو انفعال وافتعال الخ -

ہمارے خیال میں ناظمؒ نے بھی اسی طرح اسماء کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

قولہ غَيْرِ اللَّامِ یعنی اسماء کے شروع میں لام تعریف کے ساتھ جو ہمزۂ وصل ہوتا ہے وہ مکسور نہیں ہوتا لیکن کیا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب ناظم کے کلام سے واضح نہیں، اور غالباً اس لئے وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ ہمزۂ وصل کی تین حرکات میں سے ضمہ اور کسرہ کو بیان کر دیا کہ کہاں کہاں آتے ہیں اور لام تعریف کے ساتھ آنے والے ہمزۂ وصل کی حرکت کو بیان نہیں کیا، کیونکہ مفہوم یہ ہے کہ ضمہ اور کسرہ کے علاوہ حرکت فتحہ لام تعریف والے ہمزہ کی سمجھو۔

اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ ہمزۂ وصل میں اصل کسرہ ہے مگر لام تعریف والے ہمزہ کو اہل زبان نے اس لئے فتحہ دیا کہ لام تعریف کا وقوع دیگر ہمزہ ہائے وصل کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے لہذا خفت کے لئے فتحہ ہی مناسب ہوا۔

اس میں اختلاف ہے کہ حرف تعریف صرف لام ہے اور ابتداء سکون کے تعذر کے سبب ہمزۂ وصل شروع میں لگایا گیا ہے یا صرف ہمزۂ وصل ہے، اور اس کو ہمزۂ استفہامیہ وغیرہ سے امتیاز کے لئے لام ساکنہ لگایا گیا ہے یا هَلْ کی طرح اَلْ مجموعہ حرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعریف ہے پہلا سیبویہ، دوسرا مبرد اور تیسرا خلیل بن احمد کا مذہب ہے لیکن عموماً جمہور کا رجحان سیبویہ کے مذہب کی طرف ہے۔ اسی لئے ناظمؒ نے صرف اَلْلَّامُ فرمایا۔

لام تعریف کثرت وقوع کی وجہ سے کہتے ہیں یعنی اکثر اس لام سے نکرہ کو معرفہ بنانے کا کام لیا جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہ اسماء کے لئے لازمی ہوتا ہے جیسے الذی ، الآن ، اللات وغیرہ

فائدہ :- ہمزہ وصلیہ مفتوحہ (ما قبل لام تعریف) پر ہمزۂ استفہامیہ داخل ہو تو ہمزۂ وصل حذف نہیں ہوتا تاکہ استفہام، خبر کے ساتھ ملتبس نہ ہو۔ بلکہ ہمزۂ وصل کو الف سے بدلا جاتا ہے اور التقاء ساکنین کی وجہ سے مد لازم کیا جاتا ہے، یا بین الہمزہ والالف تسہیل کی جاتی ہے۔ دونوں وجہیں صحیح ہیں مگر ابدال اولیٰ[1] ہے کیونکہ اس میں ہمزۂ وصل کا تغیر تام ہے قرآن میں یہ صورت چھ[2] جگہ باتفاق ءَآلذَّكَرَيْنِ انعام میں دو جگہ، ءَآلْئٰنَ یونس میں دو جگہ، ءَآللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ یونس میں، اور ءَآللّٰهُ خَيْرٌ نمل میں۔ اور ایک جگہ مختلف فیہ ہے۔ ءَآلسِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ابوعمرو بصری اور ابوجعفر مدنی ہمزۂ وصل کو ابدال یا تسہیل سے اور باقی جملہ خبریہ پڑھتے ہیں۔

اور اگر ہمزۂ استفہام ہمزۂ وصلیہ غیر مفتوحہ پر داخل ہو تو درج کلام ہونے کی وجہ سے حسب معمول ہمزۂ وصل ساقط ہوگا۔ یہ صورت قرآن میں سات جگہ ہے، ان میں سے پانچ متفق علیہ اور دو مختلف فیہ ہیں۔ متفق علیہ یہ ہیں۔ (۱) قُلْ اَتَّخَذْتُمْ (بقرہ)، (۲) اَطَّلَعَ الْغَيْبَ (مریم)، (۳) اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ (سبا)، (۴) اَسْتَكْبَرْتَ (ص)، (۵) اَسْتَغْفَرْتَ (منافقون) اور مختلف فیہ یہ ہے، اَصْطَفَى الْبَنَاتِ (صافات) اس کو ابوجعفر نے اور ورش نے بالخلف (بطریق طیبہ) ہمزۂ وصل پڑھا ہے اور باقی نے ہمزۂ استفہامیہ قطعیہ، اور اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا (ص) بصری، حمزہ کسائی ہمزۂ وصلیہ اور باقی استفہامیہ پڑھتے ہیں۔

نوٹ :- قرآن میں ہمزۂ وصلیہ مضمومہ پر کہیں ہمزۂ استفہامیہ داخل نہیں ہوا، جیساکہ تفصیلاً معلوم ہوچکا ہے۔ غیر قرآنی مثال جیسے اَضْطُرِدْتُمْ ہو سکتی ہے۔

ش ۱۲۳، اِبْنٍ مَّعَ ابْنَةِ امْرِئٍ وَّاثْنَيْنِ وَامْرَاَةٍ وَّاسْمٍ مَّعَ اثْنَتَيْنِ

(اور ہمزۂ وصل کا کسرہ اسماء جامدہ میں سے) اِبْنٌ میں مع اِبْنَتٍ، اِمْرِئٌ اور اِثْنَيْنِ اور اِمْرَاَةٍ اور اِسْمٍ میں مع اِثْنَتَيْنِ کے ہے۔

ل - یہ تمام الفاظ گذشتہ شعر کے آخر میں آنے والے حرف جر فِيْ کے مجرورات ہیں۔ گویا وَفِي الْاَسْمَاءِ اور

---

[1] ابوعمرو سے مروی ہے کہ ءَآلْئٰنَ وغیرہ میں ہمزہ وصل کو الف سے نہیں بدلا گیا بلکہ حسب معمول حذف ہوا ہے، البتہ اس کے حذف پر دلالت کے لئے الف فاصل لاحق کیا گیا ہے چنانچہ بولتے ہیں ءَآلْحَسَنُ عِنْدَكَ ؟ حاشیۂ الفیہ ابن مالک۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنی ابنٍ مَعَ ابنَۃٍ الخ معطوف علیہ ومعطوف مل کر خبر ہیں اور دونوں کے درمیان کسرھا مبتدا ہے۔
نوٹ :۔ لفظ مَعَ ظرف ہے کائنٍ مقدر کے متعلق ہو کر ماقبل کی صفت ہے۔

ح ۔ اس شعر میں ناظم رحؒ نے اُن اسماء کا ذکر فرمایا، جو مصادر نہیں لیکن ان کے شروع میں ہمزۂ وصل ہے، اس قسم کے اسماء عربی میں کل دس ہیں مگر اُن میں سے قرآن مجید میں کل سات کا وقوع ہوا ہے، ان سات میں بہر صورت ہمزۂ وصل مکسور ہوگا مفتوح یا مضموم نہیں جیساکہ ناظم رحؒ نے اسماءِ مکسورۃ الھمز پر ان کا عطف کرتے ہوئے توجہ دلائی ہے۔ یہ سات اسماء مع امثلۂ قرآنی کے درج ذیل ہیں۔

(١) اِبنٌ ۔ عِیسَی ابنَ مَریَمَ ، وَجَعَلنٰھَا وَابنَھَا۔
یہ لفظ اصل میں بَنَوٌ ہے۔ بفتحتین، واؤ پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے واؤ کو ساکن کیا اجتماعِ ساکنین[1] کی وجہ سے واؤ حذف ہوگئی اور اس کے عوض باء کو ساکن کرکے شروع میں ہمزۂ وصل بڑھایا گیا۔ اس کی دو جمع آتی ہیں اَبناء جیسے نَحنُ اَبنٰٓؤُا اللّٰہِ اور بَنُونَ جیسے اَلمَالُ وَالبَنُونَ۔
بعض اہل لغت نے اس کی اصل بَنیٌ یاء کے ساتھ قرار دی ہے مگر جمہور رد کرتے ہیں۔
نوٹ :۔ اَبناء میں ہمزۂ وصل نہیں بلکہ قطعی ہے، جیساکہ ہمزہائے قطعی کی آنے والی تفصیل سے انشاءاللہ معلوم ہوگا۔
(٢) اِبنَتٌ اصل میں بَنَوَۃٌ بروزن شَجَرَۃٌ ہے، اِبن کا مؤنث ہے جیسے مَریَمَ ابنَتَ عِمرٰنَ اور اِحدَی ابنَتَیَّ ھٰتَینِ ۔ لام کلمہ کی واؤ میں وہی تغیر ہوا جو اِبنٌ میں گذرا، قرآن میں متعدد جگہ اس کی جمع لفظ بنات آئی ہے جیسے وَبَنٰتٍ بِغَیرِ عِلمٍ، وَبَنَاتِ عَمِّكَ انکا جمع بَنُون کی طرح بغیر ہمزۂ وصل کے ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جمع میں باء مفتوح ہوگئی اور ابتدا بالساکن نہ ہونے کی وجہ سے ہمزۂ وصل نہیں آیا۔ البتہ اِبنَتٌ اور بِنتٌ کی طرح اِبنٌ میں دو لغتیں یعنی مع ہمزۂ وصل اور بغیر ہمزۂ وصل نہیں۔ کیونکہ اِبنَتٌ میں تیسرا حرف تاء تانیث آجانے سے جو اِبنٌ کا مؤنث ہے لفظ ثنائی نہیں رہا، لہذا ہمزۂ وصل کو حذف کرکے بِنتٌ بولا گیا بخلاف اِبنٌ کے، کہ ہمزہ وصل حذف کرکے لفظ ثنائی رہ جاتا تھا، لہذا ہمزۂ وصل باقی رکھا گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اِبنَۃٌ، اِبنٌ کا مؤنث ہے تاء تانیث قیاسی رسم کے مطابق گول لکھی جاتی ہے اگرچہ قرآن مجید میں رسم اصطلاحی کے طور پر ابنَتَ عِمرٰنَ میں تاء مطول ہے، جیساکہ رسم التاءات کے ذیل میں آچکا ہے، لیکن بِنتٌ کی تاء کا رسم قیاسی تاء مجرورہ ہی ہے، کیونکہ ہمزہ وصل نہ ہونے کی وجہ سے وہ مثل اصلی کے یعنی لمبی لکھی جاتی ہے۔
٣ اِمرِءٌ (انسان) جیسے لِکُلِّ امرِیٔ مِنھُم، اِنِ امرُؤٌ ھَلَكَ وغیرہ اس لفظ کی اصل مَرءٌ ہے، چونکہ آخر میں ہمزہ مُعرَّضِ سقوط میں ہے یعنی اکثر وقف میں اہل لغت حذف کر دیتے ہیں لہذا لفظ کو قلیل الحروف ہونے سے بچانے کے لئے

---

[1] یعنی واؤ اور نون تنوین دو ساکن جمع ہوئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شروع میں ہمزۂ وصل لگاتے ہیں۔ اس پر حرفِ تعریف یعنی اَلْ داخل نہیں ہوتا ہے، دوسری خصوصیت اس لفظ کی یہ ہے کہ اعرابی تغیرات نہ صرف آخر میں ہی بلکہ ماقبل آخر میں بھی ہوتے ہیں چنانچہ بولتے ہیں جَاءَ امْرُؤٌ بضم ہمزہ وراء، رَأَیْتُ امْرَأً بفتح ہمزہ وراء، مَرَرْتُ بِامْرِئٍ بکسر ہمزہ وراء۔ ایک لغت یہ بھی ہے کہ راء کو ہمیشہ مضموم یا مفتوح رکھا جائے۔

فائدہ:- تمام عربی زبان میں دو لفظ ہیں کہ اُن کا آخر اور ماقبلِ آخر دونوں پر اعرابی تغیرات ہوتے ہیں۔ اِمْرُؤٌ، اِبْنُمٌ جس کا ذکر عنقریب آتا ہے۔

اسی میں دوسری لغت اَلْمَرْءُ (مثلثۃ المیم) بھی ہے جیسے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ۔ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِہٖ یہ لفظ اکثر لام تعریف کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، اسکی جمع علی غیر لفظ رِجَالٌ ہے، مَرْءُوْن بھی آئی ہے۔

(۴) اِثْنَیْنِ جیسے اِلٰھَیْنِ اثْنَیْنِ۔ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ۔ مِنَ الضَّانِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ۔ حِیْنَ الْوَصِیَّۃِ اثْنَانِ۔ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ۔ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا۔ اِثْنَانِ مذکر کے لئے ہے اور اِثْنَتَانِ جو آگے آتا ہے مؤنث کے لئے ہے۔ ان دونوں کی اصل ثَنَیَانِ اور ثَنَیَتَانِ بروزن جَمَلَانِ اور شَجَرَتَانِ ہے، چنانچہ نسبت میں ثَنَوِیٌّ بولا جاتا ہے، لام کلمہ یعنی یا حذف کر دی گئی، اور شروع میں ثاء کو ساکن کرتے ہوئے ہمزہ وصل لے آئے۔

(۵) اِمْرَاَۃٍ جیسے قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ۔ اَوِ امْرَاَۃٌ وَّلَہٗ اَخٌ۔ اِمْرَاَتَیْنِ تَذُوْدَانِ۔ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ۔ وَامْرَاَتُہٗ قَائِمَۃٌ وغیرہ۔

اسی میں دوسری لغت مَرْءَۃٌ بھی ہے۔ مگر اِمْرَاَۃٌ اکثر بغیر لام تعریف کے اور مَرْءَۃٌ مع لام تعریف کے استعمال ہوتا ہے، دونوں کی جمع علی غیر لفظ نِسْوَۃٌ ہے۔ نیز یاد رہے کہ مَرْءَۃ بغیر ہمزۂ وصلی کے قرآن میں نہیں آیا۔

(۶) اِسْمٌ جیسے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ، بِسْمِ اللّٰہِ وغیرہ جمع اَسْمَاءٌ۔

اس کی اصل میں اختلاف ہے۔ بصریین کے نزدیک یہ لفظ سُمُوٌّ بمعنی بلندی سے اور کوفیین کے نزدیک وَسْمٌ سے ماخوذ ہے، جانبین کے دلائل و تردید اپنی جگہ پر مذکور و معروف ہیں۔

(۷) اِثْنَتَیْنِ جیسے مِنْہُ اثْنَتَا۔ اِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ اَسْبَاطًا۔ فَوْقَ اثْنَتَیْنِ۔ بحث لفظ اِثْنَانِ مذکر میں دیکھئے۔

ہمزہ وصلیہ مکسورہ والے اسمائے غیر مصادر قرآن میں سات ہی آئے ہیں اسی لئے ناظم ؒ نے انہیں کے بیان پر اکتفا کیا۔ لیکن لغتِ عربی میں ان سات کے علاوہ تین مزید پائے جاتے ہیں۔

۱۔ اِبْنُمٌ (بیٹا)، یہ بھی اِبْنٌ میں ایک لغت ہے، میم مبالغہ کے لئے زائد کی گئی ہے، اس اسم کے آخر کی حرکات مع ماقبل آخر کے متغیر ہوتی ہیں بولتے ہیں ھٰذَا ابْنُمٌ برفع نون و میم، اور رَاَیْتُ ابْنَمًا بنصب نون و میم، اور

ے متجد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مَوَدَّتُ بِابْنِمَا بحفض نون ومیم ۔ جیسا کہ اِمْرُؤٌ کے بیان میں آچکا ہے ۔

۲ - اَیْمُنٌ یہ اسم قسم کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ، مفرد ہے ، اور یُمْن بمعنی برکت سے مشتق ہے ۔ بصریین کے نزدیک اس کا ہمزہ وصلی ہے ، اور ابو عبیدہ کی رائے پر یہ لفظ یمین کی جمع ہے جیسے یَمِیْنُ اللّٰہِ اور اَیْمُنُ اللّٰہِ ۔ ابن کیسان وغیرہ کی بھی یہی رائے کہ یہ جمع ہے اور اصل میں ہمزہ قطعی تھا مگر کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہمزہ قطعیہ ساقط ہو جاتا ہے ۔ اس میں چوبیس ۲۴ لغتیں ہیں ۔ اَیْمُ اللّٰہِ ، هَیْمُ اللّٰہِ ، وغیرہ وغیرہ[1] یعنی قسم اللہ کی ۔

۳ - اِسْتٌ یا اِسْتَہٌ یا سِتْہٌ بمعنی سُرین ۔

ہمزھائے وصلیہ کا شمار

ناظم رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن میں ہمزہ وصلی حسب ذیل اسموں یا فعلوں میں آتا ہے ۔

۱ - ثلاثی مجرد کے امر میں ہمزۂ وصل کی حرکت تیسرے حرف کے اعتبار سے آتی ہے ، اگر تیسرے حرف پر زبر ، زیر یا ضمہ عارضی ہو تو تینوں صورتوں میں ہمزۂ وصل مکسور ہوگا ۔ اور اگر تیسرے حرف پر ضمہ اصلی ہو تو ہمزۂ وصل مضموم ہوتا ہے ۔

۲ - مزید کی ماضی مجہول میں ہر جگہ ہمزہ پر ضمہ ہوگا جیسے اُضْطُرَّ ، اُؤْتُمِنَ ، اُجْتُثَّتْ ۔

۳ - مزید کی ماضی معروف میں . . . . اور

۴ - مزید کے اُن مصادر میں کہ ہمزہ وصلی کے بعد پانچ یا چھ حروف ہوں ۔ اور

۵ - مزید کے امر حاضر معروف میں

(۶ تا ۱۲) اُن سات اسموں میں جن کا ذکر اوپر گذرا ان تمام میں ہمزۂ وصل ہمیشہ مکسور ہوتا ہے ، اور تیسرے حرف کی حرکت کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا ۔

۱۳ - اَلْ حرفِ تعریف کے ہمزۂ وصلیہ پر ہمیشہ فتحہ ہوتا ہے ۔

ہمزھائے قطعی

ہمزھائے وصل کی تمام انواع کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ، لہٰذا مذکورہ قسموں کے علاوہ ہر ہمزہ قطعی ہوگا ، کلمہ کی تین قسمیں ہیں اسم ، فعل ، حرف ، ان تینوں قسموں میں جہاں جہاں ہمزۂ وصل ہوتا ہے ناظم رحمہ اللہ کے بیان سے واضح ہو گیا کہ باقی تمام الفاظ خواہ اسم ہوں یا فعل یا حرف اُن میں ہمزہ قطعی ہوگا ، مثلاً اسم ثلاثی مجرد میں ہمزۂ اصلی ہو جیسے اِذْن اَکْل وغیرہ ، باب افعال کے ماضی و امر میں جیسے اَقْبَلَ اور اَکْرِمِيْ مَثْوٰاہُ ، مذکورہ سات اسماء غیر مصادر کے علاوہ ہر اسم کا ہمزہ قطعی ہوگا خواہ وہ ضمیر ہو جیسے اِیَّاکَ ، اَنْتَ یا عَلَم ہو جیسے اِبْرٰھِیْمَ ، اسم نکرہ ہو جیسے اُذُنٌ اِنْسَانٌ یا جمع ہو جیسے اَسْمَاءٌ ، اَسْوِرَۃٌ ، اَفْئِدَۃٌ یا اسم تفضیل ہو جیسے اَحْمَدُ ، اَعْلَمُ

اسی طرح فعلوں میں مضارع واحد متکلم کا ہمزہ قطعی ہوگا ، کیونکہ مضارع میں ہمزۂ وصل خواہ وہ کسی بھی باب سے ہو ، نہیں ہوتا جیسے وَاَعْتَزِلُکُمْ ، وَاَدْعُوْا ۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ ۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو شرح الفیہ ابن مالک رحمہ اللہ ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حرف ہیں بجز اَل حرف تعریف کے ہر جگہ ہمزۂ قطعی ہوگا جیسے اِنَّ ، اَنَّ ، اَنْ اِنْ ، اِذْ ، اَمْ ، اَوْ ، اِلَّا ، اِیْ وغیرہ وغیرہ۔

بَابُ الرَّوْمِ وَالْاِشْمَامِ

روم و اشمام کا بیان

ش۱۱۵ وَحَاذِرِ الْوَقْفَ بِكُلِّ الْحَرَكَهْ ‏ ‏ اِلَّا اِذَا رُمْتَ فَبَعْضَ الْحَرَكَهْ

ت۔ اور بچو پوری حرکت کے ساتھ وقف کرنے سے، مگر جس وقت کہ روم کرو تو حرکت کا کچھ حصہ پڑھو۔

ل ۔ حَاذِرْ حَاذِرَةٌ باب مُفَاعلت سے صیغۂ امر حاضر اَلْوَقْفَ مفعول بہ بِكُلِّ الْحَرَكَۃِ متعلق اَلْوَقْفَ بتقدیر معنیٔ فعل، یعنی حَاذِرْ اَنْ تَقِفَ بِكُلِّ الْحَرَكَه ۔ اِلَّا اِذَا رُمْتَ استثنا ہے اَلْوَقْفَ بِكُلِّ الْحَرَكَہ سے ، اِذَا حرفِ شرط رُمْتَ فعل ماضی معروف، جملۂ فعلیہ ہوکر شرط ۔ فَبَعْضَ الْحَرَكَۃُ لفظ بَعْضَ فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی بنا، پر منصوب ہے یعنی فَاْتِ بَعْضَ الْحَرَكَۃِ اور جملہ فعلیہ ہوکر جواب شرط ہے۔

ح " بَابُ مَعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ " کے شروع میں وقف کی تعریف گذر چکی ہے، وقف کی بحث دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے (۱) مَا يُوْقَفُ عَلَيْهِ یعنی معنی کے اعتبار سے وقف کہاں ہو، اور کہاں نہ ہو، (۲) مَا يُوْقَفُ بِهٖ یعنی کلمہ کے آخر میں وقف کس طرح ہونا چاہیئے ۔ اس باب میں یہ دوسری بحث ہی مقصود ہے، پہلی بحث گذر چکی ہے،

عربی کلام میں کلمات کے اَوَاخِر پر وقف کی متعدد صورتیں ہیں ان میں سے قراء کے یہاں مجموعی طور پر نو صورتیں[1] مستعمل ہیں۔

(۱) الحاق ، کلمات کے اواخر میں ھاءِ سکتہ بڑھانا جیساکہ یعقوب اور بزّی کے یہاں عَمَّ وغیرہ پر وقف میں ھا سکتہ کا اضافہ

(۲) اثبات مثلاً کلمات کے اواخر میں جو یاءات وصلاً محذوف ہوتی ہوں وقف میں ان کو باقی رکھنا ،

مثلاً وَاقٍ ، بَاقٍ ، هَادٍ ۔

اور مثلاً حفص رح کے لئے فَمَآ اٰتٰنِ (نمل) کے آخر میں یاءِ متکلم کا اثبات ۔

(۳) حذف ، مثلاً ان یاءات کو جو وصلاً پڑھی جاتی ہوں وقف میں حذف کرنا ۔

(۴) ادغام ، مثلاً امام حمزہ کے لئے قُرُوْٓءٍ کے ہمزہ کو وقف میں واؤ سے بدل کر ادغام کرنا ۔

(۵) نقل ۔ مثلاً امام حمزہ کے لئے دِفْءٌ ہمزہ کی حرکت فا کو دینا اور ہمزہ کو حذف کرتے ہوئے وقف کرنا ۔

(۶) بدل ۔ مثلاً زبر کی تنوین کو وقف میں الف سے بدلنا ۔ یا ھاءِ تانیث کو وقف میں ھاء ساکنہ سے بدلنا ۔[2]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو تفسیر اتقان صفحہ ۸۹ ج ۱ [2] نشر صفحہ ۱۲۰/۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیش نظر باب میں مذکورہ چھ وجہوں میں سے کسی کا بیان بھی مقصود نہیں، بلکہ خاص طور پر وقف بالاسکان والروم والاشمام کا بیان مقصود ہے۔

وقف میں کامل حرکت پڑھنا ناجائز ہے

قولہ : وَحَاذِرِ الْوَقْفَ بِكُلِّ الْحَرَكَهْ

یعنی وقف میں کامل حرکت پڑھنے سے بچو، اس کے مخالف مفہوم دو ہوئے، ایک یہ کہ وقف میں بعض حرکت یعنی حرکت کا کچھ حصہ پڑھنا جائز ہے، چنانچہ آگے صراحت کے ساتھ روم کی حالت اس کا جائز ہونا بتلائیں گے دوسرے یہ کہ حرکت کا کوئی حصہ بھی نہ پڑھا جائے بلکہ خالص سکون کے ساتھ وقف کیا جائے۔ اسی کو وقف بالاسکان کہا جاتا ہے۔

لہذا ناظمؒ کی عبارت پر یہ اشکال نہیں ہوتا کہ وقف، بالاسکان کو بیان نہیں کیا۔ اسی لئے شارح رومی فرماتے ہیں کہ
چونکہ وقف میں اصل اسکان ہے اس لئے ناظمؒ نے فرمایا کہ تمام حرکت کے ساتھ وقف کرنے سے بچو۔
شیخ زکریا انصاریؒ فرماتے ہیں۔
یعنی تمام حرکت کے ساتھ وقف مت کرو بلکہ یا تو اسکان محض کے ساتھ وقف کرو یا اشمام کے ساتھ سکون کو ادا کرو، جیسا کہ آئندہ آرہا ہے۔

بہرحال اسکان محض وقف میں اصل ہے، وقف اور سکون میں، اور سکون کے معنی بھی ٹھہرنے کے ہیں عربی میں جس طرح حرف ساکن سے کلمہ کی ابتدا نہیں ہوتی اسی طرح وقف میں کلمہ کا آخر متحرک نہیں ہوتا ہے۔
حرکت کے ساتھ وقف کرنے کو بعض نے شرعاً ناجائز کہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وقف صحیح طور پر کرنا ثواب وعبادت ہے، اور حرکت پر ٹھیرنا قابل عقاب وتہدید ہے۔ اور بعض کہتے ہیں عدم جواز سے شرعی نہیں بلکہ اصطلاحی مراد ہے، یعنی اہل فن کے نزدیک حرکت پر وقف کرنا قبیح اور لائق تعزیر ہے۔[1]

وقف میں اسکان اسی لئے اصل ہے کہ وقف کی غرض استراحت ہوتی ہے، اور تمام حرکات سے سکون اخف واسہل ہے، اسی لحاظ سے استراحت کے حصول میں اسکان اصل ہوا۔[2]

اسی لئے اکثر عرب کی لغت یہ اسکان ہی ہے اور اسی کو نحات کی ایک جماعت اور کثیر قراء نے اختیار کیا ہے۔[3] اور یہی وجہ ہے کہ وقف بالاسکان تمام حرکات میں ہوتا ہے بخلاف روم واشمام کے۔ جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔

رَوم

قولہ إِلَّا إِذَا رُمْتَ فَبَعْضُ الْحَرَكَهْ یعنی تمام حرکت کے ساتھ تو وقف کرنا صحیح نہیں البتہ اگر روم کے ساتھ وقف کرو تو حرکت کا کچھ حصہ پڑھنا صحیح ہوتا ہے۔

رَوم کے لغوی معنی طلب کے ہیں، اس لحاظ سے لفظ روم متعدی ہوا اور رُمْتَ کا مفعول ہونا چاہیئے، لیکن ظاہر ہے کہ ناظمؒ کی مراد روم سے لغوی معنی نہیں بلکہ اصطلاحی معنی ہیں، اصطلاحی معنی میں فعل کے مفعول کی کوئی حاجت نہیں رہی، ورنہ عبارت اس

---

[1] و [2] نہایۃ القول المفید ص ۲۰۷ [3] نشر ص ۱۲۱ ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح ہوتی رُمْتَ الْوَقْفَ بِالْحَرَکَۃِ مطلب یہ کہ اگر حرکت کے ساتھ وقف کرنا مطلوب ہی ہو تو پھر حرکت کا کچھ پڑھو، کامل حرکت نہیں۔

روم کی تعریف

روم کی مشہور تعریف عند القراء تو یہ ہے جو ناظم کے الفاظ سے مفہوم ہو رہی ہے یعنی النُّطْقُ بِبَعْضِ الْحَرَکَۃِ یعنی حرکت کے کچھ حصہ کا تلفظ کرنا۔

"کچھ حصہ کے تلفظ" سے بھی ایک متعین حصہ مراد ہوتا ہے، یعنی حرکت کا ایک تہائی۔ بعض نے روم کی تعریف کی ہے کہ حرکت کو خفی آواز سے ادا کرنا، یعنی آواز کا غالب حصہ باقی نہ رہے، صرف پست آواز سنائی دے، جس کو وہ قریب بیٹھنے والا شخص سن سکے جو پوری توجہ سے سن رہا ہو، چنانچہ علامہ شاطبیؒ روم کی تعریف میں فرماتے ہیں ؎

وَرَوْمُكَ إِسْمَاعُ الْمُحَرَّكِ وَاقِفًا ۔
بِصَوْتٍ خَفِيٍّ كُلَّ دَانٍ تَنَوَّلَا

ترجمہ:۔ روم یہ ہے کہ وقف کرتے ہوئے حرکت کو خفی آواز میں اس طرح سنانا کہ صرف قریب بیٹھا ہوا آدمی سن سکے"

روم کی تعریف کا یہ اختلاف حقیقی نہیں، چنانچہ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں وَكِلَا الْقَوْلَيْنِ وَاحِدٌ یعنی دونوں تعریفوں کا ایک ہی ماحصل ہے[1]۔

روم کے علاوہ ایک اور اصطلاح بھی ہے جس کو اختلاس کہتے ہیں، لغوی معنی اُچک لینا، اصطلاح میں حرکت کا دو تہائی پڑھنا یا ایسی آواز میں پڑھنا کہ اس کا غالب حصہ سنائی دے اور معمولی طور پر پستی ہو۔ ان دونوں میں فرق کی مزید توضیح آئندہ شعر میں آ رہی ہے۔

ش۵: إِلَّا بِفَتْحٍ أَوْ بِنَصْبٍ وَأَشِمَّ إِشَارَةً بِالضَّمِّ فِي رَفْعٍ وَضَمٍّ

ت۔ مگر فتح یا نصب میں نہیں، اور رفع یا ضمہ میں انضمام شفتین کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے وقف بالاشمام کرو۔

ل۔ إِلَّا بِفَتْحٍ أَوْ بِنَصْبٍ، رُمْتَ سے استثناء ہے، یعنی فتح یا نصب میں روم نہیں ہوتا یا بِبَعْضِ الْحَرَكَةِ سے ہے، یعنی فتح یا نصب میں بعض حرکت کے ساتھ وقف نہیں ہوتا۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ أَشِمَّ اشمام سے صیغہ امر، إِشَارَةً، أَشِمَّ سے تمیز ہے۔ بِالضَّمِّ، إِشَارَةً سے متعلق ہے، فِي رَفْعٍ وَضَمٍّ متعلق أَشِمَّ

نوٹ: بعض نسخوں میں إِلَّا بِفَتْحٍ وَبِنَصْبٍ ہے۔ قاریؒ

قولہ إِلَّا بِفَتْحٍ أَوْ بِنَصْبٍ یعنی روم کے ساتھ وقف تقریباً سبھی حرکات میں ہوگا مگر فتحہ یا نصب میں نہ ہوگا، وجہ عنقریب بیان ہوگی۔

---

[1] نشر ج ۲ ص ۱۲۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ :- فتحہ اور نصب سے انواع اعراب میں مغایرت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی زبر کی حرکت پر روم نہ ہوگا خواہ وہ حرکات اعرابیہ میں سے ہو یا حرکات بنائیہ میں سے۔ یاد رہے کہ رفع نصب اور جر اعرابی حرکات کو کہتے ہیں اور ضم و فتح اور کسر بنی کی حرکات ہیں۔ حاصل یہ کہ پیش اور زیر میں روم ہوگا، خواہ وہ رفع و جر ہو یا ضمہ و کسرہ، اور یہ حرکات خواہ اسم کے آخر میں ہوں یا فعل کے یا حرف کے، اور خواہ نون تنوین ہو یا نہ ہو۔

تنبیہ :- یاد رہے کہ روم و اشمام کے جواز میں وہ ظاہری حرکت مراد ہے جس کا تلفظ ہو رہا ہو خواہ وہ اصلی ہو یا کسی حرکت کے عوض میں ہو، لہذا جمع مؤنث سالم پر نصبی حالت میں بھی اسی طرح روم کرنا صحیح ہوگا جس طرح حالتِ رفعی و جری میں، کیونکہ نصبی حالت میں اس پر زبر نہیں بلکہ زیر ہوتا ہے۔ جیسے خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ ، وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ۔ اسی طرح غیر منصرف پر جب کہ زبر ہو تو روم نہ ہوگا۔ گو یہ حرکت حالتِ جری ہی کی ہو مثلاً اِلٰی اِبْرٰهِیْمَ ، بِاِسْحٰقَ ،

فائدہ :- فتحہ یا نصب میں قراء کے نزدیک روم نہیں ہے جیسا کہ ناظم رحؒ نے بیان فرمایا، لیکن نحویین کے یہاں یہ تینوں حرکتوں میں ہوتا ہے، قراء کا قول یہ ہے کہ فتحہ کی حرکت پر روم تکلف سے خالی نہیں، کیونکہ فتحہ حرکت خفیفہ ہے، اور خفت ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ فتحہ کی حرکت میں تبعیض اور تجزیہ متعذر ہے۔ کیونکہ جب اس کے بعض حصہ کو نکالنے کا ارادہ کیا جائے گا تو وہ پورا ہی ادا ہوگا، البتہ ضمہ اور کسرہ میں ثقل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اُن میں تبعیض ہو سکتی ہے[۱]۔

ہمارے خیال میں بظاہر یہ نزاع لفظی ہی سا ہے، کیونکہ اختلاس میں جو کہ فتحہ کی حرکت میں بھی ہو سکتا ہے قراء بھی تجزیہ کے قائل ہوئے ہیں۔ قراء کے یہاں یَهِدِّیْ کی ھا میں اور یَخِصِّمُوْنَ کی خا میں جو فتحہ کی حرکت ہے اس میں اختلاس ہوا ہے۔ البتہ اختلاف کا نتیجہ اس شکل میں اور اس عملی قید کے ساتھ سامنے آتا ہے کہ قراء کے یہاں لَا رَیْبَ اور اَنَّ الْمَسٰجِدَ پر وقف بالرّوم جائز نہیں۔ اور نحویین کے یہاں روم و اختلاس دونوں جائز ہیں یعنی وقف میں روم اور وصل میں اختلاس، اور ظاہر ہے کہ روم و اختلاس دونوں تلفظ میں قریب قریب ہی ہیں۔

فائدہ :- ناظم رحؒ نے فبعض الحرکہ سے اشارہ فرمایا ہے کہ نون تنوین روم میں حذف ہو جائے گا مثلاً اَحَدٌ اسی طرح یہ بھی نکلتا ہے کہ روم میں حرف صلہ جو ہائے کنایہ میں ہوتا ہے حذف ہو جائے گا مثلاً بِهٖ اور لَهٗ۔ نیز یہ یاد رہے کہ حرکت سے مراد حرکت اصلیہ ہے حرکت عارضیہ میں نہ روم صحیح اور نہ اشمام جیسا کہ عنقریب تفصیل آتی ہے۔

قولہ وَاَشِمَّ اِشَارَةً بِالضَّمِّ فِیْ رَفْعٍ وَّضَمِّ ۔ اشمام کے معنی بو سنگھانا ہیں، اصطلاح میں

اشمام اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ حرکت کی طرف اس طور سے اشارہ کیا جائے کہ اس کی آواز بالکل نہ ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ ہونٹوں کو اس طرح گول کیا جائے جس طرح وہ ضمہ ادا کرنے کی حالت میں ہوتے ہیں۔ دونوں تعریفوں کا ماحصل ایک ہی ہے۔ البتہ اتنا ضرور یاد رہے کہ یہ اشارہ حرف کے کامل سکون کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اور صرف رفع یا ضمہ میں ہوتا ہے، کوفیین سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ اشمام کو روم اور روم کو اشمام کہتے ہیں، چنانچہ مکی نے لکھا ہے کہ کسائی سے مروی ہے کہ اشمام

---

[۱] نشر ج ۲ ص ۱۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجرور میں بھی ہوتا ہے، اس روایت کو نقل کرکے مکی فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ کسائی کی مراد اشمام سے روم ہے کیونکہ کوفیین روم کو اشمام اور اشمام کو روم کہتے ہیں۔ بہرحال یہ اختلاف اصطلاحات کا ہوا۔ نہ کہ حقیقت کا۔

البتہ امام اللغت جوہری کا صحاح میں یہ کہنا کہ اشمام یہ ہے کہ ضمہ اور کسرہ کی طرف اشارہ کیا جائے اور اشمام روم سے حرکت کے تلفظ میں کم ہوتا ہے کیونکہ اشمام میں آواز نہیں ہوتی بلکہ ہونٹ متحرک ہوتے ہیں، جس کو ضعف کی وجہ سے حرکت کا نام نہیں دیا جاسکتا، وہ حرف جس میں اشمام کیا جاتا ہے ساکن یا مثل ساکن کے ہوتا ہے۔"

یہ اجماع نحات اور قراء کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اشمام کا محل جب کہ وہ اشارہ کے معنی میں مراد ہو جیسا کہ جمہور نحات وقراء کا مسلک ہے، صرف ضمہ[1] ہے۔

روم واشمام سے متعلق ضروری مباحث

ائمہ قراءات کی توضیحات

روم واشمام کے ساتھ وقف کی اجازت حسب ذیل ائمہ سے باجماعِ اہل نقل نص کے ساتھ مروی ہوئی ہے۔

ابوعمرو بصری، حمزہ، کسائی، خلف۔

امام عاصم سے روایت مختلف ہے۔ علامہ ابوعمرو دانی وغیرہ عاصم سے نص کے ساتھ اجازت نقل کرتے ہیں، ابن شیطا ائمہ عراق سے بھی یہی نقل کرتے ہیں، علامہ جزری بھی اس کو صحیح کہتے ہیں، اسی طرح ابوجعفر سے بھی روایت کی یہی صورت ہے۔

ان مذکورین کے علاوہ باقی ائمہ قرارت سے ان کی منصوص اجازت تو مروی نہیں[2]۔

البتہ تمام ائمہ اہل ادا اور مشائخ قراءت نے وقف بالروم والاشمام کی ہر دو قسموں کو تمام ائمہ قرارت کے لئے اختیار کیا ہے، گویا روم واشمام پر عمل تمام قراتوں کا اجماعی عمل ہے اور اپنی مخصوص شرائط کے ساتھ تمام قراء کے لئے پسندیدہ طریقہ ہے۔

پانچ اقسام، جن میں صرف وقف بالاسکان ہے

پانچ مواقع ہیں جن میں روم واشمام کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ صرف وقف بالاسکان ہوگا۔

(اوّل) موقوف علیہ پر سکون اصلی ہو جیسے فَلَا تَنْهَرْ، وَلَا تَمْنُنْ، وَمَنْ يَّخْتَصِمْ، وَمَنْ يُّهَاجِرْ، وَمَنْ وَمَنْ يُّقَاتِلْ، فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ۔

(دوم) موقوف علیہ مفتوح یا منصوب ہو، جیسے لَا رَيْبَ، وَاِنَّ اللّٰهَ، يُؤْمِنُوْنَ، ضَرَبَ،

(سوم) وہ ھا، جو تائے تانیث کے عوض اسماء کے آخر میں لاحق ہو جیسے الْجَنَّةَ، الْمَلٰٓئِكَةُ، الْقِبْلَةَ، لَعِبْرَةً، مَرَّةً۔

---

[1] و [2] نشر ص ۱۲۲ / ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نوٹ[۱]: ھاءِ تانیث پر روم و اشمام کے عدم جواز سے یہ مراد ہے کہ وقف ھاء کے ساتھ کیا جا رہا ہو جو ھاء ساکنہ تاءِ تانیث کے عوض میں ہوتی ہے گویا وقف ایسے حرف پر ہوتا ہے جس پر کسی اعراب کی گنجائش نہیں ہوتی، البتہ جب اس پر تاء کے ساتھ وقف کیا جائے، چنانچہ تاء کے طویل مرسوم ہونے کی صورت میں رسم الخط کا اتباع کرتے ہوئے جن قراءتوں میں تاء پر ہی وقف کیا جا رہا ہو جیسا کہ گذر چکا ہے، تو روم و اشمام جائز ہیں، کیونکہ وقف اسی حرف پر کیا جاتا ہے، جس پر اس کی اپنی حرکت لازمہ ہو۔

چہارم، میم جمع پر روم و اشمام نہ ہوگا، خواہ صلہ والی قراءت ہو یا اسکان میم والی، جیسے عَلَيْهِمُ أَنذَرْتَهُمْ، وَفِيهِمْ وَمِنْهُمْ، وَبِهِمْ، عَلَىٰ سَمْعِهِمْ هَاؤُمُ اقْرَءُوا

مکی کے اس قول کو شاذ قرار دیا گیا ہے جس میں انہوں نے صلہ والی قراءت میں میم جمع پر روم و اشمام کو جائز کہا ہے اور ھاءِ ضمیر پر قیاس کرتے ہوئے جواز پر دلائل قائم کئے ہیں۔ مگر یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ ھاءِ ضمیر صلہ سے پہلے متحرک تھی بخلاف میم جمع کے، کہ وہ اصل میں ساکن تھی، لہٰذا میم جمع پر وقف بالاسکان ہی ہوگا، صلہ کی حرکت کو عارضی سمجھا جائے گا۔

پنجم) وصل میں موقوف علیہ عارضی حرکت سے متحرک ہو، خواہ یہ حرکت عارضی التقاءِ ساکنین کی وجہ سے لاحق ہوئی ہو جیسے قُمِ اللَّيْلَ، أَنذِرِ النَّاسَ، وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ، لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ، اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ، عَصَوُا الرَّسُولَ۔

اسی طرح حِينَئِذٍ اور يَوْمَئِذٍ بھی ہیں، کیونکہ ذال کا کسرہ تنوین عوض کے الحاق کی وجہ سے عارض ہوا ہے، تنوین وقف میں زائل ہوگی تو ذال اپنی اصلی حالت یعنی سکون کی طرف لوٹ جائے گا۔

اور خواہ عارضی حرکت، نقل کی وجہ سے آئی ہو جیسے وَإِخْوَانَ، مِنْ إِسْتَبْرَقٍ، فَقَدْ أُوتِيَ وغیرہ۔

موقوف علیہ جس پر صرف اسکان و روم جائز ہیں

وہ موقوف علیہ جس پر صرف وقف بالاسکان یا وقف بالروم ہو سکتا ہے وقف بالاشمام جائز نہیں۔ یہ اس وقت ہے کہ موقوف علیہ وصل میں کسرہ کے ساتھ متحرک ہو، خواہ یہ کسرہ اعرابی ہو یا بنائی، جیسے بِسْمِ اللَّهِ، يَوْمِ الدِّينِ، وَمِنَ النَّاسِ، فَاذْهَبُونِ، وَارْجِعُونِ، أُفٍّ، هَٰؤُلَاءِ، سَبْعَ سَمَاوَاتٍ، زَنِيمٍ،

کلمہ کے آخر سے کسی حرف کے حذف ہو جانے کے بعد درمیان کا حرف مکسور ہو تو اس پر بھی اسکان و روم صحیح ہیں جیسے قَاضٍ، کہ اصل میں قَاضِيٌ تھا، دَبٍّ کہ اصل میں دَبِيٌّ تھا، تُنَجِّ کہ اصل میں تُنَجِّي تھا۔

وقف بالاسکان و الروم والاشمام

وصل میں موقوف علیہ ضمۂ اصلی کے ساتھ مضموم ہو تو تینوں وقف صحیح ہوتے ہیں، خواہ ضمۂ اعرابی ہو یا بنائی، موقوف علیہ کلمہ کا آخری حرف ہو یا آخری حرف حذف ہو جانے کی وجہ سے درمیان والا موقوف علیہ ہو گیا ہو، تمام کی مثالیں۔ حرکت اعرابی، جیسے اللَّهُ الصَّمَدُ، يَخْلُقُ، عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ حرکت بنائی جیسے، مِنْ قَبْلُ، وَمِنْ بَعْدُ، آخر سے محذوف کی مثال جیسے وَيَدْعُ الْإِنسَانُ میں يَدْعُ کہ اصل میں يَدْعُوا تھا۔

---

۱ نشر ص ۱۲۲ ج ۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمہ عارضہ پر روم و اشمام جائز نہیں، خواہ یہ ضمہ التقاءِ ساکنین کی وجہ سے ہو جیسے عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ، عَفَوُا الرَّسُوْلَ یا ضمہ منقول ہو مثلاً ورش کے یہاں قُلُ اُوْحِيَ

ھاءِ ضمیر پر روم و اشمام ھاءِ ضمیر پر روم و اشمام میں مشائخ کا اختلاف ہے، اکثر اہل ادا نے مطلقاً جائز کہا ہے، اور کچھ حضرات نے مطلقاً ناجائز کہا ہے، اس لحاظ سے کہ ضمیر کی حرکت عارضی ہوتی ہے۔ علامہ شاطبی کے کلام سے بھی کچھ ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ علامہ دانی نے ان دونوں وجہوں کو جیّد قرار دیا ہے۔

لیکن محققین نے اس میں تفصیل بیان کی ہے کہ جب ھاءِ ضمیر سے پہلے ضمہ یا واؤ ساکنہ یا کسرہ اور یاءِ ساکنہ ہو تو روم و اشمام ناجائز ہے جیسے يُعَلِّمُهُ، اَمْرُهُ، خُذُوْهُ، لِيَرْضَوْهُ، بِهِ، فِيْهِ، اِلَيْهِ۔

عدم جواز کی وجہ طلب خفت ہے، تاکہ ضمہ یا واؤ سے ضمہ یا اس کے اشارہ کی طرف خروج لازم نہ آئے، اسی طرح کسرہ یا یاءِ ساکنہ سے کسرہ کی طرف خروج نہ ہو، جس میں ایک گونہ ثقالت ہے۔

اور صورت مذکورہ نہ ہو تو روم و اشمام کی اجازت دی ہے جیسے مِنْهُ، عَنْهُ، اِجْتَبٰهُ، اَنْ يُّعَلِّمَهُ، وغیرہ۔

روم و اشمام کا فائدہ روم و اشمام کا تعلق افادہ یا استفادہ سے ہے جو استاذ و شاگرد کے درمیان دائر ہوتا ہے، علامہ جزری فرماتے ہیں ہمارے مشائخ ہمیں روم و اشمام کرنے کی تاکید کرتے تھے تاکہ موقوف علیہ کی حرکات سے ہمیں آگاہی حاصل ہو۔

دوسرے یہ کہ عموماً جب موقوف علیہ حرف حلقی وغیرہ ہو اور اس کا ماقبل صحیح ساکن ہو تو وہاں وقف بالروم، وقف بالاسکان سے اسہل ہوتا ہے جیسے وَالْفَتْحُ، مِنْهُ، يُضْلِلُهُ، قَدْرٌ، صَبْرٌ وغیرہ۔

اس لحاظ سے کوئی سامع نہ بھی ہو تو تالی کیلئے روم کی ضرورت کا درجہ باقی رہتا ہے۔ ایک فائدہ سامعین کی موجودگی میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کئی روایات کو جمع کر کے پڑھے اور موقوف علیہ میں حرکت مختلف فیہ ہو تو روم و اشمام کے ذریعہ اختلاف قراءت کو واضح کر سکتا ہے جیسے كُنْ فَيَكُوْنُ، کہ ایک قراءت میں فَيَكُوْنَ کا نون مرفوع اور دوسری میں منصوب ہے، اسی طرح قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمَ۔ اور يَوْمُ۔

وقف علی المشدّد موقوف علیہ مشدد ہو جیسے صَوَآفَّ، يُحِقَّ الْحَقَّ، لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ صَدَّ، كَانَّ، عَلَيْهِنَّ تو وقف میں تشدید کو باقی رکھکر وقف کرنا چاہیئے۔ خواہ اسکان کے ساتھ ہو یا روم و اشمام کے ساتھ۔ نیز اگر مشدد مفتوح ہو تو چونکہ وقف بالاسکان ہی ہوگا۔ اسلئے موقوف علیہ پر فتح پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیئے، ایسی صورت میں چونکہ ساکنین جمع ہو جاتے ہیں تو بعض لوگ اجتماع ساکنین کی ثقالت سے بچنے کے لئے موقوف علیہ کو مفتوح پڑھ دیتے ہیں جو غلط ہے صحیح یہ ہے کہ موقوف علیہ کو ساکن رکھے اور تشدید بھی باقی رکھے، کیونکہ اس طرح بیشک اجتماع ساکنین ہوگا جس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ توقف میں اجتماع ساکنین مطلقاً جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ تشدید ادا کئے بغیر لفظ کو مخفف پڑھنا بھی لحن جلی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشدد کے ادا کرنے میں ایک الف کی دیر لگتی ہے، لہٰذا موقوف علیہ مشدّد اگر شدیدہ ہو تو ایک الف کی دیر آواز بند رکھے اور اگر رخوہ ہو تو ایک الف کے برابر آواز کو جاری رکھے۔

لطیفہ:۔ بَابُ مَعْرِفَتِهِ الْوُقُوْفِ سے شروع ہوکر یہاں تک وقف وابتدا کے مسائل ختم ہوگئے۔ کتاب کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ تجوید الحروف پر دوسرا معرفۃ الوقوف پر مشتمل ہے گویا یہ رسالہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشہور قول اَلتَّرْتِيْلُ هُوَ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ کی شرح ہے۔ شارح رومی اور قاری رحمہما اللہ نے خوب فرمایا کہ ناظمؒ نے علم تجوید کے مباحث کو وقف کے مباحث پر ختم فرمایا ہے ایک طرف وقف کے معنی ٹھیر جانے کے ہیں دوسری طرف ناظم رحمہ اللہ کا قلم بھی مسائل کے بیان میں ٹھیر گیا۔

خَاتِمَةُ الْكِتَابِ

ش ۱۰۶ وَقَدْ تَقَضّٰى نَظْمِيَ الْمُقَدِّمَهْ مِنِّيْ لِقَارِئِ الْقُرْاٰنِ تَقْدِمَهْ

ت:۔ اور بیشک میرا اِس مقدمہ کو نظم کرنا ختم ہوا۔ یہ میری طرف سے قرآن پڑھنے والوں کو تحفہ ہے۔

ل۔ تقضّٰی باب تفعّل سے ماضی واحد مذکر غائب، نَظْمِيَ مصدر مضاف الی الفاعل اَلْمُقَدِّمَهْ نظم مصدر کا مفعول، ۔ نظم، مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول سے ملکر تَقَضّٰی کا فاعل۔ مِنِّيْ ظرف مستقر ہوکر خبر مقدم اور تَقْدِمَهْ لِقَارِئِ الْقُرْاٰنِ مبتدا مؤخر، اور مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ (اَلْقُرَانِ بحذفِ ہمزہ ہے)

گویا پہلے مصرعہ میں جملہ فعلیہ ہے اور دوسرے مصرعہ میں جملہ اسمیہ ہے۔ اور شارح یمنیؒ نے اِس پورے شعر کو ایک ہی جملہ قرار دیا ہے یعنی قَدْ تَقَضّٰی فعل نَظْمِيَ فاعل اَلْمُقَدِّمَهْ، مصدر نظم کا مفعول بہ ذوالحال لِقَارِئِ الْقُرْاٰنِ اور مِنِّيْ دونوں جار مجرور متعلق تَقْدِمَهْ اور تَقْدِمَةً، اَلْمُقَدِّمَهْ سے حال۔

لِقَارِئِ اگر صیغہ واحد ہے تو بطور جنس کے ہر قاریٔ قرآن مراد ہے، یا یہ اصل میں قَارِئِيْنَ جمع ہے اور اضافت کی وجہ سے نونِ جمع حذف ہوگیا ہے تَقْدِمَهْ باب تفعیل سے اسم مصدر ہے جو بمعنی پیشکش اور تحفہ ہے۔

المقدمہ اور تقدمہ میں صنعت جناس ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کہ ایک عبارت میں ایک مادہ کے دو یا زائد مشتقات کو دو علیحدہ علیحدہ معنی میں بولنا جیسے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ۔

فائدہ:۔ تَقَضّٰی بابِ تفعّل سے بمعنی انتہا کو پہنچنا، لازم مادہ قَضٰی از باب ضَرَبَ متعدی ہے یعنی پورا کرنا جیسے مِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ یعنی بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی مدتِ حیات پوری کر لی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قاریؒ، صحاح کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ یہ لفظ باب تفعل اور انفعال لازم آیا ہے تَقَضّٰی اور اِنْقَضٰی کے معنی یہ ہوئے کہ میرے نظم کرنے کا کام پورا ہوگیا۔

شارح رومی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اصل میں تَقَضَّضَ ہے، آخری کے ضاد کو تخفیفاً خلاف قیاس یاء سے بدلا گیا، اور لفاعدہ دَعٰی یاء کو الف کیا گیا چنانچہ تَقَضّٰى البَازِي کے معنی ہیں کہ باز (شکار پر) گرا۔

رومی کی اس رائے کو قاریؒ نے غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لفظ مضاعف نہیں بلکہ ناقص ہے۔ مگر ہمارے خیال میں رومی کو یہ کوئی مغالطہ نہیں ہوا، بلکہ علم لغت سے رومی کی تائید مزور ملتی ہے، بات اصل میں یہ ہے کہ قَضٰی کا مادّہ انفعال میں اِنْقِضَاءٌ ضرور ملتا ہے اسی وجہ سے بعض نسخوں میں قَلَا انْقَضٰی آیا ہے، جس کو رومی نے مرجوح قرار دیا ہے مگر ہمارے خیال میں لغوی پیچیدگی کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اچھا نسخہ ہے، بہرحال قَضٰی سے باب تفعل میں تَقَضّٰی نہیں ہے شارح رومی کی رائے ہے کہ یہ لفظ قَضَضَ سے ہے جس کے معنی گرنے کے آتے ہیں۔ لغت میں ہے تَقَضَّى البَازِي، اِنْقَضَّ واصله تَقَضَّضَ، اُبْدِلَتِ الضَّادُ الاَخِيرَة يَاءً لِلتَّخْفِيفِ، اور صاحب صحاح نے جو فرمایا ہے کہ تقضی وانقضی بمعنی واحدٍ وان کان بابهما مختلفًا۔ باب سے صاحب صحاح کی مراد مادّہ ہے یعنی اگرچہ اُن دونوں کا مادّہ الگ الگ ہے ایک کا قضی ہے اور دوسرے کا قضض ہے، لیکن مراد دونوں کی ایک ہی ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوا علامہ جزری فرماتے ہیں کہ "بتدریج میری یہ نظم سقوط کو پہونچی یعنی ختم ہوگئی"[1]

خلاصہ یہ کہ رومی کی تحقیق، جیسا کہ سطحی نظر میں معلوم ہوتا ہے بے وزن نہیں ہے تَقَضَّضَ میں ضاد اخیرہ کا یاء سے بدلنا ایساہی ہے جیسا کہ قرآن میں دَسّٰهَا میں ہے کہ اصل میں دَسَّسَهَا تھا دوسرے سین کو یاء سے بدلا گیا۔

ش: اَبْيَاتُهَا قَافٌ وَزَايٌ فِي الْعَدَدْ ۔ مَنْ يُحْسِنِ التَّجْوِيْدَ يَظْفَرْ بِالرَّشَدْ

ت۔ اس مقدمہ کے اشعار تعداد میں قاف اور زا ہیں جو تجوید کو اچھی طرح جان لیتا ہے وہ استقامت کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے[2]

ل۔ اَبْيَاتُهَا مبتدا قَافٌ وَزَايٌ ذوالحال فِي الْعَدَد۔ کائنًا کے متعلق ہوکر حال، ذوالحال وحال، خبر اور جملہ اسمیہ۔ مَنْ يُحْسِنِ التَّجْوِيْدَ شرط يَظْفَرْ بِالرَّشَدْ جزا (جملہ شرطیہ)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ لفظ زای کے آخر میں لکھی تو جاتی ہے یاء مگر تلفظ ہمزہ کا کرنا چاہیئے۔ يَظْفَرْ ارباب سمع رَشَدٌ مصدر بمعنی استقامت واہتدا[3]

اَبْيَات، بیت کی جمع ہے بمعنی اشعار۔ لفظ بیت کی جمع بیوت ہو تو بمعنی گھر ہوتا ہے، ابیات ہو تو بمعنی شعر ہوتا ہے۔

---

[1] منجد، مادہ قضی [2] بعض اردو شارحوں نے ترجمہ کیا ہے مقدمہ تکلف اور بناوٹ کے طریق پر ختم ہوگیا" نہایت غلط اور مہمل ترجمہ ہے۔ [3] منجد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اثر منقول ہے[1] کہ

قال حروف ابجد ما منها حرف الا وهو مكتوب في صفحات العرش بالنور وما منها كلمة الا في آجال قوم واعمال قوم ومدة قوم۔

حروف ابجد کے تمام حروف عرش کے صفحات میں نور سے لکھے ہوئے ہیں، اور ان حروف سے مرکب ہر کلمہ میں قوموں کی اموات ان کے اعمال اور ان کی مدت حیات لکھی ہوئی ہے۔

غالباً اسی اثر سے یہ طریقہ چلا کہ اکابر و اسلاف نے ابجد کے حرفوں سے یا اعداد و شمار پر اشارہ کرنے کے لئے خاص الفاظ کا استنباط کیا۔ حتیٰ کہ یہ ایک مستقل فن بن گیا۔

اسی عادت کے تحت علامہ جزری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مقدمہ کے اشعار قاف اور زا ہیں، چنانچہ حرف قاف کے مقررہ عدد سو اور حرف زا کے سات ہیں، مطلب یہ ہوا کہ اس مقدمہ کے اشعار ایک سو سات ہیں۔ قاف اور زا سے لفظ قَزٌ یا قَزُ بنتا ہے، قَزَّ، قَزًّا (باب نصر و ضرب) بمعنی ہر قسم کے میل کچیل سے پاک صاف ہونا[2]۔ گویا عبارت اصل میں اس طرح ہے أبياتها قُزَّ یعنی ذو قَزٍّ مطلب یہ ہوا کہ اس مقدمہ کے اشعار ہر قسم کے لغو اور فضول کلام سے پاک ہیں۔

یا قَزٌّ (بالفتح) بمعنی ریشم ہے، یعنی اس مقدمہ کے اشعار ریشم کی طرح ملائم اور سُبک ہیں۔ یاد رہے کہ خَزٌّ یا قَزٌّ بمعنی ریشم اور حریر ہوتا ہے[3]۔

فائدہ:- بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے چنانچہ رومی اور قاری نے یہ شعر نہیں لکھا، ہوسکتا ہے کہ یہ شعر بعد میں حضرت ناظم کے تلامذہ میں سے کسی نے یا بعد میں کسی اور نے نظم کرکے املا کے آخر میں لکھ لیا ہو، اور بعد میں اس کو املا میں دیکھ کر داخل نظم سمجھ لیا گیا ہو پھر نقل در نقل کچھ نسخوں میں شائع ہوگیا ہو۔ آئندہ آنے والے اشعار میں بھی کچھ یہی صورت ہے چنانچہ ہم اسکی توضیح کریں گے،
میرے خیال میں زیادہ صحیح وہ نسخہ ہونا چاہیئے جو صاحبزادۂ ناظم احمد الجزری رحمہ اللہ کی شرح میں ہو اور اسی کو سامنے رکھ کر شارح رومی و قاری نے اپنی شرحیں مرتب کی ہیں۔

شمار کے اعتبار سے یہ شعر ایک سو ساتواں ہے اور اکثر نسخوں میں ترتیب کے لحاظ سے اسی جگہ ہے۔ بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ کل اشعار ۱۰۹ آئے ہیں، ناظم کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ کل ایک سو سات اشعار ہیں، جواب یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر کتاب کو ختم کرنے کی نیت سے شعروں کی کل شمار بتلادی گئی ہے، اس کے بعد آنے والے دو شعروں کو محض برائے حمد و صلوٰۃ اور تبریک کیلئے لایا گیا مگر ان کو شمار میں داخل نہیں کیا گیا۔

شیخ الاسلام زکریا کی شرح میں یہ شعر بالکل آخری ہے اس نسخہ کی بنا پر ایک سو سات کی جو توجیہ اختیار کی گئی ہے وہ نہایت موزوں ہوجاتی ہے یعنی ایک سو نو اشعار میں سے پہلا شعر یقول راجی عفو رب سامع اور آخری یعنی قاف و زا والا شعر شمار سے خارج کرکے ایک سو سات تعداد بتلائی گئی ہے گویا پہلا اور آخری شعر داخل کتاب نہیں، بلکہ ان سے تمہید و تعارف یا ابیات کے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو شرح شاطبیہ لملا علی قاری ص۱۷ [2] منجد [3] منجد

www.KitaboSunnat.com

شمار پر تبصرہ مقصود ہے۔

ش ۱۰۸۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَهَا خِتَامُ ثُمَّ الصَّلٰوةُ بَعْدُ وَالسَّلَامُ

ت۔ اور الحمد للہ ہی اس مقدمہ کا خاتمہ ہے اس کے بعد صلوۃ و سلام ہو

ش ۱۰۹۔ عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى مُحَمَّدًا وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ ذَوِي الْهُدٰى

ت۔ حضرت نبی مصطفٰی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ پر جو ہدایت والے تھے۔

ل۔ ختام بکسر خاء جس پر کوئی چیز ختم کی جائے لھا کی ضمیر مؤنث مقدمہ کی طرف راجع ہے مُحَمَّدًا، منصوب ہونے کی وجہ مدح ہے یعنی اَمْدَحُ فعل مقدر ہے اور جملہ معترضہ ہے

مقدمہ کی تالیف سے فارغ ہو کر ناظم علیہ الرحمۃ اللہ تعالٰی کا شکر بجا لاتے ہیں الحمد للہ کلمۂ شکر کے طور پر ہے، نظم کو شروع بھی اسی کلمہ سے کیا گیا ہے اور ختم بھی اسی پر کیا گیا، ابتدائی حمد میں استعانت اور اللہ تعالٰی سے استمداد کا پہلو پیش نظر ہے تاکہ یہ تالیف ابتری اور بے رونقی سے محفوظ رہے اور اس آخری الحمد للہ میں اللہ کے شکر کا پہلو ہے کہ بخیر و عافیت فراغت نصیب فرمائی۔

اسی طرح اول و آخر میں صلوۃ و سلام لا کر اپنی اس تالیف کو قبول بارگاہی کے قریب لانے کی نیت ہے۔ سلیمان دارانی نے یہ خوب فرمایا کہ چونکہ صلوۃ و سلام رد نہیں ہوتے اور اللہ تعالٰی اس سے بلند و منزہ ہے کہ کسی شئی کے اول و آخر کو تو قبول فرمائے اور درمیان کو رد فرمادے۔

فائدہ :۔ مذکورہ بالا دونوں اشعار ہم نے ایک نسخۂ مصریہ اور شرح رومی سے نقل کئے، ملا علی قاری رحؒ کے یہاں دوسرا شعر اس طرح ہے۔

عَلَى النَّبِيِّ اَحْمَدَ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَتَابِعِيْ مِنْوَالِهٖ

ترجمہ۔ نبی کریم احمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے آل و اصحاب پر اور آپ کی سنت کی پیروی کرنے والوں پر۔

نوٹ۔ اَحْمَدِ ضرورۃً منصرف ہے۔

اور بعض نسخوں میں اس شعر میں بجائے اَحْمَدِ، الْمُصْطَفٰى ہے اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے یہاں یہ شعر اس طرح ہے۔

عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى الْمُخْتَارِ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الْاَطْهَارِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الحمد للہ ان حواشی کی تکمیل و کتابت سے فارغ ہو گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس بیحد گرانی کے دور میں اس کی طباعت و نشر کا بھی انتظام فرما دے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اظہار احمد تھانوی
پروفیسر کلیہ اصول الدین والدعوہ
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی
اسلام آباد پاکستان۔

مورخہ ۲۴ رجب ۱۳۹۴ھ
۱۴۔ اگست ۱۹۷۴ء
چہار شنبہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قراءت اکیڈمی کی مطبوعات

☆ **جمال القرآن:** کتابت، طباعت دیدہ زیب، سرورق انتہائی خوش نما، قاری اظہار احمد صاحب تھانوی کے حواشی سے مزین۔

☆ **تیسیر التجوید:** تالیف ماہر فن حضرت مولانا قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوری، تجوید کے مسائل میں جامع اور مستند کتاب، حاشیہ میں قاری اظہار احمد صاحب تھانوی کے قلم سے عمدہ تشریحات۔

☆ **فوائد مکیہ:** معہ حاشیہ بے نظیر تعلیقات مالکیہ حضرت قاری عبدالمالک صاحب کے نہایت علمی اور پُر مغز حواشی سے مزین۔

☆ **مقدمۃ الجزری:** معہ تحفۃ الاطفال، آخر میں ترتیب وار اشعار کا ترجمہ مترجم قاری اظہار احمد صاحب تھانوی۔

☆ **الجواہر النقیہ:** شرح جزری اُردو، مکمل فنی معلومات کا خزانہ، از قاری اظہار احمد صاحب تھانوی۔

☆ **امانیہ:** شرح شاطبیہ اُردو، غیر ضروری طوالت سے خالی، آسان اور عام فہم اُردو میں اشعار کی تشریح، طلباء کے لیے نہایت مفید، از قاری اظہار احمد تھانوی (دو جلدوں میں مکمل)

☆ **البدور الزاہرہ:** عشرہ کے اجراء کے لیے مشہورِ زمانہ کتاب، از شیخ عبدالفتاح القاضی۔

☆ **مجموعۂ نادرہ:** تجوید القرآن، یادگار حق القرآن اور تعلیم الوقف کا نادر مجموعہ معہ حواشی نادرہ از قاری اظہار احمد صاحب تھانوی۔

☆ **افضل الدرر:** شرح رائیہ عربی از حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادی، قراءت کی مقبول عام کتاب۔

☆ **خلاصۃ التجوید:** از قاری اظہار احمد صاحب تھانوی، تجوید کے تمام مسائل کا خلاصہ اسم بامسمیٰ۔

www.kitabosunnat.com

ملنے کا پتہ

قراءت اکیڈمی، ۲۸- الفضل مارکیٹ، ۱۷- اُردو بازار لاہور ۲

10978

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "